الصارم المسلول

علی

شاتم الرسول

رحمۃ اللہ علیہ
امام ابنِ تیمیہ

مترجم:
علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

اردو ترجمہ

الصارم المسلول

علیٰ

شاتم الرسول

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 داتا گنج بخش روڈ، لاہور ☎ 042-37313885, 37070063

E-mail: nooriarizvia@hotmail.com

نام کتاب	——	الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول
مصنف	——	امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	——	علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ
تعداد صفحات	——	۵۲۷
کمپوزنگ	——	**ورڈز میکر**
تاریخ اشاعت	——	اپریل ۲۰۱۰ء/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
طابع	——	سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری
کمپیوٹر کوڈ	——	1N-141
قیمت	——	500روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور فون37313885-7070063

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون:041-2626046

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور
042-37246006

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
انفال سنٹر اُردو بازار کراچی
021-32630411

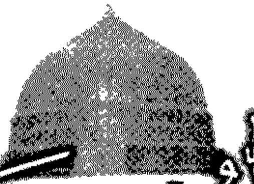
مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی کراچی
021-34910584

احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5558320

اسلامک بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5536111

مکتبہ رضویہ
آرام باغ کراچی
021-32216464

بسم الله الرحمن الرحيم



اللّٰهمّ

صلّ على سيّدنا ومولانا محمّدٍ وعلى آله

وصحبه وبارك وسلّم

مولاي صلّ وسلّم دائمًا أبدًا

على حبيبك خير الخلق كلّهم

محمّدٌ سيّد الكونين والثّقلين

والفريقين من عُربٍ ومن عجم

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

ترتیب

تقدیم از مترجم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی الہ و اصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب ''الصارم المسلول'' شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم تصنیف ہے۔ یہ کتاب جرم اہانتِ رسول ﷺ کی قانونی سزا کے ثبوت میں حرف آخر بھی ہے اور غیرت ایمانی کا بے نظیر نمونہ بھی' علمائے امت نے مؤلف موصوف کے بعض تفردات (مثلاً مسئلہ تجسیم باری تعالیٰ مسئلہ شد رحال اور تطلیق ثلاثہ وغیرہا) کے باوجود اس کتاب سے شدید اعتناء کیا اور مسئلہ مذکورہ پر اسے اہم شرعی (قانونی) دستاویز قرار دیا کیونکہ اس میں ناموسِ رسالت کے تحفظ' مقام رسالت کی عظمت و رفعت اور حریم نبوت کی نزاکت و لطافت کو دلائل و براہین سے پیش کر کے ثابت کیا کہ محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ کا ادب و احترام ایمان کی جان اور دل کا تقویٰ ہے اور یہاں ادنیٰ سی بے احتیاطی اور بے ادبی کائنات ہستی کا سب سے بڑا جرم بن جاتی ہے' اس بارگاہ ناز کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ یہاں آواز بلند ہو جائے تو فردِ عمل کا ہر نقش خیر مٹ جاتا ہے۔ زبان کی لوچ سے خرمن ایمان برباد ہو جاتا ہے۔ اہانت کی معمولی حرکت و جنبش قہر الٰہی کو بھڑکا دیتی ہے اور گستاخی کا ہر کلمہ ابدی رسوائیوں کا نشان و سامان بن جاتا ہے۔ تسلی درکار ہو تو سورۂ حجرات' سورۂ قلم' سورۂ کوثر اور سورۂ لہب کے تیور دیکھو' اسی لئے تو شاعر نے کہا:

ادب گا ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

مؤلف موصوف نے صاحب قاب قوسین' مہمان قصر دنیٰ او ادنیٰ رازدار لی مع اللہ کی ذاتِ مقدسہ کی ان جہتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کی بدولت بارگاہ رسالت کا ادب و احترام لازم اور ناموسِ رسول ﷺ کا تحفظ ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ان جهة حرمة الله تعالیٰ ورسوله جهة واحده فمن اذی الرسول فقد اذی الله ومن اطاعه فقد اطاع الله لان الامة لایصلون ما بینهم وبین ربّهم الا بواسطة الرسول لیس لاحد منهم طریق غیره ولا سبب سواه و قد اقامه الله مقام نفسه فی امره ونهیه و اخباره وبیانه فلایجوز ان یفرق بین الله ورسوله فی شیء من هذه الامور (الصارم المسلول' ص ۴۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کی عزت و حرمت اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و حرمت کی جہت ایک ہی ہے۔ پس جس نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دی' اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کی' اس نے

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امت نبی اکرم ﷺ کے واسطہ کے بغیر اپنے پالنہار سے ربط وتعلق قائم نہیں کر سکتی۔ نہ کسی کیلئے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا طریقہ وذریعہ حضور ﷺ کے علاوہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے امر ونہی اور اخبار وبیان کے عظیم منصب میں نبی اکرم ﷺ کو اپنے مقام پر فائز فرمایا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے قرآن وسنت کے محکم دلائل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل، فقہائے اسلام کے اقوال وارشادات اور امت مسلمہ کے اجماعی طرزِ عمل سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے اور وہ کسی رورعایت کا حقدار نہیں۔

عصر حاضر میں اہانت وگستاخی کا فتنہ طاغوتی شیطانی قوتوں کی آشیر باد سے امن عالم کو تہس نہس کر رہا ہے۔ امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے اپنی شیرازہ بندی کرے اور اس فتنہ سے نبرد آزما ہونے اور اس کا سر کچلنے کیلئے اپنے تمام جانی مادی وسائل بروئے کار لائے اور جانوں کے نذرانے پیش کرے۔ یہ منشائے خداوندی ہے۔ یہ شریعت کا تقاضا ہے، یہ ایمان کی آواز ہے اور یہ پاکانِ امت کا نعرہ ہے۔

کروں تیرے نام پہ جان فدا نہ ایک جان دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

(اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

احقر نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس عظیم کتاب کی طرف توجہ کی اور اس کے ترجمہ کا عزم مصمم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے چارہ سازی فرمائی اور کام مکمل ہو گیا۔ یہ صحیح ہے کہ تکمیل تک ایک عرصہ لگا کیونکہ دینی خانگی اور پیشہ ورانہ ذمہ داریاں رکاوٹ بنتی رہیں۔ اس کے علاوہ علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی بھی آڑے آئی۔ بہر حال اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ کہیں کوتاہی یا غلطی نظر آئے تو بندہ ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ کی کریم ورحیم ذات سے معافی کا طلبگار ہے۔ اہل علم سے التماس ہے کہ وہ نشاندہی فرما کر ازالۂ خطا میں معاونت کریں۔ اللہ پاک سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں محترم سید شجاعت رسول صاحب مالک مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے اس عظیم کام کی تحریک پیدا فرمائی اور اس کی طباعت واشاعت کی گرانبار ذمہ داری اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں حضور سید عالم ﷺ کی عظمتوں کے صدقے دین ودنیا کی بھلائیاں عطا کرے اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کی اس عظیم تڑپ اور عشق رسول ﷺ کے لئے بے بہا سرمایہ کو بازار قیامت کی جنس گراں بنا دے۔ آمین۔

محمد اعجاز جنجوعہ

غفر اللہ لہ ولوالدیہ وللمؤمنین جمیعا

12-6-09

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام وعلی رسولہ افضل الصلاۃ والسلام ثم علی الہ وصحبہ خیرۃ الانام و مصابیح الظلام۔

سب تعریفیں اللہ ذی الجلال کیلئے اور بہترین درود وسلام اس کے رسول پر پھر رسول کے آل واصحاب پر جو دنیا کے چیدہ لوگ اور تاریکیوں میں چراغ ہیں۔

یہ کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم المعروف بابن تیمیہ کی تصنیف ہے۔ ان کی تصانیف قدر عالی شان اور بلند مقام ہیں کہ محتاج تعریف و بیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو قوت عارضہ، وسعت اطلاع، حافظہ اور حسن پسند روانی خوش بیانی اور وضاحت کے ساتھ زبان کی وہ قدرت عطاء کی کہ اگر اس کو دسیوں علماء پر تقسیم کیا جائے تو سب کا دامن مراد بھر دے اور ان میں سے ہر ایک صاحب فضیلت مشار الیہ عالم بن جائے۔

ان اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر واستقامت پیہم جد و جہد، جان فشانی، علم کی محبت، افادہ علم کی رغبت، راہ تعلیم و تعلیم کی شدتوں سے بے پروائی، دین حق کے ساتھ والہانہ لگاؤ، دعوت حق کی طرف لپک، شہرۂ علم وفضل سے کنارہ کشی اور کتمان علم کے خوف (یعنی اظہار علم کے داعیہ) کی ایسی دولت بخشی ہے۔ اس کا دسواں حصہ بھی بڑے بڑے علماء کو کافی ہو رہے۔ لوگوں کا ان کی طرف رجوع اور والہانہ محبت اس قدر تھی کہ اس کا معمولی حصہ بھی داعی حق کو کفایت کرتا ہے جو اسے مشکلات کو گلے لگانے اور حوصلہ و کشادہ دل اور پرسکون نفس کے ساتھ سہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ انہی خوبیوں کی بنا پر ابن تیمیہ کی تالیفات نادر ابحاث، حیران کن مسائل جو کتاب وسنت کے زبردست استدلال ہر مذہب ومشرب کے علماء کے اقوال، علماء اصول کے قواعد اور واضح عبارات سے عبارت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس اطراف زمین سے سوالات آتے اور وہ ہر سوال کا ایسا جواب لکھتے کہ چند روز میں ایک یادگار رسالہ تصنیف ہو جاتا جو موضوع سوال کے جملہ پہلوؤں پر بھرپور استدلال اور کمال وضاحت کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے جس سے ارباب دانش کی عقلیں حیران رہ جاتیں، سچ ہے کہ جس شخص کے پاس (اینٹ سیمنٹ) کا میٹیریل ہو وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کر لیتا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا سبب حافظ ابن تیمیہ کے زمانے کا ایک تکلیف دہ حادثہ ہے (جس میں کسی گستاخ نے نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی تھی) تو انہوں نے فرض سمجھا کہ حرمت رسول ﷺ کا ادنیٰ حق یہ ہے کہ گستاخ رسول (مسلم ہو یا کافر) کی سزا واضح کریں۔ نیز اس کے تابع مسائل کا بیان کریں جس میں اصل مسئلہ کا حکم بھی ہو اور دلائل کا اہتمام بھی اور اس ضمن میں علماء کے اقوال بھی درج ہوں اور بیان علت کے ساتھ واضح حکم قلمبند کریں جو لائق اعتماد ہو۔ اس کی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل

ایمان پر نبی اکرم ﷺ کی عزت وحرمت کی پاسبانی' اس کی نصرت واعانت' جان ومال کی فدا کاری اور اذیت رساں سے حفاظت و حمایت کی ذمہ داری لازم کی ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخلوق کی امداد واعانت سے بے نیاز کیا لیکن بطور امتحان یہ ظاہر کرنا تھا کہ کون اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں (کی حرمت اور دعوت) کی غیبی امداد کرتا ہے۔

کتاب حافظ موصوف کی تصنیفات میں سے ہے' موصوف کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنی تحریرات میں معترض کیلئے جائے اعتراض نہیں چھوڑتے' اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیں کتاب سے نفع دے اور صاحب کتاب کی برکات سے حصہ عطا کرے۔ آمین۔

محمد محی الدین عبدالحمید

☆☆☆☆☆☆☆☆

(خطبۂ مؤلف)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد والہٖ وسلم تسلیما

امام عالم عامل شیخ الاسلام مفتی انام یکتائے دہر فرید عصر شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن امام علامہ مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابوالقاسم بن عبداللہ بن تیمیہ حرانی قدس اللہ روحہٗ ونور ضریحہ نے فرمایا:

الحمد للّٰہ الھادی النصیر فنعم النصیر ونعم الھادالذی یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ویبین لہ سبل الرشاد' کما ھدی الذین امنوا لما اختلف فیہ من الحق وجمع لھم الھدی والسداد والذی ینصر رسلہ والذین امنوا فی الحیاۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد کما وعدہ فی کتابہ وھو الصادق الذی لا یخلف المیعاد' واشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ شھادۃ تقیم وجہ صاحبھا للدین حنیفا وتبرئہ من الالحاد واشھدان محمد اعبدہ ورسولہ افضل المرسلین واکرم العباد ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ اھل الشرک والعناد' ورفع لہ ذکرہ ولایذکر الا ذکر معہ کما فی الاذان والتشھدوالخطب والمجامع والاعیاد وکبت محادہ واھلک مشاقہ و کفاہ المستھزئین بہ ذوی الاحقار و بتر شانئہ ولعن موذیہ فی الدینا والاخرۃ وجعل ھوانہ بالمرصاد واختصہ من بین اخوانہ المرسلین بخصائص تفوق التعداد فلہ الوسیلۃ والفضیلۃ والمقام المحمود ولواء الحمدالذی تحتہ کل حماد وصلی اللہ علیہ وعلی الہ افضل الصلوات اعلاھا واکملھا وانماھا کما یحبّ سبحانہ ان یصلی علیہ وکما ینبغی ان یصلی علی سیّد البشر والسلام علی النبی ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہ افضل تحیّۃ واحسنھا واولاھا وابرکھا واطیبھا وازکاھا صلاۃ وسلاما دائمین الی یوم التناد باقیین بعد ذالک ابدامن اللّٰہ مالہ من نفاد

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جو ہدایت دینے والا مددگار ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے اور ہادی ہے جو جس کو چاہے راہ راست کی ہدایت دے اور ہدایت کے راستے اس کیلئے روشن کر دے جیسے اس نے اہل ایمان کو ہدایت بخشی جب حق کے معاملہ اختلاف ہوا اور ان کیلئے ہدایت اور راستی کا سامان جمع فرما دیا جو دنیا کی زندگی میں رسولوں اور مومنوں کی مدد فرماتا ہے اور اس دن بھی مدد فرمائے گا جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن حکیم میں وعدہ فرمایا اور وہ اتنا سچا ہے کہ اپنے وعدہ کیخلاف نہیں فرماتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ ایسی گواہی ہے جو گواہی دینے والے کا رخ دین حنیف کی طرح قائم رکھتی ہے اور اسے الحاد سے محفوظ

رکھتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں سب رسولوں سے افضل اور سب بندوں سے زیادہ معزز۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا تا کہ دین حق کو سارے ادیان پر غالب کردیں خواہ اہل شرک وعناد کو ناگوار گزرے اور آپ ﷺ کی رضا کیلئے آپ ﷺ کا ذکر بلند فرما اور جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہاں ذکرِ مصطفیٰ ہوتا ہے جیسے اذان تشہد خطبوں جمعوں اور عیدوں میں اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو رسوا اور مخالفوں کو برباد کیا اور کینہ پرور گستاخوں کا بندوبست کیا انہیں بے نام ونشان کیا اور آپ کے اذیت رسانوں کو دنیا وآخرت میں لعنت کا مستحق ٹھہرایا اور ذلت کو ان کی گھات میں لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ پیغمبراں میں سے آپ ﷺ کو بے شمار خصائص کے ساتھ مختص فرمایا۔ وسیلہ فضیلت مقام محمود اور پرچم حمد (جس کے نیچے تمام حامدین جمع ہوں گے) آپ ﷺ کے خاص امتیازات میں سے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات مطہرہ پر اور آپ ﷺ کی آل پاک پر افضل اعلیٰ اکمل روز افزوں درود ہو جیسے درود بھیجنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور جیسے آپ ﷺ کی شان کے لائق ومناسب ہو۔ نیز آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر بہترین عمدہ اور پاکیزہ سلام اور رحمت وبرکت ہو، درود وسلام کے ایسے سلسلے جو روزِ قیامت تک دائم قائم رہیں اور بعد از قیامت جاری وباقی رہیں اور جو کبھی منقطع نہ ہوں۔

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہدایت بخشی۔ آپ ﷺ کے توسط سے ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا اور آپ ﷺ کی رسالت وسفارت کی برکت وسعادت سے ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازا۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں جو بلند مقام ومرتبہ حاصل ہے کہ جس کی معرفت سے عقلیں عاجز اور جس کے اظہار سے زبانیں قاصر ہیں۔ یہ وہ مقام ہیں جہاں علم وبیاں کی تنگ ودامانی خاموشی اور درماندگی کی طرف رجوع کرتی ہے۔

سببِ تالیف:

(ہمارے زمانہ میں) اہانت رسول ﷺ کے ایک حادثہ فاجعہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں گستاخ رسول خواہ مسلم ہو یا کافر کی شرعی سزا نیز حکم ودلیل کو متضمن اس کے تابع مسائل قلمبند کروں اور آئمہ اسلام کے وہ اقوال نقل کروں جو اس وقت میرے ذہن میں ہیں اس کے بعد تعلیل وتجزیہ کی روشنی میں قطعی فیصلہ لکھوں جو قابلِ اعتماد ہو کیونکہ یہ سرورِ کائنات ﷺ کا ادنیٰ حق ہے بلکہ آپ ﷺ کی عزت وتکریم اور نصرت وحمایت کی ایسی ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم کی ہے کہ ہم جان ومال کی قربانی سے ناموس مصطفیٰ ﷺ کا دفاع کریں اور ہر اذیت رساں گستاخ سے حرمت رسول ﷺ کو محفوظ بنائیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے رسول ﷺ کو مخلوق کی نصرت وحمایت سے بے نیاز کر دیا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے کہ کون دینِ خدا اور حرمت مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور نصرت وحمایت کی ذمہ داری پوری کرتا ہے تاکہ اس اجزائے اعمال کا مستحق ٹھہرے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی ام الکتاب میں لکھ رکھی ہے۔

جہاں تک دیگر شرعی سزاؤں کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ان کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ یہاں مقصود صرف اسی شرعی سزا کا حکم بیان کرنا ہے جس کی روشنی میں مفتی فتویٰ دے اور قاضی مقدمہ کا فیصلہ کرے اور یہ امت کے ہر فرد پر لازم ہے خواہ وہ حاکم ہے یا عام آدمی کہ بساط بھر اس پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے۔

ترتیبِ کتاب

میں نے اس کتاب کو چار مسائل پر ترتیب دیا ہے

۱- پہلا مسئلہ

گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر

۲- دوسرا مسئلہ

(غیر مسلم) ذمی شاتم کی سزا بھی قتل ہے اس پر احسان کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا جائز نہیں۔

۳- تیسرا مسئلہ

شاتمِ رسول ﷺ اگر توبہ کرے تو اس کا حکم،

۴- چوتھا مسئلہ

گستاخی کی حقیقت کیا ہے؟ گستاخی اور کفر کے درمیان فرق

پہلا مسئلہ

گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے

گستاخِ رسول ﷺ، مسلمان ہو یا کافر، واجب القتل ہے یہ جمہور علمائے اسلام کا نکتۂ نگاہ اور مذہب ہے۔

ابنِ منذر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

''عام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام لیث رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ نے اسی نکتۂ نگاہ کو اختیار کیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے، البتہ حضرت نعمان (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ شاتمِ رسول ﷺ کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ مشرک کو شرک کے جرم میں قتل کرنا جائز نہیں حالانکہ شرک سب سے بڑا

گناہ اور جرم ہے''۔

علمائے شوافع رحمۃ اللہ علیہم میں سے حضرت ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کا اس پر اجماع نقل کیا کہ شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا موت ہے جس طرح کہ غیر نبی کو دشنام دینے کی حد ''کوڑے'' ہے، امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کردہ اجماع صدرِ اوّل کے مسلمانوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے، یا اس سے مراد ان علمائے امت کا اجماع ہے جن کے نزدیک موت کی سزا صرف مسلمان گستاخِ رسول کے لیے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سزا کو مسلمان گستاخ کے ساتھ مقید کیا ہے، وہ کہتے ہیں۔

''اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تنقیص اور گستاخی کرنے والا مسلمان واجب القتل ہے، علماء نے اس کے قتل نیز کفر پر اجماع نقل کیا''۔

امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں،

''تمام مسلمان متفق ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی بات کا انکار کرے یا انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی کے قتل کا مرتکب ہو وہ کافر ہے خواہ وہ بقایا سارے نازل شدہ کلام کو مانتا ہو''

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''میرے علم کے مطابق کسی مسلمان نے شاتمِ رسول کی سزائے موت کے وجوب میں اختلاف نہیں کیا''

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے،

''تمام علماء یک زباں ہیں کہ شانِ رسالت میں گستاخی اور تنقیص کا مرتکب کافر ہے، اس پر عذابِ الٰہی کی وعید آئی ہے اور اُمتِ محمدیہ کے نزدیک اس کی شرعی سزا قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔''

خلاصۂ کلام:

اس مسئلہ میں عمدہ قول اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ گستاخی اور تنقیص کا مرتکب مسلمان ہو تو کافر ہو جائے گا اور بالا جماع سزائے قتل کا حقدار ہوگا، یہی چاروں آئمہ مذاہب اور دیگر علماء کا مذہب ہے جس پر امام اسحاق بن راھویہ کے حوالہ سے حکایتِ اجماع نقل کی جا چکی ہے۔

اگر شاتم غیر مسلم ذمی ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ مدینہ کے نزدیک واجب القتل ہے، اس کی تفصیل ان کے اپنے الفاظ میں آ رہی ہے یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور فقہائے حدیث کا مذہب ہے۔

نصوص امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، حنبل کہتے ہیں، کہ میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا

''جو شخص حضور کی شان میں گستاخی یا تنقیص کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے، خواہ مسلمان ہو یا کافر، میرے نزدیک

اس کی یہی سزا ہے، اس سلسلہ میں اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے گا"۔

ایک اور ارشاد ہے:

"جو معاہد عہد شکنی کرے اور شانِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو میرے نزدیک سزائے موت کا مستحق ہے۔"

ابو الصفراء کہتے ہیں میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذمی کی سزا کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا جب اس کا جرم یعنی گستاخی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے، اس میں مسلمان کی تخصیص نہیں، امام احمد سے منقول ان دونوں روایات کو امام خلال نے روایت کیا۔

عبداللہ اور ابو طالب کی روایت میں ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "اسے قتل کیا جائے" سوال ہوا کیا اس مسئلہ میں احادیث ہیں؟ فرمایا ہاں احادیث ہیں۔ ایک تو نابینا شخص والی حدیث ہے، جس نے ایک گستاخ "عورت کو قتل کر دیا تھا" اور قتل کی وجہ یہ بیان کی کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ہودہ گوئی کی تھی، دوسری حدیث حدیثِ حصین ہے، کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا

"جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام دے وہ واجب القتل ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے، جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے، اسے قتل کیا جائے کیونکہ وہ اس فعل سے مرتد ہو جاتا ہے (اور مرتد کی سزا قتل ہے) یہ حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اپنے والدِ گرامی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے؟ فرمایا نہیں، اس کے لیے توبہ کی مہلت نہیں، قتل کی سزا لازم ہو چکی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک گستاخ کو قتل کر دیا اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا، مذکورہ بالا دونوں روایات کو امام ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے شافی میں نقل کیا،

روایت ابی طالب میں ہے کہ امام احمد سے گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا "گستاخِ رسول واجب القتل ہے کیونکہ اس نے عہد شکنی کی۔"

حرب کہتے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ذمی گستاخ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا" جب حضور کی شان میں گستاخی کرے تو قتل کیا جائے،

ان روایات کو امام خلال نے نقل کیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریرات کے دوسرے کئی مقامات پر اس مسئلہ کی خوب وضاحت کی ہے اور یہ ایسے اقوال ہیں جن میں وجوبِ قتل کی وضاحت ہے،

اگلے پچھلے حنبلی علماء نے بلا اختلاف ایسا ہی ذکر کیا، سوائے اس کے کہ قاضی نے مجرد میں کچھ باتوں کا ذکر کیا، جن کا ترک کرنا اہلِ ذمہ کے لیے ضروری ہے کیونکہ ان میں مسلمانوں کا جانی مالی نقصان ہے، وہ باتیں حسبِ ذیل ہیں۔

۱- جنگ میں مسلمانوں کے خلاف مدد دینا

۲-۳- کسی مسلمان مرد یا عورت کو قتل کرنا

۴- راہزنی کا ارتکاب کرنا۔
۵- جاسوسی کے لیے مشرکوں کو پناہ دینا
۶-۷- کسی مسلمان عورت سے زنا کرنا یا نکاح کے نام پر اس سے مجامعت کرنا
۸- کسی مسلمان کو دین سے برگشتہ کرنا

مذکورہ بالا باتوں سے باز رہنا اہلِ ذمہ کے لیے ضروری ہے خواہ بوقتِ معاہدہ یہ باتیں شرائط میں شامل ہوں یا نہ ہوں۔

قاضی نے اس سلسلہ میں امام احمد کی بعض نصوص کا ذکر کیا مثلاً مسلمان عورت سے زنا، مشرکین کے لیے جاسوسی اور مسلمان کا قتل خواہ وہ غلام ہو، (ان سے باز رہنا لازم ہے) جیسا کہ خرقی نے نقل کیا، پھر یہ نص ذکر کی کہ قذفِ مسلم سے نقضِ عہد نہ ہوگا، بلکہ قذف کی حد لگائی جائے گی، اس طرح یہ مسئلہ دو روایتوں پر مبنی ہے۔

اس کے بعد قاضی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ، قرآنِ مجید، دینِ اسلام اور رسولِ کریم ﷺ کا نا ملائم اور غیر مناسب الفاظ میں ذکر بھی مذکورہ بالا قابلِ ترک باتوں میں شامل ہے اور ان چاروں باتوں کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آٹھ باتوں کا حکم ہے، ان کا ذکر صحت عقد (معاہدہ کے صحیح ہونے) کی شرط نہیں، اگر اہلِ ذمہ ان میں سے کسی ایک بات کی خلاف ورزی کریں گے تو معاہدۂ امان ٹوٹ جائے گا، خواہ معاہدہ میں ان کی شرط موجود ہو یا نہ ہو، اسی طرح ''خلاف'' میں ان نصوص کے ذکر کے بعد فرمایا

''ان اقوال و افعال سے ''عہدِ امان'' ٹوٹ جائے گا۔''

قاضی فرماتے ہیں ایک اور روایت اس کے برعکس بھی ہے کہ نقضِ عہد صرف اس صورت میں ہوگا جب اہلِ ذمہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار کریں گے اور احکام اسلام کے نفاذ سے گریز کریں گے۔

پھر یہ نص ذکر کی کہ ذمی جب کسی مسلمان پر الزام تراشی کرے گا تو اسے بطورِ حد زدوکوب کیا جائے گا'' اس سے معلوم ہوا کہ امام نے قذفِ مسلم'' کو ناقضِ عہد قرار نہیں دیا حالانکہ اس میں ہتکِ عزت کی وجہ سے اس کے لیے نقصان ہے۔

قاضی کے شاگردوں میں سے ایک گروہ اور بعد کے علماء مثلاً شریف ابو جعفر، ابنِ عقیل ابوالخطاب اور حلوانی نے ان کی ہم نوائی کی اور ذکر کیا کہ اہلِ ذمہ جب ادائے جزیہ اور التزام احکامِ ملت سے انکار کریں گے تو ان کا ''عہد'' بالاتفاق ٹوٹ جائے گا۔

پھر مذکورہ بالا تمام اقوال و افعال جن میں مسلمانوں کا اجتماعی اور انفرادی جانی مالی نقصان ہو یا دینی حرج ہو مثلاً رسول اللہ ﷺ کی گستاخی ہو یا اس قسم کی اور باتیں ہوں، کے بارے میں دو روایتیں نقل کیں۔

۱- ان سے نقضِ عہد ہوگا ۲- عہد نہیں ٹوٹے گا

بلکہ حد قائم کی جائے گی، مگر سب کا اتفاق ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ ان سے ''عہد'' ٹوٹ جائے گا۔ پھر ان تمام علماء نے ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مسئلہ ذکر کیا اور فتویٰ دیا کہ آپ کا گستاخ واجب القتل ہے خواہ ذمی ہو اس کا عہدِ امان ٹوٹ جائے گا، پھر اس نکتۂ نگاہ کی تائید میں انہوں نے امام احمد کے نصوص ذکر کئے، البتہ امام حلوانی نے اس احتمال کا اظہار

کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے ذمی کو قتل نہ کیا جائے،

قاضی ابوالحسین نے ''نواقضِ عہد'' میں دوسرا راستہ اختیار کیا، جس میں علماء کے اس قول کی موافقت ہے کہ وہ آٹھ باتیں جن میں مسلمانوں کا انفرادی اجتماعی نقصان ہو زیادہ صحیح روایت کے مطابق ان سے نقضِ عہد ہوگا، جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جن میں دینی حرج یا اسلام کی توہین ہو مثلاً اللہ تعالیٰ، قرآنِ حکیم، دینِ اسلام اور رسول کریم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کا استعمال، ان سے نقضِ عہد لازم ہوگا، انہوں نے اسی پر نص فرمائی اور دوسری روایت نقل نہیں کی جو دیگر علماء نے بیان کی ہے، یہ مذکورہ بالا طریقہ سے زیادہ قریب ہے، اور جس روایت کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ ''نقضِ عہد نہیں ہوگا'' وہ یہ ہے کہ جب معاہدہ میں اس کی شرط نہ رکھی گئی ہو (تو نقضِ عہد نہیں ہوگا)، اگر اس کی شرط معاہدہ میں ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱- عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا، یہ خرقی کا قول ہے، ابوالحسن آمدی کہتے ہیں یہی صحیح نکتۂ نگاہ ہے ان تمام باتوں میں جن کا ترک شرائط میں طے کیا گیا ہو، اور خرقی کا نقضِ عہد کا قول صحیح ہے جب اہلِ ذمہ مشروط چیزوں میں سے کسی چیز کی مخالفت کریں۔

۲- عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا، اس کے قائل قاضی وغیرہ علماء ہیں، ابوالحسن آمدی نے یہاں اس کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ ایک جماعتِ علماء نے اس کو نقل کیا۔ کہ اہلِ ذمہ جب اپنے دین کا اظہار کریں اور بغیر نقصان دیئے اپنی مخصوص ہیئت کا خلاف کریں مثلاً بلند آواز سے اپنی کتاب پڑھیں اور مسلمانوں کی مشابہت اختیار کریں (تو نقضِ عہد نہ ہوگا) حالانکہ ان تمام باتوں کا ترک ان پر لازم ہے۔''

یہ دونوں طریقے ضعیف ہیں، ہمارے متقدمین و متاخرین حنبلی علماء امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نصوص کو اپنی حالت پر برقرار رکھتے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے تصریح فرمائی ہے کہ اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور گستاخ واجب القتل ہوگا یہی حکم مسلمانوں کی جاسوسی کرنے والوں یا مسلمان عورت سے زنا کرنے والوں کا ہے۔ اسی طرح خرقی نے نقل کیا کہ مسلمان کو قتل کرنے والے اور رہزنی کرنے والے کو قتل کرنا بدرجہ اولیٰ صحیح ہے، البتہ امام احمد نے کئی جگہ وضاحت کی ہے کہ مسلمان پر الزام تراشی اور سحر طرازی سے نقضِ عہد لازم نہیں آئے گا۔ یہ واجب ہے کیونکہ دونوں مسلکوں کے حکم کو دیگر مسائل پر منطبق کرنا اور دونوں مسلکوں کو مذکورۃ الصدر دونوں روایتوں پر مبنی قرار دینا، جائز نہیں، باوجودیکہ ان کے درمیان نصی اور استدلالی فرق موجود ہے، اس مسئلہ کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح علماء کی ایک جماعت نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے نقضِ عہد کے مسئلہ پر ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے حالانکہ بعض دیگر معاملات میں ان کا اختلاف ہے۔

حکایتِ مذہبِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ذمی کا عہد رسول اللہ ﷺ کی توہین اور گستاخی کے باعث ٹوٹ جائے گا اور وہ سزائے موت کا مستحق ہوگا، اس کو ابنِ منذر اور خطابی وغیرہ علماء نے نقل کیا، ''آلام'' میں منصوص ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب امام

اہلِ ذمہ کے ساتھ جزیہ پر صلح کا معاہدہ کرنا چاہے تو چند شرائط کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے،

''تم میں سے جب کوئی نبی اکرم ﷺ، قرآنِ مجید یا دینِ اسلام کے بارے میں نازیبا کلمات کہے گا تو اللہ تعالیٰ پھر امیر المؤمنین اور مسلمانوں کے ذمہ سے خارج ہو جائے گا اسے دی ہوئی امان ختم ہو جائے گی اور اس کا مال اور خون امیر المؤمنین کے لیے مباح ہو جائے گا جس طرح اہلِ حرب کے مال اور خون حلال ہو جاتے ہیں''۔

۲- اگر کوئی ذمی زنا یا نکاح کے نام پر کسی مسلمان عورت سے مجامعت کرے، ۳- یا راہزنی کرے گا، ۴- یا کسی مسلمان کو دین سے برگشتہ کرے گا، مسلمانوں کے خلاف محاربین کی جنگ میں امداد کرے گا، ۶- یا مسلمانوں کے خفیہ راز نہیں بتائے گا، ۷- یا ان کے جاسوسوں کو پناہ دے گا تو اس کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا اور اس کا مال اور خون مباح ہو جائے گا۔ اور اگر ان سے کم تر درجہ کا جرم کرے گا یعنی مال کا نقصان کرے گا یا ہتکِ عزت کا مرتکب ہوگا تو اس کے بارے میں دوسرا حکم نافذ ہوگا۔

پھر فرمایا:

''یہ لازم شرائط ہیں اگر راضی ہو جائے تو ٹھیک، نہ راضی ہو تو کوئی معاہدہ نہیں، نہ جزیہ ہے''۔

مزید فرمایا:

اگر کوئی ناقضِ عہد کام کر بیٹھے پھر اسلام لے آئے تو قتل نہ کیا جائے گا بشرطیکہ وہ ناقضِ عہد فعل زبانی ہو اسی طرح اگر وہ فعل عملی ہو تو قتل نہ کیا جائے گا مگر اس میں تفصیل ہے اگر کسی کو عہدِ ذمہ کے دوران قتل کیا پھر اسلام لے آیا تو اسے نقضِ عہد کے جرم میں قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اسے اسلامی قانون کے مطابق حد یا قصاص میں سزائے موت دی جائے گی۔

اگر کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرے جو عہدِ ذمہ میں نقض کی شرط ہو پھر اسلام بھی قبول نہ کرے اور کہے

''میں توبہ کرتا ہوں اور پہلے کی طرح جزیہ دیتا ہوں یا معاہدہ کی تجدید کرتا ہوں'' تو اسے قتل نہ کیا جائے گا البتہ سزا دی جائے گی بشرطیکہ اس کا فعل موجبِ قصاص یا حد نہ ہو، اس سے کم تر قولی یا فعلی جرم میں سزا ہے، قتل نہیں۔''

پھر فرمایا:

اگر کسی ایسے فعل یا قول کا مرتکب ہو جس سے حسبِ شرط مباح الدم ٹھہرے، پھر اس جرم میں گرفتار کر لیا جائے اور اسلام لانے یا جزیہ دینے سے انکاری ہو تو بطورِ سزا قتل کیا جائے نیز اس کا مال بطورِ غنیمت چھین لیا جائے،

کتاب آلام میں تخصیص فرمائی کہ راہزنی، قتل مسلم مسلمان عورت سے زنا اور جاسوسی کی وجہ سے معاہدہ نہیں ٹوٹے گا مگر قابلِ حد معاملات میں حد جاری ہوگی اور قابلِ سزا امور میں پوری سزا دی جائے گی البتہ قتل کی سزا انہیں جرائم میں دی جائے گی جن میں قتل کی سزا واجب ہوگی۔''

پھر فرمایا:

''نقضِ عہد صرف اسی وقت ہوگا جب ذمی جزیہ دینے سے انکاری ہو یا اعترافِ جرم کے بعد فیصلہ آ جائے اور وہ فیصلہ کو تسلیم نہ کرے''

اگر وہ کہے کہ ''جزیہ دیتا ہوں مگر فیصلہ نہیں مانتا'' تو اس کا عہد اس کی طرف پھینک دیا جائے مگر اس مقام پر اسے قتل نہ کیا جائے، اس سے کہہ دیا جائے کہ تجھے جزیہ دینے اور معاہدہ کی شرائط ماننے پر امان دی گئی تھی اب تم مقررہ مدت کے دوران بلادِ اسلام سے نکل جاؤ، پھر جب نکل کر امن کی جگہ پہنچ جائے تو قابو آنے پر قتل کر دیا جائے۔''

اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول و ماثور کلام کی بنیاد پر دینی نقصان اور ضرر بالفعل کے درمیان فرق کیا جائے گا یا پھر کہا جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے جرم میں اسے قتل کیا جائے گا اگرچہ نقضِ عہد نہیں ہوگا، اس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب آ رہی ہے۔

اصحابِ شافعی کے ارشادات:

آئمہ شافعیہ نے اللہ تعالیٰ، قرآنِ حکیم یا رسولِ کریم ﷺ کی شان میں گالی گلوچ کرنے کے بارے میں دو وجہیں ذکر کی ہیں۔

۱- اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا خواہ اہلِ ذمہ پر ان باتوں سے باز رہنے کی شرط رکھی گئی ہو یا نہ رکھی گئی ہو، یہ مسلمانوں سے جنگ کرنے یا التزامِ حکم سے باز رہنے کے مترادف ہے اور یہ وہی نکتۂ نگاہ ہے جو ہمارے اصحابِ حنابلہ میں سے ابوالحسین کا ہے امام ابواسحاق مروزی بھی اسی کے قائل ہیں۔

بعض شوافع نے صرف رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کی تخصیص کی ہے کہ یہ سزائے موت کی موجب ہے،

۲- گستاخی ان افعال کی مانند ہے جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہیں مثلاً قتلِ مسلم، زنا بالمسلمہ، جاسوسی اور دیگر ناقضِ عہد افعال،

علماء نے ان معاملات میں دو وجہیں ذکر کی ہیں ایک یہ کہ ان سے باز رہنے کی بالتخصیص شرط نہ ہو تو ان کے ارتکاب سے نقضِ عہد کے بارے میں دو وجہیں ہوں گی دوسری یہ کہ ان کے ارتکاب سے مطلقاً عہد نہیں ٹوٹے گا۔

بعض شافعی علماء نے ان وجوہ کے کئی اقوال ذکر کئے ہیں اور یہی اقوال مشار الیہا ہیں اس لیے جائز ہے کہ ان کو اقوال اور وجوہ کا نام دیا جائے۔ یہ عراقی علماء کا طریقہ ہے انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس سے مراد گستاخانہ افعال سے باز رہنے کی شرط ہے نہ کہ ان کے ارتکاب سے نقضِ عہد کی شرط جیسا کہ ہمارے حنبلی علماء نے ذکر کیا۔

خراسانی علماء کہتے ہیں یہاں شرط رکھنے سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ ممنوعہ افعال کے ارتکاب سے عہدِ ذمہ خود بخود ٹوٹ جائے گا، ان سے باز رہنے کی شرط نہیں ہے وہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ترک (یعنی ممنوعہ افعال سے باز رہنا) نفسِ عقد کا موجب ہے، اسی لیے انہوں نے ان نقصان دہ باتوں کے بارے میں تین وجہیں ذکر کی ہیں،

۱- ان کے ارتکاب سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا۔

۲- نہیں ٹوٹے گا

۳- اگر بوقتِ معاہدہ شرط رکھ دی گئی ہو کہ ان کے ارتکاب سے نقضِ عہد ہوگا تو مرتکب ہونے پر معاہدہ ٹوٹ جائے گا

اگر شرط نہ ہو تو نہیں ٹوٹے گا،

ان میں سے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر شرط رکھی جائے تو ایک وجہ سے نقض ہوگا اور اگر شرط نہ رکھی جائے تو دو وجہیں ہوں گی، وہ خیال کرتے ہیں کہ عراقی علماء کی اس شرط سے یہی مراد ہے، وہ ان کا نکتۂ نگاہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر شرط جاری نہ ہو تو عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر شرط جاری ہو تو پھر دو وجہیں ہوں گی، اس سے لازم آتا ہے کہ عراقی علماء اس بات کے قائل ہوں کہ ان امور ہشت گانہ کے ساتھ شرط انتقاض جاری نہ ہو تو ایک وجہ سے انتقاض نہیں ہوگا یعنی معاہدہ ذمہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر ان سے باز رہنے کی شرط کی تصریح ہو تو انتقاض ہوگا، مگر یہ ان کی طرف غلط نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب خلاف میں جس مسئلے کی تائید کی ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی نقضِ عہد اور قتل کی موجب ہے، جیسا کہ ہم نے امام شافعی کا اپنا ارشاد نقل کیا ہے۔

مسئلہ گستاخی میں مذہبِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ شانِ رسالت میں گستاخی سے عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا نہ اس کے باعث ذمی کو قتل کیا جائے گا۔ مگر اس کے اظہار پر ذمی کو تعزیر کی جائے گی جس طرح کہ اظہارِ منکرات، (جن کا ارتکاب ممنوع ہے مثلاً بلند آواز سے کتبِ اہلِ ذمہ کی قرأت وغیرہ) پر تعزیر ہے، اس مذہب کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، احناف کا اصول مذہب ہے کہ جس جرم میں قتل کی سزا نہیں مجرم اس کا بار بار ارتکاب کرے تو امام (حاکمِ وقت) کو اختیار ہے کہ اسے قتل کر دے، اسی طرح جب مصلحت دیکھے تو "حدِ مقرر" میں اضافہ کر سکتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب قتل کے ایسے فیصلوں کو مصلحت پر مبنی قرار دیتے ہیں اور اسے مصلحت آمیز قتل کہتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حاکمِ وقت ان جرائم میں تعزیری قتل کر سکتا ہے جن کا بار بار ارتکاب کیا جاتا ہے ایسے قتل شرعاً جائز ہیں، اسی لیے اکثر آئمہ احناف نے فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمی اکثر گستاخی رسالت کا مرتکب ہو اسے قتل کیا جائے خواہ گرفتاری کے بعد اسلام قبول کر لے، وہ کہتے ہیں یہ مصلحت و سیاست آمیز قتل ہے اور یہ فتویٰ اصولِ احناف پر مبنی ہے۔

انتقاضِ عہد (معاہدۂ ذمہ ٹوٹنے) کے دلائل

اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت، قرآنِ حکیم، دینِ اسلام یا نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی وجہ سے ذمی غیر مسلم کا عہدِ ذمہ ٹوٹنے اور اس کا قتل واجب ہونے نیز گستاخی کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کے واجب القتل ہونے کے دلائل کتاب وسنت، اجماعِ صحابہ و تابعین اور عقل و قیاس سے ثابت ہیں۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے اس کے متعدد مقامات (آیات) سے ان دلائل کا استنباط ہوتا ہے۔

گستاخ کی سزا پر قرآنی دلائل

۱- ارشادِ ربانی ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۞ . (توبہ: ۲۹)

(اے مسلمانو!) تم اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یومِ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق (یعنی اسلام) اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (حکمِ اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریں۔

اس آیتِ کریمہ میں ہمیں حکم ہے کہ ہم خدا اور روزِ جزاء کے منکروں کے خلاف صف آرا رہیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں اور اس وقت تک جنگ بندی جائز نہیں جب تک ان کا دم خم نکل نہیں جاتا اور وہ جزیہ ادا نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جزیہ دینا اس طرح متصور ہوگا کہ وہ ادائیگی اور قبضہ تک وہاں موجود رہیں اور جب دینے کا عمل شروع کریں گے تو ہم پر ان سے تعرض نہ کرنا لازم ہوگا یہاں تک کہ وہ جزیہ پر قبضہ دے دیں یوں ادائیگی کا عمل پورا ہو جائے گا، اگر وہ ادائیگی کا التزام نہ کریں یا شروع میں التزام تو کریں مگر بعد میں ادائیگی سے انکار کر دیں تو جزیہ ادا کرنے والے نہ ہوں گے، کیونکہ یہاں ادائیگی کی حقیقت نہیں پائی گئی، اور جب اس ساری مدت میں ان کا ذلیل و مطیع رہنا لازم ہے تو ظاہر ہے کہ جو شخص علانیہ ہمارے منہ پر نبی اکرم ﷺ کی توہین کرے، کھلے عام شانِ الوہیت میں گستاخی کرے اور لوگوں کے سامنے دینِ اسلام پر معترض ہو وہ مغلوب و مطیع نہیں، اس لیے کہ صاغر ذلیل و حقیر کو کہتے ہیں جبکہ ایسے گستاخانہ کام مغرور و متکبر لوگوں کے ہوتے ہیں بلکہ اس میں مسلمانوں کی انتہائی ذلت اور توہین ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں:

الصَّغَارُ الذُّلُّ وَالضَّيْمُ يُقَالُ صَغِرَ الرَّجُلُ يَصْغَرُ صَغَرًا وَصِغَرًا

صغار کا معنی ہے ذلت اور مقہوری کہا جاتا ہے آدمی ذلیل ہوا۔

وَالصَّاغِرُ الرَّاضِيْ بِالضَّيْمِ

صاغر اس شخص کو کہتے ہیں جو ظلم و زیادتی پر راضی ہو۔

ایک ذی شعور اور صاحبِ تدبر شخص پر پوشیدہ نہیں کہ ایک ایسی امت کے دین کی توہین کرنا جو دنیا و آخرت کے شرف سے مشرف ہوئی کسی ایسے شخص کا فعل نہیں ہو سکتا جو مغلوب اور ذلیل ہو، اور یہ انتہائی واضح اور کھلی بات ہے،

جب ان سے لڑنا اور برسرِ پیکار رہنا ہم پر واجب ہے جب تک کہ وہ ذلیل و مغلوب نہیں ہو جاتے اور یہ ثابت ہے کہ گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ذلیل و مغلوب نہیں تو ان کے خلاف صف آراء رہنے کا ہمیں حکم ہے اور جن کافروں سے ہمیں لڑنے کا حکم ہے

ان پر جب قابو پائیں گے تو انہیں قتل کریں گے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ان کے خلاف اس حد تک لڑنے کا حکم ہے تو ہمارے لیے جائز نہیں کہ اس سے کم درجے کا عہدِ ذمہ ان سے کریں، اور اگر ان سے ایسا کوئی معاہدہ کیا گیا تو وہ فاسد ہوگا اور ان کا خون اور مال بدستور مباح رہے گا، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس فاسد معاہدہ سے اپنے آپ کو معاھد سمجھنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ اس سے انہیں شبہ امان لاحق ہوا، اور شبہ امان حقیقی امان کی مانند ہے اس لیے کہ جو شخص ایسا کلام کرے جس سے کافر کو امان کا گماں رہے تو وہ اس کے حق میں امان ہوگی اگرچہ مسلمان کا ارادہ ایسا نہ ہو۔

اس غلط فہمی کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ان سے پوشیدہ نہیں کہ ہم اس کو پسند نہیں کریں گے کہ وہ ہمارے زیر حکم بھی ہوں اور ہمارے دین کو گالیاں دیں اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کریں۔ انہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہم کسی ذمی سے ایسا معاہدہ نہیں کرتے، اس لیے ان کا دعویٰ کہ ہم نے ان کے ساتھ ایسا معاہدہ کیا ہے (باوجودیکہ ان کے لیے ذلیل و مغلوب رہنے کی شرط ہے اور ان پر ملتِ اسلامیہ کے احکام جاری رہیں گے) محض جھوٹ ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ ان اہلِ کتاب ذمیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ سب سے پہلے اصحابِ رسول ﷺ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسا معاہدہ کیا تھا، کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنِ حکیم کے واضح حکم کے خلاف ان کے ساتھ ایسا معاہدہ نہیں کر سکتے تھے۔

۲ - كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ...... اِلٰى قَوْلِهٖ (توبہ:۷)

مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے پاس کوئی عہد کیوں کر ہوگا، مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا۔ الیٰ قولہ

وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ (توبہ:۱۲)

اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے عہد کی نفی فرمائی جن سے رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا البتہ ان کا استثناء فرمایا جو اپنے عہد پر قائم رہے اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ عہد اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ اس عہد کی پاسداری کرتا رہے، صاف بات ہے کہ جو شخص کھلے بندوں ہمارے پروردگار، ہمارے رسول ﷺ ہمارے دین اور ہماری کتاب کی توہین کرتا ہے وہ اپنے عہد پر قائم نہیں، اور یہ عہد برقرار نہیں رہتا جس طرح ہماری کھلی جنگ میں عہد برقرار نہیں ہوتا، بلکہ اگر ہم کامل الایمان ہوں تو یہ صورت حال ہمارے لیے زیادہ سخت اور ناگوار ہے، ہم پر فرض ہے کہ ہم اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان اور مال قربان کر دیں، تاکہ ہمارے ملک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت کی علانیہ جسارت نہ کی جائے، پھر جب ایک معمولی سی بات پر اہلِ ذمہ ثابت قدم نہیں رہ سکتے تو بہت بڑے عہد پر کس طرح قائم رہ سکتے ہیں؟ اس بات کی وضاحت حسبِ ذیل آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے فرمایا:

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۔(التوبۃ:۸) (بھلا ان سے عہد کی پاسداری کی توقع) کیونکر ہو، ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تمہارے حق میں کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی عہد کا۔

یعنی ان لوگوں کا ''عہد'' کیسے صحیح ہوسکتا ہے جو تم پر غلبہ پائیں تو تمہاری رشتہ داری کا لحاظ نہ رکھیں اور نہ اس عہد کا جو ان کے اور تمہارے درمیان ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ جب غالب ہو تو رشتہ داری کی پرواہ نہ کرے تو اس کا کوئی عہد نہیں، اور جو شخص علانیہ ہمارے دین پر زبان درازی کرے وہ غلبہ پانے پر کسی معاہدے کا لحاظ نہیں رکھے گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب وہ عہد ذمہ اور مغلوبیت کے باوجود اس جسارت کا مرتکب ہوتا ہے وہ غالب اور طاقتور ہو کر کیا کچھ نہیں کرے گا؟ اس کے برعکس جو شخص گستاخانہ طرز کلام اختیار نہیں کرتا جائز ہے کہ غلبہ پا کر بھی وہ ہمارے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرے۔

یہ آیت اگرچہ غیر محاربین کے بارے میں ہے جو اپنے اپنے ملکوں میں امن کے ساتھ رہ رہے ہیں مگر اس کا مفہوم ان اہلِ ذمہ کے بارے میں بہ طریقِ اولیٰ ثابت ہے جو ہمارے دیس یعنی دارالسلام میں قیام پذیر ہیں۔

۳- وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۔ (توبہ:۱۲) اور اگر طعن کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو۔

یہ آیتِ کریمہ کئی وجوہ سے مسئلہ زیرِ بحث پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اوّل:

یہ کہ مجرد قسم شکنی جنگ کا تقاضا کرتی ہے جبکہ یہاں قسم شکنی کے ساتھ طعن فی الدین کا ذکر بھی آیا ہے اور اسے الگ ذکر کرنے کا مقصد تخصیص و وضاحت ہے کیونکہ یہ جنگ وقتال کو واجب کرنے والا قوی ترین سبب ہے اس لیے دین میں طعن زنی کرنے والے کو ایسی شدید سزا دی جائے گی جتنی کسی اور عہد شکن کو نہیں دی جاتی، انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب اس کا تفصیلی ذکر کریں گے۔

واضح رہے کہ طعن فی الدین ایسا جرم ہے جو اہلِ طعن کے ساتھ جنگ وقتال کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو۔

جبکہ قسم شکنی پر جنگ بعض اوقات اظہار شجاعت وحمیت اور ریاکاری کے لیے ہوتی ہے، دین میں طعن پر جنگ کی فرضیت کا حکم قرآن حکیم کے ان ارشادات سے ثابت ہے۔

۱- فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۔(التوبۃ:۱۲) دین پر طعنہ زن کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو۔

۲- اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

(توبہ ۱۳، ۱۴)

کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے۔ کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو تو ان سے لڑو۔ اللہ انہیں عذاب دے گا۔ تمہارے ہاتھوں۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص صرف عہد شکنی کا مرتکب ہوا سے امان دی جا سکتی ہے اور اس کے ساتھ عہدِ ذمہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر دینِ اسلام کو نشانہ طعن بنانے والے کے ساتھ جنگ ضروری ہے، نبی اکرم ﷺ کا یہی طرزِ عمل تھا، آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والوں اور دینِ اسلام پر تنقید کرنے والوں کا خون رائیگاں قرار دیتے تھے مگر دوسروں کے قتل سے احتراز فرماتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مجرد عہد شکنی جنگ وقتال کی موجب ہے تو دین میں اعتراض فرضیتِ قتال کا علیحدہ سبب ہے یا عہد شکنی کے ساتھ لازم سبب ہے اس صورت میں ضروری ہے کہ فرضیتِ قتال میں اس کا لازمی اثر ہو، ورنہ اس کا علیحدہ ذکر بے فائدہ ہوگا۔

ایک سوال:

اس بحث سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جو شخص نقضِ عہد (عہد شکنی) اور دین میں طعن کا مرتکب ہو اس کے ساتھ جنگ ضروری ہے صرف طعن فی الدین کے مرتکب سے آیتِ کریمہ تعرض نہیں کرتی، بلکہ اس کا صاف مفہوم ہے کہ تنہا طعن فی الدین سے ایسا حکم لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ حکم دونوں صفتوں (عہد شکنی اور طعن فی الدین) سے معلق و مشروط ہے، صرف ایک شرط کے پائے جانے سے قتال فرض نہیں ہوتا۔

جواب:

اس میں شبہ نہیں کہ حکم میں ہر صفت کی تاثیر ضروری ہے اور نہ ایسے وصف سے جو عدیم التاثیر ہو، حکم کا مشروط کرنا جائز نہیں، جیسے کوئی کہے

مَنْ زَنٰى وَاَكَلَ جُلِدَ — جس نے زنا کیا اور کھانا کھایا اسے سزا دی جائے گی۔

کبھی ہر منفرد صفت تاثیر میں مستقل ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے

يُقْتَلُ هٰذَا لِاَنَّهٗ مُرْتَدٌّ زَانٍ — وہ شخص قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ مرتد زانی ہے۔

کبھی مجموعی سزا تمام صفات کے مجموعے پر مرتب ہوتی ہے جبکہ ہر وصف کی بعض حصوں میں تاثیر ہوتی ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهاً اٰخَرَ (الفرقان: ۶۸) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے۔

کبھی یہ صفات باہم متلازم ہوتی ہیں اگر ان میں سے ہر ایک کو الگ فرض کیا جائے تو ہر ایک مستقل مؤثر ہو یا مشترک، اس صورت میں اس کی وضاحت ضروری ہوگی، جیسا کہ کہا جاتا ہے

كَفَرُوْا بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ۔(التوبۃ: ۸۰) انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

عَصَى اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

بعض صفات دوسری صفات کو مستلزم ہوتی ہیں مگر دوسری صفات پہلی صفات کو مستلزم نہیں ہوتیں، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔(آلِ عمران) بے شک جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں مذکورہ بالا مفروضہ اقسام کی دلیل موجود ہے، اس لیے مسئلہ زیرِ بحث میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نقضِ عہد (یعنی عہد شکنی) قتال کو مباح کرتی ہے اور طعن فی الدین قتال کو مؤکد اور واجب قرار دیتا ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ جب دین میں طعن ان لوگوں کے ساتھ جنگ کو انتہائی ضروری قرار دیتا ہے جن کے ساتھ ہمارا معاہدہ نہیں، تو ان لوگوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ لازم کرے گا جن کے ساتھ ہمارا عہدِ ذمہ ہے اور وہ خلاف ورزی کے مرتکب ہوں حالانکہ انہیں عاجزی اور ذلت کے ساتھ رہنا ضروری ہے، اس کی تقریر عنقریب آتی ہے۔

معاہد (کافر) کو حق حاصل ہے کہ وہ دارالکفر میں اپنے ان نظریات کا کھلے بندوں اظہار کرے جو ہمارے لیے باعثِ اذیت نہ ہوں مگر ذمی کو سزاوار نہیں کہ وہ دارالاسلام میں اپنے باطل دین کا اظہار کرے خواہ اس سے ہمیں اذیت نہ ہوتی ہو، کیونکہ اس کا معاملہ زیادہ سخت ہے اہلِ مکہ جن کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی معاہد تھے اہلِ ذمہ نہ تھے۔ فرض کریں کہ ان کا دینِ اسلام میں مجرد طعن نقضِ عہد کا موجب نہ تھا۔ تب بھی ذمی اس پوزیشن میں نہیں۔

وجہ دوم:

ذمی جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا اللہ تعالیٰ کو گالی دے یا کھلے بندوں دینِ اسلام پر معترض ہو تو اس کا ''عہد'' ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ طعن فی الدین کا مرتکب ہوا۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اسے اس جرم پر سزا دی جائیگی، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ معاہدہ میں کسی قسم کی گستاخی کی کوئی گنجائش نہ رکھی گئی، اگر کوئی رعایت ہوتی پھر وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا تو اس پر سزا کا نفاذ جائز نہ ہوتا۔

ہم نے بوقتِ معاہدہ یہ شرط رکھی تھی کہ وہ ہمارے دین پر اعتراض نہیں کرے گا، پھر جب وہ طعن فی الدین کا مرتکب ہوا تو اس نے عہدِ ذمہ توڑ دیا، اس صورت میں وہ بحکم آیتِ کریمہ قتل کا حقدار ہوا، اور یہ مسئلہ زیرِ بحث پر خوبصورت اور قوی دلالت ہے، کیونکہ مخالف کو تسلیم ہے کہ اس جرم کا ارتکاب بروئے معاہدہ ممنوع و ناجائز تھا، اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں، کہ ہر اس چیز کا اظہار جو معاہدہ میں ممنوع قرار دی گئی، نقضِ عہد کا موجب نہیں مثلاً شراب اور خنزیر وغیرہ چیزوں کا اظہار۔

اس سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ ۱- ایک وہ جس سے عہد منع کرے۔ ۲- دوسری طعن فی الدین
اور قرآن اس شخص کو واجب القتل قرار دیتا ہے جو عہد شکنی کرے اور دینِ اسلام پر معترض ہو، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صرف ممنوع باتوں کی خلاف ورزی سے عہد شکن نہ ہوگا کیونکہ نکث (قرآن میں استعمال ہونے والے لفظ) کا معنی ہے عہد کی خلاف ورزی، اہلِ ذمہ صلح کی شرائط میں سے کسی شرط کی مخالفت کریں تو یہ عہد شکنی ہوگی، (لفظ نکث، نکث الحبل سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے رسی کا ٹوٹنا، اور رسی کے ٹوٹنے کا اطلاق ایک تند کے ٹوٹنے پر بھی ہوتا ہے اور تمام تندوں کے ٹوٹنے پر بھی۔)

ذمی معاہد کی ایسی مخالفت کبھی عہدِ ذمہ کو مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے یہاں تک کہ اسے "حربی" بنا دیتی ہے، کبھی عہد میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جس سے سزا مباح ہو جاتی ہے جیسے بیع ونکاح وغیرہ کی شرائط کبھی بیع ونکاح کو بالکلیہ ختم کر دیتی ہیں، مثلاً بیان کیا کہ "گھوڑا ہے" اور نکلے اونٹ (تو بیع باطل ٹھہرے گی) کبھی فسخ بیع مباح ہو جاتی ہے۔ مثلاً رہن اور ضمانت کی چیزوں کا وصف رہن وضمانت سے خالی ہونا، یہ اس شخص کے نزدیک ہے جو مخالفت میں تفریق کا قائل ہے، اور جو شخص "تمام مخالفات کے ساتھ نقضِ عہد" کا قائل ہو تو اس کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ ان دونوں صورتوں میں عقدِ ذمہ کا مقتضی ہے کہ اہلِ ذمہ دینِ اسلام پر مطلقاً اعتراض نہ کریں، جب وہ اعتراض کریں گے تو نقضِ عہد اور طعن فی الدین کے مرتکب ہوں گے، اور لفظاً اور معناً آیت کے عموم میں داخل ہوں گے، اس قسم کا عموم نص کے درجہ کو پہنچتا ہے۔

وجہ سوئم:

اللہ تعالیٰ نے انہیں دینِ حق پر اعتراض کرنے کی وجہ سے "کفر کے سرغنے" قرار دیا، اور اسم ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھا، کیونکہ ائمۃ الکفر "دین کے سرغنے" ان لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جنہوں نے عہد توڑا یا جنہوں نے دین پر اعتراض کیا، یا ان میں سے کچھ اور لوگ مراد ہیں، دوسرا گروہ تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ جنگ کا موجب فعل سب سے صادر ہوا اس لیے سزا کے واسطے بعض کی تخصیص جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ علت طردِ علت کو لازم کرتی ہے سوائے کسی مانع کے، اور مانع یہاں ہے نہیں، دوسری علت یہ بیان کی کہ ان لوگوں کی قسموں یعنی معاہدوں کا اعتبار نہیں، اور یہ حکم تمام ناکثین یعنی عہد شکنوں اور دین پر اعتراض کرنے والوں کو شامل ہے ایک اور وجہ یہ ہے کہ نکث وطعن (یعنی عہد شکنی اور دین پر اعتراض) مشتق وصف ہے جو وجوبِ قتال کے مناسب ہے اور حرفِ فاء شرط کی وجہ سے ترتیبِ جزاء کا فائدہ دے رہی ہے اور یہ اس بارے میں نص ہے کہ وہ فعل دوسرے فعل کو واجب کرتا ہے پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو دینِ اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں، اس سے یہ بھی لازم آیا کہ وہ سب کفر کے سرغنے ہیں، اور کفر کا پیشوا اور سرغنہ وہ ہوتا ہے جو کفر کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگ اس کی بات مانتے ہیں، وہ دینِ اسلام پر اعتراض کرنے کی وجہ سے کفر کا امام بن گیا، کیونکہ صرف عہد شکنی اس کا باعث نہ تھی، یہی صحیح تفسیر ہے، کیونکہ دین میں طعن کی صورت یہ ہے کہ معترض اس میں کیڑے نکالے، اس کی مذمت کرے اور اس کے خلاف دعوت دے، ایک پیشوا کا یہی کام ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ دین پر تنقید کرنے والا کفر کا امام ہے اس لیے جب ذمی طعن کرے گا تو وہ بھی کفر کا سرغنہ قرار پائے گا اور اس کے ساتھ قتال ضروری ہوگا ارشادِ ربانی ہے

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ — تو کفر کے سرغنوں سے لڑو۔

ایسے ذمی کا کوئی عہد نہیں، کیونکہ ہم نے اس سے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ وہ دینِ اسلام پر تنقید نہیں کرے گا نہ اس کی مخالفت کرے گا، آیتِ کریمہ میں لفظ یمین سے مراد ''عقد وعہد'' ہے نہ کہ صرف خدا کی قسم، جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا، اور اس کا یہی صحیح مفہوم ہے، نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ سے قسم نہ لی تھی بلکہ ان سے معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے کا نسخہ مشہور ومعروف ہے اس میں قسم کے الفاظ نہیں۔

''عہد'' کو یمین اس لیے کہتے ہیں کہ دونوں معاہدہ کرنے والے معاہدہ کے وقت اپنے داہنے ہاتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھاتے ہیں، پھر ہوتے ہوتے اس لفظ کا رواج عام ہو گیا یہاں تک کہ عہد کو یمین کہا جانے لگا۔

ایک اور قول یہ ہے کہ اس کو یمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ یمین قوت وشدت کا مفہوم رکھتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقۃ:۴۵) — ہم نے اسے قوت اور سختی سے گرفت میں لیا۔

چونکہ حلف پختہ عہد ہوتا ہے اس لیے اسے یمین کہا جاتا ہے اور یہ اسم بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان پختہ عہد کو شامل اور جامع ہے خواہ نذر کی صورت میں ہو اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اَلنَّذْرُ حَلْفَةٌ — نذر حلف ہے۔ ایک اور ارشاد ہے

كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ — نذر کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کو جس نے جھگڑنے کی نذر مانی تھی، حکم دیا

كَفِّرْ يَمِيْنَكَ — اپنی یمین (قسم) کا کفارہ دے۔

اس کا اطلاق دو گروہوں کے مابین معاہدہ پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل:۹۱) — حلفوں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔

یہاں نقضِ عہود سے منع کیا گیا ہے اگرچہ اس میں قسم کا ذکر نہیں، ایک اور ارشاد ہے

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ (فتح:۱۰) — اور جس نے اس بات کو پورا کیا جس پر اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا۔

بَايَعْنَاكَ عَلٰى اَنْ لَّا نَفِرَّ — ہم نے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔

اس عہد میں قسم کا لفظ موجود نہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیعت کو معاہدین کا نام دیا،

اس آیتِ کریمہ کو بھی ملاحظہ کیجیے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۔ — اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔

علماء فرماتے ہیں کہ تساء لون بہ کا معنی ہے حلف اٹھانا، کیونکہ ان معاہدین میں سے ہر ایک اس سے امانت، کفالت اور شہادت کا عہد کرتا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ جس نے ہمارے دین پر طعن کیا بعد اس کے کہ اس نے ہم سے عہد کیا کہ وہ طعن نہیں کرے گا، تو وہ کفر کا سرغنہ ٹھہرا اس کا کوئی عہد نہیں، اس لیے بنص آیت اس کا قتل واجب ہے، اس سے عہد شکن اور کفر کے علمبردار کے درمیان فرق واضح ہوگیا، صرف عہد شکن سے مراد وہ شخص ہے جو معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرے مگر دین میں طعن کا مرتکب نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی نقضِ عہد کی موجب ہے

وجہ چہارم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ:۱۳)

کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا، حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے، کیا ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو نکال دینے کے ارادے کو قتال پر برانگیختہ کرنے کے مترادف قرار دیا وجہ یہ تھی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے کا قصد تھا، جبکہ گالی دینا تو اس سے بڑا جرم ہے اسی وجہ سے گالی دینے والے کو معاف نہ کیا گیا، پس ذمی جب نبی اکرم ﷺ کو گالی دے گا تو عہد شکنی کا مرتکب ہوگا اور یہ جرم رسول اللہ ﷺ کو نکال دینے سے بڑا جرم متصور ہوگا اس لیے ذمی گستاخ واجب القتل قرار پائے گا۔

وجہ پنجم:

ارشادِ ربانی ہے

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ:۱۴، ۱۵)

ان (کافروں) سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں ہمیں عہد شکنوں اور دین کے ناقدوں کے ساتھ جنگ کا حکم دیا اور ضمانت دی کہ اگر ہم اس حکم پر عمل کریں گے تو وہ ہمارے ہاتھوں کافروں کو سزا دے کر رسوا کرے گا، ان کے خلاف ہماری مدد کرے گا اور اس عہد شکنی اور طعن کی وجہ سے تکلیف اٹھانے والے مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ضمانت کو قتال کے ساتھ مشروط کیا جس طرح جزاء شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، اب تقدیرِ کلام یوں ہے

کہ اگر تم ان کافروں سے قتال کرو گے تو کرم نوازی کی یہ تمام صورتیں تمہارے لیے ہوں گی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عہد شکن طاعن فی الدین ان تمام باتوں یعنی سزا اور رسوائی کا مستحق ہے ورنہ اس بات کا امکان ہے کہ کافر ہم سے فریب کاری کریں گے اور کبھی ہم ان پر چڑھ دوڑیں گے اگر چہ انجام نیک صرف خدا ترس لوگوں کا ہوگا، یہ دراصل نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کی تصدیق ہے۔

مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ اِلَّا اُدِيْلَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ — جو قوم عہد شکنی کی مرتکب ہوتی ہے اس کا دشمن اس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا جاتا ہے۔

''ہمارے ہاتھوں عذاب'' سے مراد قتل ہے اس تفسیر کی روشنی میں عہد شکن اور معترض مستحقِ قتل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا بھی عہد شکن اور طاعن ہے جیسا کہ گزر چکا، اس لیے وہ بھی مستحقِ قتل ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے (دو اور باتوں کا) ذکر فرمایا کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور اس کے بعد جس سے چاہے گا توبہ قبول کریگا، یہ کلام اس گروہ کے ساتھ قتال کے بارے میں ہے جو اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کرنے والا ہے جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کی سزائے قتل لازم ہو چکی اس کو سزا اور توبہ کے لحاظ سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

''مَن يشاء'' (جسے چاہے) سے مراد وہ شخص ہو سکتا ہے جو بذاتِ خود طعن فی الدین کا مرتکب نہ ہو بلکہ دوسرے کے طعن پر خاموش اور خوش اس وجہ سے اسے بھی معترضین کی صف میں کھڑا کیا گیا ہو مگر سزا کے وقت اسے اصل مرتکب سے الگ کر لیا گیا ہو، اس لیے کہ جرم میں اعانت کرنے والے کی توبہ سے براہِ راست ارتکاب کرنے والے کی توبہ لازم نہیں آتی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے روز ہجو گوئی کرنے والوں کا خون رائیگاں قرار دیا جبکہ صرف سن کر خاموش ہونے والوں کا خون رائیگاں نہیں ٹھہرایا، یونہی آپ نے بنی بکر (جنہوں نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا) کا خون رائیگاں کر دیا جبکہ انہیں اسلحہ دینے والوں کا قتل مباح قرار نہیں دیا۔

وجہِ ششم:

اللہ تعالیٰ نے زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں فرمایا

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۔ (التوبہ:۱۵) — اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عہد شکنی اور دین پر اعتراض کے دکھ سے سینوں کا شفایاب ہونا اور غیظ وغضب کا دور ہونا شارع علیہ السلام کا مقصود ومطلوب ہے اور یہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جب مسلمان ان عہد شکنوں کے خلاف جہاد کریں گے۔ جیسا کہ مرفوع حدیث میں آتا ہے

عَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ فَاِنَّهٗ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ اللّٰهِ يَدْفَعُ اللّٰهُ بِهٖ عَنِ النُّفُوْسِ الْهَمَّ وَالْغَمَّ ۔ — تم پر جہاد فرض ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دروازہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ دلوں سے پریشانیاں اور غم دور کرتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور آپ ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ اہلِ ایمان کا دل جلاتا اور تکلیف دیتا ہے اور قتل و غارت سے بڑھ کر جرم کا ارتکاب کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے حمیت اور غضب کے جذبات بھڑکتے ہیں، مومن کے دل میں بلکہ اس سے زیادہ کسی بات پر غیظ و غضب نہیں ہوتا، ایک سچا مومن صرف اللہ کے لیے اس قدر قہر و غضب کا اظہار کرتا ہے، جبکہ شارع علیہ السلام اہلِ ایمان کے سینوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے اور ان کی جلن دور کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس خواہش کی تکمیل فقط گستاخ کے قتل سے ہوتی ہے جس کی حسبِ ذیل کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل:

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر کافر کسی مسلمان کو گالی دے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے سے مسلمان کا غصہ فرو ہو جاتا ہے اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے اور مسلمان اسی قدر تادیبی اور تعزیری کارروائی سے راضی ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ایک مومن کو رسول اکرم ﷺ کی گستاخی پر اتنا ہی غصہ آیا جتنا ایک مومن کی توہین پر آیا اور یہ باطل ہے۔

وجہ ثانی:

دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر کو مال کے غصب سے زیادہ اپنی توہین پر غصہ آتا ہے اور اگر ان کے کسی فرد کو قتل کر دیا جائے تو وہ راضی نہ ہوں گے جب تک قاتل کو قتل نہ کیا جائے، اسی طرح مسلمان کے لیے زیادہ سزاوار ہے کہ وہ اسی وقت راضی ہو جب گستاخِ رسول ﷺ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔

وجہ ثالث:

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہد شکن گستاخ کافروں سے قتال کو حصولِ شفاء کا سبب قرار دیا جبکہ کسی اور سبب سے اس شفاء کا حصول ممکن نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان سے معرکہ آرائی کی جائے تاکہ اہلِ ایمان کے سینوں کو اس تکلیف سے آرام ملے۔

وجہ چہارم:

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر بنو خزاعہ کو بنی بکر کے قاتلوں سے انتقام لے کر مطمئن کرنا چاہا تو دن کے اجالے میں انہیں سینے کی آگ بجھانے کا موقع عطا فرمایا، جبکہ دوسرے لوگوں کو امان دے دی، اگر بنو بکر کے قتل کے بغیر بنو خزاعہ کی آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو سکتی تو حضور ہرگز انہیں قتل نہ کرتے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے دوسرے مشرکین کو امان کی دولت عطا فرما دی تھی۔

آیت نمبر ۴:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ — کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ (توبہ: ٦٣) — کا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینا دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرنا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ یہ آیت مندرجہ ذیل آیت کے بعد آئی ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ (توبہ: ٦١) — اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ نبی کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں۔

پھر فرمایا

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ الخ (التوبہ: ٦٢، ٦٣) — تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔

اگر وہ اس اذیت کی وجہ سے دشمنانِ خدا اور رسول قرار نہ پاتے تو انہیں آتشِ جہنم کی وعید دینا مستحسن اور مناسب نہ تھا، اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ انہیں بخوبی علم ہے کہ اللہ سے دشمنی کرنے والے کے لیے جہنم کی سزا ہے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اور دشمنی نہیں کی، صرف اذیت دی ہے اس لیے اس وعید کے مستحق نہیں۔"

مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ فعل اذیت دشمنی اور مخالفت کے عموم میں داخل ہے تاکہ دشمن اور مخالف کے لیے جو وعید آئی ہے وہ اذیت رساں کے لیے بھی وعید بن سکے اور کلام مربوط ہو جائے، اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام حاکم نے صحیح میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے

"نبی اکرم ﷺ اپنے ایک حجرہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، اور مسلمانوں کا ایک گروہ بھی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا، آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص تمہارے پاس آئے گا جو شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا، جب وہ آئے تو اس سے کلام نہ کرنا، اسی اثناء میں ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر پوچھا فلاں فلاں شخص اور تم مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا (اور یہی سوال کیا) تو انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا اور عذر بہانے کرنے لگے، تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ (توبہ: ١٨) — جس دن اللہ سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا، سن لو بے شک وہی جھوٹے ہیں۔

پھر اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ (مجادلہ:۲۰)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اور دشمنی کرتے ہیں وہ بہت ذلیل ہیں۔

ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (توبہ:۹۶)

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔

نیز فرمایا

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ (توبہ:۶۲)

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کریں۔

پھر اس کے بعد فرمایا

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ (توبہ:۶۳)

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ "شاتمین" خدا اور رسول کے دشمن ہیں، اس بارے میں زیادہ تفصیل عنقریب آ رہی ہے انشاء اللہ۔

چونکہ اذیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کی آئینہ دار ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۞ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۞ (مجادلہ: ۲۰، ۲۱)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرتے ہیں ان کا شمار انتہائی ذلیل لوگوں میں ہے، اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور غالب ہے۔

اذل میں ذلیل سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اور آدمی اذل اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسے دشمنی کے اظہار کی وجہ سے جان و مال کا خطرہ ہو، وجہ یہ ہے کہ اگر اس کی جان اور مال معصوم ہو، مباح نہ ہو تو وہ اذل نہیں، اس حقیقت پر مندرجہ ذیل ارشادِ ربانی روشنی ڈالتا ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۱۲)

ان پر جما دی گئی خواری جہاں ہوں (امان نہ پائیں) مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے۔

اللہ تعالیٰ نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ ان لوگوں پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے وہ جہاں پائے جائیں البتہ اس میں "عہد" کا استثناء ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو معاہد ہے اس پر ذلت نہیں، اگر چہ اس پر مسکنت ہے اور مسکنت بعض اوقات ذلت کے بغیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محادین یعنی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو "اذلین" میں شمار کیا اس لیے ان کا کوئی عہد نہیں کیونکہ عہد "ذلت" کے منافی ہے جیسا کہ آیت دلالت کرتی ہے، اور یہ ظاہر ہے، وجہ یہ ہے کہ اذل وہ ہے جس کے پاس

برے ارادے کے حامل شخص کو روکنے کی قوت نہیں ہوتی، اگر اس کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو تو مسلمانوں پر اس کی نصرت وحمایت لازم ہے اس صورت میں وہ ''اذل'' نہیں ہوسکتا، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ اور رسول کا ''محادّ'' یعنی دشمن ذی عہد نہیں کہ عہد اس کا تحفظ کرے، اور نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے والا بھی ''محادّ'' ہے اس لیے وہ ذی عہد نہیں ہوسکتا کہ اس کے خون کا تحفظ ہو اور یہی مقصود ہے (کہ گستاخی کی وجہ سے اس کی سزا قتل ہے)

ذیل کا ارشادِ پاک بھی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (مجادلہ: ۵)

بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کیے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلت دی گئی۔

''کبت'' کا معنی ہے ذلت میں ڈالنا، رسوا ہونا، گرنا، خلیل کہتے ہیں، کبت کا معنی ہے منہ کے بل گرنا، نضر بن شمیل اور ابنِ قتیبہ کے نزدیک اس کا مفہوم ہے ''شدید غصہ اور غم'' اس کا اشتقاق ''کبد'' سے ہے (اور کبد کا معنی ہے جگر) گویا غصہ اور غم اس کے جگر کو لگا، کہا جاتا ہے، غم اور غصے نے اس کے جگر کو جلا ڈالا۔ اہلِ تفسیر کہتے ہیں کبتوا کا معنی ہے اُهْلِكُوْا وَاخزُوْا وَحزنُوْا یعنی وہ ہلاک کیے گئے، رسوا ہوئے اور غم میں مبتلا ہوئے، ثابت ہوا کہ محاد ہلاکت میں پڑنے والا رسوا ہونے والا اور غم وغصہ میں برباد ہونے والا ہے، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دشمنی ظاہر کرنے والے کو جان کا خطرہ ہو، ورنہ جو بے خطر دشمنی کا اظہار کرے وہ ذلیل ورسوا اور پریشان نہیں ہوتا بلکہ خوش وخرم ہوتا ہے، آیتِ کریمہ میں مزید فرمایا:

كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (مجادلہ: ۵)

وہ ہلاکت میں ڈالے گئے جس طرح ان سے پہلے ہلاکت میں ڈالے گئے۔

ان سے پہلے ہلاکت میں پڑنے والے وہ تھے جنہوں نے انبیاء ومرسلین کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب سے یا اہلِ ایمان کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین بھی محادین میں شامل ہیں ان کے لیے بھی ذلت وخواری اور تباہی ہے اگر وہ اپنے دلوں کی پوشیدہ دشمنیاں ظاہر کریں تو قتل کر دیے جائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر دشمنِ رسول کا یہی حشر ہو۔

قرآنِ حکیم کے یہ الفاظ

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ: ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔

آیت إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۔ (مجادلہ: ۲۰)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین ہیں۔

کے بعد آئے ہیں ان میں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے، کہ محادت (مخالفت مغالبہ اور دشمنی کا نام ہے جو آخر کار ایک کے غلبہ اور دوسرے کی مغلوبی پر منتج ہوتی ہے اور یہ برسرپیکار لوگوں کے درمیان ہوتی ہے پرامن اور صلح جو لوگوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اس

سے معلوم ہے کہ ''محاد'' یعنی مخالف اور دشمن شخص صلح پسند نہیں ہوتا۔ (یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ) انبیاء کرام اور رسولان عظام کا غلبہ حجت اور قہر کے ساتھ ہوتا ہے، تو ان میں سے جس کو جنگ کا حکم دیا جاتا ہے اسے اس کے دشمن پر مدد بھی دی جاتی ہے اور جسے جنگ کا حکم نہیں دیا جاتا اس کا دشمن اس پر غالب آ جاتا ہے، یہ قول اس شخص کے قول سے بہتر ہے جو کہتا ہے، محارب کا غلبہ [illegible] ہوتا ہے اور غیر محارب کا غلبہ حجت اور دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محادین (مخالفت کرنے والے) [illegible] ہیں [illegible]

لفظ محادت مشاقت (یعنی مخالفت) کے مترادف ہے، وجہ یہ ہے کہ محادۃ حد اور جدائی کی آئینہ دار ہوتی ہے یونہی مشاقہ پھٹ جانے جدا ہو جانے کا مفہوم رکھتی ہے محادت کا بھی یہی مفہوم ہے، یہ دونوں الفاظ قطع تعلقی اور جدائی کے معنی میں آتے ہیں، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ محادین اور مشاقین باہم پھٹے ہوئے اور ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں، اور یہ بات معاہدین کے درمیان قطع تعلقی کا تقاضا کرتی ہے جب وہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کریں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے ساتھ مخالفت کرنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں،

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ محادت مشاقت کے معنی میں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

تو ان کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے ہر ہر پور پر ضرب لگاؤ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی مخالفت کے باعث انہیں قتل کرنے کا حکم دیا، اسی طرح جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخالفت کرنے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے کیونکہ اس کی علت موجود ہے۔

ایک اور ارشاد ربانی ہے۔ فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

(الحشر: ۳، ۴)

اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب دوزخ ہی ہے یہ سب اسی سبب سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو پھر اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔

یہاں آیت میں مذکور تعذیب کا معنی قتل ہے واللہ اعلم کیونکہ ان کافروں کو اس سے کم درجہ کے جرم میں جلاوطنی اور مال چھین لیے جانے کی سزا دی گئی اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت میں قتل کی سزا واجب ہوئی اور یہ اس شخص کے لیے ہے جو علانیہ مخالفت کرے ورنہ جو شخص دل میں ایسی مخالفت پوشیدہ رکھے وہ محاد اور مشاق یعنی مخالف نہیں۔

یہ دلالت میں بہت قوی طریقہ ہے، کہا جاتا ہے وہ محاد ہے اگر چہ مشاق نہیں اس لیے محاد کی سزا مطلقاً یہ ٹھہرائی کہ وہ مکبوت خوار اور بہت ذلیل ہو اور مشاق کی سزا قتل اور دنیوی تعذیب قرار دی، اور کوئی شخص مکبوت خوار اسی وقت ہوتا ہے جب اپنی مخالفت کا اظہار کر سکے، اس معنی پر محادۃ عام ہوگی اسی لیے مفسرین نے آیتِ کریمہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مجادلہ:۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

میں محادین ان لوگوں کو قرار دیا جنہوں نے جہاد میں اپنے مسلمان رشتہ داروں کو قتل کیا یا یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول ﷺ سے تعرض کرنے والے اور اذیت دینے والے رشتہ دار کافروں اور منافقوں کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، معلوم ہوا کہ محادۃ مشاق وغیرہ اذیتوں اور گستاخیوں کو عام ہے۔

اس پر یہ آیاتِ کریمہ بھی دلالت کرتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ○

(مجادلہ: ۱۴ تا ۱۶)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے، وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (حفاظت جان و مال کی) ڈھال بنا لیا ہے پس اللہ کی راہ سے روکتے ہیں سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

یہ سلسلۂ کلام مندرجہ ذیل آیت تک چلتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۔ (مجادلہ:۲۰)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے وہ بہت ہی ذلیل ہیں۔

یہ آیات ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کی مستحق غضب یہودیوں کے ساتھ دوستی تھی، اور ان یہودیوں کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ''معاہدہ'' تھا پھر اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرمایا کہ اہلِ ایمان کی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی اور محبت نہیں ہو سکتی، اس عدم مودت میں یہودی بھی شامل ہیں خواہ وہ ذمی معاہد ہوں، کیونکہ ان کی دشمنی ہی اس سورتِ کریمہ کے نزول کا سبب ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ کتاب خواہ معاہد ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان دوستی کا رشتہ قطع فرما دیا ہے خواہ کافروں کے ساتھ معاہدہ ہوا اور وہ بطور ذمی رہ رہے ہوں اس تقدیر پر کہا جائے گا کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہی اس شرط پر طے پایا تھا کہ وہ مخالفت کا اعلان و اظہار نہ کریں گے، اور جب وہ خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے تو ''محادین'' ٹھہریں گے اور ان کا معاہدہ ختم ہو جائے گا، پھر دنیاوی رسوائی یعنی قتل و تعزیر

اور آخروی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

ایک اعتراض:

جب ہر یہودی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا محاد (دشمن) ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کی یہودیت کے باوجود معاہدہ برقرار رہتا ہے تو اس سے تمہارے اصول کہ محاد کے لیے عہد نہیں ہوتا، کے ساتھ تناقض لازم آیا

جواب:

جو ہمارے بیان کردہ طریقہ پر گامزن ہو وہ کہے گا، محاد یعنی دشمنِ خدا اور رسول جب مخالفت اور دشمنی کا اظہار کرے گا تو اس کا کوئی معاہدہ نہ ہوگا اور اگر اس کا اعلان واظہار نہ کرے گا تو ہم اسے معاہدہ کی سہولت دیں گے، آیتِ کریمہ

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران:۱۱۲)

وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے سوائے اس کے کہ انہیں کہیں اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (پناہ دی جائے)۔

کا تقاضا ہے کہ ذلت اسے لازم ہو پس یہ ذلت اس سے دور نہ ہوگی سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سہارا لے یا لوگوں سے رشتہ جوڑے یعنی معاہدہ کرے اور مسلمانوں سے عہد باندھ کر لازم ہوگا کہ وہ دشمنی کا اظہار کرے اس اعتبار سے یہ مطلق تعلق نہیں بلکہ مقید تعلق ہے اس لیے جب وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو معاہدہ اسے ذلت سے نہیں بچائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر مسلم ذمیوں کو ذلت ہر حال میں لازم ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں مطلقاً آیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ میں ذلت کی تفسیر ووضاحت ہو، مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جہاں ملیں گرفتار کر کے قتل کیے جائیں سوائے معاہدہ کے، مگر معاہدہ بھی ذلت کو دور نہیں کرتا وہ تو ذلت کے بعض موجبات ونتائج یعنی قتل کو رفع کرتا ہے، اس لیے جس شخص کا خون صرف معاہدہ کی وجہ سے معصوم ہو وہ بھی ذلیل ہے، اگرچہ معاہدہ نے اسے معصوم الدم بنا دیا، مگر اس تقدیر پر محادۃ (مخالفت) کی پہلی دلالت کمزور ہو جائے گی حالانکہ پہلا طریقہ بہترین ہے، اس مسئلے پر زیادہ تقریر موجب تطویل ہے۔

۵-ارشادِ ربانی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (احزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ آیۂ کریمہ ان لوگوں کو قتل کرنا واجب قرار دے رہی ہے جو دانستہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، جیسا کہ اس کی تقریر انشاء اللہ عنقریب آرہی ہے اور اس سلسلہ میں عہد بھی ان کو نہیں بچا سکتا کیونکہ ہم نے ان سے عہد اس بات پر نہیں لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے اذیت کے مرتکب ہوں۔

اس مسئلہ کی وضاحت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۔

کون شخص کعب بن اشرف یہودی کا بندوبست کرتا ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

اس طرح آپ ﷺ نے اہلِ اسلام کو یہودی کے خلاف کارروائی کرنے کی ترغیب دی حالانکہ وہ معاہد تھا مگر اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی تھی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ذمی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ستانے کا الزام نہیں دیا جا سکتا ورنہ اذیت دینے والے اور اذیت نہ دینے والوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے ''معاہدہ ذمہ'' پر کاربند ہونے کے باوجود یہودی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں، البتہ ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت کی اجازت نہیں دی ہم نے تو اس بات پر معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات آزادی کے ساتھ سرانجام دے سکیں۔

شاتمِ رسول ﷺ کے کفر اور سزائے قتل یا دونوں میں سے ایک پر دلالت کرنے والی آیات بہ کثرت ہیں خواہ شاتم غیر معاہد ہو یا مدعی اسلام، اس مسئلے پر اجماعِ امت ہے جیسا کہ قبل ازیں کئی ائمہ اسلام سے حکایتِ اجماع نقل کی جا چکی ہے۔

۱- آیت کریمہ ہے

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ

(توبہ: ۶۱)

ان میں سے کچھ نبی ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان (کے کچے) ہیں کہہ دیجئے کان (کا کچا) ہونا (اور ہر بات سن لینا) تمہارے لیے بہتر ہے، آپ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں اہلِ ایمان ہیں ان کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں فرمایا:

أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّهُ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

(توبہ: ۶۳)

کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی اور مخالفت ہے کیونکہ ایذاء کا ذکر محادۃ یعنی مخالفت اور دشمنی کا مقتضی ہے، اس لیے ایذاء کو داخلِ محادت کرنا ضروری ہے ورنہ کلام میں ربط نہیں رہے گا، اور یہ کہنے کی گنجائش ہوگی کہ وہ محاد یعنی اللہ اور رسول کا دشمن نہیں، یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ایذاء اور مخالفت (محادۃ) کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خبر دی کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، یہ نہیں فرمایا کہ یہ اس کی جزاء ہے ان دونوں باتوں کے

درمیان بہت فرق ہے بلکہ محادہ عین دشمنی اور عداوت ہے اور وہ کفر و پیکار ہے جو کہ مجرد کفر سے زیادہ بڑا جرم ہے اس لیے جرم اذیت کا مرتکب کافر قرار پائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے اور اللہ و رسول کے خلاف حالتِ جنگ میں ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا حضور نے فرمایا

مَنْ یَکْفِیْنِیْ عَدُوِّیْ — کون میرے دشمن کے بارے میں میری کفایت کرتا ہے۔

یہ مسئلہ ظاہر ہے اور اس کی تقریر گزر چکی ہے اس گستاخی پر وہ کافر مباح الدم ہوگا، اس کی دلیل یہ آیتِ کریمہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ (مجادلہ:۲۰) — بے شک جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی وہ بہت ذلیل لوگ ہیں،

اور اگر مومن معصوم الدم ہوتا تو ذلیل نہ ہوتا (کیونکہ مومن تو اہلِ عزت ہوتے ہیں)

ارشادِ ربانی ہے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔(المنافقون:۸) — عزت تو اللہ اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے لیے ہے۔

مومن مکبوت (یعنی ذلیل) نہیں ہوتا جیسے رسولوں کی تکذیب کرنے والے مکبوت ہیں (مجادلہ) اسی لیے اللہ جل مجدہ نے فرمایا

تو ایسے لوگوں کو نہیں پائے گا جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتے ہیں۔ (مجادلہ)

پس جو شخص دشمنانِ خدا سے محبت کرنے کی وجہ سے مومن نہیں رہتا وہ خود اس سے دشمنی کر کے کب مومن رہے گا؟ ایک روایت کے مطابق اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ابوقحافہ نے (اسلام لانے سے قبل) نبی اکرم ﷺ کو گالی دی تو اس کے بیٹے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا قصد کیا دوسری روایت یہ ہے کہ ابنِ ابی نے شانِ رسالت میں گستاخی کی تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی تا کہ اپنے باپ کو قتل کر دے، اس سے ثابت ہوا کہ "محاذ" (دشمنِ خدا اور رسول) کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے۔

اہلِ اسلام اور گستاخوں کے درمیان دوستی نہیں ہوسکتی:

اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور دشمنانِ خدا اور رسول کے درمیان رشتہ موالات قطع فرما دیا ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں بھائی ہوں یا کنبے کے افراد ہوں۔ (مجادلہ:۲۲)

ایک اور آیتِ کریمہ ہے جس کا ترجمہ درج ہے۔

"اے اہلِ ایمان میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا وہ (بوجہِ دشمنی) رسول کو اور تم کو گھروں سے نکالتے ہیں اس بنا پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لاتے ہو۔" (ممتحنہ:۱)

اس سے پتہ چلا کہ وہ مومن نہیں

ذیل کی آیتِ کریمہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○ (حشر:۳،۴)

اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی جلاوطنی لکھ نہ دی ہوتی تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرماتا اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے پھٹے رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے پھٹا رہے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دشمنی کو دنیا اور آخرت میں استحقاقِ عذاب کا سبب قرار دیا گیا اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن ہے اور عذاب کی یہاں دو صورتیں ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت

۲- مسلمانوں کے ہاتھوں تباہی

ورنہ اس سے کم تر عذاب مثلاً مالوں کی غارت اور جلاوطنی کی مصیبت تو پہلے ہی سے سہ چکے تھے۔

ایک اور ارشادِ پاک ہے

"یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم اہلِ ایمان کو (جنگ میں) ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس ان کی گردنوں پر مارو اور ہر ہر پور پر ضرب لگاؤ، ان کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی۔" (انفال:۱۲،۱۳)

اس آیتِ کریمہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کا سبب اور انہیں قتل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی، اور جس کا طرزِ عمل ایسا ہو، وہ ایسی ہی سزا کا مستحق ہے۔

ھواذنٌ کی تفسیر:

امام مجاہد کافروں کے قول ھواذن کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ منافق کہا کرتے ہم جو چاہیں گے بات کریں گے پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر حلف اٹھالیں گے (کہ ہم نے ایسی بات نہیں کہی) اور رسول اللہ ﷺ ہماری قسم پر اعتبار کر لیں گے۔

والبی حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر نقل کرتے ہیں "کہ منافق کہتے کہ حضور کان کے کچے ہیں ہر ایک کی سن لیتے ہیں۔"

بعض اہلِ تفسیر کہتے ہیں، کہ منافقین میں سے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتے اور نازیبا گفتگو کرتے تھے کسی نے ان سے کہا ایسا نہ کہو، اندیشہ ہے کہ تمہاری باتیں محمد ﷺ تک پہنچ جائیں گی اور وہ ہماری بے عزتی کریں گے تو حاضرینِ مجلس نے کہا، بلکہ ہم حسبِ خواہش باتیں کریں گے پھر محمد ﷺ کے پاس آئیں گے، اور عذر کریں گے تو وہ ہمارا عذر قبول کر لیں گے کیونکہ وہ ہر ایک کی بات سن کر تسلیم کر لیتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبیل بن حارث نبی اکرم ﷺ کی باتیں منافقین تک پہنچاتا تھا یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا تھا، ''جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہے وہ نبیل بن حارث کو دیکھ لے'' اس سے کہا گیا کہ ایسی حرکت نہ کیا کر، کہنے لگا محمد کان کے کچے ہیں، جو کوئی ان سے بات کرتا ہے وہ اسی کو سچ سمجھ لیتے ہیں، ہم جو جی میں آیا کہیں گے پھر ان کے پاس آ کر قسم اٹھالیں گے تو وہ اس کو مان لیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی،

منافقین کے اذن کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا کلام رسول اللہ ﷺ کے ہاں مقبول ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ نبی اکرم ﷺ تو صرف اہلِ ایمان کی باتوں کو سچا سمجھتے ہیں، اور منافقین کی سن لیتے ہیں جب وہ قسمیں اٹھاتے ہیں تو ان کی غلط بیانیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اس لیے کہ ان کی ہر بات سن لینا ان کے حق میں بہتر ہے، آپ اس لیے نہیں سنتے کہ آپ انہیں راست گو بھی سمجھتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں،

''مراد یہ ہے کہ اے منافقو! حضور کا تمہاری ہر بات سن لینا بہتر ہے وہ تم سے ہر بات قبول کر لیتے ہیں جو تمہاری زبان پر آتی ہے اور تمہارے دلی کھوٹ اور منافقت پر گرفت نہیں کرتے، اور پوشیدہ باتوں کو خدا پر چھوڑتے ہیں، بعض اوقات یہ کلمہ یعنی اذن کہنا ایک قسم کے استہزاء اور استخفاف کو متضمن ہوتا ہے''۔

ایک سوال:

نعیم بن حماد بحوالہ امام حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! کسی فاجر یا فاسق کا مجھ پر احسان نہ رکھ، میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پایا۔

''تم ایسے لوگوں کو نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے دشمنوں سے دوستی اور محبت رکھیں۔'' (مجادلہ:۲۲)

سفیان کہتے ہیں کہ علماء کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حکمرانوں سے میل جول رکھتے ہیں، اس روایت کو ابواحمد عسکری نے نقل کیا۔

اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ہر فاسق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کا دشمن ہے حالانکہ عملی فاسق نفاقِ اعتقادی سے متصف نہیں کہ ان کا خون مباح ہو۔

نفاق کا اطلاق:

اس کا جواب یہ ہے کہ جو مومن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ ہرگز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن نہیں جیسا کہ وہ مطلقاً کافر یا منافق نہیں اگرچہ وہ بہت گناہ گار ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص نعیمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے حالانکہ اسے کئی بار شراب نوشی پر سزا ملی، وجہ یہ ہے کہ مطلقاً دشمنی قطع تعلقی اور عداوت کا تقاضا کرتی ہے اور مومن اس کا سزاوار نہیں، البتہ کبھی نفاق کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا جاتا ہے جو نفاق کی کسی ایک خصلت سے متصف ہو، اسی لیے علماء کہتے ہیں کُفْرٌ دُونَ کُفْرٍ (یعنی حقیقی کفر کے علاوہ کفر) فِسْقٌ دُوْنَ فِسْقٍ حقیقی فسق

کے علاوہ فسق وغیرہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے
''جس شخص نے نسب سے بیزاری کا اظہار کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔''
''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''
اور منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کا مرتکب ہو اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
(یہاں کفر شرک اور نفاق سے مراد حقیقی کفر شرک اور نفاق نہیں) ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں ''میں نے تمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا سب اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتے تھے۔''

ایمان کا تقاضا ہے کہ دشمنانِ خدا سے محبت نہ رکھی جائے:

مذکورہ بالا حدیث کی توجیہہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاجر سے منافق مراد لیا ہو، اس طرح یہ استدلال کے مناقض نہیں، یا ہر فاجر مراد لیا ہو کیونکہ فجور نفاق کا مقام ہے، اس لیے ہر فاجر کے بارے میں خوف ہے کہ اس کا فسق وفجور دل کے مرضِ نفاق سے صادر ہوا ہو یا اس کا موجب بنا ہو، کیونکہ فسق وفجور اور گناہ کفر کے داعیے ہیں، لہٰذا آدمی جب فاسق سے محبت کرے گا تو منافق سے محبت کرنے والا ٹھہرے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ اس شخص سے محبت اور دوستی نہ رکھی جائے جو ایمان کے منافی افعال کا اظہار کرے ورنہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی لازم آئے گی، اس سے بھی مذکورہ بالا استدلال کی نفی نہیں ہوگی۔
یا یہ کہ کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی کی مختلف صورتیں قرار دی جائیں تو ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ایک لحاظ سے دشمن ہوگا اور دوسری جہت (یعنی ایمان کی وجہ) سے دوست ہوگا، اور اسے باندازہ مخالفت ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑے گا، امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،
''خواہ انہیں گدھے یا گھوڑے لیکر بھاگیں، ان کے گناہ کی ذلت ان کی گردنوں تک پہنچے گی، اللہ کو منظور نہیں مگر یہ کہ اپنے نافرمان کو ذلیل کرے اس طرح گناہ گار شخص بقدر گناہ ذلت میں مبتلا ہوگا، خواہ اصلِ ایمان کے لحاظ سے معزز ہوگا اور حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ مومن کسی صورت کسی دشمنِ خدا ورسول سے محبت اور دوستی نہ رکھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دلوں کی تخلیق اور فطرت اس طرح ہے کہ وہ احسان اور نیکی کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور برائی کرنے والوں سے نفرت وعداوت رکھتے ہیں، جب فاجر اس کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اپنی فطرتِ قلب کی بناء پر اس سے محبت کرتا ہے اس طرح وہ اس سے محبت کرنے والا ہو جاتا ہے، جبکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس سے محبت نہ کرے اگرچہ اصلِ ایمان اس کے پاس ہے جس سے اصلِ مودت لازم آتی ہے اور یہ مودت صرف اہلِ ایمان کے ساتھ خاص ہے کافر اور منافق اس کے حق دار نہیں، اس بناء پر بھی استدلال کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتا ہے دراصل وہ حقیقی دشمنی کا اظہار کرتا ہے یوں وہ مطلق سزا، جو کہ کافروں کی سزا ہے، کا حق دار ہو جاتا ہے جس طرح کوئی اصلِ منافقت کا اظہار کرتا ہے تو مستوجب سزا ہوتا ہے اگرچہ کسی ایک شعبہ نفاق پر مستوجب سزا نہیں ٹھہرتا۔

دلیلِ ثانی:

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

(توبہ: ۶۴ تا ۶۶)

منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو ان کو منافقوں کے دلی نفاق کی خبر دے دے گی آپ فرمائیے ہنسی کیے جاؤ، بے شک اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس چیز سے تم ڈر رہے ہو اور اگر آپ ان سے سوال کریں تو ضرور کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل کر رہے تھے، فرمائیے کیا اللہ تعالیٰ اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم اظہارِ ایمان کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو، اگر ہم تمہارے ایک گروہ سے (بوجہِ توبہ) درگزر کر لیں تو بیشک ہم دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

یہ اس بات پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کفر ہے۔ پس گالی دینا تو بطریقِ اولیٰ کفر ہے یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی توہین کرے، خواہ سنجیدگی سے یا مذاق سے وہ کافر ہے۔

بعض اہلِ علم مثلاً حضرت ابنِ عمر، محمد بن کعب، زید بن اسلم اور قتادہ سے ایک ملتی جلتی روایت آئی ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک منافق نے کہا میں نے اپنے علماء جیسا پیٹو، جھوٹا، اور بزدل نہیں دیکھا، اس سے اس کی مراد (معاذ اللہ) نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور اہلِ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھی۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تو جھوٹا ہے، بلکہ منافق ہے، میں تیری اس بکواس سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کروں گا، پھر رسول اللہ ﷺ کو بتانے کے لیے چلے، جب بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس بارے میں پہلے ہی قرآنِ کریم نازل ہو چکا ہے، پھر جب وہ منافق حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس وقت اونٹنی پر سوار ہو کر آمادۂ سفر تھے، اس نے کہا یا رسول اللہ! ہم تو یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے، جس طرح اہلِ قافلہ سفر طے کرنے کے لیے گپ شپ لگاتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے اس شخص کو دیکھا وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا اور پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے، اور وہ کہہ رہا تھا یا رسول اللہ! ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کر رہے تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ. (توبہ: ۶۵)

کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہو؟

مجاہد کہتے ہیں، ایک منافق نے کہا کہ محمد (ﷺ) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی فلاں وادی میں ہے وَمَا يَدْرِيهِ مَا الْغَيْبُ آپ کو غیب کا کیا علم؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت زیرِ نظر نازل فرمائی۔

معمر بحوالہ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے سفر پر تھے، کچھ منافق آگے چل رہے تھے ان میں سے کسی نے کہا یہ شخص اس گمان میں ہے کہ شام کے محلات اور قلعے فتح کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اس بات سے مطلع فرمایا، آپ نے حکم دیا ان سواروں کو روک کر میرے پاس لے آؤ، پھر پوچھا کیا تم نے اس طرح کی بات کی ہے؟ تو انہوں نے قسم اٹھا کر کہا، ہم تو صرف ہنسی کھیل کر رہے تھے۔

معمر کلبی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص ان کی طرح گستاخانہ گفتگو میں شامل نہ تھا بلکہ انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا تو آیت کے یہ الفاظ اس کے بارے میں نازل ہوئے۔

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۔ (توبہ:۶۶)

اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو معاف کردیں تو دوسرے گروہ کو ضرور عذاب دیں گے۔

یہاں لفظ طائفہ (گروہ) آیا ہے جبکہ وہ ایک ہی آدمی تھا۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہلِ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین اور تنقیصِ شان کی اور آپ کے ارشادات کو لائقِ توجہ نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ ان بدبختوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے، حالانکہ ان کی گفتگو مذاق ہی مذاق میں تھی، پھر اس سے شدید تر اور سنجیدہ گستاخانہ رویے کا حال کیا ہوگا؟ ان پر حد نہ لگانے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی ان کے خلاف جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ حکم تھا کہ ان کی اذیتیں برداشت کرکے درگزر سے کام لیں، اس کے علاوہ آپ کو اختیار تھا کہ آپ توہین کرنے والوں اور اذیت دینے والوں کو معاف کردیں۔

دلیلِ ثالث:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ (توبہ: ۵۸)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان کو صدقات میں سے دے دیا جائے تو راضی ہوجائیں نہ دیا جائے تو ناراض ہونے لگتے ہیں۔

لمز کا معنی ہے عیب وطعن، مجاہد کہتے ہیں مراد ہے کہ وہ آپ پر ناانصافی کی تہمت رکھتے ہیں، عطاء کہتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی غیبت کرتے ہیں، اسی بارے میں ارشادِ ربانی ہے "ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتے ہیں۔" یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ پر نکتہ چینی کرے، اور آپ کو اذیت دے اس کا شمار بھی انہی منافقوں میں ہے، مذکورہ بالا آیات میں الذین اور لفظ من اسمائے موصولہ ہیں جو کہ عموم کے صیغے ہیں اور یہ آیتِ کریمہ اگرچہ اعتراض کرنے والے اور اذیت دینے والے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، مگر اس کا حکم دیگر ان آیات کی طرح عام ہے جو خاص اسباب کے تحت نازل ہوئیں، ہمارے علم کے مطابق علماء کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف نہیں، کہ جو حکم نزولِ آیت کا سبب بننے والے شخص کا ہے وہی حکم ان لوگوں کا ہے جو اس شخص کی مانند حالات رکھتے ہیں، جمہور علماء کا یہی نکتۂ نگاہ ہے کہ جب تک سبب پر

وجوبِ قصر کی دلیل قائم نہیں ہوتی ''عموم'' کا حکم لیا جائے گا، جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت اور ثبوت موجود ہے۔

صدقات کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے شخص کا منافقین میں شمار اس حکم کی بناء پر ہے جو لمز (اعتراض) اور اذیت سے مشتق لفظ کے ساتھ متعلق ہے اور یہی مناسب ہے کہ وہ ان سے تعلق رکھتا ہو، پس ایسا اشتقاق اس حکم کی علت ہوگا، اس لیے اس کا اطراد بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قول سے پہلے بھی منافقوں کے نفاق سے آگاہ تھا، مگر اس نے اپنے نبی کو اس کی اطلاع نہ کی جب تک کہ ہر ایک سے اس کا نفاق ظاہر نہیں ہولیا، بلکہ فرمایا

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ:۱۰۱)

تمہارے اردگرد کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے باشندے بھی انہیں نفاق کی عادت پڑ چکی ہے تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے درمیان پہچان کے لیے لوگوں کو چند باتوں سے آزمایا۔ جیسا کہ فرمایا

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (عنکبوت: ۱۱)

اور ضرور اللہ ظاہر کردے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کردے گا منافقوں کو۔

ایک اور ارشاد ہے

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۔ (آلِ عمران: ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اسی حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کردے گندے کو ستھرے سے۔

اس آزمائش کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور نفاق کا تعلق دل سے ہے اور جو شخص قول وفعل سے ان میں سے کسی کا اظہار کرے تو یہ اس کی فرع اور دلیل ہے پس جب کسی سے ایسی کوئی چیز ظاہر ہوگی تو اس پر وہ حکم مرتب ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ صدقات پر اعتراض کرنے والے اور اذیت دینے والے منافق ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ باتیں نفاق کی دلیل اور اس کی فرع ہیں، اور یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ جب شے کی فرع اور دلیل حاصل ہو جائے تو اس کا اصلی مدلول بھی حاصل ہو جائے گا، پس ثابت ہوا کہ جہاں بھی ایسا گستاخانہ طرزِ عمل ظاہر ہوگا اس کا مرتکب منافق ہوگا خواہ وہ اس طرزِ عمل سے پہلے منافق ہو یا اس کا نفاق اس طرزِ عمل سے پیدا ہوا ہو۔

ایک سوال:

کیوں کر جائز نہیں کہ ایسا قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان لوگوں کے نفاق پر دلیل ہو جنہوں نے حضور کی حیاتِ پاک میں اس قسم کے گستاخانہ کلمات کہے، اگرچہ دوسروں کے لیے یہ دلیل نہ ہو؟

جواب:

جب کہ ایسا قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلیل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کو اس استدلال سے بے نیاز کرسکتا ہے تو

ان لوگوں کے لیے دلیل ہونا تو بہ طریقِ اولیٰ صحیح ہے جنہیں باطنی معرفت حاصل نہیں ہوتی،

یہ بھی ہے کہ اگر اس شخص کے حق میں دلالت مطردہ نہ ہوتی جس سے ایسا قول صادر ہوا تو آیت زیرِ نظر میں دوسروں کے لیے ایسے قول پر زجر و توبیخ نہ ہوتی، نہ ہی آیت کریمہ میں خاص اس قول کی شہادت وعظمت موجود ہوتی۔

وجہ یہ ہے کہ معین منافق پر دلالت کبھی خاص اس کی ذات سے متعلق ہوتی ہے اگرچہ وہ امر مباح ہو مثلاً کہا جائے منافقوں میں سے سرخ اونٹ والا یا کالے کپڑوں والا، یا اس قسم کی اور مخصوص دلالت، پس جب قرآن نے خاص اس گستاخانہ قول کی مذمت پر دلالت کی اور اس کے مرتکب کو وعید سنائی ہے تو معلوم ہوا کہ اس سے مخصوص منافقوں پر دلالت مقصود نہیں بلکہ یہ منافقوں کی ایک نوع پر دلیل ہے۔

یہ گستاخانہ کلمہ نفاق کے مناسب بھی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنا اور آپ کو اذیت دینا کسی ایسے شخص سے متصور نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانتا ہو، اور یہ بھی جانتا ہو کہ حضور اس کی جان سے زیادہ اس کے مالک ہیں، صرف حق بات کہتے ہیں اور عادلانہ فیصلہ کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ کی حکم برداری کرتے ہیں، اور یہ کہ ساری مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر فرض ہے پھر جب ایسا کلمہ بذاتِ خود نفاق کی دلیل ہے تو جہاں ایسا کلمہ سرزد ہوگا وہاں نفاق بھی پایا جائے گا۔

ایسا قول بلاشبہ ممنوع وحرام ہے پھر اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو کفر سے کم درجے کی خطا ہوگی یا مکمل کفر ہوگا، پہلی صورت باطل ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں طرح طرح کے گناہ گاروں مثلاً بدکاروں، بہتان تراشوں، چوروں، کم تولنے والوں اور خیانت کاروں کا ذکر فرمایا مگر ان گناہ کے کاموں کو نفاقِ معین یا نفاقِ مطلق کی دلیل نہیں ٹھہرایا، اس کے برعکس جب گستاخانہ اعتراض کرنے والوں کو منافق قرار دیا تو معلوم ہوا ایسا کفر ہونے کی وجہ سے تھا، صرف معصیت (گناہ) کی بناء پر نہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ بعض گناہوں کو نفاق کی دلیل ٹھہرا لینا اور بعض کو دلیل نہ بنانا بغیر خاص دلیل کے متصور نہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی پس ثابت ہوا کہ ان گستاخانہ کلمات کو کسی ایسے وصف سے مختص کرنا ضروری ہے جو ان کے دلیلِ نفاق ہونے کو لازم کرے اور جب کبھی ایسا طرزِ عمل یا قول صادر ہوگا تو وہ کفر (شمار) ہوگا۔

اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بعض اقوال ایسے ذکر فرمائے ہیں جن کے ذریعے قائلین کو منافق قرار دیا ہے مثلاً فرمایا

ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي (توبہ:۴۹) مجھے اجازت دے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈال۔

اس کے پیچھے فرمایا:

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۔ (توبہ:۴۴) تجھ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

پس اس اذیت کو عدم ایمان اور شک کی مطرد علامت قرار دیا اس کے ساتھ یہ نفیرِ عام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد سے بے توجہی اور کنارہ کشی ہے اور پیچھے بیٹھ رہنے والوں کی طرف سے معذوری کا بہانہ ہے جس کا حاصل عدم ارادۂ جہاد ہے اس

لیے صدقات کی تقسیم پر اعتراض کرنا اور حضور کو اذیت دینا بہ طریقِ اولیٰ مطرد دلیل ہے کیونکہ پہلی صورت یعنی میدانِ جہاد سے بیٹھ رہنا صرف خذلانی (مشکل کی گھڑی چھوڑ دینا ہے) جبکہ دوسری صورت براہِ راست حضور سے جنگ ہے اور اس کا بڑا جرم ہونا ظاہر ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ پر صدقات کی تقسیم پر معترض ہوا یا آپ کو اذیت دی وہ منافق اور کافر ہے کیونکہ منهم میں هم ضمیر منافقوں اور کافروں کی طرف لوٹتی ہے، اس کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی بھی ہے۔ فرمایا

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (توبہ: ۴۱، ۴۲)

راہِ خدا میں نکلو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اے رسول! اگر سہل الحصول مال اور آسان سفر ہوتا تو یہ (منافق) لوگ آپ کے پیچھے ہو لیتے مگر دور کا سفر ان کے لیے بھاری ہے۔ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ضرور آپ کے ہمراہ نکلتے وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

ان آیات میں بے شبہ منافقین ہی مراد ہیں اور آیتِ ذیل میں بھی ضمیر ان ہی کی طرف لوٹتی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (توبہ ۵۲، ۵۳)

آپ فرمائیے کہ تم (راہِ خدا میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو اور ان کے خرچ قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے سینوں میں کفر چھپا رکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے طعن کرنے والوں اور اذیت دینے والوں کو بھی انہیں میں شمار کیا۔ وما هم منكم فرما کر بتا دیا کہ یہ لوگ ایمان سے خارج ہیں۔

قرآنِ حکیم نے کئی مقامات پر منافقوں کے کفر کا اعلان فرمایا ہے اور انہیں کافروں سے بدتر قرار دیا اور یہ بتایا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، قیامت کے روز اہلِ ایمان سے کہیں گے۔

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۔ (الحدید: ۱۵) ہماری طرف دیکھئے تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ حصہ لیں۔

ان سے کہا جائے گا، اپنے پیچھے لوٹو اور نور تلاش کرو، جب پیچھے لوٹیں گے تو ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب، وہ مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مسلمان جواب دیں گے، ہاں تم ہمارے ساتھ تھے مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا تھا، تم ہماری تباہی کا انتظار کرتے تھے اور دینِ حق کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، اور جھوٹی طمع نے تم کو فریب میں رکھا یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ کا حکم آ گیا مگر شیطان نے تمہیں دھوکہ دیا۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَأْوٰكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (الحدید: ۱۳ تا ۱۵)

تو آج تم سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا نہ کافروں سے، تمہارا ٹھکانہ آتش جہنم ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور بہت ہی برا مقام لوٹنے کا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی شرارتوں کے بعد آخر کار نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں کیونکہ ان کی بخشش نہ ہوگی نیز ان کے خلاف جہاد اور سختی کا حکم دیا اور خبردار کر دیا کہ اگر وہ اپنے طرزِ عمل سے باز نہ آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کے خلاف صف آراء کر دے گا پھر ہر جگہ ان کا قتلِ عام ہوگا۔

دلیل رابع:

ارشادِ ربانی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء: ۶۵)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

اللہ جل سبحانہ، نے اپنی ذات پاک کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ وہ اہلِ ایمان نہیں ہوسکیں گے جب تک کہ اپنے جھگڑوں اور مقدموں میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کرتے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر کھلے دل سے سر نہیں جھکاتے، کیونکہ آپ کے ہر حکم کو دل و جان سے تسلیم کرنا ضروری ہے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○ (النساء: ۶۱)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا، پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں حالانکہ ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جس شخص کو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کی دعوت دی جائے اور وہ اس سے باز رہے تو وہ منافق ہے۔

ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں، اور وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے، اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں کہ اللہ اور رسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

اس سے واضح ہوا کہ جس نے اطاعت رسول سے روگردانی کی اور حکم سے اعراض کیا تو اس کا تعلق منافقوں سے ہے، وہ مومن نہیں، کیونکہ مومن وہ ہے جو کہتا ہے ہم نے سنا اور فرماں برداری کی، پس جب حکمِ رسول سے مجرد اعراض اور دوسروں سے فیصلہ کرانے کے ارادے سے نفاق ثابت ہوتا ہے اور ایمان زائل ہوتا ہے۔ تو تنقیصِ شان اور گالی گلوچ سے کیوں نفاق ثابت نہیں ہوگا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے والے شخص کو قتل کر دیا:

ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن نے بحوالہ عتیب بن ضمرہ نقل کی ہے کی دو آدمیوں نے مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا تو حضور نے حق دار کے حق میں فیصلہ دیا جس پر دوسرے شخص نے جو کہ ناحق پر تھا، کہا، میں اس فیصلے پر راضی نہیں، پہلے نے کہا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے فیصلہ کراتے ہیں، چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو صاحب حق نے کہا ہم نے یہ مقدمہ حضور کی بارگاہ میں پیش کیا تو حضور نے فیصلہ میرے حق میں کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا بھی وہی فیصلہ ہے جو حضور کا ہے، تم اسی فیصلہ پر عمل درآمد کرو، مگر اس شخص نے دوبارہ فیصلہ تسلیم نہ کیا، اور کہا ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور مقدمہ پیش کیا، صاحب حق نے عرض کیا ہم نے اپنا مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا تو میرے حق میں فیصلہ ہوا مگر اس نے تسلیم نہ کیا پھر حضرت ابو بکر کے پاس گئے انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا، لیکن اس نے دوبارہ فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کیا اس کا بیان سچ ہے؟ تو اس نے کہا "ہاں" یہ سن کر حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں بے نیام تلوار لے کر باہر نکلے اور اس سے اس کا سر اڑا دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء : ۶۵)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

یہ حدیث مرسل ہے جس کی شاہد ایک اور حدیث ہے جو اعتبار کی صلاحیت رکھتی ہے، ابنِ دحیم بحوالہ جوز جانی وغیرہ محدثین حضرت عمرو بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص بارگاہِ رسالت میں مقدمہ لے گئے تو آپ نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا ہمارا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے، فرمایا ہاں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو مقدمہ جیتنے والے شخص نے کہا اے ابنِ خطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ کیا مگر اس نے تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ہمارا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا؟ تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے جواب دیا ''ہاں'' فرمایا، پھر ٹھہر! میں آتا ہوں اور تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اس کے بعد تلوار لے کر نکلے اور رسول اللہ کا فیصلہ ٹھکرانے والے کی گردن اڑا دی، وہ یہودی لوٹ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے میرے (مدِ مقابل) ساتھی کو قتل کر دیا اگر میں ان کو بہ سرعت اس فیصلے پر مجبور نہ کرتا تو وہ مجھے قتل کر دیتے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یقین نہیں کہ عمر کسی مومن کے قتل کی جراءت کریں، تو اللہ تعالیٰ نے آیۂ کریمہ فلا وربك نازل فرمائی اور عمر کو اس قتل کے معاملہ میں بری الذمہ قرار دیا۔

یہ قصہ ان دو طریقوں کے علاوہ بھی منقول ہے امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل فرماتے ہیں، میں ابنِ لہیعہ کی حدیث قابلِ اعتبار اور لائقِ استدلال ہونے کی وجہ سے لکھتا ہوں، اس موضوع پر اس کی روایت لانے کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ اس سے دوسری روایات کی تائید وتشدید کروں میں اسے اس لیے نہیں لایا کہ وہ انفرادی طور پر بھی حجت ہے۔

پانچویں دلیل:

علماء کا استدلال

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

(الاحزاب: ۵۷، ۵۸)

بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ نے دنیا و آخرت میں ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کو بے گئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور صاف گناہ اپنے سر لیا۔

اس کی دلالت کئی وجوہ سے ہے:

پہلی وجہ

۱- جس نے رسول اللہ کو اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت کے برابر قرار دیا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی طاعت کہا اس لیے جس نے حضور کو اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، یہ مسئلہ نصِ قرآنی میں آیا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو اذیت دے اس کا خون مباح ہے۔

اس حقیقت کی نشاندہی مندرجہ ذیل ارشاداتِ گرامی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی محبت، رضا اور اطاعت ایک ہی چیز ہے۔

۱- قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ......

(التوبہ: ۲۴)

کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے مشقت سے کمایا اور وہ مال تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے۔

۲- قرآنِ حکیم کے متعدد مقامات پر آیا

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۔ (آل عمران:۱۳۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

۳-ایک جگہ آیا

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ ۔(توبہ:۶۲) اللہ اور اس کے رسول کا زیادہ حق ہے کہ تم اس کو راضی کرو۔

یہاں یُرْضُوْہُ میں ہ ضمیر واحد لائی گئی ہے۔

ایک آیت کریمہ میں اس طرح فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ۔ (الفتح : ۱۰) بے شک جو لوگ آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کرتے ہیں دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی، مخالفت اور اذیت کو ایک ہی جہت سے پیش کیا ہے۔ فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَمَنْ یُّشَاقِّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔(الحشر:۴) یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے شدید عداوت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق اور رسول اللہ ﷺ کا حق باہم متلازم ہیں

مذکورہ بالا آیات اور دیگر آیات میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حقوق باہم متلازم ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ادب واحترام اور حرمت کی جہت ایک ہی جہت ہے اس لیے جس نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، کیونکہ امت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی تعلق ہو نہیں سکتا سوائے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے، کسی کے لیے اس کے سوا، کوئی راستہ نہیں نہ کوئی سبب ہے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی اور اخبار و بیان میں حضور کی ذاتِ اقدس کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے لہٰذا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان کسی معاملے میں تفریق روا رکھی جائے۔

دوسری وجہ:

اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت اور دیگر اہلِ ایمان مرد و زن کی اذیت کے درمیان فرق قائم فرمایا ہے۔ اہلِ ایمان کی اذیت پر فرمایا کہ اذیت دینے والے نے جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی اذیت پر فرمایا:

لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔(احزاب:۵۷) دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت ہو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو اذیت دینا گناہِ کبیرہ ہے، جس کی سزا کوڑے ہے اور گناہِ کبیرہ سے بڑا جرم کفر ہے، جس کی

سزا قتل ہے۔

تیسری وجہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے والوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے لعنت کا مطلب ہے رحمت خداوندی سے دور کر دینا، جسے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنی رحمت سے دور کر دے وہ کافر کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ایک مومن بعض اوقات شامتِ اعمال سے لعنت کے قریب پہنچ جاتا ہے مگر سزاوارِ قتل نہیں ہوتا، اور خون کا محفوظ ہو جانا اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے اس لیے لعنت اور اس کی سزا اس کے حق میں ثابت نہیں ہوتی، اس دعویٰ کی تائید حسبِ ذیل آیتِ کریمہ سے بھی ہوتی ہے، فرمایا

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝

(احزاب: ۶۰، ۶۱)

اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں (گستاخی کی) بیماری ہے اور شہر میں افواہیں پھیلانے والے (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں نہ ٹھہر سکیں گے بجز قلیل عرصہ کے، پھٹکارے ہوئے جہاں پائے جائیں پکڑ کر برے طریقے سے قتل کئے جائیں۔

یہاں منافقوں اور گستاخوں کی گرفتاری اور گردن زدنی صفتِ لعنت کی وضاحت اور تفسیر کے لیے آئی ہے اور اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس لیے اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں نہ وہ حالِ ثانی ہے، وجہ یہ ہے کہ جب وہ ملعون ہو کر آپ کے پڑوس میں رہیں گے اور دنیا میں لعنت کا اثر ان پر ظاہر نہ ہوگا تو یہ ان کے حق میں وعید نہ ہوگی، بلکہ ایسی لعنت تو وعید سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں ثابت ہے پس ضروری ہے کہ ان کی گرفتاری اور بری مار اس لعنت کے اثرات میں سے ہو جس کی وعید انہیں دی گئی ہے اور یہ سزا اسی کے حق میں ثابت ہوگی جو دنیا و آخرت میں لعنتِ خداوندی کا سزاوار ہوا۔

اس کا مؤید حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ (متفق علیہ)

مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی تو یہ اس طرح ہے جس طرح اسے قتل کر دینا، اس سے معلوم ہوا کہ اُسے قتل کرنا مباح ہے۔ ایک قول یہ ہے، کہ لعنت کا حقدار وہ ہے جو کافر ہے لیکن یہ حکم مطلقاً جید اور صحیح نہیں۔

اس کی تائید آیت ذیل سے ہوتی ہے، فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو علمِ کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان سے زیادہ راہِ ہدایت پر ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ تعالیٰ

لعنت کرے تمہیں اس کا کوئی مددگار نہیں ملے گا۔ (النساء: ۵۱، ۵۲)

اگر وہ معصوم الدم (یعنی قتل سے محفوظ) ہوتا تو مسلمانوں پر اس کی مدد واجب ہوتی اور اس کے حامی اور مددگار ہوتے، اس کی مزید توضیح اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ کعب بن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی جس پر لعنت کا اثر یہ ہوا کہ اسے قتل کیا گیا وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم ﷺ کو ایذاء دیا کرتا تھا۔

یاد رکھئے کہ

اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ ان لوگوں پر بھی لعنت کی گئی جن کا قتل جائز نہ تھا۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔

وجہِ اوّل:

مستحقِ قتل شخص کے بارے میں کہا گیا:

لَعَنَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ . اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں اس پر لعنت فرمائی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اسے دونوں جہانوں میں اپنی رحمت سے دور کر دیا دیگر ملعونوں کے بارے میں فرمایا لَعَنَهُ اللّٰهُ یا کَمَا عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ اور یہ رحمت سے دوری کسی وقت بھی ہو سکتی ہے، یہ ہے فرق وقتی لعنت کے حقدار اور ابدی دائمی لعنت کے مستحق کے درمیان۔

وجہِ دوئم:

وہ سارے لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے مثلاً وحی الٰہی کو چھپانے والے راہِ حق سے روکنے والے ظالم اور مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے یا تو کافر ہیں یا مباح الدم بخلاف بعض ان لوگوں کے جن پر سنت میں لعنت کی گئی ہے۔

وجہِ سوئم:

یہ صیغہ لعنت ملعون پر لعنت الٰہی سے خبر ہے۔ (بددعا کی صورت میں انشاء نہیں ہے) اس لیے آیتِ کریمہ کے الفاظ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا پر عطف ہے اور عام ملعونین وہ ہیں جن کو قتل نہیں کیا جاتا نہ ان کی تکفیر کی جاتی ہے ایسے لوگوں پر لعنت صیغہ دعا کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً حضور ﷺ کا ارشاد ہے

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضَ اللہ تعالیٰ کی لعنت اس شخص پر جو زمین کی حد بندیوں کو بدل دے۔

لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو چور پر۔

لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ . اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو سود کھانے کھلوانے والے پر۔

اس طرح کی اور بھی احادیث آئی ہیں۔

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن غافل طبع مومن عورتوں پر بہتان باندھتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں مومن پاک دامن عورتوں پر بہتان باندھنے والے ملعونوں کی دنیوی اور اخروی لعنت کا ذکر ہے حالانکہ مجرد قذف (الزام تراشی) کفر نہیں نہ اس سے قتل کرنا جائز ٹھہرتا ہے۔

اس آیت کا جواب دو طریقوں سے ہے مجمل طریقہ اور مفصل طریقہ۔

مجمل:

مومن پر مجرد الزام تراشی بھی اذیت کی ایک قسم ہے اگر وہ جھوٹ پر مبنی ہو تو وہ بہتان عظیم ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۱۶)

کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے یہ الزام سنا تو کہا ہمارے لیے سزاوار نہیں کہ ہم ایسی گفتگو کریں (اے اللہ!) تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

قرآنِ حکیم نے اذیتِ خدا اور رسول ﷺ اور اذیتِ مومنین کے درمیان فرق پر نص فرمائی ہے، ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب: ۵۸-۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے ستاتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیا تو انہوں نے واضح بہتان اور صریح گناہ اپنے سر لیا۔

اس لیے جائز نہیں کہ اہلِ ایمان کو ناحق ستانا ہی دنیا اور آخرت میں لعنتِ خداوندی اور ذلت آمیز عذاب کا موجب ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو خدا اور رسول کو ستانے اور اہلِ ایمان کو ستانے کے درمیان فرق نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے کی لعنت کے ساتھ تخصیص نہ ہوتی اور اہلِ ایمان کو ستانے والے کی جزاء بہتان اور گناہِ عظیم ہی قرار نہ دیا جاتا، جیسا کہ قرآنِ حکیم کے ایک اور مقام پر فرمایا۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء: ۱۱۲)

اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر رکھ دے تو اس نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لیا۔

یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ صاحبِ علم و حکمت (اللہ تعالیٰ) نے جب خطاء پر بطورِ زجر دھمکی دی تو ضروری ہے کہ انتہائی سزا کا ذکر

ہو جس سے خطا کار کو خوف ہو پھر جب دو خطاؤں کا ذکر کیا ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے اور اس پر سخت دھمکی اور وعید بھی ہے اور جزاء کا ذکر بھی پھر دوسری خطاء کا جو پہلی سے کم تر ہے بیان کیا، پھر ایک اور مقام پر اس خطاء کا ذکر کر کے ادنیٰ عذاب کی وعید سنائی تو معلوم ہوا کہ بڑی خطاء کی جزاء چھوٹی خطاء کی جزاء سے لازم نہیں آتی۔ (یعنی قتل سے کم تر کی خطاء سے قتل لازم نہیں ہوتا)

یہ دلیل اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ دنیا و آخرت میں لعنت اور عذابِ مہین کی تیاری صرف قذف (الزام تراشی) سے موجب نہیں بنتی، جس قذف میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت نہ ہو، یہ دلیل اطراد دلالت میں کافی ہے اور خامی سے خالی ہے۔

جوابِ مفصل:

تین وجوہ سے:

وجہِ اوّل

آیت زیرِ بحث بالتخصیص ازواج رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے اور اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے۔

ہشیم بحوالہ عوام بن حوشب بنی کاہل کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ نور کی تفسیر بیان کی جب اس آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ ...... اٰخِرِ الاٰیة) پر پہنچے تو فرمایا یہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج النبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ مبہم ہے اس میں توبہ کا ذکر نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورت پر الزام تراشی کرنے والے کے لیے توبہ کی رعایت رکھی ہے۔ پھر بطورِ دلیل مندرجہ ذیل آیات پیش فرمائیں۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۴،۵)

اور وہ جو پاکدامن عورتوں پر بہتان طرازی کریں پھر (ثبوت کے لیے) چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو وہ لوگ بدکردار ہیں البتہ اس میں ان لوگوں کا استثناء ہے جو اس جرم کے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر بہتان طرازی کرنے والوں کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کو توبہ کا موقع نہیں دیا، اس حسنِ تفسیر پر ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا سر چوم لے۔

حضرت ابوسعید الاشج بحوالہ حضرت سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ منافقین پر بالعموم لعنت کی گئی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ یہ آیتِ کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت عائشہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر بہتان باندھا کیونکہ اس بہتان طرازی سے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر طعن اور عیب عائد

ہوتا تھا، وجہ یہ ہے کہ عورت پر بہتان اس کے شوہر کے لیے اذّیت کا باعث ہوتا ہے جس طرح کہ اس کے بیٹے کے لیے اذّیت رساں ہوتا ہے کیونکہ اس میں شوہر کی طرف دیوث ہونے اور بیوی کے بدکردار ہونے کی نسبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورت کی بدکاری شوہر کو انتہائی اذّیت دیتی ہے اسی لیے شارع نے جائز رکھا ہے کہ اگر بیوی زنا کی مرتکب ہو تو شوہر اس پر قذف لگائے نیز لعان کے ذریعے شوہر سے حد ساقط کردی مگر کسی اور کے لیے عورت پر اس قسم کے بہتان کی اجازت نہیں دی۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بیوی پر بہتان باندھنے سے بعض لوگوں کو جو عار لاحق ہوتی ہے وہ اس عار سے کہیں زیادہ ہے جو خود ان پر بہتان باندھنے سے ہوتی ہے اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی دو منصوص روایتوں میں سے ایک میں اس طرف گئے ہیں کہ جو کوئی کسی غیر محصنہ عورت مثلاً لونڈی یا ذمی عورت پر بہتان لگائے اور اس کا شوہر یا بیٹا محصن ہو تو بہتان لگانے والے پر حد لگائی جائے گی اس لیے کہ اس بہتان طرازی سے اس کے محصن بیٹے اور شوہر کو عار لاحق ہوئی۔

امام احمد سے مروی دوسری روایت وہی ہے جو اکثر علماء کا مؤقف ہے کہ اس بہتان طراز پر حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اگرچہ اس نے شوہر اور بیٹے کو اذّیت دی مگر یہ قذف نہ تھا اور پوری حد قذف کی وجہ سے لگائی جاتی ہے لیکن حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اذّیت دینا قذف کی طرح ہے، جو ازواجِ مطہرات پر عیب لگا کر حضور پر عیب کا قصد کرے وہ منافق ہے اور یہی مفہوم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا ہے منافقین میں لعنت عام ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک جماعتِ علماء نے اتفاق کیا ہے امام احمد اور امام الشج بحوالہ خصیف روایت کرتے ہیں، میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا زناء زیادہ برا فعل ہے یا پاک دامن عورتوں پر بہتان لگانا؟ فرمایا زناء، میں نے کہا اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے۔

''بے شک جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت رکھتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی گئی ہے۔''

فرمایا یہ حکم خاص امہات المؤمنین کے بارے میں ہے

الشج نے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے روایت کیا کہ اس آیتِ کریمہ میں مومن عورتوں سے مراد ازواج النبی ہیں۔

معمر بحوالہ کلبی کہتے ہیں اس آیت میں مومن عورتیں نبی اکرم ﷺ کی بیبیاں ہیں، جہاں تک تعلق ہے اس شخص کا جو کسی پاک دامن عورت پر الزام لگائے تو وہ فاسق ہے، اس کے لیے توبہ کی گنجائش ہے۔

اس کی وجہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ محض بہتان طرازی سے کوئی شخص دنیا اور آخرت کی لعنت کا مستوجب نہیں ہوسکتا، اس آیتِ کریمہ المحصنات الغافلات کا لام تعریف عہد کا ہے اور معہود ازواجِ مطہرات ہیں وجہ یہ ہے کہ آیت کے سیاق وسباق میں واقعہ افک کا بیان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واقع ہونے والے حادثے کا تذکرہ ہے یا یہ ہے کہ لفظ عام کو سبب خاص پر منصور کیا گیا ہے۔

اس قول کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس وعید کو پاک دامن سادہ طبع مومن عورتوں پر قذف لگانے پر مرتب فرمایا ہے اس سورہ کریمہ کے آغاز میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور: ۴)

وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر بہتان لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں انہیں اسی کوڑے مارو۔

اس آیت میں کوڑے مارنے، شہادت رد کرنے اور فسق کو مجرد بہتان لگانے پر مرتب کیا، اس لیے ضروری ہے کہ پاک دامن غافل مومن عورتوں کو محض پاک دامن عورتوں پر برتری اور ترجیح حاصل ہو واللہ اعلم۔

اس لیے کہ مومنوں کی مائیں ہونے اور دنیا وآخرت میں نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہونے کی وجہ سے ازواج مطہرات کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے۔ جبکہ عام مسلمان عورتوں کے ایمان کا علم ان کے ظاہر سے ہوتا ہے، اس ترجیح کا باعث یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (النور: ۱۱)

جس نے اس بہتان کا بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔

پس ''بڑا حصہ لینے'' کی تخصیص اس بات کی دلیل ہے کہ عذابِ عظیم (بڑا عذاب) بھی اس بہتان تراش کے لیے خاص ہے۔

ایک اور آیتِ کریمہ میں فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۱۴)

اگر دنیا وآخرت میں تم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوئی تو تم نے (اس بہتان کا) جو چرچا کیا تھا، اس کی وجہ سے تم پر بہت بڑا عذاب آتا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو بڑے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، اس کا وہی حق دار ہوگا جس نے اس گھناؤنے فعل میں برا کردار ادا کیا۔

یہاں فرمایا:

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس عذاب کا حق دار وہ ہے جس نے امہات المؤمنین پر بہتان طرازی کی اور رسول اللہ ﷺ پر عیب لگانے کی کوشش کی، اور اس جرمِ بہتان کا بڑا حصہ لیا، اور یہ علامت رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی ہے۔

واضح رہے کہ اس قول پر بھی یہ آیت اس آیت کے موافق حجت ہوگی، کیونکہ جب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر الزام تراشی نبی اکرم ﷺ کے لیے اذیت کا باعث ہے تو اس الزام تراش اور تہمت باز پر دنیا وآخرت میں لعنت ہے، اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس جرم میں توبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ نئے سرے سے اسلام قبول کرے اس لحاظ سے امہات المؤمنین کی طرف تہمت کی نسبت کرنا نفاق ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے کا ارادہ ہو تو تہمت باز مبیح الدم اور واجب القتل ہے۔ یا یہ جانتے ہوئے اذیت دے کہ ازواج مطہرات آخرت میں بھی نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہوں گی تب بھی وہ مبیح الدم ہے کیونکہ کبھی کسی نبی کی بیوی پر لعنت نہیں کی گئی۔

امہات المومنین پر تہمت بازی ایذائے رسول کا باعث ہے

امہات المومنین پر الزام تراشی نبی اکرم ﷺ کے لیے باعثِ اذیت ہے اس کی دلیل صحیحین کی وہ حدیث ہے جو واقعہ افک کے ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہے کہ (منافقین کی اس الزام تراشی پر) نبی اکرم ﷺ نے منبرِ اقدس پر جلوہ گر ہو کر فرمایا۔

''اے گروہ مسلماناں! مجھے اس شخص (عبداللہ ابن ابی منافق) کے بارے میں کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میرے اہلِ خانہ کے متعلق مجھ تک پہنچی ہے، بخدا میں اپنے اہل (زوجہ محترمہ) کے لیے خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ انہوں نے ایک شخص کا بھی ذکر کیا ہے بخدا میں اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتا، وہ میرے ساتھ ہی میرے گھر والوں کے پاس جاتا ہے تنہا نہیں جاتا، یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ انصاری اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ اس بات کی میں ذمہ داری لیتا ہوں اور اس منافق کی شرارتوں کا میں جواب دوں گا، اگر اس بہتان تراش کا تعلق بنواوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے، اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں سے ہے تو آپ حکم دیں ہم تعمیلِ ارشاد کریں گے۔''

اس پر سید خزرج حضرت سعد بن عبادہ اٹھے، وہ نیک آدمی تھے مگر قبیلے کی حمیت نے انہیں برانگیختہ کر دیا انہوں نے کہا اے سعد! اللہ کی قسم تم اس کو قتل نہیں کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی طاقت رکھتے ہو،

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ کے چچیرے بھائی حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور کہا بخدا تم نے غلط بیانی کی ہم اسے ضرور قتل کریں گے تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے جھگڑ رہے ہو،

حضرت عائشہ فرماتی ہیں اب دونوں طرف سے لوگ آمادۂ پیکار ہو گئے اور لڑنے پر اتر آئے اس وقت نبی اکرم ﷺ منبرِ اقدس پر تشریف فرما تھے اور لوگوں کی آتشِ غضب ٹھنڈی کر رہے تھے یہاں تک کہ لوگ خاموش ہو گئے آپ بھی چپ ہو گئے۔

ایک اور صحیح روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قصہ افک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں

''مجھے اس قصے کا پتہ نہ تھا، نبی اکرم ﷺ نے میرے متعلق خطبہ بھی دیا مگر میں اس سے بھی آگاہ نہ تھی، آپ نے حمد وثناء کے بعد شہادت دیتے ہوئے فرمایا بخدا مجھے اپنے اہلِ بیت کی کسی برائی کا علم نہیں، اب مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے اہلِ بیت پر بے بنیاد الزام تراشی کی ہے حالانکہ خدا کی قسم میں نے اپنے اہل میں کبھی برائی نہیں دیکھی، نہ میری غیر موجودگی میں میرے گھر میں کوئی داخل ہوا، نہ ہی کسی سفر میں ایسا ہوا، یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ!

يَارَسُوْلَ اللهِ مُرْنِىْ اَنْ اَضْرِبَ اَعْنَاقَهُمْ ۔ مجھے حکم دیجئے میں ان بہتان طرازوں کی گردن ماردوں۔

حضور کے اس ارشاد مَنْ يَعْذُرُنِىْ (مجھے کون معذور رکھتا ہے) کا مفہوم یہ ہے کہ کون بدلہ لیتا ہے اور میری طرف سے اس شرارت کا جواب دیتا ہے، کیونکہ مجھے اس سے اذیت پہنچی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو اس سے شدید اذیت ہوئی تھی اور آپ نے اس شرارت کا جواب دینے کا مطالبہ کیا تھا، اور ان اہلِ ایمان نے، جن کو قبیلے کی حمیت لاحق نہ ہوئی، یہ عرض کیا۔

''یارسول اللہ! ارشاد فرمایئے ہم ان کی گردنیں مار دیتے ہیں۔'' اوران سے انتقام لے لیتے ہیں،

آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس طلب حکم پر انکار نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا: اِنَّكَ مَعْذُوْرٌ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ تم یہ کارنامہ سرانجام دے کر سرخرو ہو جاؤ گے اوراس معاملے میں معذور ٹھہرو گے۔

ایک سوال:

اہلِ افک (افتراء پردازوں) میں مسطح حسان اور حمنہ بھی شامل تھے مگر ان پر نفاق کا الزام نہ تھا نہ ہی نبی اکرم ﷺ نے انہیں (اس افتراء پردازی میں شامل ہونے پر) قتل کیا، بلکہ ان پر حدِ تہمت کے نفاذ میں بھی اختلاف ہوا۔

جواب:

ان لوگوں کا مقصد حضور ﷺ کو اذیت دینا نہ تھا، نہ اس اذیت رسانی پر ان کی طرف سے کوئی دلیل سامنے آئی، بخلاف ابنِ ابی کے کہ اس کا مقصد حضور کو اذیت دینا تھا جبکہ وہ لوگ اس وقت تک نہیں جانتے تھے کہ ازواجِ مطہرات آخرت میں بھی حضور کی ازواج ہوں گی اور ازواجِ مطہرات سے اس قسم کی خطاء کا وقوع عقلاً محال بھی نہ تھا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس معاملہ میں توقف فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا اور بریرہ سے حقیقتِ حال دریافت کی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اذیت کا قصد نہ کرنے والوں کو منافق قرار نہ دیا کیونکہ اس وقت مقذوفہ بیوی کو طلاق دینا ممکن تھا بعدازاں جب ثابت ہو گیا کہ ازواجِ مطہرات آخرت میں بھی حضور کی ازواج ہیں نیز مومنوں کی مائیں ہیں تو ان پر بہتان تراشی ہر حال میں نبی اکرم ﷺ کے لیے اذیت کی موجب قرار پائی۔ اس کے ساتھ اس بات کا جواز وامکان بھی ختم ہو گیا کہ ان سے کسی قسم کی بری بات کا وقوع ہو، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کسی ایسی عورت سے رشتہ ازدواج برقرار رکھیں جو غلط کار ہو، اور اس عورت کو مومنوں کی ماں بھی قرار دیا جائے، یہ صریح باطل اور غلط تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (النور:۱۷) — اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم اہلِ ایمان ہو۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ کتاب کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق فقہاء کا کلام نقل کریں گے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج پر بہتان تراشی کی اور یہ کہ یہ بہتان تراشی حضور کی اذیت رسانی میں شمار ہے۔

وجہ دوم:

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث عام ہے، ضحاک کہتے ہیں کہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ میں پاکدامن غافل اہلِ ایمان عورتوں سے مراد بالتخصیص ازواجِ مطہرات ہیں جبکہ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ ان عورتوں سے مراد مومنوں کی بیویاں ہیں۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں،

پاک دامن عورتوں پر بہتان لگانا موجبات سزا میں سے ہے اور اس کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے۔

عمرو بن قیس سے منقول ہے کہ پاک دامن عورت پر قذف لگانا ستر سال کے اعمال برباد کر دیتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کو الشج نے روایت کیا اور یہ اکثر علماء کا قول ہے آیت کریمہ کا ظاہری انداز بھی یہی ہے کہ اس کا حکم عام ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے اپنے عموم پر رکھا جائے۔ کیونکہ موجب خاص کوئی نہیں، اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ اندازِ خطاب نفسِ سبب سے مختص نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواجِ مطہرات بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں وجہ یہ ہے کہ یہاں لفظِ مومنات جمع کا صیغہ ہے اور سبب ایک بیوی سے متعلق ہے اور قرآنی عمومات کو خاص اسبابِ نزول پر مقصور و محدود کرنا باطل ہے، کیونکہ عام آیات کسی خاص سبب کے تناظر میں نازل ہوئیں مگر وہ حکم عموم کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ کوئی آیت کسی خاص سبب پر مقصور نہیں (یعنی اس کا حکم عام ہے)

دونوں آیتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سورۂ نور کے شروع میں مشروع سزاؤں مثلاً جلد (درے مارنا) ردِ شہادت (گواہی قبول نہ کرنا) اور تفسیق (فاسق قرار دینا) کا بیان ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہونے والی سزا یعنی دنیا و آخرت میں لعنت اور بڑے عذاب کا ذکر ہے۔

آیتِ قذف کے مصداق لوگ

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے متعدد روایات آئی ہیں کہ پاک دامن عورتوں پر بہتان باندھنا کبیرہ گناہ ہے، صحیح بخاری کے الفاظ ہیں قذف المحصنات الغافلات المؤمنات

بعض اس کی تاویل آیتِ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ سے کرتے ہیں، پھر ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں،

ہمیں خبر پہنچی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مشرکینِ اہلِ مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور ان کے درمیان معاہدہ تھا (اس کے باوجود) جب کوئی عورت ہجرت کر کے مدینہ شریف بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتی تو مشرکینِ مکہ اس پر افتراء باندھتے کہ وہ بدکاری کے لیے نکلی ہے اس بہتان طرازی سے ان کا مقصد راہِ ایمان سے روکنا تھا، نیز اہلِ ایمان کی مذمت کرنا تھا تاکہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں جیسا کہ کعب بن اشرف نے کیا تھا، اس استدلال کی روشنی میں جس نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا وہ کافر ہے اور اس کا فعل نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

ابو حمزہ ثمالی کا یہ کہنا کہ یہ "زمانہ عہد" میں نازل ہوئی، سے مراد یہ ہے کہ یہ ان مشرکین معاہدین جیسے لوگوں کے بارے میں اتری واللہ اعلم۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حادثۂ افک کی راتوں میں نازل ہوئی اور حادثۂ افک غزوۂ خندق سے پہلے غزوۂ بنی مصطلق میں رونما ہوا، اور مشرکینِ مکہ کے ساتھ معاہدہ امن دو سال بعد طے پایا۔

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ کو اس کے ظاہر و عموم پر رکھا، کیونکہ اس کا سببِ نزول قذفِ عائشہ صدیقہ ہے اور اس قذف (یعنی بہتان تراشی) میں مومن اور منافق شامل تھے، اور ضروری ہے کہ سببِ نزول کو عموم کے ضمن میں مندرج کیا جائے کیونکہ اس کی تخصیص کا کوئی موجب نہیں۔

اس تقدیر پر جواب یوں ہوگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی) اور فعل کا صیغہ مجہول کا لایا گیا اور لعنت کرنے والے کا نام نہ لیا جبکہ وہاں فرمایا:

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ان پر لعنت کی۔

جب پہلی آیت میں فاعلِ لعنت کا نام نہ آیا تو جائز ہے کہ اللہ کے علاوہ فرشتے اور انسان بھی لعنت کر سکیں، یہ بھی صحیح ہے کہ ایک وقت میں اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے اور دوسرے وقت میں اس کی مخلوق لعنت کرے، یہ بھی درست ہے کہ بعض پر لعنت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ لے اور دوسروں پر لعنت کا فریضہ مخلوق کے سپرد کر دے اور جب لعنت کرنے والے کا تعلق مخلوق سے ہو تو اس کی لعنت کبھی بددعا کی صورت میں ہوگی اور کبھی اس طرح کہ ملعونوں کو رحمتِ خداوندی سے دور کر دیا جائے گا۔

اس استدلال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آدمی جب اپنی عورت پر بہتان لگاتا ہے تو وہ دونوں باہم ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، شوہر پانچویں بار کہتا ہے اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو، اس طرح وہ اپنے آپ کو بددعا دیتا ہے کہ اگر وہ اس بہتان میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ جو لوگ علم کے ہوتے ہوئے مسیح علیہ السلام کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں ان سے مباہلہ کریں اور اس مباہلہ میں گڑگڑا کر دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

یہ وہی صورت ہے جس سے قاذف (بہتان طراز) پر لعنت کی جاتی ہے اسے درے مارے جاتے ہیں، اس کی گواہی رد کر دی جاتی ہے اور اسے فاسق قرار دیا جاتا ہے یہ اس کی سزا ہے اور جائے امن اور مقامِ قبولیت سے دوری ہے اور امن و قبولیت کے مقام رحمتِ الٰہی کے مرکز ہیں۔

یہ صورت اس شخص کے خلاف ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اس پر لعنت فرمائی کیونکہ لعنتِ الٰہی کے باعث اس سے ہر قسم کی نصرت اور مدد زائل ہوگئی، اور وہ دارین میں اسبابِ رحمت سے دور کر دیا گیا۔

عذابِ مہین صرف کفار کے لیے

اس فرق کی تائید ذیل کے ارشاداتِ ربانی سے ہوتی ہے، فرمایا:

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ (احزاب: ۵۷) اور ہم نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآنِ حکیم میں یہ وعید (یعنی ذلت کے عذاب کی تیاری) صرف کفار کے حق میں آئی ہے مثلاً فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ جو خود بخل کریں اور دوسروں کو بخل (کنجوسی) کے لیے کہیں اور اللہ

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (النساء: ۳۷)

نے جوانہیں اپنے فضل سے دیا ہے، اسے چھپائیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک اور ارشاد ہے

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (البقرہ: ۹۰)

تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ (آلِ عمران: ۱۷۸)

ہم تو اسی لیے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ایک جگہ فرمایا

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (الحج: ۵۷)

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ایک آیت میں یوں آیا

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (الجاثیۃ: ۹)

اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت پر اطلاع پائے اس کی ہنسی بناتا ہے ان کے لیے خواری کا عذاب ہے۔

ایک اور ارشادِ ربانی ہے:

قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (المجادلۃ: ۵)

بے شک ہم نے روشن آیتیں اتاریں اور کافروں کے لیے خواری کا عذاب ہے۔

ایک فرمانِ عالی شان اس طرح ہے:

قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (المجادلۃ: ۱۶)

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر (لوگوں کو) راہِ خدا سے روکا، اس لیے ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

یہ آیتِ کریمہ بھی لائقِ توجہ ہے

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (النساء: ۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی تمام حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے خواری کا عذاب ہے۔

یہ وعید ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے فرائض کا انکار کیا اور ان کو بے قدر سمجھا مگر یہاں ذکر نہیں کیا کہ ان کے لیے عذاب تیار ہے۔

عذابِ عظیم کفار کے ساتھ مختص نہیں

جہاں تک عذابِ عظیم کا تعلق ہے تو اس کی وعید اہلِ ایمان کے لیے بھی آئی ہے فرمایا

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (الانفال: ۶۸)

اگر اللہ کی طرف سے پہلے یہ بات لکھی نہ جا چکی ہوتی تو تم نے (کافروں سے) جو مال لیا اس پر تم کو بڑا عذاب ملتا۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النور: ۱۴)

اگر دنیا و آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

فسادیوں کے بارے میں فرمایا:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (المائدہ: ۳۴)

دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

قاتل کے بارے میں فرمایا

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (النساء: ۹۳)

اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک جگہ اس طرح آیا:

وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں فریب دہی کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ لوگوں کا قدم (جادۂ حق پر) جم جانے کے بعد پھسل جائے گا، اور تمہیں لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کی پاداش میں برائی کا مزہ چکھنا پڑے گا اور تمہارے لیے بڑا عذاب ہوگا۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۔(الحج: ۱۸)

اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ اہانت کا معنی ہے ذلیل کرنا، حقیر بنانا اور رسوا کرنا اور یہ چیز الم عذاب سے قدر زائد ہے بعض اوقات ایک معزز آدمی کو بھی سزا مل جاتی ہے مگر اسے ذلیل نہیں کیا جاتا۔

پھر جب آیت زیرِ بحث میں ''عذابِ مہین'' کے الفاظ آئے تو معلوم ہوا کہ وہ اس جنسِ عذاب سے تعلق رکھتا ہے جس کی وعید کفار و منافقین کو دی گئی ہے، اور یہاں فرمایا کہ ان کے لیے عذابِ عظیم ہے تو جائز ہے کہ وہ بھی اس جنسِ عذاب سے ہو جو اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے۔

لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

اس فرق کی وضاحت اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ،تعالیٰ نے یہاں فرمایا **واعدلھم عذابا مھینا** (ہم نے ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کررکھا ہے) یہ عذاب کافروں کے لیے تیار ہے،جہنم انہیں کے لیے پیدا کی گئی ہے،وہ اس میں ضرور داخل ہوں گے،اوراس سے باہر نہ نکل سکیں گے،جبکہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب اہلِ ایمان کے لیے روا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا تو وہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے اور اگر جہنم میں چلے بھی جائیں گے تو کچھ عرصے کے بعد نکل آئیں گے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ ۔(آل عمران:۱۳۱) اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ سود نہ کھائیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور اس آگ سے بچیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سود کھانے اور گناہ کے کام کرنے کی صورت میں ان کے جہنم میں جانے کا اندیشہ ہے حالانکہ وہ کافروں کے لیے تیار ہے،ان کے لیے نہیں،اسی طرح حدیث شریف میں آیا:

اِنَّمَا اَهْلُ النَّارِ الَّذِیْنَ هُمْ اَهْلُهَا فَاِنَّهُمْ لَایَمُوْتُوْنَ فِیْهَا وَلَا یَحْیَوْنَ ۔ بے شک اہلِ دوزخ وہی ہیں جو اس کے سزاوار ہیں وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے

وَاَمَّا اَقْوَامٌ لَّهُمْ ذُنُوْبٌ یُّصِیْبُهُمْ سَفْعٌ مِّنْ نَّارٍ ثُمَّ یُخْرِجُهُمْ وَاللهُ مِنْهَا ۔ البتہ کچھ گناہ گار ایسے ہوں گے جنہیں آتشِ دوزخ کی لپیٹ چھوئے گی پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نکال لے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جنت تو ان خداترس لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو رنج وراحت کی ہر حالت میں خرچ کرتے ہیں، مگر اس میں چھوٹے بچے اپنے والدین کے اعمال کے صدقے میں جائیں گے کوئی جماعت شفاعت کی وجہ سے داخل ہوگی اور کوئی گروہ رحمت کے سہارے،اور جب اس سے جگہ بچ رہے گی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ایک اور گروہ اٹھائے گا جسے جنت میں داخل کردے گا،اس کی وجہ یہ ہے کہ چیز تو اسی کے لیے بنائی جاتی ہے جو اس کا مستحق اور سزاوار ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ دوسرے بھی بطریقِ تبع یا کسی اور سبب سے شامل ہوجاتے ہیں۔

مومن اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرے

چھٹی دلیل:

ارشادِ ربانی ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (حجرات:۲)

اے اہلِ ایمان اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو نہ انہیں اس طرح پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکار کر بلاتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تمہیں اس کا احساس تک نہ ہو۔

مراد یہ ہے کہ اس بات سے بچتے ہوئے نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو کہ کہیں تمہارے اعمال حبط نہ ہو جائیں یا اس خوف وکراہت کے پیشِ نظر آواز بلند نہ کرو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں یہ تقدیرِ کلام اہلِ بصرہ کا ہے اہلِ کوفہ کے نزدیک تقدیرِ کلام ہے۔

لِئَلَّا تَحْبَطَ ۔ تا کہ تمہارے اعمال حبط نہ ہو جائیں۔

وجہِ دلالت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنے اور اس طرح اونچا بلانے سے منع کیا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اس طرح آواز بلند کرنا اور اونچی آواز سے بلانا کبھی بربادی اعمال کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے آواز اونچی کرنے سے ممانعت کی علت یہ قرار دی ہے کہ اعمال برباد ہونے سے بچ جائیں، اور صراحت فرمائی کہ اس مفسدہ میں بربادی اعمال کی گنجائش ہے اور جو چیز اعمال کی بربادی پر منتج ہو اسے ترک کرنا انتہائی ضروری ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کفر سے عمل برباد ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (البقرہ: ۲۱۵)

اور جو اپنے دین سے پھر جائے اور اسی حالتِ کفر میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال اکارت گئے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۔ (مائدہ: ۵)

اور جو ایمان کا انکار کرے اس کا عمل حبط ہوا۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام: ۸۸)

اگر وہ شرک کرتے تو ان کے اعمال اکارت جاتے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵)

اگر تو شرک کرتا تو تیرا عمل حبط ہو جاتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ (محمد: ۹)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون پر ناگواری کا اظہار کیا تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد: ۲۸)

یہ اس لیے کہ وہ ایسی بات کے تابع ہوئے جس میں اللہ کی ناراضی ہے اور اس کی خوشی انہیں گوارا نہ ہوئی تو اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

کفر کے ساتھ عمل مقبول نہیں

کفر کے ساتھ کوئی عمل مقرون ہو جائے تو وہ عمل قبول نہ کیا جائے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (المائدہ: ۲۷)

اللہ تعالیٰ تو پرہیزگاروں کے اعمال ہی قبول فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۔ (محمد: ۱)

جنہوں نے کفر کیا اور راہِ خدا سے روکا ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ۔ (التوبہ: ۵۴)

اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اس کا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اسی لیے کہ وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ کفر کے بغیر کوئی چیز اعمال برباد نہیں کرتی۔ کیونکہ جو شخص ایمان پر مرے گا، ضروری ہے کہ وہ جنت میں جائے اور اگر خدانخواستہ جہنم میں چلا بھی جائے گا تو اس سے نکل آئے گا، اگر اس کے تمام اعمال حبط ہو جاتے تو ہرگز جنت میں داخل نہ ہوتا، وجہ یہ ہے کہ اعمال کو وہی چیز ضائع کرتی ہے جو اس کے منافی ہو، اور مطلقاً کوئی چیز ایمان کے منافی نہیں سوائے کفر کے، یہ بات اصولِ اہلِ سنت پر مشہور و معروف ہے۔

ہاں کبھی بعض اعمال کسی مفسدہ کی موجودگی میں باطل قرار پاتے ہیں مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔ (بقرہ: ۲۶۴)

احسان جتلانے اور اذیت دینے کی وجہ سے اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حبطِ اعمال کا بغیر کفر کے ذکر نہیں فرمایا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ نبی کی آواز پر آواز کو بلند کرنا کفر اور حبطِ اعمال کا موجب ہے، تو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کی توقیر و تشریف اور تعظیم و تکریم فرض ہے، اور جب بلند آوازی اذیت، تخفیفِ شان اور بے ادبی کا سبب ہے خواہ آواز بلند کرنے والے کا ارادہ نہ ہو اور اس غیر شعوری گستاخی کا مرتکب کافر ہے تو جان بوجھ کر اذیت دینا اور بے ادبی اور تنقیصِ شان کا مرتکب ہونا تو بطریقِ اولیٰ کفر ہے۔

ساتویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور: ۶۳)

نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اللہ خوب جانتا ہے ان کو جو تم میں سے کھسک جاتے ہیں آڑ بنا کر، پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو فرمانِ رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں انہیں فتنہ سے نہ دوچار ہونا پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے حکمِ خداوندی کی مخالفت کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ فتنہ سے بچے اور فتنہ کا مفہوم ہے ارتداد و کفر،

ایک جگہ فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔ (بقرہ: ۱۹۳)

ان (کافروں) سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔ (بقرہ: ۲۱۵) فتنہ قتل سے بھی بڑا (جرم) ہے۔

ایک اور آیتِ کریمہ میں فرمایا:

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا ۔ (احزاب: ۱۴) اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) اطراف مدینہ سے پھر ان (منافقوں) کو فتنہ انگیزی کے لیے کہا جاتا تو فوراً اس پر کاربند ہو جاتے۔

مزید ایک ارشاد:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ۔ (النحل: ۱۱۰) پھر بے شک تمہارا رب ان کے لئے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے بعد اس کے کہ ستائے گئے ..... (ضرور بخشنے والا مہربان ہے)

فضل بن زیاد کی روایت ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے قرآنِ حکیم میں غور کیا تو تینتیس مقامات پر اطاعتِ رسول کا ذکر پایا، پھر آپ نے سورہ نور کی آیت نمبر ۶۳ (فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ ..... الٰی اٰخر الاية) کی تلاوت شروع کی اور تکرار کرتے ہوئے پوچھنے لگے فتنہ کیا ہے؟ فتنہ شرک ہے، شاید اس کی علت یہ ہے کہ آدمی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان کو رد کرتا ہے تو اس کے دل میں کجی آ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے، اس کے بعد آپ آیتِ ذیل کی تلاوت کرنے لگے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء: ۶۵) اے محبوب تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اپنے نزاعات میں تجھے اپنا حاکم بنائیں پھر جو تو فیصلہ کرے اس کے بارے دل میں کچھ تنگی محسوس نہ کریں اور بخوشی مان لیں۔

ابوطالب مشکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر ہوا کہ ایک گروہ حدیث کا مدعی ہے مگر رائے سفیان کی اختیار کرتا ہے، سن کر فرمایا، حیرانی ہے ان لوگوں سے وہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کرتے ہیں، اس کی صحت و سند کو پہچانتے ہیں پھر اسے چھوڑ کر سفیان اور دوسرے لوگوں کی رائے قبول کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور: ۶۳) پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں انہیں فتنہ یا دردناک عذاب سے نہ دوچار ہونا پڑے۔

تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ فتنہ کفر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔ فتنہ قتل سے بڑا (جرم) ہے۔

پس یہ لوگ حدیثِ رسول ﷺ کو چھوڑنے کے مرتکب ہورہے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات غلبہ پاکر انہیں رائے کی طرف لے جارہی ہیں، اس لیے جب فرمانِ رسول ﷺ کے مخالف کو کفر شرک یا دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی مخالفت کفر یا عذاب کی طرف لے جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عذاب تک پہنچانا مجرد فعلِ گناہ ہے، اور کفر تک پہنچانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل گناہ حکم دینے والے کی اہانت اور استخفاف کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جیسا کہ (واقعہ آدم میں) ابلیس نے کیا تھا۔ پھر اندازہ لگایئے کہ اگر فعلِ گناہ گالی گلوچ اور صریح اہانت کے ساتھ ہو تو کتنا سنگین جرم ہوگا؟

یہ موضوع بہت وسیع ہے مگر الحمد للہ متفق علیہ ہے پھر جب اس پر دلالت کرنے والے امور متعدد ہوں تو گستاخ رسول ﷺ کے کفر اور سزا میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بے احترامی اور بے ادبی اعمال برباد کر دینے والا کفر ہے۔ اور یہ مسئلہ زیر بحث کی واضح دلیل ہے (کہ گستاخ رسول ﷺ مستحق قتل ہے)

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ لغت میں لفظ ''اذی'' اس تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا معاملہ ہلکا اور اثر شر و مکروہ سے کم ہو اسے خطابی وغیرہ ائمہ مفسرین نے ذکر کیا، اور حقیقت میں یہ ایسا ہی ہے قرآنی آیات کی چھان پھٹک سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۔ (آلِ عمران: ۱۱۱) تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ (البقرہ: ۲۲۲) تم سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجیے کہ وہ اذی (اذیت) ہے اس لیے ایامِ حیض میں عورتوں سے دور رہو۔

نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشادِ گرامی ہے:

اَلْقَدُّ بُؤُسٌ وَالْحَدُّ اَذًى ٹھنڈ مصیبت ہے اور گرمی اذیت

کسی عربی خاتون سے پوچھا گیا۔

اَلْقَدُّ اَشَدُّ اَمِ الْحَدُّ ٹھنڈ سخت ہے یا گرمی؟

کہا مصیبت کو کون برداشت کرسکتا ہے اذیت کی طرح؟ اور بؤس (مصیبت) نعمت کی ضد ہے جو بدن کو مشقت میں ڈالتی اور نقصان پہنچاتی ہے بخلاف اذیت کے کہ وہ اس حد تک نہیں جاتی، اسی لیے اللہ جل مجدہ، نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ......اِلٰی اٰخر الاية ۔ (الاحزاب: ۵۷) بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں۔

حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ ۔ انسان مجھے اذیت دیتا ہے کیونکہ دھر کو گالی دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے

مَنْ لِكَعْبِ ابْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کعب بن اشرف کا کون بندوبست کرتا ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی۔

ایک اور ارشاد ہے:

مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰى اَذًى يَسْمَعُهٗ لِلّٰهِ يَجْعَلُوْنَ لَهٗ وَلَدًا وَّشَرِيْكًا وَّهُوَ يُعَافِيْهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ ۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اذیت ناک باتیں سن کر صبر کرنے والا کوئی نہیں، مشرک اس کے لیے اولاد اور شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ ان سے درگزر کرتا اور انہیں رزق دیتا ہے۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ ۔ اے میرے بندو! تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچا سکو نہ میرے نفع کو پہنچ سکتے ہو کہ مجھے نفع دے سکو۔

قرآنِ حکیم میں ایک جگہ آیا:

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۔ (آلِ عمران: ۱۷۶) وہ لوگ تم کو غم میں نہ ڈالیں جو کفر میں تیزی کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بندے اپنے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن زمانے کو گالی دے کر اور اللہ تعالیٰ کی اولاد اور شریک ٹھہرا کر اسے اذیت دیتے ہیں یونہی اس کے رسول ﷺ اور اس کے اہلِ ایمان بندوں کو اذیت دیتے ہیں، پھر وہ اذیت جو حقِ رسول (ﷺ) سے تعلق رکھتی ہے میرے خیال میں بہت سنگین ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایسی اذیت دینے والا شخص سب سے بڑا کافر اور سب سے زیادہ سزا کا مستحق ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو قلیل اذیت دینے والا بھی کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔

استدراک:

مگر اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ ۔ الى قوله...... اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۔ (احزاب: ۵۳) نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے اس کے کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے...... بے شک ایسی باتیں نبی ﷺ کو اذیت دیتی ہیں وہ تم سے حیاء کرتے ہیں۔

کیونکہ یہاں دیر تک بیٹھنا اور باتوں میں لگے رہنا اذیت کا باعث ہے نہ کہ صحابہ کرام نے قصداً حضور کو کوئی اذیت دی اس لیے جب کوئی فعل باعثِ اذیت ہو مگر صاحبِ فعل کو علم نہ ہو کہ اس سے اذیت ہو رہی ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ یہ بارگاہِ رسالت میں آواز بلند کرنے کی طرح کی معصیت ہے البتہ جب کوئی دیدہ دانستہ اذیتِ رسول ﷺ کا مرتکب ہو تو اس کا یہ فعل کفر اور حبطِ اعمال کا موجب ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

آٹھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○ (احزاب: ۵۳)

تم کو یہ شایاں نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے امت پر حرام قرار دے دیا کہ وہ حضور کے بعد ازواجِ مطہرات سے نکاح کے مرتکب ہوں کیونکہ اس سے حضور کو تکلیف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حرمتِ رسول کے پیشِ نظر اس فعل کو جرم عظیم قرار دیا، اس آیتِ کریمہ کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد میں حضرت عائشہ سے نکاح کرلوں گا، (تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ازواجِ مطہرات کی حرمتِ ابدی کا اعلان فرمایا) پھر جب کوئی اس حرمت کی پامالی کی کوشش کرے تو اس کی سزا قتل ہے کیونکہ اس نے توہین رسول کا ارتکاب کیا، اس لیے شاتمِ رسول تو بطریقِ اولیٰ اس سزا کا مستحق ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام مسلم نے بطریق زہیر از عفان از حماد از ثابت اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ایک شخص کو حضور سرورِ عالم ﷺ کی اُمِ ولد کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا، حضور نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر اس کی گردن اڑا دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لے گئے، وہ اس وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کنوئیں میں نہا رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا، باہر آ، اور پھر اس کے ہاتھ تھام کر باہر کھینچ لیا، دیکھا تو مجبوب تھا یعنی اس کا عضوِ تناسل کٹا ہوا تھا، تو آپ نے قتل سے ہاتھ روک لیا پھر بارگاہِ رسالت میں آ کر عرض کیا: یارسول اللہ وہ تو مجبوب ہے اور اس کا عضوِ تناسل نہیں ہے۔ (صحیح مسلم ۲/ ۳۶۸)

نبی اکرم ﷺ نے دراصل اس کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس نے حرمتِ رسالت کو پامال کیا تھا آپ نے حدِ زنا لگانے کا حکم نہ دیا کیونکہ زنا کی حد قتل نہیں ہے، بلکہ زنا کار شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے گا، اگر غیر شادی شدہ ہو تو کوڑوں کی سزا ہوگی اور حد بھی اس وقت قائم کی جائے گی جب چار گواہ زنا کی گواہی دیں گے یا وہ قابلِ تسلیم اقرار کرے گا۔

پس جب نبی اکرم ﷺ نے بلا تفصیل حکم دیا (یعنی اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ) تو معلوم ہوا کہ اس کے قتل کا حکم عزت وحرمت کو مجروح کرنے کی وجہ سے تھا، اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شاید دو گواہوں نے گواہی دی ہو کہ وہ اس عورت کے ساتھ بوس وکنار کر رہا ہو یا اس طرح کے کسی اور فعل کی شہادت دی ہو تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہو پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ عضوِ تناسل سے محروم ہے تو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سے مفسدہ (خرابی) کا خطرہ نہ تھا یا حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے بھیجا کہ تحقیقِ حال کریں، اگر اس پر الزام درست ہے تو قتل کر دیں اسی لیے اس قصہ میں یا کسی اور قصہ میں فرمایا۔

اَكُوْنَ كَالْمِسْكَةِ الْمُحْمَاةِ اَمِ الشَّاهِدِ يَرٰى مَالَا يَرَى الْغَائِبُ ۔

اس پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قیلہ بنتِ قیس معدی کرب، اشعث کی بہن سے شادی کی اور دخول سے پہلے وصال فرمایا ایک اور قول ہے کہ آپ ﷺ نے اسے اختیار دیا تھا کہ وہ پردہ اختیار کر کے حرمِ رسول میں داخل ہو جائے اور اہلِ ایمان کے لیے حرام ہو جائے یا طلاق لے کر جس سے چاہے نکاح کر لے، تو اس نے نکاح کو اختیار کر لیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو عکرمہ بن ابوجہل نے حضرموت میں اس سے شادی کر لی، یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ ان کے گھر کو آگ لگا کر ان کو جلا ڈالوں" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، وہ امہات المؤمنین میں سے نہیں، حضور نے اس سے دخول نہیں فرمایا نہ اسے پردے میں داخل فرمایا، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس عورت نے ارتداد اختیار کر لیا تھا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے دلیل پیش کی کہ وہ بوجہِ ارتداد ازواج النبی ﷺ میں شامل نہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ میں دلالت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے شوہر کو جلانے کا ارادہ فرمایا کیونکہ آپ اسے ازواج النبی میں شمار سمجھتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مناظرہ ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ نبی ﷺ کی بیویوں میں شمار نہیں تھی اس لیے اس کو قتل کرنے سے باز رہے، مگر اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صحابہ کرام اس شخص کو سزاوارِ قتل سمجھتے تھے جو گستاخی رسول کا مرتکب ہو۔

یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زناء کی حد ہو جس کا سبب عورت کا حضرت عکرمہ پر حرام ہونا ہو، اور جو شخص کسی محرم عورت سے نکاح کرے تو اسے زناء کی حد لگائی جائے گی یا اسے قتل کیا جائے گا، دو وجہ سے

۱- زناء کی حد سنگساری ہے۔

۲- یہ حد ثبوتِ وطی! گواہی یا اقرار کی محتاج ہے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق نے گھر جلانے کا ارادہ فرمایا تو اس بات کا بھی امکان موجود تھا کہ اس نے زناء نہ کیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا ہتکِ عزت کی وجہ سے تھی۔

احادیث میں گستاخِ رسول کی سزا

پہلی حدیث:

اس حدیث کو امام شعبی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، کہ ایک یہودی عورت نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، ایک آدمی نے اس کا گلا دبا دیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی، نبی اکرم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن اور ابنِ بطہ نے اپنی سنن میں اس روایت کو اسی طرح نقل کیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر جن روایات سے استدلال کیا ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے وہ بحوالہ جریر از مغیرہ از شعبی نقل کرتے ہیں کہ ایک نابینا مسلمان ایک یہودی عورت کے پاس آیا کرتا تھا وہ اسے کھانا کھلاتی اور حسنِ سلوک سے پیش آتی تھی، مگر نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں

گستاخی اور گالی گلوچ سے کام لے کر آپ کو اذیت دیتی تھی، ایک رات اس اندھے شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا تو اس کی موت واقع ہوگئی، جب صبح ہوئی تو اس وقوعہ کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں ہوا آپ ﷺ نے لوگوں کو قسم دے کر دریافت فرمایا (کہ اس کو کس نے قتل کیا) تو اس نابینا شخص نے کھڑے ہو کر حقیقتِ حال بیان کی، جس پر حضور نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔

یہ حدیث جید ہے کیونکہ امام شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی اور ان سے شراحہ ہمدانی کی حدیث روایت کی، وہ دورِ علی میں بیس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اور کوفہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے اس اعتبار سے یہ حدیث متصل ہے پھر اگر اس حدیث میں ارسال بھی ہو کہ حضرت شعبی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماعت کرنا بعید سمجھا جائے تب بھی بالاتفاق حجت ہے کیونکہ شعبی محدثین کے ہاں صحیح المراسیل ہیں، ان کی ہر مرسل حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں، امام شعبی کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ثقہ ساتھیوں کی احادیث کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

اس حدیث کی شاہد حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بھی ہے جو آئندہ صفحات میں آرہی ہے پھر یہ قصہ یا تو ایک ہے یا مفہوماً ایک ہے عامہ اہلِ علم نے اسی پر عمل کیا ہے دیگر اصحابِ نبی سے بھی اس واقعہ کے موافق واقعات آئے ہیں اور اس قسم کی مرسل روایات کو بطورِ دلیل پیش کرنے میں فقہاء نے کبھی تردد کا اظہار نہیں کیا۔

احکام حدیث:

یہ حدیث اس یہودی عورت کے قتل کے جائز ہونے کی نص ہے کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو سب و شتم کیا۔

یہ گستاخ ذمی کے قتل کی دلیل ہے۔

مسلمان مرد یا مسلمان عورت جب گالی دے کر توہینِ رسالت کے مرتکب ہوں تو ان کا قتل تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے وجہ یہ ہے کہ وہ یہودی عورت معاہدہ صلح میں شامل تھی، کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں کے تمام یہودیوں سے مطلقاً معاہدہ صلح کیا تھا اور ان پر جزیہ نافذ نہ کیا تھا۔ یہ علماء کے نزدیک مشروع ہے اور ان کے درمیان درجہ تواتر پر ہے، یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے علم نہیں کہ علمائے سیرت میں سے کسی نے اس بات کے ساتھ اختلاف کیا ہو کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لا کر تمام یہودِ مدینہ کے ساتھ بلا جزیہ معاہدہ فرمایا تھا۔

مدینہ منورہ کے آس پاس کے یہودی قبیلے

مدینہ منورہ کے آس پاس یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ، بنوقینقاع اور نضیر بنوخزرج کے حلیف تھے جبکہ بنوقریظہ بنواوس کے طرف دار، جب حضور مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ فرمایا ساتھ ہی انہیں مدینہ کے آس پاس بسنے والے مشرکوں کے ساتھ کیے ہوئے پرانے حلف و عہد پر قائم رکھا، یہاں تک کہ معاہدہ میں یہ شق بھی شامل کی کہ جنگ کی صورت میں وہ آپ ﷺ کی اعانت کریں گے مگر اس کے بعد بنوقینقاع نے معاہدہ توڑ دیا پھر بنونضیر نے عہد شکنی کی اور بعد ازاں بنوقریظہ نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا۔

محمد بن اسحاق صاحب مغازی کہتے ہیں

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آتے ہی مہاجرین وانصار کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کیا اس میں یہودی بھی شامل تھے۔اس معاہدہ میں آپ نے ان کے دین و مال کی حفاظت کی ضمانت دی ان کے حقوق واضح کیے اوران پر شرائط عائد کیں۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

مجھے عثمان بن محمد بن عثمان نے بتایا میں نے یہ تحریری معاہدہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے حاصل کیا یہ اس کتاب صدقہ کے ساتھ شامل تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال (گورنرز) کے لیے لکھی ،اس معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

یہ دستاویز صاحب نبوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے، قریش اور یثرب کے اہل ایمان مسلمانوں اوراطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جوان کے تابع ہوں،ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اوران کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

۱- دوسرے لوگوں کے مقابل وہ ایک امت (یعنی سیاسی وحدت) ہوں گے۔

۲- مہاجرین قریش قبل اسلام کے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کرنے کے پابند ہوں گے اوراپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو،

۳- بنی عوف اپنے دستور کے مطابق دیت ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ اہل ایمان کا سلوک باہم نیکی اور انصاف پر مبنی ہو۔

اس کے بعد صاحب مغازی نے انصار کے قبیلوں بنی حارث بنی ساعدہ بنی جشم بنی نجار بنی عمرو بن عوف بنی اوس اور بنی عبیت کا انہی شرائط کے ساتھ ذکر کیا، پھر کہا:

وَاَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُتْرُكُوْنَ مُفْرَحًا بَيْنَهُمْ اَنْ يُّعْطُوْهُ بِالْمَعْرُوْفِ فِيْ فِدَآءٍ اَوْ عَقْلٍ وَّلَا يُحَالِفُ مُؤْمِنٌ مَوْلٰى مُؤْمِنٍ دُوْنَهٗ ۔

اور یہ کہ اہل ایمان کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیے بغیر نہ چھوڑیں گے تا کہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔اور کوئی مومن دوسرے مومن کے مولیٰ (معاہدہ کے بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

آگے چل کر تحریر کیا۔

وَاَنَّ ذِمَّةَ اللهِ وَاحِدَةٌ يُّجِيْدُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ فَاِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضُهُمْ مَوْلٰى بَعْضٍ دُوْنَ النَّاسِ ۔وَاِنَّهٗ مَنْ تَبِعَنَا مِنْ يَّهُوْدٍ فَاِنَّ لَهُ النَّصْرُ وَالْاَسْوَةُ غَيْرُ مَظْلُوْمِيْنَ وَلَا مُتَنَاصِرِيْنَ عَلَيْهِمْ وَاِنَّهٗ سِلْمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاحِدَةٌ ۔

خدا کا ذمہ ایک ہی ہے مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکے گا کیونکہ اہل ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے حامی ہیں،اور جو یہودی ہماری تابعداری کریں گے اسے مدد اور برابری کے حقوق حاصل ہوں گے نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی،اور یہ کہ اہل ایمان کی صلح ایک ہی ہوگی۔

پھر کچھ شقیں چھوڑ کر فرمایا۔

یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارفِ جنگ برداشت کریں گے جب تک کہ وہ حالتِ جنگ میں رہیں گے۔

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک وحدت ہوں گے، مگر وہ اپنے دین پر ہوں گے اور مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا وہ خود ہوں۔

البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنے آپ یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت اور بربادی میں نہیں ڈالیں گے۔

بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے۔ بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو اوس اور بنو ثعلبہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہ حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے ہوں گے، البتہ ان میں سے جو ظلم اور جبر کا ارتکاب کرے گا، وہ اپنی جان اور اپنے گھرانے کو تباہی میں ڈالے گا۔

اور بنو حفیہ، بنو ثعلبہ کی شاخ ہیں انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی ثعلبہ کو حاصل ہوں گے یہی حکم ہے یہود کی دیگر شاخوں کا (ملخصاً)

وَاَنَّ الْجَارَ كَالنَّفْسِ غَيْرَ مُضَارٍّ وَلَا اٰثِمٍ ۔

پناہ گزین کو پناہ دہندہ کے حقوق حاصل ہوں گے انہیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا نہ ان کے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔

وَاَنَّهٗ مَا كَانَ بَيْنَ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ مِنْ حَدَثٍ اَوْ اشْتِجَارٍ يُخَافُ فَسَادُهٗ فَاِنَّ مَرَدَّهٗ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس دستاویز کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

وَاَنَّ يَهُوْدَ الْاَوْسِ وَمَوَالِيْهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلٰى مِثْلِ مَا فِي الصَّحِيْفَةِ مَعَ الْبَاءَ الْمُحْسِنِ مَنْ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ ۔

اور اس کے یہودیوں کو خواہ وہ خود ہوں یا ان کے موالی، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستاویز کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔

اس دستاویز میں اور بھی بہت سی شقیں تھیں۔

معاہدہ کی یہ دستاویز اہلِ علم کے نزدیک مشہور و معروف ہے امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ بَطْنٍ عُقُوْلَهٗ

رسول اللہ ﷺ نے ہر قبیلے پر خون بہا کی رقم لکھ دی

ثُمَّ كَتَبَ

پھر تحریر فرمایا

لَا يَحِلُّ اَنْ يَّتَوَالَى رَجُلٌ مُّسْلِمٌ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ ۔

کسی مسلمان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ حضور کی اجازت کے بغیر کسی کو مولیٰ بنائے۔

اس دستاویز میں اس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ یہودیوں میں سے جو کوئی مسلمانوں کی اتباع کرے گا اس کو مدد دی جائے گی، اتباع کا معنی صلح صفائی اور ترکِ محاربت ہے دینی اتباع نہیں جیسا کہ صحیفہ کے اوائل میں اس کی تصریح ہے، پس مدینہ منورہ کے تمام باشندے اور غیر محاربین یہودی اس معاہدہ میں داخل ہیں۔

پھر وضاحت فرمائی کہ انصار کی ہر شاخ یہود کو اہلِ ایمان کی طرف سے ضمانت حاصل ہوگی اور مدینہ منورہ میں کوئی یہودی ایسا نہ تھا جس کا بنو اوس یا خزرج کی کسی شاخ کے ساتھ حلف نہ ہو، بنو قینقاع جو مدینہ کے آس پاس رہتے تھے اور عبداللہ بن سلام کا گروہ تھا۔ عوف بن خزرج کے حلیف تھے، عوف بن خزرج ابن ابی رہم کا گروہ تھا جس کا اس دستاویز کے شروع میں ذکر آیا۔

بنو قینقاع پہلے عہد شکن

ابنِ اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا بنو قینقاع یہود کا پہلا قبیلہ ہے جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بدر و اُحد کے درمیانی عرصے میں آمادۂ پیکار ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ سرِ اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو گئے، عبداللہ بن ابی بن سلول نے اٹھ کر بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، یا محمد (ﷺ) میرے (موالی) حامیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیجئے اور ان سے درگزر فرمایئے پھر اپنا ہاتھ حضور کی زرہ کی جیب میں ڈال لیا، حضور نے فرمایا مجھے چھوڑ دے اور آپ اس قدر غضبناک ہوئے کہ چہرۂ انور پر پرچھائیاں پڑنے لگیں، آپ نے فرمایا تیرا برا ہو مجھے چھوڑ دے'' کہنے لگا بخدا انہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ میرے حامیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، وہ چار سو بلا زرہ اور تین سو زرہ پوش ہیں، انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں میری حفاظت کی، کیا آپ ایک ہی دن انہیں کاٹ کر رکھ دیں گے، بخدا مجھے تو سخت آزمائش کا اندیشہ ہے یہ سن کر حضور نے فرمایا **ھم لك** وہ تیرے (حوالے) ہیں۔

جہاں تک بنو نضیر اور بنو قریظہ کا معاملہ ہے یہ مدینہ منورہ سے باہر تھے اور ان کا حضور کے ساتھ معاہدہ بہت مشہور ہے جو کسی ادنیٰ علم رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں۔

رجوع الی القصہ:

وہ مقتولہ عورت (خدا بہتر جانتا ہے کہ) بنو قینقاع سے تعلق رکھتی تھی کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں رہتی تھی، بہر حال وہ بنو قینقاع سے ہو یا کسی اور یہودی قبیلے سے، اس کے ذمیہ ہونے میں شک نہیں، کیونکہ مدینہ کے تمام یہودی ذمی تھے وہ تین گروہ تھے اور سارے کے سارے معاہد تھے۔

واقدی بحوالہ عبداللہ بن جعفر، محمد بن کعب قرظی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ شریف تشریف لائے تو آپ نے تمام یہودیوں کے ساتھ تحریری معاہدہ فرمایا اس میں آپ ﷺ نے ہر قبیلے کو اس کے حلیفوں کے ساتھ ملحق فرمایا انہیں (جانی، مالی) امان دی اور ان پر کچھ شرائط رکھیں جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ حضور کے مقابل کسی دشمن کی امداد نہیں کریں گے۔

پھر جب آپ ﷺ بدر میں کفارِ مکہ کو شکست سے دوچار کر کے مدینہ شریف آئے تو یہودیوں نے بغاوت کر دی، اور اس

معاہدے کو توڑ ڈالا جو ان کے اور حضور کے درمیان طے پایا تھا، حضور نے انہیں اکٹھا کر کے فرمایا۔

''اے گروہِ یہود! بخدا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میرے حکم پر سر جھکا دو قبل اس کے کہ تم پر بھی وہی ابتلاء ٹوٹ پڑے جو مغرور قریشیوں پر ٹوٹی۔''

کہنے لگے

يَا مُحَمَّدُ لَا يَغُرَّنَّكَ مَنْ لَقِيتَ اِنَّكَ لَقِيتَ اَقْوَامًا اَغْمَالًا وَاِنَّا وَاللهِ اَصْحَابُ الْحَرْبِ وَلَئِنْ قَاتَلْتَنَا لَتَعْلَمَنَّ اِنَّكَ لَمْ تُقَاتِلْ مِثْلَنَا ـ

اے محمد! آپ اپنی اس کامیابی پر مغرور نہ ہوں، آپ کو فنِ حرب سے عاری قوم سے پالا پڑا ہے اللہ کی قسم ہم جنگ آزمودہ لوگ ہیں، ہم سے جنگ ہوئی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم جیسی قوم سے آپ پہلے نہیں لڑے۔

واقدی نے اس کے بعد ان کے محاصرہ اور اذرعات کی طرف جلاوطنی کا ذکر کیا، اور یہ بنو قینقاع ہی تھے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، ابنِ کعب قرظی نے معاہدہ یہود کا تذکرہ کرنے کے بعد وضاحت کی کہ حضور نے تمام یہودیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ ہمارے علم کے مطابق علمائے سیرت اور احادیثِ ماثورہ میں غور کرنے والوں کو کبھی اس کے متعلق تردد یا شک نہیں ہوا۔

قتل ہونے والی عورت ذمیہ تھی

(ابنِ کعب کہتے ہیں) ہم نے یہ ساری تفصیل اس لیے سپردِ قلم کی ہے کہ بعض مصنّفین کو اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں، ''احتمال یہ ہے کہ وہ یہودی عورت ذمیہ نہ تھی'' حقیقت یہ ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والوں کو سنتِ رسول ﷺ سے زیادہ آگاہی نہیں ان کا زیادہ تر علم وہی ہے جو عام لوگوں کا ہے''

پھر اس احتمال کا ابطال کرتے ہوئے فرمایا۔

''اگر وہ عورت ذمیہ نہ ہوتی تو اس کے خون کو رائیگاں قرار دینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ سب اور اہدار یعنی خون رائیگاں قرار دینے کا اس کے ساتھ وہی تعلق ہے جو رجم کا زنا اور ہاتھ کاٹنے کا سرقہ کے ساتھ ہے اور یہ صحیح (استدلال) ہے خود اس حدیث کے اندر وضاحت ہے کہ وہ عورت دو وجہ سے ذمیہ تھی۔

وصفِ مناسب کے ساتھ حکم کی تعلیق علت ہونے پر دلالت کرتی ہے

وجہِ اوّل:

روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی اکرم ﷺ کو گالی دیا کرتی تھی تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا اور حضور ﷺ نے اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رائیگانی خون کو گالی دینے پر معلق فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو گالی دینا (اور گستاخی کرنا) خون رائیگاں قرار دینے کا سبب ہے کیونکہ مناسب وصف کے ساتھ تعلیقِ حکم (جو حرفِ فاء کے

ساتھ ہو) علت ہونے پر دلالت کرتی ہے اگر چہ یہ تعلیق صحابی کے الفاظ میں ہو مثلاً کہا جائے

زَنَا مَاعِزٌ فَرُجِمَ — ماعز نے زنا کیا اس لیے اس کو سنگسار کیا گیا۔

کیونکہ صحابی کا نبی اکرم ﷺ سے امر و نہی اور حکم کا روایت کرنا یا اپنے الفاظ میں اسے بیان کرنا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے اور اصل الفاظ نقل کرنے یا مفہوم کی حکایت کرنے میں کوئی فرق نہیں، پس جب کوئی صحابی کہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس طرح حکم دیا یا فلاں بات سے منع فرمایا یا فلاں کام کے لیے ایسا کیا، تو ایسی روایت حجت ہوگی، کیونکہ صحابی اس بات پر اسی وقت اقدام کرے گا جب اسے علم ہو کہ ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے پھر ایسی روایت میں کوئی خطاء ہو جائے تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے روایت میں نسیان اور سہو ہو جائے اور یہ معاملہ اپنی جگہ ثابت و محقق ہے۔

اس کی توضیح اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس عورت کے قتل کا تذکرہ ہوا تو آپ نے قسم دے کر قاتل کا پتہ پوچھا پھر جب قاتل نے (سببِ قتل یعنی) جرم و گناہ کی نشان دہی کی تو حضور نے اس عورت کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب کسی حکایت (وقوعہ) کے بعد کوئی حکم جاری فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ وہ وقوعہ اس حکم کا موجب ہے۔ کیونکہ حکم حادث ہے اس لیے اس کے واسطے سبب حادث ہونا ضروری ہے، اور یہاں کوئی سبب نہ تھا بجز اس واقعہ کے جو حضور کے سامنے بیان کیا گیا اس لیے اس حکم کو اس واقعہ کی طرف نسبت کرنا لازم ہے۔

وجہِ دوم:

نبی اکرم ﷺ کا قسم دے کر تحقیق حال کرنا اور قاتل کو سامنے لانا پھر مقتولہ کا خون رائیگاں قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو جان کی امان حاصل تھی اور اس کو حاصل شدہ ضمانت برقرار رہتی اگر حضور اس کا ابطال نہ فرماتے (یعنی وہ جرمِ گستاخی کا ارتکاب نہ کرتی تو اس کا خون محفوظ و معصوم رہتا)

اگر وہ عورت حربیہ ہوتی تو حضور اس کے لیے اس قدر زور نہ دیتے اور اس کے خون کی رائیگانی پر اس سے حجت نہ پکڑتے، وجہ یہ ہے کہ رائیگانی اور ابطال اسی خون کا ہے جس کے سبب ضمان منعقد ہو چکی ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضور نے ایک جنگ میں مقتول عورت کو دیکھا تو اس پر نکیر فرمائی اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا مگر اس حربی عورت کا خون رائیگان نہ ٹھہرایا اگر چہ اس کا خون فی نفسہٖ باطل اور رائیگاں تھا اور مسلمان بخوبی جانتے ہیں کہ حربیہ کے خون کی کوئی ضمانت نہیں بلکہ وہ رائیگاں ہے، یہاں ذمی عورت کے خون کو رائیگاں قرار دینے کی اور کوئی وجہ نہ تھی سوائے گستاخی کے، اور یہ بات بحمدہٖ تعالیٰ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جزیہ عائد کئے بغیر معاہدہ کیا پھر ان کی ایک یہودی عورت کا خون اس لیے ہدر (رائیگاں) قرار دیا کہ وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی تو اس عورت کا خون ہدر قرار دینا زیادہ مناسب اور مباح ہے جس پر جزیہ بھی لگایا گیا ہو اور وہ احکام ملت کی پابند بھی ہو، اگر اس کا قتل جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ قاتل کے فعل کی مذمت فرماتے، کیونکہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ۔ جس نے کسی معاہد (ذمی) کو بلاوجہ قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

نیز آپ ﷺ اس کی ضمان یا کفارہ لازم قرار دیتے جس طرح کسی معصوم الدم کے قتل کا کفارہ ہے۔ جب آپ نے اس عورت کا خون ہدر (رائیگاں) قرار دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا خون (یعنی قتل کرنا) مباح تھا۔

دوسری حدیث:

اس حدیث کو اسماعیل بن جعفر نے بحوالہ اسرائیل از عثمان الشحام از عکرمہ از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا، کہ ایک اندھے شخص کی ایک اُمِ ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ کی شان میں بے ہودہ گوئی کرتی تھی۔ وہ اسے منع کرتا مگر وہ باز نہ آتی تھی، وہ اسے ڈانٹتا تھا مگر وہ رُکتی نہ تھی ایک رات بارگاہِ رسالت میں دریدہ دہنی کرنے لگی تو اس اندھے نے بھالا لے کر اس کے پیٹ پر رکھا اور اوپر سے دبا کر اس کو قتل کر دیا، جب صبح ہوئی تو اس کا ذکر بارگاہِ رسالت میں ہوا تو حضور نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے اس عورت کو قتل کیا کہ وہ کھڑا ہو جائے یہ سن کر وہ نابینا شخص کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ کے پاس آیا اور بیٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! اسے میں نے قتل کیا ہے، وہ حضور کو گالیاں دیتی تھی، میں اسے منع کرتا تو وہ باز نہ آتی تھی اور ڈانٹ ڈپٹ کا اثر بھی نہ لیتی تھی، میرے اس سے دو خوبصورت بیٹے ہیں، وہ میری رفیقہ حیات تھی۔ گزشتہ رات جب آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں اتار دیا، یہاں تک کہ وہ مرگئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اَلَا اشْهَدُوْا اَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ ۔(ابو داؤد، نسائی) تم گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون ہدر (رائیگاں) ہے۔

حدیث میں آلۂ قتل کے لیے لفظِ مغول استعمال ہوا جو مشمل کے مشابہ ہے اور مشمل چھوٹی تلوار اور خنجر کو کہتے ہیں، اس کا پر بہت باریک ہوتا ہے یہ خطابی کا قول ہے، دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ یہ باریک تلوار ہے جس کی چھوٹی سی دستی ہوتی ہے جبکہ مشمل خنجر ہے اور اسے مشمل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کو لپیٹ کر چھپا لیتا ہے اور مغول کا اشتقاق غـالـه الشي واغتاله سے ہے یعنی کسی پر بے خبری میں حملہ کر دینا۔

اس حدیث سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا، عبداللہ بن احمد کی روایت میں ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک اندھا شخص تھا جس کی اُمِ ولد لونڈی نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دیتی تھی، جس کی بناء پر اندھے نے اسے قتل کر دیا، حضور نے قتل کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ آپ کو گالیاں دیتی تھی۔ آپ نے فرمایا

اَلَا اِنَّ دَمَ فُلَانَةَ هَدَرٌ ۔ سن لو اس عورت کا خون ہدر (رائیگاں) ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے، عبداللہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت امام سے گستاخ ذمی کے قتل کے متعلق پوچھا گیا کہ اس بارے میں احادیث ہیں تو فرمایا ہاں اندھے والی حدیث ہے جس نے عورت کو قتل کر دیا تھا۔ پھر آپ سے عبداللہ نے دونوں حدیثیں روایت کیں جن میں گلا گھونٹ کر قتل کرنے کا ذکر بھی ہے اور بھالے کے

ساتھ پیٹ پھاڑنے کا بھی۔ ایک روایت کے مطابق کیفیت قتل محفوظ نہیں۔

دونوں حدیثوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے یا یہ متعدد واقعات ہیں؟

یہ امر عادۃ بعید از قیاس ہے کہ یہ دو قصے ہوں اور دونوں قصوں میں دو اندھے ہوں جن کے ساتھ دو الگ الگ یہودی عورتیں حسن سلوک سے پیش آتی ہوں اور وہ حضور کو گالیاں بھی دیتی ہوں اور پھر دونوں اندھوں نے انہیں قتل کر دیا ہو اور دونوں کو حضور نے لوگوں کی موجودگی میں قسم دے کر قتل کی تحقیق کی ہو، حقیقت یہ ہے کہ قتل ہونے والی عورت یہودیہ تھی جیسا کہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے قاضی ابویعلیٰ آئمہ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا کہ ذمی اگر عہد شکنی کا مرتکب ہو تو اسے قتل کیا جائے اور ہر دو احادیث میں ایک ہی واقعہ کی حکایت تسلیم کی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں واقعات الگ الگ ہوں، خطابی کہتے ہیں اس حدیث میں وضاحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دینے والے کو قتل کیا جائے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گالی گلوچ سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے) اور وہ عورت حضور کو گالیاں دے کر دین سے نکل گئی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام خطابی اس عورت کو مسلمان سمجھتے تھے، حالانکہ حدیث میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں، بلکہ واضح ہے کہ وہ عورت کافرہ تھی، اس کو عہد اماں اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ ایک مسلمان کی مملوکہ تھی، کیونکہ مسلمانوں کے غلام کو ذمیوں کے حقوق حاصل ہیں بلکہ معاہدین سے زیادہ حاصل ہیں، اس عورت کو اماں دینے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک مسلمان کی منکوحہ تھی، اور کتابی عورتوں کا محفوظ الدم ہونے میں وہی حکم ہے جو ذمیوں کا ہے۔ اور حضور کو گالیاں دینے کا وطیرہ بنالینا انہی لوگوں سے متصور ہے جو مرتد ہو کر کوئی اور دین اختیار کر چکے ہیں۔

البتہ یہاں ایک اشکال ہے کہ اگر وہ عورت مرتد ہوتی اور اسلام سے نکل کر کوئی اور دین اختیار کر چکی ہوتی تو اس کا مالک عرصہ دراز تک اسے اس حالت میں نہیں رکھ سکتا تھا کہ صرف گالیوں سے روکنے پر اکتفاء کرتا، بلکہ اس سے تجدید اسلام کا مطالبہ کرتا خصوصاً جبکہ اس سے وظیفۂ زوجیت بھی پورا کرتا، اس لیے کہ مرتد عورت سے مجامعت جائز نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کی حالت میں تبدیلی نہیں آئی تھی اور وہ بدستور اپنے دین پر قائم تھی، اور اس کے شوہر نے بھی کافرہ یا مرتدہ ہونے کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی گالیوں کا تذکرہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے سب وشتم کے علاوہ کچھ سرزد نہ ہوا تھا اور نہ ہی اس نے ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا تھا۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ عورت یا تو اس کی منکوحہ بیوی تھی یا مملوکہ لونڈی، دونوں صورتوں میں اگر اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوتا تو حضور فرما دیتے کہ اسے قتل کرنا حرام تھا اور اس کا خون معصوم تھا پھر معصوم الدم کو قتل کرنے کے جرم میں کفارہ واجب فرماتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا "گواہ رہو اس کا خون رائیگاں ہے" اور رائیگاں وہ خون ہے جس کا دیت کفارہ نہیں ہوتا نہ اس پر قصاص لیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ عورت ذمیہ ہونے کے باوجود مباح الدم تھی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ گالی دینے کے سبب اس کا خون مباح ہو گیا اور حضور نے اس واقعہ کو سننے کے بعد اس کا خون رائیگاں قرار دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور کی گستاخی سے قتل واجب ہو جاتا ہے اور یہ قصہ اس معاملہ میں بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

کعب بن اشرف یہودی کا قصہ

تیسری حدیث:

اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل قائم کی کہ ذمی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو واجب القتل ہوگا اور اس کا عہدِ ذمہ ختم ہو جائے گا کعب بن اشرف یہودی کا یہی معاملہ ہے امام خطابی کہتے ہیں

''امام شافعی نے فرمایا ذمی جب بارگاہِ رسالت میں دریدہ دہنی سے کام لے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا عہدِ ذمہ ختم ہو جائے گا آپ نے اس سلسلہ میں کعب بن اشرف یہودی کے واقعے سے استدلال کیا۔''

امام شافعی آلام میں فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یا آپ کے قرب میں اہلِ کتاب کا کوئی مشرک نہ تھا سوائے مدینہ کے یہودیوں کے، وہ انصار کے حلیف تھے، اور سب انصار نے حضور کی مدینہ تشریف لانے کے آغاز میں اسلام لانے پر اتفاق نہیں کیا تھا، چنانچہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا اور اپنی زبانی یا عملی عداوت کا اظہار نہ کیا یہاں تک کہ بدر کا معرکہ بپا ہوا، اس وقت انہوں نے دشمنی ظاہر کی اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا جس کی پاداش میں حضور نے انہیں تہ تیغ کیا، اور یہ معلوم و مشہور ہے کہ اس سے امام شافعی کی مراد کعب بن اشرف کا قتل ہے۔

یہ قصہ بہت مشہور و معروف ہے جسے عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگاتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی۔

یہ سن کر محمد بن مسلمہ اٹھے اور عرض کیا۔

''میں یا رسول اللہ! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ فرمایا ہاں، عرض کیا اگر اجازت دیں تو میں کچھ اس سے بات کروں، فرمایا کرو، اس کے بعد محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا: یہ شخص ہم سے صدقہ طلب کرتا ہے اور اس نے ہمیں تکلیف میں ڈال رکھا ہے، یہ سن کر کعب نے کہا بخدا تم اس سے زیادہ تکلیف اٹھاؤ گے، کہا ہم اس کی اتباع کر چکے اور برا سمجھتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیں، دیکھتے ہیں کہ معاہدہ کیا صورت اختیار کرتا ہے پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ قرض دے دو، اس نے کہا اس کے عوض کیا چیز رہن رکھو گے؟ محمد بن مسلمہ نے کہا کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تم اپنی عورتیں رہن رکھ دو، کہا تم عرب کے خوبصورت شخص ہو ہم اپنی عورتیں کس طرح تمہارے پاس رہن رکھ سکیں گے؟ کہنے لگا پھر اپنے بیٹے رہن رکھ دو، جواب دیا اس سے ہمارے بیٹوں کو گالی دی جائے گی کہ تمہیں تو دو وسق کھجوروں کے بدلے رہن رکھا گیا، (یہ باعث شرمندگی ہوگا) البتہ ہم تمہارے پاس اپنا اسلحہ گروی رکھنے کو تیار ہیں، کہا ٹھیک ہے اس کے بعد مسلمہ سے وعدہ لیا کہ وہ اسلحہ لے آئیں گے، چنانچہ وہ عبس بن جبر اور عباد بن بشر کے پاس آئے، انہیں ساتھ لیا اور کعب کے پاس چلے، وہاں پہنچ کر رات کی تاریکی میں اسے آواز دی تو وہ (قلعے سے)

نیچے آنے لگا اس کی بیوی نے کہا (کہاں جاتے ہو) مجھے تو خونی آواز سنائی دے رہی ہے، کہا، (فکر کی بات نہیں) یہ محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہے، عزت مند اور شریف آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کی طرف بلایا جائے تو وہ اسے قبول کرتا ہے، ادھر محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا پھر جب میں اسے قابو میں لے لوں تو تم اسے قتل کر دینا، چنانچہ جب وہ نیچے آیا تو خوشبو سے معطر تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا (بہت عمدہ خوشبو ہے) ایسی خوشبو تو ہم نے کبھی نہیں سونگھی، کعب نے کہا! ہاں میرے عقدِ زوجیت میں عرب کی سب سے زیادہ حسین اور معطر عورت ہے، محمد نے کہا کیا مجھے سونگھنے کی اجازت دو گے؟ کہا، ہاں سونگھ لو، تو اٹھ کر خوشبو سونگھی پھر کہا کیا دوبارہ سونگھ سکتا ہوں؟ جواب دیا، ہاں اجازت ہے چنانچہ جب اس کا سر اچھی طرح قابو میں لے لیا تو ساتھیوں سے کہا آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دو پس انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (متفق علیہ)

ابن ابی اویس بطریق ابراہیم بن جعفر بن محمد بن مسلمہ روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف نے نبی اکرم ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کرے گا نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کرے گا اس کے باوجود وہ (مشرکوں سے ساز باز کے لیے) مکہ مکرمہ گیا پھر مدینہ منورہ آ کر علانیہ دشمنی کا اظہار کرنے لگا وہ پہلا شخص تھا جس نے عہد شکنی کی اور ہجویہ اشعار کہے، ایک شعر میں کہتا ہے

اَذَاهِبٌ اَنْتَ لَمْ تَحْلُلْ بِمَرْقَبَةٍ
وَتَارِكٌ اَنْتَ اُمَّ الْفَضْلِ بِالْحَرَمِ [1]

اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس کے قتل کی ترغیب دی یہ روایت ابن ابی اویس سے محفوظ ہے اسے خطابی وغیرہ ائمہ نے نقل کیا امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں (عربی لفظ) خزع کا معنی عہد شکنی ہے خزع کا ایک معنی کٹنا بھی ہے اسی سے خزاعہ کا نام پڑا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے کٹ کر مکہ مکرمہ جا بسے تھے، پہلے معنی کے لحاظ سے تقدیرِ کلام یوں ہوگی کہ کعب پہلا شخص تھا جس نے حضور سے عہد شکنی کی دوسرے معنی پر وہ پہلا شخص تھا جس نے نبی اکرم ﷺ سے کٹ کر آپ کی ہجو گوئی کی۔

اہلِ مغازی اور اہلِ تفسیر مثلاً محمد بن اسحاق نے ذکر کیا کہ کعب بن اشرف نے دیگر یہودِ مدینہ کے ساتھ حضور کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، وہ بنو طے کا شخص تھا اس کی ماں بنونضیر سے تعلق رکھتی تھی، جب اہلِ مکہ غزوۂ بدر میں قتل ہوئے تو اس پر بہت گراں گزرا، مکہ جا کر اہلِ قریش سے تعزیت کی اور مقتولوں کے مرثیے کہے اور دین جاہلیت کی دینِ اسلام پر فضیلت ثابت کی تو اس کے معاملہ میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۞	کیا تم نے نہیں دیکھا ان (بدبختوں) کو جنہیں کتاب کا حصہ دیا گیا وہ جبت و طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کافر اہلِ ایمان سے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔

(النساء: ۵۱)

[1] اس شعر میں توہین آمیز مضمون باندھ کر حضرت اُم الفضل زوجہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے عشق بازی کی نسبت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ان کو حرم مکہ میں چھوڑ کر جا رہا ہے۔

کعب بن اشرف جب مدینہ لوٹا تو اپنے اشعار سے نبی اکرم ﷺ کی ہجو گوئی کرنے لگا اور مسلمانوں کی عورتوں پر عشق و محبت کے جھوٹے الزام لگا کر انہیں اذیت دینے لگا تو تنگ آ کر حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ؟ ہمیں کعب بن اشرف کے اس شر سے کون بچائے گا؟

اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

(محمد بن اسحاق نے اس کے قتل کا قصہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔)

واقدی بحوالہ ابراہیم بن جعفر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ کعب کے قتل کے بعد یہودیوں اور ان کے طرفدار مشرکوں پر دہشت طاری ہو گئی، انہوں نے صبح ہوتے ہی بارگاہِ رسالت میں آ کر کہا

''ہمارے سردار پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا گیا اور اسے بے گناہ دھوکے سے قتل کر دیا گیا ہمیں اس کے کسی جرم کی خبر نہیں۔''

یہ سن کر حضور نے فرمایا اگر وہ دوسرے یہودیوں کی طرح معاہدہ کی پاسداری کرتا تو کوئی اسے دھوکے سے قتل نہ کرتا، لیکن اس نے ہمیں اذیت دی اور اشعار کے ذریعے ہماری ہجو گوئی کی اور تم میں سے جو بھی ایسی حرکت کرے گا وہ تہ تیغ کیا جائے گا۔'' اس کے بعد حضور نے انہیں ایک تحریری معاہدے کی دعوت دی کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں گے چنانچہ رملہ بنت حارث کے گھر میں ایک دستاویز پر دستخط ہوئے اس کے بعد یہودی حذر کرنے لگے اور کعب بن اشرف کے قتل کے بعد خوف اور ذلت میں مبتلا ہو گئے۔

گستاخِ رسول کی سزا پر قتلِ کعب سے استدلال

کعب بن اشرف کے قتل سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال دو وجہ سے ہے۔

وجہِ اوّل:

کعب معاہد اور اماں یافتہ تھا، اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں علمائے مغازی و سیر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور یہ ان کے درمیان ایسی مشہور و معروف بات ہے جس کے لیے کسی خاص نقل کی ضرورت نہیں۔

اہلِ علم کے نزدیک یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے تمام قبائلِ یہود یعنی بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ پھر بنو قینقاع نے عہد شکنی کی اور آمادۂ پیکار ہوئے اس کے بعد کعب بن اشرف نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی بعد ازاں بنو نضیر پھر بنو قریظہ نے عہد توڑا کعب بن اشرف بنو نضیر سے تعلق رکھتا تھا ان کا معاملہ بالکل واضح ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے صلح کا معاہدہ کیا تھا، انہوں نے اس وقت عہد شکنی کی جب حضور دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں ان سے مدد لینے کے لیے نکلے، ان دونوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا، اور یہ واقعہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد کا ہے ہم نے خاص اس بارے میں روایت کی کہ کعب بن اشرف معاہد تھا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کی ہجو گوئی اور اذیت رسانی کے باعث اسے عہد شکن قرار دیا تھا۔

اس کی عہد شکنی کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے فرمایا

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کعب بن اشرف کی شرارت کا حساب کون چکاتا ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے۔

اس طرح آپ ﷺ نے اس کے قتل کی علت اس کی اذیت رسانی ٹھہرائی، اور اذیت ایسا لفظ ہے جو مطلق آئے تو اس سے مراد زبانی اذیت ہوتی ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا ۔ (آلِ عمران: ۱۸۶) تم اپنے سے پہلے اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی ایذاء کی باتیں سنو گے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى (آلِ عمران: ۱۱۱) وہ تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۔ (توبہ: ۶۱) ان میں بعض ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو سراپا کان ہیں۔

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ ۔ (احزاب: ۵۳) (جب تم کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ) اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو یہ بات نبی کو اذیت دیتی ہے۔

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۔ (احزاب: ۶۹) (اے اہلِ ایمان) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہودیوں کی بہتان تراشی سے بے عیب ثابت کیا۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا ۔ (احزاب: ۵۳) تم کو شایاں نہیں کہ رسول اللہ کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ نبی کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر اور امر کا ذکر کیا اور یہ زبان کا کام ہے۔

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ (احزاب: ۵۸) ان پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے۔

ایک حدیثِ قدسی ہے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ ابنِ آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں خود (مقلب) زمانہ ہوں۔

ایسی روایات بہت ہیں۔

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اذی قلیل شر اور خفیف ناگوار بات کا نام ہے بخلاف ضرر کے اس لیے اس کا اطلاق قول پر ہوا کیونکہ اذیت دینے والا حقیقت میں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق اذیت کو ایک ذمی مرد کے قتل کا موجب قرار دیا اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گالی دینا انہیں اذیت دینا ہے اور جب حرفِ فاء کے ساتھ وصف حکم پر مرتب ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وصف اس حکم کی علت ہے۔ خصوصاً جب وہ اس کے مناسب ہو، اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینا قتلِ معاہد کے مندوب ہونے کی علت ہے، اس سے عہدِ اماں کے شکستہ ہونے کی دلیل بھی ثابت ہوتی ہے، تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ گالی دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ایذاء دینے کے مترادف ہے بلکہ وہ اذیت کی اخص نوع ہے۔

قبل ازیں ہم حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کو کعب بن اشرف کے نقضِ عہد کا سبب وہ قصیدہ ہے جو اس نے مدینہ شریف لوٹنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی ہجو میں پڑھا تھا، اور نبی اکرم ﷺ نے اس یاوہ گوئی پر اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا یہ اس بات کی واحد دلیل ہے کہ اس نے ہجوگوئی سے معاہدہ توڑا تھا نہ کہ مکہ مکرمہ جانے کی وجہ سے۔

واقدی نے اپنے شیوخ سے اس بارے میں جو نقل کیا وہ اس حقیقت کی تائید و وضاحت کرتا ہے اگر چہ واقدی بذاتِ خود حالتِ انفراد میں لائق احتجاج نہیں، مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ مغازی کا بہت بڑا عالم تھا لوگوں نے اس علم کی زیادہ تر تفاصیل اسی سے لی ہیں، اور ہم نے اس سے وہی کچھ نقل کیا جس کی سند دوسروں سے ثابت ہے۔

حدیث کے یہ الفاظ "اگر وہ (کعب) دوسروں کی طرح معاہدہ کی پاسداری کرتا تو دھوکے سے نہ قتل ہوتا، اس نے ہمیں اذیت دی اور اشعار کے ذریعے ہماری ہجوگوئی کی اور تم میں سے جو بھی اس حرکت کا مرتکب ہوگا تہ تیغ کیا جائے گا۔" اس بارے میں نص ہیں کہ ہجوگوئی کی وجہ سے ابنِ اشرف کا عہد ٹوٹ گیا تھا اور معاہدین میں سے جس نے اس فعل کا ارتکاب کیا وہ تلوار کا مستحق ہوگیا، حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ جو دو طریقوں سے مسند ہے وہ ہمارے بیان کردہ دلائل کے موافق ہے اور عمدہ دلیل ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کعب جب مکہ مکرمہ گیا اور لوٹ کر مدینہ آیا تو حضور نے مسلمانوں کو اس کے قتل کا حکم نہ دیا بلکہ جب اس کی طرف سے ہجوگوئی کی خبر پہنچی تو قتل کا حکم دیا اور اصول یہ ہے کہ حکمِ حادث کو سببِ حادث کی طرف نسبت کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ ہجوگوئی اور اذیت جو مکہ سے لوٹنے کے بعد ظہور پذیر ہوئی وہ نقضِ عہد اور قتل کعب کا سبب بن گئی، یہ تو حکم ہے اس شخص کا جو جزیہ نہیں دیتا تو اس ذمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو جزیہ دیتا اور احکامِ ملت کو تسلیم کرتا ہے؟ (گستاخی کی صورت میں اسے قتل کیوں نہ کیا جائے گا؟)

ایک سوال:

کعب بن اشرف کو بغیر جرمِ سب و شتم اور ہجوگوئی کے قتل کیا گیا (اس کا کیا جواز تھا؟)

جواب:

امام احمد فرماتے ہیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ شریف آیا تو قریش نے کہا:

اَلَا تَرٰی اِلٰی هٰذَا الْمُتَصَبِّرِ الْمُنْبَتِرِ مِنْ قَوْمِهٖ يَزْعُمُ اَنَّهٗ خَيْرٌ مِّنَّا وَنَحْنُ اَهْلُ الْحَجِيْجِ وَاَهْلُ السَّدَانَةِ	کیا تم اس تلخ مزاج اور اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے والے کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ

وَاَهْلُ السِّقَايَةِ وَقَالَ اَنْتُمْ خَيْرٌ وَنَزَلَتْ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا ۔ الخ

ہم حاجیوں کے خدمت گزار ہیں بیت اللہ کے خادم ہیں زائرینِ کعبہ کو پانی پلاتے ہیں کعب نے کہا نہیں تم بہت بہتر ہو اس وقت یہ آیات الم ترا الی الذین الخ نازل ہوئیں

امام احمد بطریقِ عبدالرزاق عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف مشرکین قریش کے پاس گیا اور انہیں جوش دلا کر نبی اکرم ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور کہا ہم یہودی تمہارے ساتھ ہیں، قریش نے کہا تم اہلِ کتاب ہو اور محمد (ﷺ) بھی صاحبِ کتاب ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے ساتھ دھوکا نہ ہو جائے، اگر تو چاہتا ہے کہ ہم تیرے ساتھ نکلیں تو ان دو بتوں کو سجدہ کر اور ان پر ایمان لا، سو اس نے ایسا کیا تو اس کے بعد قریش نے کہا اب بتا کہ

اَنَحْنُ اَهْدٰى اَمْ مُحَمَّدٌ؟ نَحْنُ نَصِلُ الرَّحِمَ وَنُقْرِئُ الضَّيْفَ وَنَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَنَنْحَرُ الْكَوْمَاءَ وَنَسْقِي اللَّبَنَ عَلَى الْمَاءِ وَمُحَمَّدٌ قَطَعَ رَحِمَهٗ وَخَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ خَيْرٌ وَّاَهْدٰى ۔

کیا ہم زیادہ ہدایت پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں موٹی اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں اور پانی کے بجائے دودھ پلاتے ہیں جبکہ محمد (ﷺ) نے قطع رحمی کی اور شہرِ مکہ چھوڑ کر نکل گئے۔ یہ سن کر کعب نے کہا تم زیادہ اچھے اور ہدایت یافتہ ہو۔

تو اس کے بارے میں سورہ النساء کی آیات نمبر ۵۱ اور ۵۲ نازل ہوئیں۔

امام احمد بحوالہ سدی از ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف اہلِ مکہ کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا

''کیا ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (ﷺ) کا دین؟''

کہا اپنا دین مجھ پر پیش کرو۔ تو انہوں نے کہا ہم بیت اللہ شریف کی خدمت کرتے ہیں، اونٹنیوں کی قربانی دیتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں اور مہمان نوازی سے کام لیتے ہیں۔

کہنے لگا

دِيْنُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ ۔

تمہارا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

موسیٰ بن عقبہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف یہودی قبیلہ بنو نضیر کا ایک فرد تھا (یا ان میں شامل تھا)، وہ ہجو گوئی کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتا تھا، ایک دفعہ سوار ہو کر قریش کے پاس آیا اور ان سے محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف مدد طلب کی سردارِ قریش ابوسفیان نے اس سے کہا میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں

ہمارا دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا محمد اور اس کے ساتھیوں کا؟ تیری رائے میں ہم میں سے کون راہِ راست پر ہے اور حق کے قریب ہے؟ ہم موٹی تازی اونٹنیوں کا گوشت مہمانوں کو کھلاتے ہیں اور پانی کے بجائے دودھ پلاتے ہیں، اور ہم یہ کام اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک شمال کی ہوا چلتی رہے گی، کعب نے کہا تم ان سے زیادہ ہدایت کے راستے پر ہو، پھر لوگوں کو نبی اکرم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے روانہ ہوا اور عداوت رسول کا علانیہ اظہار کر کے ہجو گوئی سے کام لینے لگا، اس کے اس طرزِ عمل پر رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

مَنْ لَنَا مِن ابنِ الْاَشْرَفِ قَدْ اسْتَعْلَنَ بَعْدَ اوتنا وھِجَائِنَا ۔ ہماری طرف سے ابنِ اشرف کا کون بندوبست کرتا ہے اس نے علانیہ ہماری دشمنی اور ہجو گوئی کا اظہار کیا ہے۔

اور قریشِ مکہ کے پاس جا کر انہیں ہمارے خلاف جنگ پر جمع کیا، جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے مجھے (بذریعہ وحی) دی ہے، پھر مدینہ شریف آ کر اس مکروہ منصوبے کی تکمیل کا انتظار کرنے لگا کہ قریش ہمارے ساتھ جنگ کریں گے اور وہ ان کا ساتھ دے گا، پھر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کے سامنے ان آیات کی تلاوت فرمائی جو اس کے بارے میں نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ...... سَبِیْلاً تک اور اس کے ساتھ وہ آیات بھی جو قریش کے متعلق نازل ہوئیں۔

ہمیں یہ روایت بھی ملی ہے کہ حضور انور سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دعا کی

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ ابْنِ الْاَشْرَفِ بِمَا شِئْتَ ۔ اے اللہ میری طرف سے ابنِ اشرف کا بندوبست کر جس طرح تو چاہتا ہے۔

یہ سن کر محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ میں اسے قتل کروں گا پھر قتلِ کعب کی ساری روداد سنائی اس کے بعد کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کعب کو عداوتِ خدا و رسول اور ہجو گوئی نیز قریش کو جنگ پر اکسانے اور علانیہ شرارت کرنے کی پاداش میں ہلاک کیا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں،

''کعب بن اشرف کا قصہ یہ ہے کہ جب بدر والوں پر مصیبت آئی زید بن حارثہ مدینہ کے نشیبی مقامات پر رہنے والوں اور عبداللہ بن رواحہ بالائی علاقوں میں رہنے والوں کو خوشخبری دینے کے لیے آئے، انہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اطلاع دینے کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو فتح عطا فرمائی اور مشرکینِ مکہ کے فلاں فلاں سردار ڈھیر ہوگئے، جیسا کہ عبداللہ بن مغیث الظفری، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد، عاصم بن عمر بن قتادہ اور صالح بن ابی امامہ بن سہل نے مجھے بتایا اور کعب کے قتل کا واقعہ سنایا کعب بن اشرف بنو طے کی شاخ بنو نبہان سے تھا، اور اس کی ماں بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھی، جب اسے مشرکینِ مکہ کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو تصدیق کے لیے پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) نے ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کے نام زید اور عبداللہ بن رواحہ نے بتائے ہیں بخدا یہ تو عرب کے شرفاء اور حکمران تھے، اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) نے انہیں قتل کیا ہے تو زمین کی پشت پر زندہ رہنے کی نسبت زمین کے شکم میں ہونا بہتر ہے (یعنی مر جانا بہتر ہے۔)

پھر جب دشمنِ خدا کو اس خبر کی صداقت کا یقین ہوگیا تو مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ گیا اور عبدالمطلب بن ابی وداعہ سہمی کے گھر اترا، اس کی بیوی عاتکہ بنی ابی العیص بن امیہ نے اس کی میزبانی کی اور بڑی عزت افزائی کی۔

وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خلاف لوگوں کو اکسانے لگا اور دردناک اشعار کے ذریعے بدر کے مقتولوں پر مرثیے کہنے لگا، محمد بن

اسحاق نے یہاں کعب کے اشعار اور حضرت حسان اور دیگر اصحاب کی طرف سے اس کا رد نقل کیا۔

اس کے بعد کعب مدینہ لوٹا اور مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار پڑھ کر انہیں تکلیف پہنچائی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا..... جیسا کہ مجھے عبداللہ بن مغیث نے بتایا۔ کعب بن اشرف کی اس شرارت کا کون جواب دیتا ہے؟ تو محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں میں اسے قتل کر دوں گا، (پھر پورا قصہ ذکر کیا)

واقدی کہتے ہیں،

مجھے عبدالحمید بن جعفر نے بطریق یزید بن رومان اور معمر امام زہری سے انہوں نے ابن کعب بن مالک اور ابراہیم بن جعفر سے انہوں نے اپنے باپ جعفر سے اور جعفر نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ کعب بن اشرف شاعر تھا وہ نبی اکرم ﷺ اور اصحاب رسول کی ہجوگوئی کرتا تھا اور اپنے اشعار کے ذریعے کفار قریش کو جنگ پر بھڑکاتا تھا، نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے مسلمان انہیں دعوت اسلام پر اکٹھا کرتے، ان میں اہل حلقہ بھی تھے قلعوں والے بھی تھے اور اوس وخزرج کے حلفاء بھی حضور چاہتے تھے کہ ان کے درمیان مکمل صلح ہو جائے کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ بیٹا مسلمان ہے، تو باپ مشرک، ادھر مشرکین مکہ اور یہود مدینہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو شدید اذیت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اہل اسلام کو صبر اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا یہ آیت کریمہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (آل عمران:۱۸۶)

تم اہل کتاب (یہودیوں) اور مشرکوں سے بہت اذیت کی باتیں سنو گے اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کام ہیں۔

اس آیت کا شان نزول بھی یہی ہے

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۔ الی آخرہ

پھر جب کعب بن اشرف نے نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کی اذیت رسانی سے باز رہنے سے انکار کر دیا اسی اثناء میں اسے قریش مکہ کے حشر کی اطلاع بھی مل چکی اور زید بن حارثہ کی زبان سے اہل ایمان کی فتح مشرکین کی ذلت وتباہی بھی سن چکا اور جنگی قیدیوں کو پابہ زنجیر دیکھ چکا تو اپنی قوم سے کہنے لگا۔

تمہاری بربادی، آج تمہارے لیے زمین کی پشت سے قبر کا پیٹ بہتر ہے یہ سرداران قوم ہلاک ہو چکے ان میں سے کچھ قیدی بنا لیے گئے اب بتائیے تمہارے پاس کیا ہے؟ کہنے لگے جب تک زندہ رہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دشمنی کریں گے، اس نے کہا تم کیا ہو؟ تمہاری قوم کو تو اس نے پامال کر دیا اور انہیں شدید مصیبت سے دوچار کیا، اب میں قریش کی طرف نکلتا ہوں انہیں جنگ کی ترغیب دیتا ہوں اور ان کے مقتولوں پر آنسو بہاتا ہوں شاید وہ میری پکار پر لبیک کہیں اور پھر ہم مل کر میدان جنگ کی طرف نکلیں، چنانچہ اس غرض کے لیے وہ نکلا اور مکہ آ پہنچا وہاں اس نے اپنا سامان ابی وداعہ بن ابی صبرہ سہمی کے پاس رکھا، ابی وداعہ

کے عقدِ نکاح میں اسد بن ابی العیص کی بیٹی عاتکہ تھی، اس کے بعد اس نے قریش کے مقتولوں کی مرثیہ خوانی شروع کی، (واقدی نے اس کے اشعار نقل کیے اور حضرت حسان نے اس کا جو جواب لکھا اس کا بھی تذکرہ کیا) حضرت حسان نے جب اس گھرانے کا بھی اپنے اشعار میں تذکرہ کیا جن کے ہاں کعب اترا تھا (یعنی ابو وداعہ سہمی کا گھرانہ) تو انہوں نے حضرت حسان کے اشعار کی خبر پا کر کعب کا سامان باہر پھینک دیا اور کہا ہمارا اس یہودی سے کیا تعلق ہے، پھر اس سے کہا تو نہیں دیکھتا حسان ہمارا کیا حشر کر رہا ہے؟ تو وہاں سے بستر ابوریا گول کیا، اس کے بعد جس قبیلے کے پاس جاتا تو حضور حضرت حسان کو بلا کر فرماتے۔ کعب فلاں قبیلے کے پاس ٹھہرا ہے تو وہ اس کی ہجو کرتے جس کی وجہ سے وہ قبیلہ اس کا سامان اٹھا کر پھینک دیتا پھر جب اسے کوئی پناہ نہ ملی تو مدینہ منورہ کا رخ کیا، حضور کو اس کے آنے کی اطلاع ملی تو دعا مانگی۔

اللهم اكفنى ابنِ الاشرف بما شئت فى اعلانه الشر وقوله الاشعار .

نیز فرمایا

من لكعب ابنِ الاشرف فقد اذانى . میری طرف سے کعب بن اشرف کا حساب کون چکاتا ہے اس نے مجھے شدید اذیت دی ہے۔

اس صدا پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں میں اسے ٹھکانے لگا دوں گا فرمایا ٹھیک ہے اس کا بندوبست کرو (اس کے بعد سارا واقعہ نقل کیا)

کعب بن اشرف کے جرائم کی تفصیل

کعب بن اشرف کی فردِ جرم میں بہت سے جرائم جمع ہو گئے تھے اس نے مقتولانِ قریش کے مرثیے کہے
اس نے قریش کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ پر اکسایا انہیں اس معاملے پر جمع کیا۔
قریش کی اعانت کی اور ان کے دین کے افضل ہونے کی خبر دے کر ان کو شہ دی۔
اس نے نبی اکرم ﷺ اور اہلِ اسلام کی ہجو میں اشعار کہے۔
(آپ نے کعب کے جرائم کی فہرست ملاحظہ فرمائی اب ہم سوال کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ)
اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

وجہِ اوّل:

نبی اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم اس لیے نہیں صادر فرمایا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ گیا اور وہاں اہلِ ایمان کے بارے میں ہرزہ سرائی کی، بلکہ اس وقت قتل کا حکم دیا جب وہ مدینہ منورہ آیا اور آپ ﷺ کی شان میں بے ہودہ گوئی کی، جیسا کہ اس کی وضاحت حدیثِ جابر میں آ چکی ہے اس حدیث کے الفاظ ہیں "پھر جب مدینہ آیا تو علانیہ حضور کی عداوت کا اظہار کرنے لگا" پھر ذکر کیا کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے مدینہ لوٹنے کے بعد اپنے اشعار کے ذریعے عہد شکنی کی، اس وقت حضور نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

اسی طرح حدیث ابن عقبہ میں ہے کہ حضور نے فرمایا
''ہمیں ابن اشرف کے شر سے کون بچاتا ہے اس نے کھلم کھلا ہماری دشمنی اور ہجو گوئی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔
اس کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے۔

پہلی بات:

سفیان بن عیینہ بطریق عمرو بن دینار حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف اہلِ مکہ کے پاس آئے تو اہلِ مکہ نے ان سے کہا تم اہلِ کتاب اور اہلِ علم ہو، ہمیں ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتاؤ (کہ ہم میں سے کون حق پر ہے؟) کہنے لگے تم کیا ہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس خوبی کے مالک ہیں؟ اہلِ مکہ نے جواب دیا ہم صلہ رحمی کرتے ہیں حرم میں قربانیاں کرتے ہیں زائرین کو پانی کی جگہ دودھ پلاتے ہیں، مشقت میں مبتلا لوگوں کی خلاصی کراتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قطع رحمی کرنے والے ہیں حاجیوں کے چور بنو غفار ان کے پیرو ہیں، اب فیصلہ کرو کہ ہم بہتر ہیں یا وہ؟ اس کے جواب میں حی اور کعب نے کہا تم بہتر ہو اور راہِ راست پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۞
(النساء: ۵۱، ۵۲)

کیا تو نے ان بدبختوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا حصہ دیا گیا وہ جبت و طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں کہ یہ اہلِ ایمان سے زیادہ راہِ ہدایت پر ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے تو اس کا مددگار نہ پائے گا۔

اسی طرح قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور حی بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی بنونضیر کے یہ دونوں یہودی ایامِ حج میں قریش سے ملے تو قریش نے ان سے پوچھا
''ہم ہدایت پر ہیں یا محمد اور ان کے ساتھی؟''
ہم کعبہ کے کنجی بردار پانی پلانے والے اور حرم کی خدمت کرنے والے ہیں ان دونوں نے کہا
''نہیں تم محمد اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں راہِ راست پر ہو اور اچھے ہو۔''
حالانکہ وہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ جھوٹ بول رہے ہیں اور اس غلط بیانی کی وجہ ان کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ حسد تھا، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۔ (النساء: ۵۲)

یہ وہ بدبخت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور اللہ جس پر لعنت کرے تو تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔

پھر جب اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو ان کی قوم نے ان سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے

بارے میں فلاں فلاں آیت اتری ہے، کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ کہا بخدا ہمیں ان کے حسد اور بغض نے ہی اس کام پر برانگیختہ کیا،

یہ دو مرسل روایتیں ہیں جو دو وجہ سے مختلف ہیں۔

وجہ اوّل:

ان میں یہ ہے کہ وہ شخص مکہ مکرمہ گئے اور وہاں ہرزہ سرائی کی پھر جب مدینہ لوٹے تو حضور ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم صادر فرمایا جبکہ حی بن اخطب کو کچھ نہ کہا یہاں تک کہ بنو نضیر نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور نے انہیں جلاوطن کر دیا چنانچہ وہ بھی خیبر چلا گیا۔ پھر جب غزوۂ احزاب میں عساکرِ کفار کو شکست ہوئی تو یہ شخص بنی قریظہ کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اسے واصلِ جہنم کیا اس سے معلوم ہوا کہ جس منصوبہ کی تکمیل کے لیے وہ مکہ گئے تھے وہ کعب بن اشرف کے قتل کا موجب نہ تھا بلکہ اس کے قتل کا خاص سبب تھا اور وہ تھا شانِ رسالت میں گستاخی اور ہجوگوئی، البتہ یہ صحیح ہے کہ مکہ والی کارستانی سے اس فیصلے کی تائید ہوئی، لیکن اصل سبب جو اس کے قتل کا موجب ہوا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذاء ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں نص فرمائی۔

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفَ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کعب بن اشرف کی کون خبر لیتا ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی۔

جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں اس کی وضاحت فرمائی۔

دوسری وجہ:

ابن ابی اویس بحوالہ ابراہیم بن جعفر حارثی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

”جب حضور ﷺ اور بنی قریظہ کے درمیان تصادم ہوا (اور میرا خیال ہے کہ بنی قینقاع سے) تو کعب بن اشرف اس سے الگ رہا اور مکہ چلا گیا، اس نے کہا کہ میں محمد ﷺ کے خلاف مدد نہیں کروں گا نہ ان سے لڑوں گا۔“ پھر جب مکہ میں اس سے پوچھا گیا کہ ہم اہلِ مکہ کا دین اچھا ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا؟ تو اس نے کہا تمہارا دین اچھا ہے اور دینِ محمد سے پہلے کا ہے جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نیا ہے۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے حضور ﷺ سے جنگ کا اعلان و اظہار نہیں کیا تھا۔

دوسرا جواب:

کعب بن اشرف کی ساری شرارت زبانی اذیت تھی، اس کا مشرکینِ مکہ کے مرثیے کہنا انہیں جنگ پر اکسانا، گالی گلوچ کرنا، ہجو کرنا، دینِ اسلام پر معترض ہونا اور دینِ کفار کی برتری ثابت کرنا، یہ سب اس کا زبانی عمل ہے اس نے عملی جنگ میں حصہ نہیں لیا، اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے اور گستاخی کر کے ہم سے منازعت کرے تو وہ دینِ کفار کو برتر قرار دینے اور مسلمانوں کے قتل پر اکسانے سے بڑے تنازعے کا ارتکاب کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ ذمی جب اہلِ حرب کے لیے جاسوسی کرے، مسلمانوں کی

کمزوریوں سے انہیں آگاہ کرے اور کافروں کو جنگ پر آمادہ کرے تو اس کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح حضور کی شان میں بیہودہ گوئی کرنے والے کا معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا فقہاء میں سے جو کہتے ہیں کہ گالیاں دینے والے کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جاسوسی کرنے والے اور کفار کو خبریں پہنچانے والے کا معاہدہ بھی نہیں ٹوٹتا، یہ امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور امام شافعی کا مذہب ہے البتہ فقہائے شافعیہ کا اس معاملے میں اختلاف ہے ابن اشرف کا جرم صرف زبانی اذیت ہے اور یہ اس شخص پر حجت ہے جو ان مسائل میں جھگڑا کرتا ہے ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اس طرح کا طرزِ عمل نقضِ عہد کا سبب ہے۔

تیسرا جواب:

دینِ کفار کو دینِ اسلام پر فضیلت دینا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے سے کم جرم ہے پھر اگر دینِ کفر کو فضیلت دینا نقضِ عہد کا سبب ہے تو گالی دینا تو بطریقِ اولیٰ ناقضِ عہد ہوگا جہاں تک مشرک مقتولین کی مرثیہ خوانی اور بدلہ لینے کی تحریک کا تعلق ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قریش کو جنگ کے لیے بھڑکایا گیا، حالانکہ قریش پہلے ہی جنگِ بدر کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رزم آرائی پر ایکا کر چکے تھے۔ اور جنگ کے خرچ کے لیے ابوسفیان کے تجارتی قافلے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لیے انہیں ابنِ اشرف کی آتش نوائی کی ضرورت نہ تھی، ہاں اس کی مرثیہ خوانی اور تفصیل نے ان کی آتشِ غضب میں اضافہ کیا لیکن حضور کی شان میں گستاخی اور دینِ اسلام کے بارے میں دریدہ دہنی بھی تو شرارِ جنگ بھڑکانے کا سبب تھی، معلوم ہوا کہ ہجوگوئی میں وہ فساد اور خرابی ہے جو کسی اور کلام میں نہیں، پھر جب دوسرا کلام عہد شکنی کا باعث ہو سکتا ہے تو ہجوگوئی تو بطریقِ اولیٰ نقضِ عہد کا سبب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان عورتوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گالیاں دیتی تھیں اور آپ کی ہجوگوئی کرتی تھیں حالانکہ مخالفانہ امداد کرنے والی اور جنگ پر ابھارنے والی عورتوں کو آپ نے معاف فرما دیا۔

چوتھا جواب:

یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ کئی دوسری وجوہ سے ہماری دلیل ہے علماء کے نزدیک وجوہِ کثیرہ سے مشہور و معروف ہے کہ ذیل کی آیتِ کریمہ کعب بن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ ۔ الخ (النساء: ۵۱)

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی اور اللہ تعالیٰ جس پر لعنت فرمائے وہ ہر مدد اور نصرت سے محروم ہوگا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ لعنتی کا کوئی عہد نہیں اگر اس کا ''عہد'' ہوتا تو مسلمانوں پر اس کی مدد کرنا لازم ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا کلام جب نقضِ عہد اور عدمِ نصرت کا سبب ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ سخت کلام اور گالی گلوچ عہد توڑنے کے لیے سبب کیوں نہیں ہو سکتا؟

مزید برآں نبی اکرم ﷺ نے اس طرزِ عمل کو مجرد نقضِ عہد کا سبب نہیں ٹھہرایا کیونکہ اس نے علانیہ ایسا کلام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبی اکرم ﷺ کو اس سے آگاہ فرمایا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے نبی اکرم ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ مسلمانوں اور غیر مسلم معاہدین میں سے کسی کی گرفت نہ فرماتے بجز ظاہری گناہ اور جرم کے جب کعب مدینہ آیا تو اس نے کھلم کھلا ہجو

گوئی اور عداوت کا اظہار کیا تو اس بات کا مستحق ہوگیا کہ اس کو قتل کیا جائے، اس کا جرم اذیت بالکل ظاہر تھا اور لوگوں کے نزدیک ثابت شدہ تھا۔

اس سلسلہ میں ایک بات لائق توجہ ہے کہ جب کسی معاہد سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کا عہد اس کی طرف پھینک دینا چاہئے جہاں تک اس پر حکم محاربہ (جنگ) کے اجراء کا تعلق ہے، یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ کھلی جنگ کا اعلان نہ کرے اور اس پر ثابت قدم نہ ہو جائے۔

کیا شعر کا ہجو میں کوئی اثر ہے؟

ایک سوال:

کعب بن اشرف نے نبی اکرم ﷺ کو ہجاء کے ذریعے گالیاں دیں جبکہ شعر کلام موزوں ہے یاد کیا جاتا ہے روایت کیا جاتا ہے خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے اور لوگوں کے درمیان شہرت پاتا ہے اس میں اذیت رسانی اور راہِ خدا سے روکنے کی ایسی تاثیر پائی جاتی ہے جو کلامِ منثور میں نہیں پائی جاتی، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے کہ وہ کفار و مشرکین کی ہجو کہیں۔

لَهُوَ اَنْكٰى فِيْهِمْ مِنَ النَّبْلِ ۔

اس ہجاء کا بہت گہرا اثر ان پر ہوتا تھا اور اس کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے باز آجاتے تھے کہ اگر اس کے مقابلے میں بہت سے نثر کلام کے ذریعے انہیں گالیاں دی جاتیں تو ہرگز باز نہ آتے۔

کیا تکرارِ کلام کا بھی کوئی دخل ہے؟

کعب بن اشرف اور اُم ولد یہودیہ (جس کا ذکر گزر چکا) نبی اکرم ﷺ کو بار بار گالیاں اور بہت زیادہ اذیت دیتے تھے اور یہ اصول ہے کہ جب کوئی چیز بکثرت اور بار بار ہونے لگے تو اس کی حالت اور ہو جاتی ہے اور وہ حالت نہیں رہتی جو ایک آدھ بار کی ہوتی ہے تم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حنفیہ اس شخص کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں جو اس طرح کے جرم کا بار بار اور بکثرت ارتکاب کرے، اگر چہ وہ اس شخص کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے جو بار بار جرم کا مرتکب نہ ہو پس جب حدیث اس پر دلالت کرتی ہے تو ممکن ہے کہ اختلاف کرنے والے بھی اس کے قائل ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذمی اگر بارگاہِ رسالت میں زبان درازی کرے تو اس کا خون رائیگاں ہے اور اس کا عہدِ ذمہ ختم ہو جاتا ہے، رہا وہ کلام جو نقضِ عہد کا سبب بنتا ہے کیا وہ گالی گلوچ کی کوئی خاص قسم ہے یا مطلق گالی ہے یہ ایک اور بحث ہے بہرکیف جو کلام اس قسم کی گالی پر مشتمل ہو تو ضروری ہے کہ اسے مہدر دم (خون رائیگاں کرنے والا) قرار دیا جائے اس معاملہ میں کسی کو سنت کی مخالفت کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اگر کوئی اس بات کا دعویٰ بھی کرے کہ ذمی کا گالی گلوچ پر مشتمل کلام اور فعلِ اذیت اس کے خون کو مباح نہیں ٹھہراتا تو ایسا دعویٰ سنت صریحہ کے خلاف ہوگا جس میں کسی کے لیے کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ:

موجبِ سزا جرم کبھی صفت اور قدر کے اعتبار سے زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، دیکھئے ایک عام شخص کا قتل ایک نیکوکار ذی علم باپ یا بیٹے کے قتل کی مانند نہیں اسی طرح کسی عام آدمی پر ظلم ایک یتیم فقیر کے ساتھ ظلم کے برابر نہیں، نہ ہی متبرک اوقات ومقامات اور ذی شرف احوال مثلاً حدودِ حرم، حالتِ احرام اور ماہِ حرام میں کیا جانے والا جرم دوسرے اوقات وحالات کے جرائم کی مانند ہے خلفائے راشدین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب ان اسباب کی وجہ سے قتل کی نوعیت میں شدت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ اس کی دیت (اور سزا) میں بھی اضافہ کر دیتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ کونسا جرم بڑا ہے؟ تو فرمایا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تو خدا کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا پوچھا گیا اس کے بعد کونسا جرم بڑا ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ تو اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے، سوال ہوا اس کے بعد بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا اس کے بعد بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص کئی بار رہزنی کا مرتکب ہو مسلمانوں کا خون بہائے اور ظلماً بار بار ان کا مال چھینے اس کا جرم اس شخص کے جرم کے مقابلہ میں کہیں بڑا ہوگا جو صرف ایک بار رہزنی کا ارتکاب کرے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس نے بہ کثرت حضور کو گالیاں دیں اور ہجویہ قصیدے لکھے، اس کا جرم اس شخص کے جرم سے کہیں زیادہ سنگین ہے جس نے نثری کلام میں کوئی ایک آدھ کلمہ گالی کا لکھا ہو، ایسے گستاخ پر سزا نافذ کرنا بہت ضروری ہے اور حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لینا ہر فرض سے زیادہ اہم فرض ہے البتہ جس کے کلام میں کوئی ایسا قلیل کلمہ صادر ہوا اور وہ درگزر کے لائق ہو تو اس سے درگزر کیا جا سکتا ہے مگر ایسا بدبخت جو بار بار اس جرم کا ارتکاب کرے ہرگز معافی کے لائق نہیں۔

استدراک:

لیکن یہ حدیث دیگر احادیث کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت اور مطلقاً گالی گلوچ ذمی کا خون رائیگاں قرار دیتی ہے اور عہدِ ذمہ کو توڑ دیتی ہے اگرچہ بعض اشخاص نے جرم کی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے اس کی سنگینی کو معیار ٹھہرایا ہے ہمارے نکتۂ نگاہ پر حسبِ ذیل وجوہ روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ مطلق اذیت اہدارِ دم کی علت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کعب بن اشرف کا قصہ کون تمام کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ پاک میں قتلِ کعب کی علت یہ قرار دی کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی یہاں ''اذیتِ خدا اور رسول'' اسمِ مطلق ہے جو کسی نوع یا قدر کے ساتھ مقید نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہر اس شخص کے قتل کی

علت ہو جو اس فعل کا مرتکب ہو خواہ ذمی ہو یا غیر ذمی، پھر سب دشتم تھوڑا ہو یا زیادہ منظوم ہو یا منثور بلا شبہ باعثِ اذّیت ہے اس لیے اس سے حکمِ قتل متعلق ہوگا، اگر حضور کی یہ مراد نہ ہوتی تو آپ فرماتے۔

''کعب کا کون بندوبست کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو حد بھر کی اذّیت دی ہے یا بہت زیادہ اذّیت دی ہے یا اس نے دائمی اذّیت دی ہے، نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو تو جامع کلمات سے نوازا گیا آپ خواہشاتِ نفس سے کلام نہیں فرماتے تھے اور ہر حالت غضب و رضا میں آپ کی زبانِ اقدس سے سوائے حق کے کبھی کچھ اور نہ نکلا۔

اسی طرح مفہوم دوسری حدیث کا ہے آپ نے فرمایا:

''کعب نے ہمیں اذّیت دی اشعار کے ذریعے ہماری ہجو کہی اور جو کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے گا تہ تیغ کیا جائے گا'' یہاں آپ نے اس جرم کو کثرت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

۲- علت ہونے میں کلامِ منظوم کا کوئی اثر نہیں

کعب نے کلامِ منظوم کے ساتھ حضور کی ہجو کی جبکہ یہودی عورت نے کلامِ منثور کے ذریعے گالی دی اور آپ ﷺ نے دونوں کا خون رائیگاں قرار دے دیا، معلوم ہوا کہ اصل حکم میں کلامِ منظوم کا کوئی اثر نہیں، جبکہ ناظم نے اس کی تخصیص نہ کی۔ اور جب وصف کے بغیر حکم ثابت ہو جائے تو وصف عدیم التاثیر ہوگا، اسے علت کی جز قرار نہیں دیا جائے گا یہ بھی جائز نہیں کہ یہ تعلیل الحکم بعلتین (دو علتوں کے ذریعے حکم کی علت) کے باب سے ہو کیونکہ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک علت دوسری میں مندرج نہ ہو جیسے قتل اور زنا ہے، جب ان میں سے ایک دوسری میں مندرج ہو تو وصف اعم علت ہوگا اور اخص کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

۳- اباحتِ دم میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں

جس جنس (جرم) سے خون مباح ہوتا ہے وہ قلیل ہو یا کثیر غلیظ ہو یا خفیف، اس میں فرق نہیں پڑتا خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے مثلاً ارتداد، زنا، اور محاربہ وغیرہ کوئی صورت ہو، یہ قیاس کا اصول ہے اس لیے جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی اقوال یا افعال خون مباح کرتے ہیں جن میں کثرت پائی جاتی ہو بصورتِ قلت وہ مبیح الدم نہیں، ایسا شخص اصولِ قیاس سے تجاوز کرتا ہے اور بغیر نص کے اسے ایسا کرنا جائز نہیں یہ فی نفسہ ایک کلیہ ہے اور کوئی نص ایسی موجود نہیں جو کثرت وتکرارِ جرم میں اباحتِ قتل پر دلالت کرتی ہو مگر جرم کی قلت میں خون مباح نہ ٹھہراتی ہو۔

اور یہ جو نزاع کرنے والے قتلِ مثقل کی کثرت اور بدفعلی کی کثرت کی وجہ سے جوازِ قتل کی طرف گئے ہیں یہ صرف حکایتِ مذہب ہے اور اس کا جواب ایک ہی ہے (جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے)

نبی اکرم ﷺ سے صحیح روایت مروی ہے کہ آپ نے ایک یہودی کا سر دو پتھروں میں کچل دیا جس نے انصار کی ایک لونڈی سے ایسی حرکت کی تھی، اور قتل مثقل کے مرتکب کو قصاص میں قتل کروا دیا حالانکہ اس نے یہ جرم بار بار نہ کیا تھا، حضور نے اس شخص کے بارے میں حکم دیا جو قومِ لوط کا سا جرم کرتا تھا۔

اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

آپ نے اس فعل میں تکرار کا اعتبار نہیں فرمایا بعد میں صحابہ کرام کا بھی یہی طرزِ عمل رہا کہ وہ بد فعلی کے مرتکب کو سنگسار کر کے یا جلا کر ہلاک کر دیتے تھے یا اسی طرح کی کوئی اور سزا دیتے حالانکہ اس فعل میں تکرار نہ ہوتی تھی۔

جب منصوص اصول یا متفق علیہ مسائل ایک بار یا متعدد بار کی تفریق روا نہ رکھتے ہوں اور خون مباح ٹھہرانے میں برابر ہوں تو اس کے باوجود دونوں صورتوں میں فرق کرنا ایک ایسا حکم ثابت کرنا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں نہ اس کی کوئی مثال ہے بلکہ تمام اصولوں کے خلاف ہے اور یہ ناجائز ہے۔

اس کی توضیح اس طرح ہے کہ جو اقوال ایمان برباد کرنے کا سبب بنتے ہیں وہ ایک ہو یا زیادہ حکم میں برابر ہیں، خواہ ان میں کفر کی تصریح نہ ہو جیسے کوئی آدمی ایک آیت یا کسی فریضہ کا انکار کرے یا ایک بار نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کی ہے یہی حکم ہے ان اقوال کا جو عہد و پیمان توڑنے کا باعث ہوتے ہیں اور ان میں تصریح بھی ہو مثلاً کوئی کہے "میں نے عہدِ ذمہ ختم کر دیا اور تیرے ذمہ سے بری ہو گیا" تو اس قول سے اس کا معاہدہ ٹوٹ گیا اگرچہ اس نے یہ الفاظ تکرار کے ساتھ نہ کہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ حضور کو گالی دینا اور دین میں طعن کرنا ایسا جرم ہے جس میں تکرار (اثباتِ جرم کے لیے) ضروری نہیں۔

چوتھی وجہ:

جب کوئی آدمی ان اقوال و افعال میں کثرت کا مرتکب ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس کو قتل کیا جائے کیونکہ اس کی جنس خون مباح کرتی ہے یا اس لیے کہ اس کو مباح کرنے والی قدر مخصوص ہے۔

اگر پہلی صورت ہو تو یہ ہمارا مطلوب ہے اگر دوسری صورت ہو تو اس مقدارِ مبیح کی حد کیا ہے؟ جبکہ کسی آدمی کو اختیار نہیں کہ وہ اس معاملہ میں نص، اجماع یا قیاس کے بغیر کوئی حد مقرر کرے اور نص اجماع یا قیاس کا یہاں کوئی وجود نہیں کیونکہ اصول میں کوئی قول یا فعل نہیں جو عددِ مخصوص کی صورت میں اس کا خون مباح کرے اور اس سے کم عدد میں نہ کرے۔

اس سے اقرارِ زنا کا اصول نہیں ٹوٹتا کیونکہ زنا کا ثبوت چار بار کے اعتراف سے ہی ہوتا ہے، قتلِ قسامہ کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ پچاس قسموں کے بعد ثابت ہوتا ہے ملاعنہ عورت کی سنگساری کا مسئلہ بھی ایسا ہے اس کا حکم اس وقت ثابت ہوگا جب شوہر قاضی کی عدالت میں چار بار گواہی دے گا کیونکہ یہاں خون مباح کرنے والی چیز اقرار یا قسمیں نہیں بلکہ فعلِ زنا یا فعلِ قتل ہے۔ اقرار واعتراف اور قسم تو اس کے ثبوت کی دلیل ہے ہمارا نزاع اس میں نہیں کہ دلائلِ شرعیہ کی متعین حدود ہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ نفسِ قول یا نفسِ فعل جس سے خون مباح ٹھہرتا ہے اس کا شرع میں کوئی نصاب مقرر نہیں اور حکم جنس سے وابستہ ہے۔

پانچویں وجہ:

قتل کی سزا (جب ایسے جرائم بکثرت پائے جائیں، تو یا تو حد واجب ہوتی ہے یا تعزیر ہوتی ہے جو رائے حاکم پر موقوف ہے، پہلی شق پر تحدید ضروری ہے اور تحدید ہو نہیں سکتی جب تک کہ اسے جنس کے ساتھ معلق نہ کیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ قول نرا تحکم

(جابرانہ حکم) ہے اگر دوسری شق ہے تو اصول میں تعزیر بالقتل کی گنجائش نہیں، اس لیے جب تک کوئی خاص دلیل نہ ہو تو اسے (یعنی تعزیر بالقتل کو) ثابت کرنا جائز نہیں اس بارے میں عام نصوص وارد ہیں مثلاً ارشادِ رسول ﷺ ہے۔

لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ ۔

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین میں سے کسی ایک جرم کے بدلے میں (۱-قتل کے بدلے قتل، ۲-شادی شدہ بدکار، ۳-اور دین کو چھوڑنے والا)

یہ حدیث بھی مسئلہ زیرِ بحث کی دلیل ہے۔

استدلال کی دوسری وجہ:

محمد بن مسلمہ، ابونائلہ، عباد بن بشر، حارث بن اویس اور ابوعبس بن جبر پانچ مسلمان آدمی ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا حضور ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ وہ منصوبہ بندی کے ساتھ اسے قتل کر دیں چنانچہ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا، اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ ایک کافر کو امان دینے کے بعد کفر کی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں بلکہ اگر حربی کافر یہ سمجھ لے کہ مسلمان نے اسے امان دے دی ہے تو وہ مستامن ہو جائے گا نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ اٰمَنَ رَجُلاً عَلٰی دَمِهٖ وَمَالِهٖ ثُمَّ قَتَلَهٗ فَاَنَامِنْهُ بَرِیٌٔ وَاِنْ کَانَ الْمَقْتُوْلُ کَافِرًا ۔ (امام احمد، ابن ماجہ)

جو کسی کو جان و مال کی امان دے پھر اسے قتل کر دے تو میں اس سے بیزار ہوں خواہ مقتول کافر ہو۔

سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا

اِذَا اٰمَنَكَ الرَّجُلُ عَلٰی دَمِهٖ فَلَا تَقْتُلْهُ ۔ (ابن ماجہ)

جب کوئی شخص تجھ سے خون کی امان حاصل کرے تو اسے قتل نہ کر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نے فرمایا

اَلْاَمَانُ قَیْدُ الْفَتْكِ لَایَفْتِكُ مُؤْمِنٌ ۔ (ابوداؤد وغیرہ)

امان دھوکے سے قتل کرنے میں رکاوٹ ہے کوئی مومن اچک کر قتل نہ کرے۔

امام خطابی گمان کرتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ وغیرہ نے کعب کو غفلت میں قتل کیا کیونکہ وہ اس سے پہلے ''عہدِ اماں'' توڑ چکا تھا وہ کہتے ہیں کہ یہ کافر غیر معاہد کے حق میں جائز ہے جیسا کہ غفلت میں ان پر شب خون مارنا اور غارت ڈالنا جائز ہے لیکن یہاں ایک اعتراض ہے کہ جو کلام انہوں نے اس سے کیا اس کی وجہ سے وہ مستامن ہو گیا تھا۔ اس کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ اس کو ''شبہ'' ''شبہ اماں'' حاصل ہو گیا تھا۔

ایسی صورت ہو تو مجرد کفر کی بناء پر قتل جائز نہیں کیونکہ امان کافر حربی کا خون معصوم بنا دیتی ہے اور وہ اس سے کم تر صورت میں مستامن ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا حکم واضح ہے۔

(ہم اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ) حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ نے کعب کو اس کی ہجوگوئی اور اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول کو اذیت دینے کی وجہ سے قتل کیا اور جسے قتل کرنا اس وجہ سے جائز ہو اس کا خون کسی امان یا عہد سے معصوم نہیں ہوتا، جس طرح کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کو امان دے جس کا رہزنی، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے اور زمین میں فتنہ انگیزی کے جرم میں قتل کیا جانا لازم ہو یا ایسے شخص کو امان دے جو جرم زناء، ارتداد یا ترکِ ارکان اسلام کی وجہ سے مستحق قتل ہو تو اس کا خون معصوم نہ ہوگا، نہ ہی اس کے ساتھ عقدِ عہد باندھنا جائز ہوگا خواہ وہ عقد امان کا ہو صلح کا ہو یا ذمہ کا، کیونکہ اس کا قتل ایک شرعی حد ہے، اور یہ حد مجرد حربی کافر ہونے کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ اس کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔ جہاں تک غارت ڈالنے یا شب خون مارنے کا تعلق ہے، اس معاملہ میں کوئی قول یا فعل نہیں جس کی وجہ سے وہ ''اہلِ اماں'' قرار دیئے جاسکیں، نہ وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں اماں حاصل ہے بخلاف قصۂ کعب کے اس سے ثابت ہوا کہ ہجو گوئی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ستانا اور اس قسم کی گستاخیاں کرنا ایسے جرم ہیں کہ امان دینے سے بھی خون محفوظ نہیں رہنے دیتے پھر ''ابدی ذمہ'' اور وقتی صلح میں خون کا محفوظ نہ رہنا تو بطریق اولیٰ ثابت ہے کیونکہ عقد امان ہر کافر کے لیے جائز ہے اور ہر مسلمان ایسا عہد دے سکتا ہے اور مستامن پر ایسی کوئی شرط نہیں رکھی جاسکتی البتہ ''عہد ذمہ'' ایسا معاملہ ہے جو صرف امام (حاکمِ وقت) یا اس کا نائب انجام دے سکتا ہے اور یہ عقد چند شرائط کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً ذمی تابعداری اور ذلت کے ساتھ رہے گا وغیرہ۔

بعض نادانوں کو کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں شبہ لاحق ہوا انہوں نے گمان کیا کہ اس قسم کے لوگوں کا خون بوجہِ ذمہ متقدمہ یا امانِ ظاہرہ معصوم ہے دراصل یہ اس شبہ کی نظیر ہے جو بعض فقہاء کو ہوا کہ اس قسم کے گستاخانہ طرزِ عمل سے عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹتا۔ اس سلسلہ میں ابنِ وہب نے روایت کی وہ کہتے ہیں مجھے سفیان بن عیینہ نے بتایا کہ انہیں عمر بن سعید ثوری نے بحوالہ عبایہ خبر دی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر ہوا تو ابنِ یامین نے کہا اس کا قتل دھوکے سے ہوا (یعنی عہد شکنی سے) اس پر محمد بن مسلمہ بولے: اے معاویہ رضی اللہ عنہ! آپ کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد شکن قرار دیا جائے اور آپ اس پر انکار نہ کریں، بخدا میں اور آپ کبھی ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے، اور یہ شخص بھی میرے ہاتھ آیا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

واقدی کہتے ہیں،

مجھے ابراہیم بن جعفر نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا، کہ مروان بن حکم مدینہ منورہ کا گورنر تھا اس نے پوچھا کعب بن اشرف کا قتل کیسے ہوا؟ ابنِ یامین نضری پاس بیٹھا تھا اس نے کہا، غدر اور دھوکے سے؟ وہاں محمد بن مسلمہ جو انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے، تشریف فرما تھے، کہنے لگے اے مروان کیا تیرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد شکن اور دھوکہ باز کہا جائے گا؟ بخدا ہم نے کعب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قتل کیا۔ بخدا میں مسجد کے علاوہ کبھی تیرے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں آؤں گا، جہاں تک اے ابنِ یامین تیرا تعلق ہے اللہ کی قسم میرا بس چلا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہوئی تو تیرا سر اڑا دوں گا، اس کے بعد ابنِ یامین جب کبھی بنی قریظہ میں اترتا تو آدمی بھیج کر محمد بن مسلمہ کا پتہ کروالیتا اگر وہ باہر کسی زمین کی خبر گیری کے لیے گئے ہوئے ہوتے تو اترتا اور کام پورا کر کے واپس چلا جاتا اگر محمد بن مسلمہ وہاں موجود ہوتے تو اترنے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک دفعہ محمد بن مسلمہ ایک جنازہ میں شامل تھے اور ابنِ یامین بھی بقیع میں تھا، اس کی نظر محمد بن مسلمہ پر پڑ گئی تو اپنے آپ کو چھڑیوں سے ڈھانپ لیا اور خیال کرنے لگا کہ وہ اسے نہیں دیکھ

سکیں گے محمد تیزی سے آگے بڑھے تو لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے ابو عبدالرحمٰن آپ کیا کر رہے ہیں، یہ کام ہم بھی کر سکتے تھے مگر وہ اسے انہی چھڑیوں سے پیٹنے لگے یہاں تک کہ تمام چھڑیاں اس کے سر اور چہرے پر توڑ دیں پھر اسے بے حس وحرکت چھوڑ کر فرمایا بخدا میرے پاس تلوار ہوتی تو تیری گردن اڑا دیتا۔

ایک اعتراض:

جب کعب اور اس کا قبیلہ بنو نضیر موادعین (یعنی معاہدہ صلح کے حامل) تھے تو ابنِ اسحاق کی اس روایت کا کیا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَنْ ظَفِرْتُمْ بِهٖ مِنْ رِّجَالِ يَهُوْدَ فَاقْتُلُوْهُ ۔ تم کسی یہودی پر قابو پاؤ تو اسے قتل کر دو۔

چنانچہ اس حکم پر محیصہ بن مسعود نے ایک یہودی تاجر ابنِ سنینہ پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا محیصہ کا بھائی حویصہ ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا وہ محیصہ سے عمر میں بڑا تھا ابنِ سینہ کے قتل پر اپنے بھائی کو مارنے لگا اور کہنے لگا اے دشمنِ خدا! تو نے اسے قتل کر دیا؟ خدا کی قسم اس کے مال کی چربی ابھی تیرے پیٹ میں ہے، محیصہ نے کہا بخدا مجھے اس ذاتِ مقدسہ نے اس بدبخت کے قتل کا حکم دیا کہ اگر وہ ذات تیرے قتل کا حکم دیتی تو میں تجھے بھی قتل کر دیتا حویصہ نے کہا کیا واقعی تو ایسا کرتا؟ کہا، ہاں'' کہنے لگا بخدا یہ دین تیرے رگ و پے میں سما گیا ہے اور یہ نہایت تعجب خیز ہے۔

واقدی نے بہ اسانید متقدمہ کہا، صحابہ کرام کا بیان ہے کہ جس رات کعب بن اشرف قتل ہوا اس کی صبح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؟ ''جب تم کسی یہودی پر قابو پاؤ تو اسے قتل کر دو'' اس سے یہودیوں پر خوف طاری ہو گیا اور ان کے سردار اس خوف کی وجہ سے گھروں سے نہ نکلتے تھے وہ ڈرتے تھے کہ ابنِ اشرف کی طرح ان پر بھی شب خون نہ مارا جائے۔

واقدی نے اس ضمن میں ابنِ سنینہ کے قتل کا ذکر کیا پھر کہا اس اقدام سے یہود اور ان کے حامی مشرک گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے۔''

یہ روایات تو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہودی موادعین (اہلِ صلح) نہ تھے ورنہ حضور ان کے قتل کا حکم نہ دیتے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد طے پایا، اس لیے ابنِ اشرف معاہد نہ تھا۔

جواب:

نبی اکرم ﷺ نے قتل کا یہ حکم اس لیے جاری فرمایا کہ کعب بن اشرف ان کا سردار تھا، یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ اس نے یہودیوں سے پوچھا تمہارے ہاں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ''زندگی بھر کی دشمنی'' یہ یہودی مدینہ سے باہر آباد تھے، ان پر کعب کا قتل گراں گزرا جس کی وجہ سے وہ جنگ پر آمادہ ہوئے اور مقتول کا بدلہ لینے کی خاطر عہد شکنی کے مرتکب ہوئے، البتہ ان کا جو گروہ معاہدہ پر قائم رہا اور دشمنی کا اظہار نہ کیا تو حضور نے ان کا محاصرہ نہ کیا نہ ان کے ساتھ جنگ کی، بعد میں جب انہوں نے اظہارِ عداوت کیا تو ان کے خلاف کارروائی کی گئی جہاں تک قتل کعب کے بعد ہونے والے معاہدہ

کا تعلق ہے اس کو صرف واقدی نے نقل کیا۔

کعب بن اشرف کا قتل کب ہوا؟

واقدی نے یہ بھی ذکر کیا کہ کعب ماہِ ربیع الآخر تین ہجری میں قتل ہوا اور غزوۂ بنی قینقاع اس سے پہلے شوال سن دو ہجری میں، جنگ بدر کے ایک ماہ بعد وقوع پذیر ہوا۔

اس نے نقل کیا کہ حضور نے یہودیوں سے صلح کا معاہدہ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے کیا اس لحاظ سے یہ دوسرا معاہدہ خاص بنی نضیر سے تجدید عہد کے لیے ہوا اس سے مراد وہ پہلا معاہدہ نہیں جو تمام قبائلِ یہود کے ساتھ ہوا تھا دوسرے معاہدے کی ضرورت اس لیے پیش آئی، کہ بنی نضیر نے کھلم کھلا عداوت کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ابنِ اشرف معاہد تھا اور یہ بھی مبرہن ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ شریف تشریف لانے کے بعد یہودیوں کے ساتھ تحریری معاہدہ کیا تھا قتلِ کعب کا قصہ خود اس کی دلیل ہے، کہ اگر یہ معاہدہ نہ ہوتا تو یہودی کعب کے قتل پر شکایت لے کر حاضر نہ ہوتے اگر وہ محاربین ہوتے تو اس پر اتنا برا نہ مناتے، تمام علمائے سیرت نے بیان کیا ہے کہ کعب غزوۂ بدر کے بعد قتل ہوا اور نبی اکرم ﷺ کا یہودیوں کے ساتھ معاہدہ بدر سے پہلے ہوا جیسا کہ واقدی نے خود ذکر کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں

غزوۂ بدر اور غزوۂ فرع کے درمیان بنی قینقاع کا واقعہ رونما ہوا، غزوۂ فرع اگلے سال جمادی الاولیٰ میں لڑا گیا اور بنی قینقاع پہلا یہودی قبیلہ تھا جس نے عہد شکنی کی اور مقابلے میں آیا۔

حدیثِ چہارم ...... حدیثِ علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَهُ جُلِدَ ۔ جو کسی نبی کو گالی دے اس کو قتل کیا جائے اور جو اس کے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔

اس حدیث کو ابو محمد خلال اور ابو القاسم ارجی نے روایت کیا نیز ابوذر مہروی نے اسے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوْهُ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ فَاجْلِدُوْهُ ۔ جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔

اس حدیث کو عبدالعزیز بن حسن بن زبالہ نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ثنا عبداللہ ابنِ موسیٰ بن جعفر عن علی بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ عن محمد بن علی ابنِ الحسین عن ابیہ عن الحسین بن علی عن ابیہ، اس سے دل میں کھٹک سی ہے کیونکہ اس اسناد پر غیر معروف متون جوڑے گئے ہیں اور اہلِ بیت سے روایت کرنے والا محدث ضعیف ہے اگر یہ روایت محفوظ ہو تو شاتمِ نبی کے واجب القتل ہونے کی دلیل ہے اور اس حدیث کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ شاتم توبہ کا حکم دیئے بغیر قتل کر دیا جائے اور یہی اس کی سزا ہے۔

حدیثِ پنجم

عبداللہ بن قدامہ نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تلخ کلامی کی، میں نے عرض کیا، کیا اس کو قتل کر دوں؟ تو جھڑک کر فرمایا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کا منصب نہیں، اس کو نسائی نے بروایت شعبہ از توبہ عنبری نقل کیا۔

ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر فقیہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی، تو میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں، فرمایا تیری بربادی! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے سزاوار اور جائز نہیں۔

ابوداؤد اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مطرف سے اور وہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھا تو آپ نے ایک شخص پر غصہ کیا، اس نے بھی جواباً سخت کلامی کی، اس پر میں نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں، ابو برزہ کہتے ہیں میری اس بات سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غصہ فرو ہوگیا اور وہ اٹھ کر اندر چلے گئے پھر مجھے بلا بھیجا، اور پوچھا ابھی تو نے کیا کہا تھا، میں نے جواب دیا کہ میں نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی، فرمایا کیا واقعی تو اس کو قتل کر دیتا اگر میں تجھے حکم دیتا، عرض کیا "ہاں" فرمایا نہیں اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی شخص کا منصب نہیں (کہ اس کی گستاخی پر آدمی کو قتل کر دیا جائے)

ابوداؤد اپنے مسائل میں کہتے ہیں

"میں نے امام ابوعبداللہ کی زبان سے سنا، ان سے جب حدیثِ ابی بکر (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی گستاخی سزائے قتل کی موجب نہیں) کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی شخص کو سوائے تین صورتوں میں سے ایک کے قتل نہیں کر سکتے تھے ایک اور روایت میں ہے تین صورتوں میں سے ایک کے جن کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور وہ تین صورتیں حسب ذیل ہیں،

۱- کفر بعدِ ایمان	ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا
۲- زنا بعدِ احصان	شادی کے بعد زنا کرنا
۳- قتلِ نفس بغیر نفس	کسی کو بے گناہ قتل کرنے کے باعث

اور یہ حق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ گستاخ رسول کو قتل کیا جائے۔

حدیث سے وجہِ دلالت

ایک جماعت علماء نے اس حدیث سے شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جوازِ قتل پر استدلال کیا ہے ان علماء میں ابوداؤد، اسماعیل بن اسحاق قاضی ابوبکر عبدالعزیز اور قاضی ابویعلیٰ وغیرہم شامل ہیں، وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے جب

دیکھا کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی اور سخت کلامی کی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی غصے میں آ گئے، اس وقت حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی، اگر آپ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے تو وہ اس گستاخ کو قتل کر دیتے مگر آپ نے فرمایا

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ شان کسی اور کی نہیں (کہ اس کے گستاخ کو قتل کیا جائے)''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کو قتل کیا جائے اور یہ آپ ہی کا استحقاق ہے کہ آپ کسی کے قتل کا حکم جاری فرمائیں جس کا خون مباح ہونے کا سبب عوام کو معلوم نہ ہو اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کریں، وجہ یہ ہے کہ آپ وہی حکم دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہو، آپ ہرگز معصیت اور گناہ کا حکم نہیں دے سکتے، بلکہ اس ضمن میں آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

یہ حدیث حضور کی دو خصوصی باتوں کو متضمن ہے۔

۱- آپ جس شخص کے قتل کا حکم دیں تو اس کی تعمیل لازم ہوگی۔

۲- یہ آپ کا حق ہے کہ جو کوئی آپ کو گالی دے یا سخت کلامی کرے اسے قتل کیا جائے۔

آپ کی دوسری خصوصیت آپ کے وصال شریف کے بعد بھی باقی ہے اس لیے جو کوئی آپ کو گالی دے گا یا سخت کلامی کرے گا اس کو قتل کرنا جائز ہوگا، بلکہ آپ کا یہ حق وصال کے بعد بہت زیادہ مؤکدہ ہو گیا ہے تا کہ آپ کی حرمت بعد از وصال انتہائی کمال کے ساتھ برقرار ہے لہٰذا آپ کی عزت و آبرو میں تساہل ممکن نہیں۔

یہ حدیث اس بات کا فائدہ بھی دے رہی ہے کہ آپ کی شان میں گالی گلوچ فی الجملہ اباحت قتل کی موجب ہے اور اس کے عموم میں کافر اور مسلمان دونوں کا قتل شامل ہے۔

حدیثِ ششم ...... قصہ عصماء بنتِ مروان

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خطمہ کی ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی آپ نے فرمایا

مَنْ لِیْ بِهَا؟ — میری طرف سے کون اس کا حساب بے باک کرتا ہے؟

تو بنی خطمہ کے ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ کام میں کروں گا۔'' چنانچہ اس نے اٹھ کر اس عورت کو قتل کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا

لَا یَنْتَطِحُ فِیْهَا عَنْزَان. — اس میں دو بکریوں کے سر بھی نہیں ٹکرائیں گے۔

بعض اہلِ مغازی نے اس کے قصہ کو شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے واقدی بحوالہ عبداللہ من حارث بن فضیل کہتے ہیں۔

عصماء بنتِ مروان امیہ بن زید کی نسل سے تھی اور یزید بن زید خطمی کے عقدِ نکاح میں تھی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتی اور اسلام پر طعن کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی رہتی تھی، اس کے اشعار ہیں۔

فجاست بنی مالك والنبيت	وعوف وباست بنی الخزرج
اطعتم اقادی من غير كم	فلا من مواد ولا مذحج
ترجونه بعد قتل الدووس	كما ترتجی مرق المنضج

عمیر بن عدی خطمی کو عصماء کے گستاخانہ اشعار اور لوگوں کو بھڑ کانے کی اطلاع ہوئی تو کہا اے اللہ! مجھ پر نذر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو میں اس عورت کو قتل کر دوں گا، حضور ﷺ اس وقت بدر کے مقام پر تھے، پھر جب آپ لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے تو ایک رات عمیر خطمی اس عورت کے گھر داخل ہوئے، اس وقت اس کے بچے اس کے آس پاس سوئے ہوئے تھے، ایک شیر خوار بچہ اس کے سینے پر تھا، ہاتھ سے ٹوہ کر دیکھا تو بچہ دودھ پی رہا تھا، اسے الگ کیا پھر تلوار اس کے سینے پر رکھ دی یہاں تک پیٹھ کی جانب سے نکل گئی پھر چپکے سے نکل گئے یہاں تک کہ حضور کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، جب حضور نے سلام پھیرا تو عمیر پر نظر پڑی، فرمایا تو نے بنت مروان کو قتل کر دیا؟ عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، عمیر کو اندیشہ تھا کہ اس کے قتل کے متعلق حضور کی رائے اور نہ ہو اس لیے پوچھا یا رسول اللہ کیا اس معاملہ میں مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ فرمایا (کچھ نہیں ہوگا)

لَا يَنْتَطِحُ فِيهَا عَنْزَان	اس میں دو بکریوں کے سر بھی نہیں ٹکرائیں گے۔

یہ کلمہ (محاورہ) پہلی بار حضور اقدس کی زبانِ پاک سے سنا گیا۔ عمیر کہتے ہیں اس کے بعد حضور نے اردگرد بیٹھنے والوں کی طرف توجہ کر کے فرمایا جب تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس نابینا شخص کو دیکھو جو رات کے اندھیرے میں طاعتِ الٰہی کے لیے چلتا ہے، فرمایا اسے نابینا نہ کہو اس کی بصیرت کی آنکھ کھلی ہے۔

جب عمیر رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت سے لوٹے تو دیکھا کہ مقتولہ کے بیٹے دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کو دفن کر رہے ہیں، وہ عمیر کو دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھے اور پوچھا، عمیر تو نے اس عورت کو قتل کیا ہے؟ کہا "ہاں" جو کرنا ہے کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم سب اس گستاخی کے مرتکب ہوئے جو اس نے کی تھی تو میں اس تلوار کے ساتھ ماروں گا یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں گا یا تمہیں قتل کر دوں گا، یہ پہلا دن تھا کہ بنو خطمہ میں اسلام کا اعلانِ عام ہوا اس سے پہلے اس قوم کے کچھ افراد چوری چھپے اسلام قبول کر کے اسے پوشیدہ رکھتے تھے۔

واقدی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حارث نے مجھے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار سنائے جو انہوں نے عمیر بن عدی کی مدح میں کہے تھے۔

وہ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

بنی وائل وبنی واقف	وخطمة دون بنی الخزرج
متی ما ادعت اختكم ويحها	بعولتها والمنايا تجی

فهزت فتى ماجدا عرقه　　كريم المداخل والمخرج

فضرجها من بخيع الدما　　قبيل الصباح ولم تخرج

فاورده الله برد الجنا　　ن، جذلان في نعمة المولج

عبداللہ بن حارث اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں عصماء کا قتل پچیس رمضان کو ہوا، اس وقت حضور بدر سے واپس تشریف لا چکے تھے۔

ابواحمد عسکری نے اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد کہا یہ عورت نبی اکرم ﷺ کی ہجوگوئی کرتی تھی اور آپ کو اذیت دیتی تھی۔

مذکورہ بالا کلام میں حضور نے (عنز) بکری کا ذکر فرمایا کیونکہ بکری دوسری بکری کو سونگھ کر چھوڑ دیتی ہے وہ مینڈھے یا دیگر جانوروں کی طرح ٹکراتی نہیں، اس قصہ کو محمد بن سعد نے طبقات میں اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔

ابوعبید اموال میں لکھتے ہیں۔

''اسی طرح عصماء یہودیہ کا قصہ ہے اسے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے قتل کیا گیا، یہ عورت اس عورت سے الگ ہے جسے اس کے اندھے شوہر نے قتل کیا تھا۔ کیونکہ اس عورت کا تعلق انصار کے ایک قبیلے بنوامیہ بن زید سے تھا اور اس کا شوہر بنوخطمہ کا آدمی تھا، اس لیے حدیث ابن عباس میں اس کی نسبت بنوخطمہ کی طرف کی گئی ہے اس کا قاتل اس کا شوہر نہ تھا اور آدمی تھا۔ اس کے چھوٹے بڑے بیٹے تھے، البتہ یہ صحیح ہے کہ اس کا قاتل اس کے شوہر کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔''

محمد بن اسحاق کہتے ہیں،

''حضرت مصعب بن عمیر دعوت اسلام کی غرض سے اسعد بن زرارہ کے ہاں قیام پذیر رہے اور (ان کی کاوشوں سے) انصار کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں مسلمان مرد اور عورتیں نہ ہوں، سوائے امیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف کے گھرانوں کے، یہ اوس اللہ کا گھرانہ بھی ایسا ہی ہے یعنی اوس بن حرثہ، ان میں ابوقیس بن اسلت شاعر تھا یہ لوگ اس کی بات سنتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔

ابن اسحاق کا بیان کردہ قصہ واقدی کی روایت کی تصدیق کرتا ہے کہ بنی خطمہ میں اسلام کا ظہور تاخیر سے ہوا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے منقول اشعار بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

ہم نے یہ قصہ اہل مغازی کی روایت سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ قصہ ان کے ہاں مشہور ہے حالانکہ واقدی ضعیف ہے مگر اس بات میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں کہ واقدی مغازی کی تفصیلات کو دوسرے لوگوں سے زیادہ جانتا ہے اور ان کے احوال سے زیادہ آگاہ ہے امام شافعی اور امام احمد وغیرہما آئمہ علم مغازی میں واقدی کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے، البتہ یہ ایسا باب ہے کہ اس میں روایات کا ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واقدی نے سارا قصہ اپنے شیوخ سے سنا ہے حالانکہ اس نے ہر ایک سے بعض اجزاء سنے ہوتے ہیں، وہ مرسل اور مقطوع روایات بھی لے لیتا ہے، بعض اوقات راوی

مختلف قرآئن سے بھی کچھ اندازے لگا لیتا ہے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو روایات میں تنگ بندی اور عدمِ ضبط کے آئینہ دار ہیں اس لیے جب واقدی اس روایت میں منفرد ہو گا تو اس سے حجت لینا ممکن نہ ہو گا جہاں تک اس کی روایت کو بطورِ استشہاد و تائید پیش کرنے کا معاملہ ہے تو اس میں نزاع نہیں ہے کہ اس کی روایت قبول کر لی جائے گی خصوصاً ایک مکمل قصے میں جس میں وہ قاتل مقتول اور صورتِ واقعہ کا پورا پتہ دیتا ہے اس کے باوجود ہم شاتمِ رسول ﷺ کے قتل کا ثبوت اس روایت سے نہیں دے رہے بلکہ اس روایت کو تقویت اور تو کید کے لیے پیش کر رہے ہیں اور ایسا استناد واقدی سے کم درجہ کے راویوں سے بھی درست ہے۔

قصہ عصماء سے استدلال کی وجہ

اس روایت کو بطورِ دلیل پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصماء کو صرف اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دی اور آپ کی ہجو کی اور یہ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہ میں بالکل واضح ہے کہ بنو خطمہ کی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی تو آپ نے فرمایا، اسے کون ٹھکانے لگاتا ہے؟" اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے اس کی ہجو گوئی کی وجہ سے اسے قتل کرنے کا حکم دیا، اسی طرح دوسری حدیث میں ہے۔

"کہ عمیر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی گستاخی اور لوگوں کو بھڑکانے کی اطلاع ہوئی تو کہا اے اللہ! مجھ پر نذر واجب ہے کہ اگر تو نے نبی اکرم ﷺ کو بخیریت مدینہ منورہ لوٹایا تو میں اس عورت کو قتل کروں گا۔"

حدیث کے الفاظ ہیں کہ جب قبیلہ خطمہ کے لوگوں نے عمیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا انت قتلتها تو نے اسے قتل کیا؟ تو جواب میں کہا ہاں میں نے اسے قتل کیا ہے تم سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بندی کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، بخدا اگر تم بھی اس عورت کی طرح گستاخی کے مرتکب ہو گئے تو اس تلوار سے تمہیں ماروں گا یہاں تک کہ خود مر جاؤں گا یا تمہیں قتل کر دوں گا۔

تو یہ ہے (اس بحث کا) مقدمہ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اس عورت کے اشعار میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی تحریک نہ تھی، کہ کوئی کہے کہ جنگ کی تحریک و تحریض بھی تو جنگ ہے۔ ان اشعار میں دراصل دینِ حق کو چھوڑنے، نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت کرنے کی دعوت تھی، اس میں اس کی زیادہ سے زیادہ یہ کوشش تھی کہ اسلام سے محروم رہنے والے اس میں داخل نہ ہوں اور جو داخل ہو چکے ہیں وہ اس سے کنارہ کشی کر لیں، اور یہ ہر گستاخ کا طریقہ اور وطیرہ ہے۔

اس امر کی وضاحت اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس عورت نے مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی جبکہ مدینہ کے اکثر قبیلے اسلام قبول کر چکے تھے، اور اسلام کا فکری غلبہ ہو چکا تھا اور یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ اس حالت میں گالی گلوچ کرنے والے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کرنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو غصہ دلائیں اور یہ کہ لوگ ان کی پیروی نہ کریں، وہ عورت اس لیے بھی آتش جنگ بھڑکانے کا قصد نہیں کر سکتی تھی، کہ باتفاق علمائے سیرت، کہ اوس و خزرج کے تمام قبائل میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ وہ ہاتھ یا زبان سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ لڑائی کرے نہ مدینہ منورہ میں کوئی ایسا تھا جو اس کا کھلے عام اظہار کرے، زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ کافر یا منافق ورغلا کر لوگوں کو اتباعِ رسول سے روک لیتے تھے یا مدینہ

منورہ سے مکہ مکرمہ لوٹ جانے والوں کی امداد کر دیتے تھے۔اس میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑنے یا آپ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت تھی آپ کے خلاف صف آراء کی تحریک نہیں تھی، اگر چہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہجو گوئی جنگ کی ایک نوع ہے جس سے نقضِ عہد لازم آتا ہے اور ذمی کو قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ ذمی جب آمادۂ قتال ہوتا ہے تو اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ عہدِ ذمہ جنگ سے باز رہنے کا تقاضا کرتا ہے اس لیے جب ذمی زبان یا ہاتھ سے جنگ کرے گا تو ناقضِ عہد فعل کا مرتکب ہوگا اور جنگ کے بعد عہد شکنی کی کوئی انتہا نہیں۔

جب یہ ثابت ہو لیا تو سیرت النبی سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اہلِ مدینہ میں سے کسی کے خلاف معرکہ آرائی نہ کی بلکہ ان کے ساتھ ''معاہدہ امن'' کیا یہاں تک کہ یہودیوں سے بھی خصوصاً اوس وخزرج کے تمام قبیلوں سے، آپ ہر ممکن طریقے سے ان کی دلجوئی کرتے رہے اور صلح صفائی کے ساتھ رہے، جب آپ تشریف لائے تو اس وقت لوگوں کے کئی گروہ تھے ان میں سے اکثریت مسلمانوں کی تھی اور باقی اپنے اپنے دینوں پر، اور وہ قلت میں تھے جو لڑنے کی پوزیشن میں نہ تھے نہ ان کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت بنتی تھی، وہ اور ان کے قبیلوں کے مسلمان اور ان کے حلیف باہم معاہدۂ صلح کے پابند تھے، وہ اہلِ حرب نہ تھے، یہاں تک کہ انصار کے حلیف قبیلے بھی، نبی اکرم ﷺ نے ان کو ان کے حلف پر باقی رکھا موسیٰ بن عقبہ امام ابن شہاب زہری سے نقل کرتے ہیں۔

''نبی اکرم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو انصار کا کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جس میں مسلمان نہ ہوں سوائے بنوخطمہ، بنی واقف اور بنی وائل کے، یہ لوگ انصار میں سب سے آخر میں اسلام لانے والے تھے، مدینہ کے آس پاس انصار کے حلیف قبیلے تھے جو جنگ میں ان کی امداد کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان حلفائے انصار کو حکم دیا کہ اب وہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ میں الگ رہیں اور ان کی مدد نہ کریں۔

اسی طرح واقدی بحوالہ یزید بن رومان اور ابنِ کعب بن مالک حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قصہ کعب بن اشرف کے ضمن میں نقل کرتے ہیں۔

علمائے سیرت کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندے کئی گروہوں پر مشتمل تھے۔ ان میں سے ایک بڑا گروہ مسلمانوں کا تھا جنہیں دعوتِ اسلام نے ایک مرکز پر اکٹھا کر دیا تھا ان میں اہلِ حلقہ اور اہلِ قلعہ بھی تھے کچھ بنواوس اور بنوخزرج کے حلیف تھے، مدینہ منورہ تشریف لا کر حضور انور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ان تمام گروہوں کو معاہدۂ امن وصلح کی زنجیر میں باندھ دیا جائے، کیونکہ صورتِ حال ایسی تھی کہ بیٹا مسلمان تھا تو باپ کافر ومشرک، (اور فکری تضاد کسی فتنے پر منتج ہو سکتا تھا) اور یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ اوس کے تمام قبائل بھی ایک دوسرے کے حلیف تھے پھر (غور کیجئے کہ) جب نبی اکرم ﷺ نے سب کو معاہدۂ امن کے دائرے میں لے لیا اور وہ معاہدین ٹھہرے تو اس عورت، جسے گستاخی کی وجہ سے قتل کیا گیا، کا تعلق بھی ان معاہدین ہی سے ہوا۔

ان معاہدین میں کچھ لوگ کھلے عام اسلام کا اظہار کرتے تھے اور کچھ لوگ دلوں میں اس کی مخالفت چھپائے ہوئے تھے، جو

زبان سے کہتے وہ ان کے دل میں نہ ہوتا تھا۔ ادھر اسلام وایمان کی قوت انصار کے قبیلوں میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی اور حالت یہ ہوگئی تھی کہ ان میں کھلے عام کفر کا اظہار کرنے والا باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ عملاً یہ صورتحال تھی کہ وہ دوگروہ بن گئے تھے، مومن اور منافق ان میں سے جو دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوتا وہ یہود کی طرح معاہدہ امن کا پابند تھا یا یہودیوں سے زیادہ اچھی حالت میں کیونکہ قومی عصبیت کی وجہ سے اس کے اسلام لانے کی زیادہ امید تھی، اور یہ توقع تھی کہ وہ اپنی جماعت ''انصار'' سے الگ نہ ہوگا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ یہودیوں سے زیادہ درگزر اور نرمی کا سلوک اختیار فرماتے تھے اور ان کی زیادتیاں برداشت کرتے تھے، آپ کو اندیشہ تھا کہ اگر ان کی شرارتوں کا جواب دیا گیا تو ان کے قبیلوں کے ان لوگوں کے دلوں میں فتور نہ آ جائے جو اسلام کا اظہار کر چکے ہیں، اس طرز عمل میں آپ ﷺ اس آیت کریمہ کی پیروی کرتے تھے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (آلِ عمران: ۱۸۶)

تمہیں مالوں اور جانوں سے ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

اس کے باوجود حضور نے لوگوں کو اس ہجو گو عورت کے قتل کی ترغیب دی اور قاتل کے بارے میں یہ مدحیہ کلمات فرمائے

''اگر تم پسند کرتے ہو کہ اس شخص کا دیدار کرو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی غیبی مدد کی تو اس شخص (عمیر خطمی) کو دیکھ لو۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اس عورت کی بارگاہِ رسالت میں گستاخی اور توہین آمیز کلمات موجب قتل تھے، اس کا کفر موجبِ قتل نہ تھا، یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شاتمِ رسول واجب القتل ہے خواہ اس کا تعلق حلفاء یا معاہدین سے ہو، اسے گستاخی کی حالت میں قتل کیا جائے گا جب کہ دوسرے معاہد کو جو گستاخی کا مرتکب نہ ہو، قتل نہیں کیا جائے (بلکہ اس کے خون کا احترام باقی رہے گا) بالخصوص گستاخ اگر غیر معاہد ہو تو اسے ضرور قتل کیا جائے گا۔

عورت کا قتل جائز نہیں الّا یہ کہ وہ لڑائی کے لیے نکلے، نبی اکرم ﷺ نے ایک لڑائی میں کسی عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا

''اس کے لیے مناسب نہ تھا کہ لڑائی کے لیے نکلتی۔'' پھر عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا، اس کے باوجود آپ نے یہودی گستاخ عورت کے قتل کا حکم دیا حالانکہ اس نے بالفعل لڑائی نہیں کی تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر سب وشتم موجب قتل نہ ہوتا تو اس عورت کو قتل کرنا جائز نہ تھا، کیونکہ صرف کفر کی بناء پر عورت کو قتل کرنا جائز نہیں، ہمارے علم میں نہیں کہ کسی وقت لڑائی سے باز رہنے والی کافرہ عورت کا قتل کبھی مباح قرار دیا گیا ہو، بلکہ قرآنِ حکیم اور اس کی ترتیبِ نزولی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسے کبھی مباح قرار نہیں دیا گیا کیونکہ اس قتال کے بارے میں پہلی آیتِ کریمہ جو نازل ہوئی وہ یہ ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔

اذن دیا گیا ہے (جہاد کا) ان مظلوموں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان سے ظلم کیا گیا' اور بے شک اللہ ان کی

(الحج: ۳۹) مدد پر ضرور قادر ہے۔

آیت کریمہ میں اس حکم کو کھول کر بیان فرمایا

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ۔ (البقرہ: ۱۹۰) اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو مندرجہ ذیل صورتوں میں قتال کی اجازت دی گئی ہے۔

۱- اپنے دفاع کے لیے

۲- جلاوطنی پر مجبور کرنے والے کافروں کو سزا دینے کے لیے

۳- اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت سے روکنے والوں کے خلاف

مگر ان کاموں میں عورتوں کا حصہ نہیں ہوتا (لہٰذا ان کو قتل کرنا صحیح نہیں) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر مطلقاً جہاد فرض کیا اور ذیل کی آیت میں اس حکم کو کھول کر بیان فرمایا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرۃ: ۱۹۰) اور راہِ خدا میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے لڑتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ حکم واضح ہے کہ قتال کی اہلیت نہ رکھنے والوں سے قتال کی اجازت نہیں، عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ قتال کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ پھر جب نبی اکرم ﷺ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

یا تو اس کی ہجو گوئی "قتال" تھا اور ذمی کا ہجو یہ کلمات کہنا قتال کے مترادف ہے، اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔

یا ہجو گوئی قتال نہیں اور زیادہ ظاہر یہی بات ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس عورت کے ہجو یہ کلام میں جنگ پر اکساہٹ نہ تھی نہ اس کی جنگ کے بارے میں کوئی رائے تھی، بلکہ یہ گالی گلوچ ایسا جرم تھا جس میں مسلمانوں کا نقصان تھا اور ایسا جرم راہزنی کے مترادف ہے جس کی سزا قتل ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی شان میں اس قسم کی گستاخی کئی وجوہ سے موجبِ قتل ہے۔

شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی وجوہات

پہلی وجہ:

اگر سب وشتم موجبِ قتل نہ ہوتا تو اس عورت کا قتل جائز نہ قرار دیا جاتا، خواہ وہ حربیہ ہوتی کیونکہ حربی عورت جب ہاتھ یا زبان سے قتال میں شریک نہیں ہوتی تو اس کا قتل جائز نہیں بشرطیکہ وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کرے جو موجبِ قتل نہ ہو، میرے خیال میں اس مسئلہ پر کسی کا اختلاف نہیں، بالخصوص ان لوگوں کے نزدیک بھی جو اس کے ساتھ قتال کو حملہ آور کے ساتھ قتال کے برابر سمجھتے ہیں۔

دوسری وجہ:

اس گستاخ عورت کا تعلق ان معاہدین سے تھا جو اس وقت دیگر معاہدین سے زیادہ اچھا رویہ رکھتے تھے، اس لیے اگر گستاخی

موجب قتل نہ ہوتی تو اسے قتل نہ کیا جاتا، اور نہ اس کے قتل کو جائز قرار دیا جاتا، اسی بناء پر اس عورت کے قاتل کو اندیشہ ہوا کہ اس کے قتل سے فتنہ پیدا ہوگا مگر حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر دو بکریاں بھی سر نہیں ٹکرائیں گی، یعنی اس سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کی مؤمنین پر رحمت اور رسول اللہ ﷺ اور دینِ حق کی غیبی حمایت ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس قتل کی وجہ سے کسی فتنے کا امکان نہ ہوتا تو اس سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ تھی۔

تیسری وجہ:

اس حدیث میں تصریح ہے کہ وہ یہودی عورت ہجوگوئی کی وجہ سے قتل ہوئی، جبکہ اس کی قوم نے ہجوگوئی نہیں کی تو ان سے تعرض نہیں کیا گیا، اگر وہ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتے تو ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا، اس سے ظاہر ہوا کہ ہجوگوئی بذاتِ خود موجب قتل ہے خواہ ہجوگو حربی ہو مسلمان ہو یا معاہد ہو یہاں تک کہ اسکی بناء پر ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے جسے کسی اور جرم میں قتل کرنا جائز نہ ہو اگر چہ حربی مقاتل کو اس کے علاوہ قتل کرنا بھی جائز ہے، یہ مسلمان گستاخ کے حق میں بھی واضح وظاہر ہے رہا معاہد، تو اس جرم کی وجہ سے اس کا فعل فعلِ قتال سے زیادہ گھناؤنا ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ حضور نے ذمی عورت کا خون مباح قرار دیا۔

چوتھی وجہ:

مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے اور اوائل ہجرت میں ابتدائے قتال کی اجازت نہ تھی، اس وقت کافروں کا قتل حرام تھا اور یہ ناحق قتل کے مترادف تھا جیسا کہ ارشاد ہوا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ۔(النساء:۷۷)
کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں یہ کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔

الی قولہ

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ ۔(آل عمران:۱۵۴)
جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا۔

اسی لیے اباحتِ جہاد کی پہلی آیت یہ نازل ہوئی

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ ۔(الحج:۳۹)
ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی جن سے (ناحق) جنگ کی جاری رہی ہے۔

اور یہ حقیقت علمائے سیرت کے درمیان مشہور ومعروف ہے اور کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے کچھ بعد تک آپ پر قتل وقتال کی ابتداء کرنا ممنوع تھا، یہی وجہ ہے کہ عقبہ کی گھاٹی میں بیعت کرنے والے انصار نے جب حضور سے اہلِ منیٰ پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا۔

اِنَّهٗ لَمْ يُؤْذَنْ لِيْ فِي الْقِتَالِ ۔
مجھے قتال کی اجازت نہیں دی گئی۔

اس وقت آپ ﷺ ان انبیائے کرام کی مانند تھے جنہیں قتال کا حکم نہیں دیا گیا مثلاً نوح، ہود، صالح، ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام بلکہ اکثر انبیاء کی طرح، جن کا بنی اسرائیل کے ساتھ تعلق نہ تھا۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے کسی گروہ سے جنگ نہیں کی نہ آپ نے کسی سردار کے قتل کا حکم دیا اور وہ آیات جو اس زمانے میں نازل ہوئیں ان میں کفارِ مکہ کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم تھا جنہوں نے مسلمانوں کو شہرِ مکہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا اور ان کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تک آپ کو کفارِ مدینہ کے قتل کا حکم نہیں ملا تھا، آپ کا ایک عرصہ تک ان سے تعرض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا مستحب تھا یا واجب تھا اور ظاہر یہی ہے کہ واجب تھا۔

موسیٰ بن عقبہ بحوالہ امام زہری نقل کرتے ہیں

سورہ برأت کے نزول سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا دشمنوں کے ساتھ طرزِ عمل یہ تھا کہ جو آپ سے لڑتا آپ اس کے خلاف لڑائی کرتے اور جو باز رہتا اور پیمانِ صلح باندھ لیتا آپ اس سے تعرض نہ کرتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۹۰)	اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور لڑائی نہ کریں اور تم سے صلح چاہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کارروائی کرنے کی گنجائش نہ رکھی۔

قرآنِ حکیم دورانِ نزول بعض آیات کو بعض کے ساتھ منسوخ کرتا رہا جب کوئی ایسی آیت نازل ہوئی جو پہلے نازل ہونے والی آیت کو منسوخ کر دیتی تو بعد والی پر عمل کیا جاتا، اور پہلی کا حکم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا، اور نسخ سے پہلے اس پر عمل کرنا طاعتِ الٰہی تھا، یہاں تک سورت برأت نازل ہوئی۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس گستاخ یہودی عورت جس نے ہجوگوئی کی تھی، کے قتل کا حکم دیا اور اس وقت تک اس کے کافر قبیلے کو قتل کرنے کا حکم نہ آیا تھا تو معلوم ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں سب و شتم موجبِ قتل ہے اگرچہ منع قتال کی دوسری وجہیں (مثلاً عہد اور انوثت (عورت ہونا) اور کفار کا جنگ سے دستکش رہنا موجود تھیں۔

یہ توجیہہ بہت خوبصورت اور دقتِ نظر پر مبنی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کا خون معصوم ہے اسے سوائے شرعی حق کے قتل نہیں کیا جا سکتا اور کفر کی وجہ سے قتل کرنا ایسا معاملہ نہیں جس پر شریعتوں کا اتفاق ہو جیسے قصاص میں قتل کرنے پر شرائع اور عقلوں کا اتفاق ہے اوائلِ اسلام میں کافر کا خون عصمتِ اصلیہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کرنے کی وجہ سے معصوم تھا، اور ان لوگوں (گستاخوں) کا خون اس قبطی کی طرح ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا نیز اس کافر کی طرح ہے جسے ہمارے زمانے میں دعوتِ اسلام نہیں پہنچی یا وہ اس سے بہتر ہے موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کے قتل کو دنیا وآخرت کا جرم قرار دیا حالانکہ اس کا قتل خطائے شبہ عمد تھی یا خطائے محض تھی وہ قتلِ عمد ہرگز نہ تھا۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے صاف ظاہر ہے اور اس اذن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے، کی حالت مذکورہ بالا حالت سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ وہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جو محاربین نہ تھے کہ اہلِ حرب ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ قتال جائز ہوتا، وہ لوگ اہلِ ذمہ تھے اور ان سے اس بات پر معاہدہ ہوا تھا کہ وہ سب و شتم اور

گستاخی کے مرتکب نہ ہوں گے اور یہ کہ وہ تابع فرمان بن کر رہیں گے۔

حدیثِ ہفتم...... قصہ ابوعفک یہودی

اس قصہ کو اہلِ مغازی اور علمائے سیرت نے نقل کیا، واقدی کہتے ہیں کہ بنی عمرو بن عوف کا ایک بہت بوڑھا شخص ابوعفک یہودی تھا، نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی، وہ نبی اکرم ﷺ کی دشمنی پر لوگوں کو اکساتا تھا، اور دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا، نبی اکرم ﷺ جب بدر کی طرف نکلے اور جنگ میں فتح یاب ہوئے تو ابوعفک حسد سے جلنے لگا اور بغاوت پر آمادہ ہوگیا، اس نے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں ایک گستاخانہ قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

فَیَسْلبهم اَمْرَهُمْ رَاكِبٌ حَرَامًا حَلَالًا لِشَتّٰی مَعًا

اس کی اس شرارت پر حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھ پر یہ "نذر لازم ہے کہ ابوعفک کو قتل کر دوں یا اس کام کی انجام دہی میں جان دے دوں۔"

پھر موقع کی تلاش میں رہے یہاں تک کہ گرمیوں کی ایک رات جبکہ ابوعفک صحن میں سویا ہوا تھا، حضرت سالم نے آ کر تلوار اس کے جگر پر رکھ دی جو اس کے بدن کو چیر کر زمین پر جا لگی اس سے دشمنِ خدا چلا اٹھا، لوگ اس کی چیخ سن کر آ گئے اور اسے مردہ حالت میں دیکھ کر کہنے لگے اس کو کس نے قتل کیا؟ بخدا ہمیں اس کے قاتل کا علم ہو جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔

محمد بن سعد نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ وہ یہودی تھا، اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کے سارے یہودی "معاہدین" تھے پھر جب اس نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی تو اس کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔

ابوعفک کب قتل ہوا؟

واقدی بحوالہ ابنِ رقش کہتے ہیں کہ ابوعفک ہجرت مدینہ کے بیس ماہ بعد شوال میں قتل ہوا، یہ واقعہ ابنِ اشرف کے قتل سے پہلے کا ہے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ معاہد جب سب وشتم کا اظہار کرے تو نقضِ عہد کا مرتکب ہوگا، اسے دھوکے سے قتل کیا جا سکتا ہے مگر یہ اہلِ مغازی کی روایت ہے البتہ بطور تائید و تاکید پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حدیثِ ہشتم:

انس بن زنیم دیلی کا واقعہ

یہ واقعہ اہلِ سیرت کے نزدیک مشہور ہے اسے ابنِ اسحاق اور واقدی وغیرہما مؤرخین نے نقل کیا۔

واقدی کہتے ہیں، مجھے عبداللہ بن عمرو بن زہیر نے بتایا کہ خزاعہ اور کنانہ کے درمیان آخری معاملہ یہ ہوا کہ انس بن زنیم دیلی نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کہی جسے خزاعہ کے ایک غلام نے سن لیا اور حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا انس اپنی قوم کے پاس گیا اور انہیں اپنا

زخم دکھایا جس کی وجہ سے آتشِ شرارت بھڑک اٹھی اور بنو بکر بنو خزاعہ سے خون کا مطالبہ کرنے لگے۔

واقدی کہتے ہیں،

مجھے حرام بن ہشام بن خالد کعبی نے بتایا کہ عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ہمرکاب نبی اکرم ﷺ سے مدد حاصل کرنے کے لیے اور اپنے اوپر آنے والی مصیبت سے آگاہ کرنے کے لیے نکلا، واقدی نے یہ قصہ تفصیل سے نقل کیا ہے اور وہ قصیدہ بھی لکھا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے

لَاھُمَّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُّحَمَّدًا — اے اللہ میں محمد ﷺ کو (قدیم عہد) یاد دلاتا ہوں۔

جب اہلِ وفد ماجرا سنا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول! انس بن زنیم نے آپ ﷺ کی ہجو کی ہے، سن کر حضور نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا جب یہ بات انس بن زنیم کو پہنچی تو عذر خواہی کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور اپنا مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس کے ابتدائی اشعار حسبِ ذیل ہیں،

اَنْتَ الَّذِیْ تُھْدٰی مَعَدٌّ بِاَمْرِہٖ — بَلِ اللّٰہُ یَھْدِیْھَا وَقَالَ لَکَ اَشْھَدٖ

آپ ہی ہستی ہیں جن کے دین کے ذریعے بنو معد کو ہدایت ملتی ہے بلکہ اللہ انہیں ہدایت دیتا ہے اور آپ سے فرمایا کہ گواہ رہیے۔

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَّاقَۃٍ فَوْقَ رَحْلِھَا — اَبَرَّ وَاَوْفٰی ذِمَّۃً مِنْ مُّحَمَّدٖ

کسی اونٹنی نے محمد ﷺ سے زیادہ نیکوکار اور عہد ذمہ پورا کرنے والا نہیں اٹھایا۔

تَعَلَّمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّکَ مُدْرِکِیْ — وَاَنَّ وَعِیْدًا مِّنْکَ کَالْاَخْذِ بِالْیَدٖ

یارسول اللہ آپ سمجھ لیجئے کہ میں آپ سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتا اور آپ کی وعید گویا ہاتھ کی سخت گرفت ہے۔

تَعَلَّمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّکَ قَادِرٌ — عَلٰی کُلِّ سَکْنٍ مِّنْ تَھَامٍ وَّمُنْجِدٖ

آپ ذہن شریف میں رکھئے کہ آپ ان تمام گھروں پر، جو نشیبی علاقوں میں ہیں یا بلند علاقوں میں، قدرت رکھتے ہیں۔

وَنُبِّیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنِّیْ ھَجَوْتُہٗ — فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِیْ اِلَیَّ اِذًا یَدِیْ

رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ میں نے آپ کی ہجو کی ہے، (یہ غلط ہے) اگر ایسا ہو تو میرا ہاتھ میرے کوڑے کو نہ اٹھائے۔

سِوَی اَنَّنِیْ قَدْ قُلْتُ یَا وَیْحَ فِتْیَۃٍ — اُصِیْبُوْا بِنَحْسٍ یَوْمَ طَلْقٍ وَّاَسْعُدٖ

ہاں میں نے ضرور کہا کہ ان نوجوانوں پر افسوس جو بدبختی میں مارے گئے، آزادی اور سعادتمندی کے ساتھ نہیں۔

اسی قصیدہ میں وہ کہتا ہے۔

فَاِنِّیْ لَاعِرْضًا خَرَقْتُ وَلَا دَمًا — ھَرَقْتُ فَفِکِّرْ عَالِمَ الْحَقِّ وَاقْصِدٖ

جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے کسی کی عزت خراب نہیں کی نہ کسی کا خون بہایا، آپ حقیقت کی دنیا پر غور کیجئے اور راہِ اعتدال اختیار کیجئے۔

واقدی کہتے ہیں، یہ قصیدہ مجھے حرام نے پڑھ کر سنایا۔

نبی اکرم ﷺ تک اس کا قصیدہ اور اس کا عذر پہنچا نیز نوفل بن معاویہ دیلی نے اس کے متعلق حضور سے گفتگو کی اور عرض کیا: یارسول اللہ! سب لوگوں سے زیادہ عفو و درگزر سے کام لینا آپ ہی کے شایانِ شان ہے، ہم میں سے کون ہے جس نے آپ کے ساتھ دشمنی نہیں کی اور آپ ﷺ کو اذیت نہیں دی؟ ہمیں تو ایامِ جاہلیت میں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ کیا اختیار کرنا ہے اور کیا ترک کرنا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اور ہمیں ہلاکت سے بچالیا، اہلِ وفد نے اس کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا اور بہت باتیں کیں، فرمایا اہلِ وفد کا ذکر چھوڑو، ہم نے تہامہ میں کسی رشتہ دار یا دور کے شخص کو نہیں پایا جو بنوخزاعہ سے زیادہ نیکوکار ہو، اس طرح آپ نے نوفل کو خاموش کر دیا جب وہ چپ ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے انس بن زنیم کو معاف کر دیا یہ سن کر نوفل بولا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ انس بن زنیم نے بارگاہِ رسالت میں اعتذار پیش کرتے ہوئے یہ اشعار کہے اور عمرو بن سالم خزاعی نے اس وقت پڑھے جب وہ خدمتِ اقدس میں مدد لینے کے لیے حاضر ہوا تھا، اس نے بیان کیا کہ انہوں نے شانِ رسالت میں سخت گستاخی کی ہے، اس قصیدے کا ایک شعر ہے۔

تَعَلَّمَ بِاَنَّ الرَّكْبَ رَكْبُ عُوَيْمَرٍ — هُمُ الْكَاذِبُوْنَ الْمُخْلِفُوْا كُلَّ مَوْعِدٍ

آپ سمجھ لیجئے کہ عویمر کا وفد ایسا وفد ہے جس کے ارکان جھوٹ ہی بولتے ہیں اور ہر معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اس قصہ سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قریش کے ساتھ حدیبیہ میں دس سال کے لیے ''معاہدۂ امن'' کیا تھا، خزاعہ بھی اس معاہدے میں شامل تھے، اس قبیلہ کے اکثر لوگ مسلمان تھے اور ان کے کافر اور مسلمان دونوں نبی اکرم ﷺ کے خیر خواہ تھے، قریش کے اس معاہدے میں بنوبکر بھی شریک تھے اس اعتبار سے وہ سب معاہدین تھے، یہ ایسی حقیقت ہے جو نقلِ متواتر سے منقول ہے اور اس میں اہلِ علم کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔

اس معاہد یہودی نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی تو اسے بنی خزاعہ کے ایک شخص نے زخمی کر دیا، بعد میں نبی اکرم ﷺ کو اس ہجوگوئی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا جبکہ کسی اور کا خون رائیگاں قرار نہیں دیا، اگر ان کے علم میں ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ کی ہجوگوئی موجبِ انتقام نہیں تو وہ اس کی اطلاع حضور کو نہ دیتے اس شخص کی طرف سے ہجوگوئی حالتِ معاہدہ میں تھی اس کے باوجود حضور نے اس کا خون رائیگاں ٹھہرایا، یہ اس معاملہ میں نص ہے کہ وہ معاہد جو حضور کی ہجوگوئی کرتا ہے مباح الدم ہے۔

پھر جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اپنے اشعار میں اسلام کا اظہار کیا، یہی وجہ ہے کہ علماء نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا، اس کے اشعار میں یہ الفاظ ہیں ''تعلم رسول اللہ'' ''اے اللہ کے رسول سمجھ لیجئے'' ونبی رسول اللہ (رسول اللہ کو اطلاع دی گئی) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا، وجہ یہ ہے کہ جب بت پرست کہتا ہے ''محمد رسول اللہ'' تو اسے مسلمان قرار دیا جاتا ہے اس اعتراف کے ساتھ اس نے ہجوگوئی کا انکار بھی کیا اور اس ہجوگوئی کی اطلاع کرنے والوں کی گواہی رد کی اور اس کے ثبوت میں یہ کہا کہ اطلاع کرنے والے اس کے دشمن، کیونکہ دونوں قبیلوں کے درمیان خونریزی اور معرکہ آرائی کا

سلسلہ قائم ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہجو گوئی کا فعل خون مباح ہونے کا سبب نہ ہوتا تو اسے اس معذرت خواہانہ طرزِ عمل کی ضرورت نہ تھی۔

یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ انس بن زنیم کے اسلام لانے عذر پیش کرنے ،ہجو گوئی کی خبر دینے والوں کو جھوٹا قرار دینے اور بارگاہِ رسالت میں نعتیہ قصیدہ پڑھنے کے باوجود اس نے اہدارِدم (خون رائیگاں قرار دینے) سے درگزر کرنے کا مطالبہ کیا،اور درگزر اسی گناہ سے ہوتا ہے جس پر سزا دینا جائز ہو اس سے معلوم ہوا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا اختیار تھا کہ اس کے مسلم ہو کر آنے اور اعتذار پیش کرنے کے بعد بھی اس کو سزا دیتے مگر حضور نے اپنے حلم اور کرم کی وجہ سے اسے معاف فرما دیا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نوفل بن معاویہ نے انس کے لیے بارگاہِ رسالت میں سفارش کی ،عام علمائے سیرت بیان کرتے ہیں کہ نوفل ان متکبرین کا سرغنہ تھا جنہوں نے خزاعہ سے دشمنی اختیار کر کے انہیں قتل کیا انہوں نے قریش کی اعانت کی جس کے باعث قریش اور بنو بکر کا معاہدہ ٹوٹ گیا، پھر فتحِ مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس شخص کے حق میں سفارش کرنے لگا جس نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی اس سے معلوم ہوا کہ ہجو گوئی قتال کے ذریعے نقضِ عہد سے زیادہ سنگین جرم ہے،اس طرح کہ جب کوئی قوم قتال کی وجہ سے عہد شکنی کرے اور دوسری قوم ہجو گوئی کرے ،پھر دونوں گروہ اسلام قبول کر لیں تو قتال کرنے والے گروہ کا خون معصوم ٹھہرے گا جبکہ ہجو گو گروہ سے انتقام لینا جائز ہو گا،اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص (انس بن زنیم) نے ہتکِ عزت کو خونریزی کے ساتھ ملا کر بیان کیا،معلوم ہوا کہ دونوں جرم موجبِ قتل ہیں اور حضور کی توہین علماء کے نزدیک مسلمانوں اور معاہدوں کے خون بہانے سے بڑا جرم ہے۔

توضیح:

اس استنباط کی توضیح اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو بکر جنہوں نے عہد شکنی کی ،کے کسی فرد کا خون رائیگاں قرار نہیں دیا، جبکہ بنو خزاعہ کے اس شخص کا خون رائیگاں ٹھہرایا یہاں تک کہ اس نے اسلام قبول کیا اور معذرت خواہی کی ، باوجودیکہ اس کے (قبیلے کے) ساتھ امن اور صلح کا معاہدہ تھا، جزیہ اور ذمہ کا معاہدہ تھا،اور امن کا معاہدہ کرنے والا اپنے ملک میں دین و دنیا کے متعلق جو منکر اقوال و افعال چاہے ظاہر کرے (اس پر گرفت نہیں) اور جب تک بالفعل جنگ نہ کرے عہد شکنی نہ ہوگی،اس سے ظاہر ہوا کہ ہجو گوئی یعنی (توہین آمیز کلمات) جنگ کے مترادف ہیں بلکہ اس سے سنگین ہیں اور ہجو گو شخص کا کوئی ''عہدِ ذمہ'' نہیں۔

حدیث نہم

عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ

اس قصہ پر اہلِ علم کا اتفاق ہے اور یہ اتنا مشہور ہے کہ اس کے ثبوت کے لیے کسی روایتِ احاد کی ضرورت نہیں اور یہ ہر اس روایت سے زیادہ ثابت اور اقویٰ ہے جسے ایک عادل راوی نے نقل کیا اس لیے ہم اسے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے تا کہ وجہِ دلالت کھل کر سامنے آجائے۔

مصعب بن سعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز عبداللہ بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاں چھپ گیا، وہ اسے بارگاہِ رسالت میں لے آئے اور سامنے کھڑا کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو بیعت فرمایئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سرِ اقدس اٹھا کر اس کی طرف دیکھا گویا ہر بار انکار فرما رہے ہوں اس کے بعد اس کو بیعت فرمایا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رُخِ انور کر کے فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا کہ جب مجھے اس نے بیعت سے ہاتھ روکتے دیکھا تو اٹھ کر اس کو قتل کر دیتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہیں فرمایا؟ فرمایا

''کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانتِ نظر سے کام لے''

اس روایت کو امام ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا۔

امام نسائی نے اس قصہ کو زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو حضور نے وہاں کے تمام باشندوں کو امن کی ضمانت دی سوائے چار افراد کے، اور فرمایا ان چاروں کو قتل کر دو خواہ انہیں کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لٹکے ہوئے پاؤ، یہ چار ہیں عکرمہ بن ابوجہل، عبداللہ بن اخطل، مقیس بن حبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح۔

عبداللہ بن اخطل کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا پایا گیا تو سعید بن حارث اور عمار بن یاسر اس کی طرف دوڑے مگر سعید جوان آدمی تھے وہ عمار سے آگے نکل گئے، اور اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن حبابہ کو لوگوں نے بازار میں جا لیا اور اسے تہ تیغ کر دیا، جہاں تک عکرمہ کا تعلق ہے وہ سمندری سفر پر نکل کھڑا ہوا سمندر میں طوفان آیا تو اہلِ کشتی نے کہا، اخلاص سے کام لو، یہ تمہارے دیوتا تمہارے کام نہ آئیں گے، اس پر عکرمہ نے کہا بخدا اگر سمندر میں اخلاص نجات دیتا ہے تو خشکی پر بھی اس کے سوا کوئی چیز بچا نہیں سکتی، اے اللہ میرا تیرے ساتھ عہد ہے کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے بچا لے گا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ میں انہیں بہت زیادہ معاف کرنے والا اور کرم والا پاتا ہوں۔'' اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

رہا معاملہ عبداللہ بن ابی سرح کا، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاں چھپ گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کی طرف بلایا تو حضرت عثمان اس کو بھی لے آئے اور حضور کی بارگاہ میں کھڑا کر دیا، امام نسائی نے باقی وہی قصہ نقل کیا جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا، اسے شیطان نے لغزش دی تو کفار سے جا ملا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ اسے فتحِ مکہ کے دن قتل کر دیا جائے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے امان طلب کی تو حضور نے اسے امان عطا فرما دی۔

محمد بن سعد طبقات میں بحوالہ سعید بن مسیب لکھتے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عبداللہ بن ابی سرح فرتنی ابن الزبعری اور ابنِ اخطل کو فتحِ مکہ کے دن قتل کر دیا جائے، ابنِ اخطل اس روز کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا تو ابو برزہ نے آ کر اس کا پیٹ پھاڑ

ڈالا۔

قبیلہ انصار کے ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کرے گا اس وجہ سے عبداللہ حضرت عثمان کے پاس آیا وہ آپ کا رضاعی بھائی تھا آپ نے بارگاہِ رسالت میں اس کی سفارش کی، انصاری اس وقت تلوار تھامے حضور کے اشارۂ ابرو کا منتظر تھا، کہ اس کو قتل کر دے مگر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش پر اس کو چھوڑ دیا پھر انصاری سے فرمایا "تو نے اپنی نذر پوری کیوں نہیں کی؟" عرض کی یارسول اللہ! میں تو تلوار پکڑے آپ ﷺ کے اشارے کا منتظر تھا کہ اسے قتل کروں۔ فرمایا کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اس طرح اشارے سے کام لے۔"

محمد بن اسحاق، بحوالہ ابنِ بکیر لکھتے ہیں،

"ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر اور عبداللہ بن ابوبکر بن حزم کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت جبکہ اسلامی لشکر مختلف گروہوں میں تقسیم ہو رہا تھا، حکم دیا کہ وہ کسی کو قتل نہ کریں بجز ان لوگوں کے جو ان سے لڑیں ساتھ ہی چند آدمیوں کے نام لیے اور فرمایا انہیں قتل کر دو خواہ کعبہ شریف کے پردوں کے نیچے چھپے ملیں، ان میں عبداللہ بن اخطل اور عبداللہ بن ابی سرح شامل تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا اور کتابتِ وحی پر متعین ہوا تھا پھر ارتداد اختیار کر کے مشرک ہو گیا اور مکہ مکرمہ چلا گیا، وہ کہا کرتا تھا میں وحی خداوندی میں جیسا چاہوں گا تصرف کروں گا، محمد (رسول اللہ) مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے وحی لکھوں تو میں کہتا ہوں، یہ وحی اس طرح ہے تو وہ کہتے ہیں ہاں اس طرح ہے"، اس کی صورت یہ تھی کہ حضور فرماتے "علیم حلیم" تو وہ کہتا کیا عزیز حکیم لکھ دوں؟ تو حضور جواب میں فرماتے "دونوں کلمات یکساں ہیں"۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں۔

مجھے شرجیل بن سعد نے بتایا کہ آیت کریمہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: ۹۳)	اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی من گھڑت بات کی نسبت کرے یا دعویٰ کرے اس کی طرف وحی آئی ہے جبکہ اس کی طرف کچھ وحی نہ آئی ہو یا کہے میں ابھی ایسی وحی اتارتا ہوں جیسے اللہ نے وحی اتاری۔

جب نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو عبداللہ بھاگ کر حضرت عثمان کے پاس آ گیا یہ ان کا رضاعی بھائی تھا، حضرت عثمان نے اسے چھپائے رکھا یہاں تک کہ جب لوگوں کو اطمینان ہو گیا تو اسے لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے لیے عفو واماں کی درخواست کی، حضور کافی دیر خاموش رہے اس دوران وہ کھڑا رہا پھر فرمایا "ہاں" اس کے بعد حضرت عثمان اس کو لے کو لوٹے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا، میرے خاموش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے کوئی اٹھ کر اس

کی گردن ماردے" اس پر انصار کے ایک شخص نے عرض کیا "آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ کردیا، میں اسے قتل کردیتا" فرمایا "نبی اشارہ سے قتل نہیں کرتا"

ابن اسحاق بروایتِ ابراہیم بن سعد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سرح قریش کے پاس لوٹ کر چلا گیا اور کہنے لگا بخدا اگر میں چاہوں تو ایسا کلام پیش کرسکتا ہوں جیسا محمد (رسول اللہ) کہتے ہیں، وہ ایک بات کہتے تو میں پھیر کر اسے دوسری بات بنادیتا تو وہ اس کو صحیح قرار دےدیتے" اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اِلٰی اٰخِرِ الآیۃ

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا ابن اسحاق ابن ابی نجیح کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

"نبی اکرم ﷺ نے جب مسلمان سپہ سالاروں کو مکہ شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو یہ عہد لیا کہ وہ بجز اس شخص کے جو آمادۂ پیکار ہو کسی کو قتل نہیں کریں گے، نیز ان افراد کے ناموں کا بھی استثناء فرمایا جن کے قتل کا آپ حکم دے چکے تھے کہ اگر وہ کعبہ شریف کے پردوں میں چھپے ہوئے مل جائیں تو انہیں قتل کردیا جائے ان میں ایک عبداللہ بن ابی سرح تھا، اس کے قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ اسلام اختیار کر چکا تھا اور کتابت وحی کا فریضہ سرانجام دیتا تھا، پھر مرتد مشرک ہو کر قریش کے پاس چلا گیا، اور کہنے لگا بخدا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرلیتا ہوں وہ مجھے املاء کراتے تو میں کہتا کیا یہ ایسا ایسا ہے تو وہ کہتے "ہاں ایسا ہی ہے، وہ عزیز حکیم یا حکیم حلیم لکھواتے تو میں بدل کر لکھ لیتا تو وہ ہر ایک کو صحیح قرار دےدیتے۔"

مغازی معمر میں امام زہری سے فتح مکہ کا قصہ منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب کو قتل وغارت سے باز رہنے کا حکم دیا، پھر تمام لوگوں کو امان عطا فرمائی سوائے چار آدمیوں کے، اور وہ چار ہیں۔

۱-ابن ابی سرح، ۲-ابن اخطل، ۳-مقیس کنانی، ۴-اور ایک عورت

پھر فرمایا "میں نے مکہ حرام نہیں ٹھہرایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام ٹھہرایا، اور یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دن کی ایک ساعت سے حلال کیا۔"

امام زہری فرماتے ہیں،

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ابن ابی سرح کو لے کر حاضرِ خدمت ہوئے، اور عرض کیا: یارسول اللہ اس کی بیعت قبول فرمایئے آپ ﷺ نے رُخِ انور پھیرلیا، پھر وہ دوسری طرف سے آئے تو حضور نے اعراض فرمایا پھر وہ سامنے سے آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس کو بیعت فرمایئے، تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ اقدس آگے بڑھایا تو ابن ابی سرح نے دستِ اقدس میں اپنا ہاتھ دےدیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "میں نے اس سے اعراض کیا اور خیال کرتا تھا کہ تم میں سے کوئی اس کو قتل کردے گا، ایک انصاری نے عرض کیا:

یارسول اللہ آپ نے میری طرف اشارہ کیوں نہ کیا؟، فرمایا:

اَنَّ النَّبِیَّ لَایُوْمِضُ ۔ ''بے شک نبی اس قسم کا اشارہ نہیں کرتا۔''

گویا حضور اس کو عذر سمجھتے تھے،

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں امام ابنِ شہاب (زہری) سے مروی ہے

''نبی اکرم ﷺ نے (فتح مکہ کے موقع پر) اسلامی لشکر کو حکم دیا کہ وہ اہلِ مکہ سے تعرض نہ کریں سوائے ان لوگوں کے جو جنگ پر آمادہ ہوں۔ نیز چار آدمیوں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حویرث بن نقید، ابنِ اخطل اور مقیس بن حبابہ لیثی کے قتل کا حکم دیا، حضور نے ابنِ اخطل کی دو لونڈیوں کو قتل کرنے کا بھی حکم دیا یہ دونوں لونڈیاں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں گستاخانہ کلام گاتی تھیں۔

امام زہری فرماتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند افراد کے قتل کا حکم دیا، ان میں عبداللہ بن ابی سرح بھی شامل تھا، یہ شخص ہجرت کے بعد مرتد کافر ہوگیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر چھپ گیا یہاں تک کہ لوگ پر سکون ہوگئے، پھر بیعت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور نے رُخِ انور پھیر لیا تا کہ صحابہ کرام میں سے کوئی اٹھ کر اس کا کام تمام کردے، مگر کوئی نہ اٹھا نہ وہ حضور کے دلی ارادے کو بھانپ سکے، ایک صحابی نے عرض کیا اگر آپ اشارہ فرمادیتے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا، تو حضور نے فرمایا۔

''ایک نبی ایسا کام نہیں کرتا۔''

ایک قول یہ ہے کہ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پناہ دے دی تھی۔ وہ حضرت عثمان کا رضاعی بھائی تھا، ان لونڈیوں میں سے ایک ماری گئی اور دوسری چھپ گئی یہاں تک کہ اس کے لیے امان حاصل کرلی گئی۔

محمد بن عائذ بھی اپنی مغازی میں اس واقعہ کو اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

واقدی نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا کہ عبداللہ بن ابی سرح کاتبِ وحی تھا، بعض اوقات حضور اسے سمیع علیم املاء کراتے تو وہ ''علیم حکیم'' لکھ دیتا، پھر حضور اسے پڑھ کر سناتے تو وہ کہتا اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا اور پڑھ کر سنا تا اس طرح فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا، وہ یہ بھی کہا کرتا کہ محمد کو اپنے کلام کا پتہ نہیں چلتا میں تو اس کے لیے اپنی مرضی کے مطابق کتابت کرتا ہوں۔ میں لکھتا ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

بعد ازاں وہ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا، فتح مکہ کے دن وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ وہ ان کا رضاعی بھائی تھا، کہنے لگا، میرے بھائی بخدا میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں، مجھے یہاں اپنے ہاں پناہ دیجئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر میرے متعلق بات کیجئے کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے دیکھ لیا تو مجھے قتل کردیں گے، میرا جرم بہت بڑا ہے اب میں تائب ہو کر آیا ہوں، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بلکہ تم میرے ساتھ چلو، عبداللہ نے کہا بخدا اگر مجھے دیکھ لیں گے تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے، اور مجھے مہلت نہ دیں گے۔ کیونکہ آپ نے میرا خون رائیگاں قرار دے رکھا ہے اور آپ کے ساتھی مجھے ہر جگہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا نہیں میرے

ساتھ چلو وہ انشاء اللہ تم کو قتل نہیں کریں گے، مگر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ترک نہ فرمایا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ رسالت میں کھڑے تھے، حضرت عثمان نے نبی اکرم ﷺ کی طرف رخ کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی ماں مجھے اٹھاتی تھی جبکہ یہ اس کے ساتھ چلتا تھا، وہ مجھے دودھ پلاتی تھی جبکہ اسے دودھ سے دور رکھتی تھی اور میری طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتی تھی جبکہ اس کی پروانہ کرتی تھی، پس میرے واسطے اسے معاف فرما دیجئے مگر حضور ﷺ نے رُخِ انور پھیر لیا، حضرت عثمان نے بار بار اس مطالبے پر اصرار کیا اور حضور بار بار اعراض فرماتے رہے اور اس اعراض کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص اٹھ کر اس کی گردن اڑا دے کیونکہ آپ نے اس کو امان نہیں دی تھی، جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ کوئی اس کام کے لیے نہیں اٹھا اور حضرت عثمان جھک کر آپ کے سراقدس کو چوم رہے ہیں اور درخواست کر رہے ہیں یارسول اللہ ﷺ! اس کی بیعت قبول فرمایئے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، تو آپ نے فرمایا ''ہاں'' پھر اپنے اصحاب کی طرف رُخِ انور کر کے فرمایا تمہیں کس چیز نے روک رکھا تھا؟ کہ کوئی شخص اٹھ کر نافرمان کتے کا کام تمام کر دیتا، یہ سن کر عباد بن بشر نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہیں فرمایا معبودِ برحق کی قسم میں تو ہر طرف سے آپ کے گوشہ چشم کو دیکھ رہا تھا کہ آپ مجھے اشارہ فرمائیں اور میں اس کی گردن مار دوں، ایک قول یہ ہے کہ یہ بات ابوالیسر نے کی تھی ایک اور روایت ہے کہ یہ قول حضرت عمر بن خطاب کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اشارہ کے ساتھ قتل نہیں کیا کرتا۔'' ایک اور روایت ہے کہ حضور نے اس دن فرمایا

''نبی خیانتِ نظر سے کام نہیں لیتا۔''

اسلام ماقبل کے گناہ مٹا دیتا ہے

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اس کی بیعت قبول فرمائی، پھر اس کا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ جب کبھی نبی اکرم ﷺ کو دیکھتا، بھاگ جاتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (بابی وامی) آپ ذرا مشاہدہ فرمائیں کہ عبداللہ آپ کو دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرتا ہے تو آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کیا میں نے اسکی بیعت قبول نہیں کی اور اسے امان نہیں بخشی؟'' عرض کیا ہاں یارسول اللہ اسے اسلام کے متعلق اپنا بہت بڑا جرم یاد آتا ہے، تو حضور نے فرمایا

اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَاقَبْلَهٗ ۔ اسلام پہلے کے گناہ مٹا دیتا ہے۔

یہ سن کر عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آئے اور اسے اس بات کی خوشخبری دی بعد ازاں وہ لوگوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضری دیتا اور سلام عرض کرتا۔

وجہِ دلالت:

اس واقعہ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نبی اکرم ﷺ پر افتراء باندھا کرتا وہ وحی کی کتابت کرتا اور اپنی مرضی سے اس کے اندر تصرف کر لیتا اور یہ گمان کرتا کہ اس تحریر کے مطابق وحی آ جائے گی، کیوں کہ اس کے گمان میں اس کی طرف بھی وحی آتی تھی جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اترتی تھی، یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ حکیم پر طعن تھا،

اور ایسا افتراء تھا جو نفسِ نبوت میں شک وشبہ پیدا کرتا تھا، اور یہ بات کفر اور ارتداد سے بڑھ کر تھی، جو کہ سب وشتم کی ایک بدترین قسم تھی۔

اسی طرح جب بھی کسی کاتب نے اس قسم کا بہتان گھڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پیٹھ توڑ دی اور اسے سامانِ عبرت بنا دیا کیونکہ ایسی بات بیمار دلوں میں شک وشبہ کا باعث بن سکتی ہے اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس کا لکھنے والا لوگوں سے زیادہ بڑا عالم تھا اس نے قرآنِ حکیم کے بارے میں یہی بات کہہ دی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد فرمائی اور ایسی واضح نشانی ظاہر فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات میں ایسے تصرف کی کوشش کرنے والا مفتری ہے۔

ایک اور کاتب کا قصہ

صحیح بخاری میں بحوالہ عبدالعزیز بن صہیب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نصرانی شخص نے اسلام قبول کر کے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ لی، وہ نبی اکرم ﷺ کے لیے کتابت کرتا تھا، بعدازاں مرتد ہو کر پھر نصرانی بن گیا، وہ کہتا تھا ”محمد کو کچھ پتہ نہیں، سوائے اس کے جو میں اسے لکھ کر دیتا ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے اسے اس گستاخی کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا تو لوگوں نے اسے دفن کیا (مگر زمین نے اسے قبول نہ کیا) جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہے، اس پر عیسائیوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا کارنامہ ہے۔ انہوں نے ہمارے ساتھی کی قبر کھود کر اسے باہر ڈال دیا چنانچہ دوبارہ گڑھا کھودا اور اسے اس میں دفن کیا، مگر صبح کے وقت دیکھا کہ اس دفعہ بھی زمین نے اسے قبول نہیں کیا چنانچہ اسے باہر ہی کہیں پھینک دیا۔

امام مسلم بحوالہ سلیمان بن مغیرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ بنو نجار کا ایک شخص سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کی تعلیم حاصل کر چکا، وہ کاتبِ وحی مقرر ہوا بعدازاں بھاگ کر اہلِ کتاب سے جا ملا، تو انہوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا کہ یہ شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کاتب ہے جو انہیں بہت پسند آیا، پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی، لوگوں نے گڑھا کھود کر اس کو اس میں دبا دیا جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا، دوبارہ گڑھا کھودا اور اسے دفن کیا تو اس بار بھی زمین نے اس کو قبول نہ کیا، تو انہوں نے اسے باہر ہی پڑا رہنے دیا۔

اس ملعون نے افتراء کیا تھا ”کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی کچھ پتہ ہے جو میں اسے لکھ کر دیتا ہوں“ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پیٹھ توڑ دی، اسے رسوا کیا، اسے دفن کے بعد قبر سے باہر پھینکوا دیا، یہ معاملہ خارقِ عادت ہے جو اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اس کی گستاخی کی سزا تھی اور یہ کہ وہ جھوٹا تھا، کیونکہ عام مردوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، اور یہ جرم ارتداد کے جرم سے بڑا ہے کیونکہ عام مرتدین مرتے ہیں تو ان کا ایسا حشر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اپنے رسول کا انتقام لیتا ہے جو حضور کی ذات پر طعن کرتے ہیں اور آپ کو گالی دیتے ہیں، وہ دینِ حق کو غالب کرتا اور جھوٹے کو رسوا کرتا ہے کیونکہ ایسے معاملے میں لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ایسے گستاخ پر حد جاری کر دیں۔

عصرِ مؤلف میں گستاخانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انجام

مذکورہ بالا واقعات کی نظیر وہ واقعات ہیں جو ہمیں مسلمان اہلِ عدل فقہاء وعلماء نے سواحلِ شام پر واقع قلعوں اور شہروں کے محاصرے میں کئی بار کے تجربات کی روشنی میں بتائے ہیں، جب مسلمانوں نے ان قلعوں اور شہروں میں بنواصغر کا محاصرہ کرلیا، ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ ہوگیا اور قلعے فتح نہ ہوئے تو ہم پر مایوسی طاری ہونے لگی، اسی دوران اہلِ قلعہ نے حضور کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا تو پھر قلعہ فتح ہونے میں دیر نہ لگی اور معاملہ آسان ہوگیا اور ایک یا دو دن میں فتح مکمل ہوگئی پھر وہ علاقہ بزورِ شمشیر قبضے میں آنے لگا، اور ان کے بہت سے فوجی مارے گئے، عساکرِ اسلام کا کہنا ہے کہ جب ہم نے سنا کہ وہ گستاخی رسالت کے مرتکب ہورہے ہیں تو ہمارے دل غیض وغضب سے بھر گئے مگر اس کے ساتھ ہمیں جلد فتح کی نوید بھی ملنے لگی۔

اسی طرح بعض ثقہ علماء نے مجھے بتایا کہ اہلِ مغرب کے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے (محبوب کے) دشمنوں کو کبھی اپنی طرف سے عذاب دیتا ہے اور کبھی اپنے اہلِ ایمان بندوں کے ہاتھوں انہیں اس انجام سے دوچار کرتا ہے۔

یونہی جب نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی سرح پر قابو پایا تو اس کا خون رائیگاں قرار دیا اور اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبوت میں طعن کیا تھا اور آپ کی ذاتِ اقدس پر افتراء باندھا تھا حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان تمام باشندوں کو امان عطا فرما دی جنہوں نے آپ ﷺ کے خلاف شدید معرکہ آرائی کی دوسری بات یہ ہے کہ مرتد کے بارے میں سنت ہے کہ مرتد کو قتل نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا وجوبی یا استحبابی مطالبہ کیا جائے۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کریں گے کہ حضورِ انور ﷺ کے عہدِ پاک میں ایک گروہ نے ارتداد اختیار کیا تو انہیں توبہ کی طرف بلایا گیا اور مطالبہ پیش کرنے پر انہوں نے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول کرلی گئی۔

اس میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا مرتد کے جرم سے بڑا جرم ہے۔

پھر گستاخ کے بارگاہِ رسالت میں تائب ہوکر اور مسلمان ہوکر آنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کا اس کے خون کو مباح قرار دینا اور یہ ارشاد فرمانا ''کہ تم نے اسے قتل کیوں نہیں کیا' اور اس کے بعد معاف کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ کو قتل کرنا، اسے معاف کردینا اور اس کے خون کو معصوم ٹھہرانا دراصل نبی اکرم ﷺ کا حق ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گستاخ کو قتل کرنا ضروری ہے خواہ تائب ہوکر اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

مندرجہ ذیل وجوہات اس کی مزید وضاحت کرتی ہیں۔

توبہ کے باوجود قتلِ گستاخ کے جواز پر استدلال:

عکرمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح فتح مکہ سے پہلے اسلام کی طرف لوٹ آیا تھا، دوسرے علمائے سیرت نے بھی یہی تحریر کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس نے اسلام کی طرف رجوع کیا، پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ اس نے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اس کو بارگاہِ رسالت میں لے چلیں، کیونکہ اس کا جرم بہت بڑا ہے، وہ تائب ہو کر آیا ہے'' جبکہ یہ حقیقت ہے کہ مرتد کی توبہ اسلام لانے کے مترادف ہے۔

پھر جب فتح مکہ کے بعد حالتِ امن میں عبداللہ تائب ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور کی خواہش تھی کہ کوئی مسلمان اسے اس وقت قتل کر دے، جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام کی طرف رجوع کرنے کے بعد بھی اس کا قتل جائز تھا۔

اسی طرح جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ ''جب عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے تو راہِ فرار اختیار کرتا ہے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں نے اس کی بیعت قبول نہیں کر لی اور اسے امان عطا نہیں فرما دی'' عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! مگر اسے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد بھی اپنا عظیم جرم یاد آتا ہے'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' اس سے حضور نے وضاحت فرما دی کہ اس کو قتل کا جو خوف تھا وہ بیعت اور امان سے ختم ہوا اور گناہ کا ازالہ اسلام سے ہوا معلوم ہوا کہ گستاخ جب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اسلام گستاخی کا گناہ مٹا کر رکھ دیتا ہے مگر قتل کا جائز ہونا باقی رہتا ہے یہاں تک قتل کا ساقط کرنا اس ذات سے پایا جائے جو اس حق کی مالک ہے۔

اس کا بیان ان شاء اللہ عنقریب اپنی جگہ آ رہا ہے، یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ بارگاہ رسالت میں طعن اور توہین فوری قتل کی موجب ہے، اور مجرد ارتداد سے فوری قتل لازم نہیں آتا، پھر جب یہ جرم موجبِ قتل ہے تو اس میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں کیونکہ ارتداد کے علاوہ جو جرم بھی قتل کا موجب ہوتا ہے اس میں مسلمان اور ذمی برابر ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام کا عبداللہ بن ابی سرح اور دو لونڈیوں میں سے ایک کو چھپا لینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قتل واجب قرار نہیں دیا تھا بلکہ قتل مباح ٹھہرایا ساتھ ہی معافی کی گنجائش رکھ دی تھی، اس میں یہ دلیل ہے کہ حضور کو انہیں قتل کرنے، یا معاف کر دینے کا اختیار تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گستاخ کا قتل کرنا دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح اور نصرانی کاتب کے افتراء کا رد

واضح رہے کہ عبداللہ بن ابی سرح اور نصرانی کاتب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ افتراء کیا تھا کہ حضور ان دونوں سے قرآن کا علم حاصل کرتے تھے حالانکہ یہ صاف افتراء ہے۔

عبداللہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میں کتابت میں جیسا چاہتا تصرف کر لیتا، محمد مجھے حکم دیتے کہ میں کوئی آیت لکھوں تو میں کہتا کہ کیا یہ آیت اس طرح ہے تو وہ کہہ دیتے ہاں ایسی ہی ہے (یعنی تبدیل شدہ صورت میں) حالانکہ یہ بھی من گھڑت دعویٰ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہی کچھ لکھاتے تھے جو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا تھا، اور وحی کرتا تھا، آپ اپنی طرف سے اس میں تصرف کرنے کے مجاز نہ تھے۔

اسی طرح عبداللہ کا یہ بھی افتراء تھا کہ ''میں اپنی مرضی سے لکھ لیتا پھر کہتا کہ یہ میں نے وہی کچھ لکھا ہے جو میری طرف وحی کیا گیا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے سیکھتے تھے تو بلاشبہ مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی

جاتی رہے گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر کی۔''

یہ بھی واضح بہتان ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہ لکھاتے تھے نہ ہی عبداللہ کی طرف وحی کی جاتی تھی۔

دوسرے نصرانی کاتب کا دعویٰ بھی اسی قبیل کا ہے، وہ کہتا تھا ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہی کچھ پتہ ہے جو میں اسے لکھ کر دیتا ہوں۔'' اس افتراء کی وجہ سے وہ عذاب وعقاب کا سزاوار ہوا۔

عبداللہ اور نصرانی کاتب کے افتراء پر علماء کی آراء

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ آیا نبی اکرم ﷺ نے اس کی کتابت کی تائید کی یا اسے کچھ کہا؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔

قولِ اوّل:

اس نصرانی کاتب اور عبداللہ بن ابی سرح نے نبی اکرم ﷺ پر سخت افتراء باندھا، نبی اکرم ﷺ سے کوئی قول ایسا صادر نہیں ہوا جس میں غلط کتابت کی تائید ہو، یہ تو شیطان نے ان دونوں کے لیے ارتداد کو مزین کر دیا تاکہ افتراء سازی کر کے لوگوں کو محمد ﷺ سے متنفر کریں اور لوگ اس دعویٰ کو سن کر سوچنے پر مجبور ہوں کہ ان دونوں نے محمد ﷺ کو کامل آگاہی کے بعد چھوڑا ہے حالانکہ ان دونوں نے عرصۂ کتابت کے دوران کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ ہم نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا فرماتے سنا ہے کہ جو تم نے (اپنی مرضی سے) کہا یا لکھا ہے وہ صحیح ہے، بلکہ حالتِ ارتداد میں اس کا دعویٰ کیا، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دشمنِ خدا کافر تو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

اس دلیل کی وضاحت اس طرح ہے کہ نصرانی کاتب کا دعویٰ تھا کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسی بات کا علم حاصل ہے جو میں اسے لکھ کر دیتا ہوں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتابت کے دوران وہ کچھ لکھ دیتا ہو جو نبی اکرم ﷺ نہ لکھواتے ہوں یا تبدیل کر کے کمی بیشی کر لیتا ہو، مگر اس کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حضور اس کی تحریف وتبدیل کی تحسین فرماتے تھے، اس ناداں کو اس حقیقت کی سمجھ نہ آئی کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی روشن آیات کا نام ہے جو اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ ہے، اسے پانی نہیں دھوسکتا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنے نبی پر پڑھنے والا تھا، آپ اسے نہیں بھول سکتے تھے سوائے اس کے کہ جس حصہ کلام کا اٹھایا جانا یا اس کی تلاوت منسوخ کرنا مرضی خدا پر موقوف تھا، قرآنِ حکیم کی حفاظت کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ حضرت جبرائیل امین ہر سال نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس کا دورہ کرتے تھے، پھر یہ بھی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اسے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے سامنے تلاوت فرماتے تاکہ متواتر نقل کا اہتمام کیا جاسکے۔

اکثر مفسرین نے اس قصہ کو نقل کرتے ہوئے یہی بیان کیا کہ حضور اسے سمیعًا علیمًا املا کراتے اور وہ علیمًا حکیمًا لکھ دیتا اور جب علیمًا حکیمًا فرماتے تو وہ غفورًا رحیمًا تحریر کر دیتا یا اس طرح کے اور الفاظ، مگر اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے (ان تبدیل شدہ الفاظ کی کبھی تحسین کی ہو یا) کچھ کہا ہو۔

علماء فرماتے ہیں،

"جب معلوم ہو کہ آدمی افتراء پرداز ہے یا دروغ گو ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی دروغ بافی کا پردہ چاک کر دیا ہو اور صحیح ومشہور روایات میں بھی یہی آیا ہو کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی طرف غلط انتساب کر کے کچھ کہا یا لکھا ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے کلمات نہیں۔"

علماء کہتے ہیں،

"یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے "ہاں" کا لفظ فرمایا تو ایسی روایات منقطع یا معلل ہیں، شاید راوی نے کاتب کے الفاظ پر اعتماد کر کے ایسا کہہ دیا ہو اور ایسے معاملات میں التباس واشتباہ ہو ہی جاتا ہے۔

قولِ دوئم:

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کاتب سے کچھ کہا تھا، امام احمد وغیرہ ائمہ حدیث حماد بن مسلمہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے لیے کتابت کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ آپ جب اسے سمیعًا علیمًا املا کراتے تو وہ کہتا میں نے سمیعا بصیراً لکھ لیا ہے حضور فرماتے اسے چھوڑ اور جب علیما حکیما لکھواتے تو وہ علیما حلیما لکھ دیتا، حماد کہتے ہیں کہ وہ اس طرح کی تحریف کرتا تھا۔

یزید بن ہارون، بحوالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے لیے کتابت کیا کرتا تھا، اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ رکھی تھی، جب وہ ان سورتوں کو پڑھتا تو انتہائی ناگواری کا اظہار کرتا، حضور اسے "غفوراً رحیمًا" املاء کراتے تو وہ "علیمًا حکیمًا" تحریر کر دیتا، تو نبی اکرم ﷺ اس سے فرماتے ایسے ایسے لکھ، اور اپنی مرضی سے لکھ، اس سے وہ شخص اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جاملا اور کہا میں تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حالت بتاتا ہوں میں ان کے لیے کتابت کرتے وقت اپنی مرضی سے تحریف کر لیتا تھا" پھر وہ شخص مر گیا تو حضور نے فرمایا، زمین اسے قبول نہیں کرے گی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ابوطلحہ نے بتایا کہ وہ اس جگہ آئے جہاں وہ شخص مرا تھا تو اسے زمین سے باہر پڑا ہوا پایا، پوچھا اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ تو لوگوں نے بتایا ہم نے اسے کئی بار دفن کیا مگر اسے زمین قبول نہیں کرتی، اس روایت کا سلسلہ سند صحیح ہے۔

قولِ اوّل اختیار کرنے والے علماء کہتے ہیں کہ امام بزار نے حدیث ثابت عن انس کو معلل قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے اس حدیث کو روایت کیا مگر اس کی تابع روایت نہیں لائے اسے حمید نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، میرا خیال ہے کہ انہوں نے اسے ثابت سے سنا یہ علماء کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے یہ قول حضور انور ﷺ سے سنا یا اس وقت وہ وہاں موجود تھے بلکہ انہوں نے سنی سنائی بات حکایت کر دی۔

مگر اس کلام میں ظاہری تکلف ہے، ہم نے ابنِ اسحاق اور واقدی وغیرہما کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس روایت کے ظاہر کے مطابق ہے مفسرین کے ایک گروہ نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے، اس ضمن میں ایسے آثار آئے ہیں جو اس قول کی وضاحت

کرتے ہیں، حدیث ابن اسحاق میں ہے کہ

”نبی اکرم ﷺ اس کاتب سے فرماتے علیم حکیم لکھو، وہ کہتا کیا ”عزیز حکیم“ لکھ دوں، تو آپ فرماتے ہاں یہی لکھ دو کیونکہ یہ دونوں برابر ہیں۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اسے ”عزیز حکیم یا حکیم علیم“ املاء کراتے تو وہ دو میں سے ایک ترکیب لکھ دیتا تو حضور فرماتے ”سب صحیح ہے۔“

اس روایت میں وضاحت ہے کہ دونوں ترکیبیں نازل ہوئی تھیں اور نبی اکرم ﷺ دونوں کو پڑھ کر فرماتے ”ان دونوں میں سے جیسا چاہو لکھ لو، سب صحیح ہے۔“

نبی اکرم ﷺ سے بصراحت ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ”قرآنِ حکیم سات حرفوں پر نازل ہوا سب شافی کافی ہیں اگر تم عزیز حکیم یا غفور رحیم تو وہ ایسا ہی ہے (یعنی یکساں ہے) جب تک کہ آیت رحمت کا اختتام عذاب پر یا آیتِ عذاب کا خاتمہ رحمت کے الفاظ پر نہ کرو۔“

ایک جماعت صحابہ کے نزدیک آیت ذیل اس طرح ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (المائدہ:۱۱۸)	اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے۔

اس مسئلہ میں احادیث بہت بکھری ہوئی ہیں، جو دلالت کرتی ہیں کہ سات حروف جن پر قرآن نازل ہوا، () ایک آیت کو کئی اسماء پر ختم کرتے ہیں، اور قاری کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جس قرأت سے چاہیں، تلاوت کریں، اور نبی اکرم ﷺ کاتب کو اختیار دیتے تھے کہ وہ ساتوں حروف میں سے جس سے چاہیں تحریر کریں، بعض اوقات آپ ﷺ کسی حرف پر پڑھ کر فرماتے ”کہ ایسی ایسی صورت میں تحریر کرو“ کیونکہ بکثرت سنا گیا ہے کہ آپ دو حرفوں کے درمیان اختیار دیتے تھے، اور دونوں کو یکساں قرار دیتے تھے، کیونکہ آیت کا نزول دو حرفوں کے ساتھ ہوا۔

بعض اوقات کاتب اسے ایک ہی حرف پر لکھ کر بارگاہِ رسالت میں پیش کرتا تو حضور ﷺ اسے ثابت رکھتے، کیونکہ وہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہوتی تھی۔

قرآنِ حکیم میں آیات کا اختیار مندرجہ ذیل اسماء پر بکثرت ہوا ہے۔

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ، عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ، غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ يا سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ، عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ، يا حَكِيْمٌ حَلِيْمٌ

آیت کا نزول متعدد حروف پر ہونا ایک عادی امر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بعض حروف کو نسخ فرمادیا جب جبرائیل امین علیہ السلام ہر رمضان میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرآنِ حکیم کا دور کرتے تھے، اور آخری دور اس حرف پر ہے جو حضرت زید بن ثابت نے اختیار فرمایا اور لوگ آج اسی کے مطابق قرأت کرتے ہیں اور یہ وہی حرف ہے جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو جمع کیا، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس قصہ کو ناسخ و منسوخ میں ذکر کیا، یونہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب

کے ناسخ ومنسوخ میں اسے نقل کیا اس لیے کہ یہ بعض حروف کے نسخ کو متضمن تھا۔

اس سلسلہ میں ایک اور وجہ امام احمد نے ناسخ ومنسوخ میں روایت کی ہے، معان کہتے ہیں میں نے خلف کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن ابی سرح کاتب قرآن تھا، وہ نبی اکرم ﷺ سے اکثر خواتم آیات مثلاً یعملون، یفعلون وغیرہ کے متعلق پوچھتا تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے ''اس میں جو چاہو لکھ لو'' تو اللہ تعالیٰ جس کی توفیق دیتا وہ کلامِ الٰہی کے مطابق لکھ دیتا، بعدازاں مرتد ہو کر اہلِ مکہ کے پاس آ گیا، انہوں نے پوچھا عبداللہ! تم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کس طرح کتابت قرآن کرتے تھے؟ جواب دیا ''جس طرح میری مرضی ہوتی لکھ دیتا تھا'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ اِلٰی اٰخِرِ الاٰیة ۔

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتریٰ کرے یا کہے میری طرف وحی کی گئی حالانکہ اس کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا:

(ترجمہ) ''جو ابنِ ابی سرح کو گرفتار کرے وہ اس کی گردن مار دے خواہ وہ کعبہ شریف کے پردوں کو تھامے ہوئے ہو۔''

اس روایت میں یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے دونوں حرفوں کے بارے میں پوچھتا تو حضور فرماتے ''ان میں سے جو چاہو لکھ لو'' تو اللہ تعالیٰ اسے صحیح لکھنے کی توفیق دیتا، تو وہ ایک حرف پر کتابت کر دیتا حالانکہ وہ دونوں حرف نازل شدہ ہوتے تھے، یا وہ صرف اس کو لکھتا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ کا اس کو اختیار دینا اس وجہ سے تھا کہ یا تو اس کی گنجائش ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو دونوں حرف پر نازل فرمایا ہوتا یا آپ کو اعتماد اور بھروسہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ہے کہ وہ وہی کچھ لکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، پس اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ذمہ کرم پر لی اور اس بات کی ضمانت دی کہ باطل آگے یا پیچھے سے اس کتاب میں مداخلت نہیں کر سکتا تو اس کتاب کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بعض علماء نے اس کی تیسری وجہ بھی ذکر کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے قیامِ مکہ کے دوران بعض اوقات کوئی آیت سن رکھی ہو، پھر اس آیت کا ایک کلمہ یا دو کلمے باقی رہ گئے ہوں تو وہ ان کلمات سے باقی آیت پر استدلال کرتا ہو جیسا کہ کوئی ذہین شخص ایسا کرتا ہے پھر وہ اس کی کتابت کر کے حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا ہو ''یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے'' جیسا کہ آیتِ کریمہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتفاق ہوا تھا۔

کلبی نے بحوالہ ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قصہ میں اس قسم کی روایت کی، اگرچہ یہ اسناد ثقہ نہیں، اس نے کہا کہ عبداللہ بن ابی سرح اسلام کے متعلق طعن آمیز گفتگو کرتا تھا اس سے پہلے وہ نبی اکرم ﷺ کے لیے بعض اوقات کتابتِ قرآن کی خدمت انجام دیتا تھا، حضور اسے عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ لکھواتے تو وہ غفور رحیم لکھ دیتا حضور فرماتے ''یہ کلمات اور وہ کلمات برابر ہیں۔'' جب آیتِ کریمہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ نازل ہوئی تو آپ نے اسے یہ آیتِ کریمہ لکھوائی جب خَلْقًا اٰخَرَ پر پہنچے تو عبداللہ بن سعد کو تعجب ہوا کہنے لگا تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ حضور نے فرمایا ''اسی طرح مجھ پر نازل ہوئی

ہے اسے لکھ لو" اس سے اسے شک لاحق ہوگیا، کہنے لگا اگر محمد سچے ہیں تو بلاشبہ میری طرف بھی وحی آتی ہے جس طرح ان کی طرف آتی ہے" اور اگر (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو میں بھی ان کی طرح ایسا کلام کہتا ہوں، اس پر مذکورہ بالا آیت (یعنی سورہ مائدہ کی آیت نمبر۹۳) نازل ہوئی۔

اس حدیث کے ضعف کی ایک وجہ ہے کہ مشہور ہے کہ یہ کلمات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہے تھے۔

بعض علماء ایک اور قول کے بھی قائل ہیں وہ کہتے ہیں روایتِ انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کتابت کرنے کے بعد اپنی تحریر بارگاہِ رسالت میں پیش کرتا، تو آپ اسے سَمِيْعًا عَلِيْمًا املاء کراتے وہ کہتا میں تو سَمِيْعًا بَصِيْرًا لکھ چکا ہوں، آپ فرماتے، "اسے رہنے دو" یا فرماتے "جیسا چاہو لکھ لو۔"

حدیثِ واقدی میں ہے کہ حضور فرماتے "اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔" اور اسے برقرار رکھتے۔

علماء کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کو کتابت کرنے والوں کی ضرورت تھی کیونکہ صحابہ کرام میں کاتبین کی قلت تھی، عربوں کی زیادہ تعداد ان پڑھ تھی یہاں تک کہ ایک بڑے علاقے میں کسی کاتب کی تلاش کی جاتی تو نہ ملتا تھا، اور اگر ان میں سے کوئی لکھوانا چاہتا تو بڑی مشکل سے کوئی کاتب ہاتھ آتا تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کو اتفاقاً کوئی کاتب مل جاتا تو قرآنِ حکیم لکھوا لینے کو غنیمت سمجھتے تھے، پھر جب کاتب کمی بیشی کر دیتا تو آپ اسے کچھ نہ کہتے تا کہ لکھنے کے کام میں رکاوٹ نہ ہو نہ اسے بدلنے کا حکم دیتے کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے اور وہ تکمیلِ کتابت کے بغیر ہی نہ چھوڑ جائے آپ کو اعتماد تھا کہ ایک یا دو کلمے جن میں کمی بیشی ہوئی بوقتِ تلقین و تدریس صحابہ کرام کو بتا دیئے جائیں گے یا دل میں محفوظ کلمات پر اعتماد کرتے ہوئے بعد میں اس کی تصحیح کر لیں گے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۔ (اعلیٰ:۶'۷)

عنقریب ہم تجھے پڑھائیں گے کہ تو نہ بھولے گا مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو۔

مگر یہ توجیہہ درست نہیں بلکہ پہلی توجیہہ ہی زیادہ مناسب اور صحیح ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآنِ حکیم کئی حروف پر نازل ہوا مگر علمائے سلف کا پسندیدہ قول یہ ہے جس پر احادیث اور قرأتِ صحابہ کرام بھی دلالت کرتی ہیں کہ وہ مصحف شریف جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمتِ مسلمہ کو جمع کیا سات حروف میں سے ایک حرف پر تھی، نبی اکرم ﷺ کے سامنے جبرائیل امین علیہ السلام نے آخری دور میں اسی کو پیش کیا۔ حروفِ سبعہ میں سے باقی اب اس مصحف سے خارج ہیں اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ حروفِ سبعہ میں اختلافِ کلمہ کے باوجود معنیٰ میں اختلاف یا تضاد نہیں ہوتا تھا۔

حدیث دہم

حدیثِ قینتین

یہ بنو ہاشم کی دو گلوکار کنیزائیں تھیں جو بارگاہِ نبوت میں ہجو گوئی کے ذریعے گستاخی کرتی تھیں۔ علمائے سیرت کے نزدیک ان کا معاملہ بہت مشہور و معروف تھا، حدیث سعید بن مسیب میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرتنیٰ کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

موسیٰ بن عقبہ مغازی میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں،

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز مکہ شریف میں داخل ہوتے وقت سپاہیانِ اسلام کو حکم دیا کہ وہ قتل وغارت سے ہاتھ روکیں اور سوائے لڑنے والوں کے کسی سے لڑائی نہ کریں، مگر چار آدمی جہاں مل جائیں قتل کر دیے جائیں، ان میں ابنِ اخطل کی دو کنیزیں بھی تھیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجوگوئی کرتی تھیں۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کنیز قتل کر دی گئی جبکہ دوسری چھپ گئی یہاں تک کہ اس کے لیے امان طلب کی گئی۔

محمد بن عائذ قرشی نے اپنی مغازی میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے، ابنِ اسحاق بحوالہ ابنِ بکیر کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر اور عبداللہ بن ابی بکر بن خرم نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ میں داخل ہوئے اور لشکرِ اسلام کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ کسی سے نہ لڑیں بجز ان لوگوں کے جو ان سے لڑیں، البتہ چند افراد کا استثناء فرمایا اور ان کے نام بتا کر فرمایا کہ انہیں قتل کرو خواہ انہیں کعبہ شریف کے پردوں کے نیچے پاؤ، ان میں ایک عبداللہ بن اخطل تھا عبداللہ بن اخطل کو قتل کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ مسلمان تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقات جمع کرنے کے لیے بھیجا اس کے ہمراہ ایک انصاری اور اس کا مسلمان غلام بھی تھا، جو اس کی خدمت کرتا تھا، ابنِ اخطل نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ مینڈھا ذبح کر کے کھانا تیار کرے پھر سو گیا جب جاگا تو کھانا تیار نہ تھا، اس سے طیش میں آ کر غلام پر چڑھ دوڑا اور اسے قتل کر دیا پھر مرتد ہو گیا۔

اس کی ایک باندی تھی جس کی سہیلی بھی باندی تھی، وہ دونوں حضور کی ہجو میں گانے گاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ اخطل کے ساتھ ان دونوں باندیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ

ان واجب القتل مجرموں میں ایک مقیس بن حبابہ بھی تھا جسے ایک انصاری کے قتل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اس انصاری نے مقیس کے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

واجب القتل افراد میں بنو عبدالمطلب کی ایک باندی سارہ بھی تھی، یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں اذیت دیتی تھی، اموی کہتے ہیں مجھے اپنے باپ نے ابنِ اسحاق کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے عہد لیا کہ وہ کچھ مردوں اور عورتوں کو قتل کریں گے، اور فرمایا

اِنْ وَجَدْتُمُوْهُمْ تَحْتَ اَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَاقْتُلُوْهُمْ ۔ اگر تم انہیں کعبہ شریف کے پردوں کے نیچے بھی پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔

ان کی تعداد چھ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بنام ان کی نشاندہی فرمائی۔ وہ یہ ہیں، عبداللہ بن ابی سرح، ابنِ اخطل، حویرث بن معبد و مقیس بن حبابہ اور ایک شخص بنی تیم بن غالب۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں،

مجھے ابوعبیدہ نے بتایا کہ وہ چھ آدمی تھے پھر دو آدمیوں کے نام ظاہر نہ کیے جبکہ چار آدمیوں کی خبر دی، عورتوں میں دو ابنِ اخطل

کی باندیاں اور ایک بنوعبد المطلب کی باندی سارہ تھی، پھر کہا ابنِ اخطل کی دونوں باندیاں ہجو رسول کے گانے گاتی تھیں جبکہ سارہ زبان سے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتی تھی۔

واقدی اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہیں

(مکہ میں فاتحانہ دخول کے وقت) نبی اکرم ﷺ نے قتال سے منع فرمایا البتہ چھ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کا حکم دیا پھر ان کے نام بتائے ان میں ابنِ اخطل، سارہ، ابنِ اخطل کی دو باندیاں فرتنی اور قریبہ بروایت دیگر فرتنی اور ارنب شامل تھی۔

واقدی نے بیان کیا

ابنِ اخطل کے جرم کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر کے ہجرت کی پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے تحصیلِ صدقات کے لیے بھیجا اس کے ساتھ بنوخزاعہ کا ایک شخص بھیجا جو اس کے لیے کھانا تیار کرتا اور خدمت بجالاتا ابنِ اخطل ایک آبادی میں اترا اور خزاعی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا پھر دوپہر کو سو گیا، جب بیدار ہوا تو خزاعی سویا پڑا تھا اور اس نے کھانا بھی تیار نہیں کیا تھا۔ اس سے طیش میں آ گیا اور خزاعی کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا بعد ازاں کہنے لگا اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لوٹ کر گیا تو اللہ کی قسم وہ مجھے قتل کر دیں گے چنانچہ اسلام سے برگشتہ ہو کر اور صدقات کا مال لے کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا، وہاں اہلِ مکہ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے برگشتہ کیا ہے؟ کہنے لگا میں نے تمہارے دین سے بہتر کسی کا دین نہیں پایا، چنانچہ پھر شرک پر ڈٹ گیا اس کی دو باندیاں تھیں جو بدکار عورتیں تھیں، وہ ہجو رسول ﷺ میں شعر کہتا اور اپنی باندیوں کو گانے کا حکم دیتا، اس طرح مشرکین ابنِ اخطل اور اس کی باندیوں کے پاس آتے اور مل کر شراب پیتے پھر وہ باندیاں ہجو پر مشتمل اشعار گاتی تھیں۔

عمرو بن ہاشم کی باندی، سارہ مکہ کی ایک نوحہ خواں عورت تھی جس کو ہجوِ رسول کے اشعار پیش کئے جاتے تو وہ گا کر سناتی۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور کچھ دینے کا مطالبہ کیا اور اپنی حاجت کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا

"کیا تیرے لیے وہ کچھ کافی نہیں جو تجھے گلوکاری اور نوحہ خوانی سے حاصل ہوتا ہے؟"

کہنے لگی جب سے قریش کے سردار بدر میں قتل ہوئے قریش نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے اس پر احسان کرتے ہوئے ایک اونٹ سامانِ خورد و نوش کا عطا فرمایا واپس قریش کے پاس گئی تو اپنے دین شرک پر قائم رہی، نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم جاری فرمایا چنانچہ وہ اس روز قتل کر دی گئی جہاں تک تعلق ہے ابنِ اخطل کی دو باندیوں کا، نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، پس ان میں سے ایک ارنب یا قریبہ قتل ہو گئی جبکہ فرتنی کے لیے امان طلب کی گئی یہاں تک کہ اس نے اسلام قبول کر لیا، وہ کافی عرصے تک زندہ رہی تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں اس کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہو گئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی دیت کے آٹھ ہزار درہم مقرر فرمائے دو ہزار جرم کی شدت کی وجہ سے مزید وصول کئے گئے۔

ان دو باندیوں کے واقعے پر علمائے سیرت کا اتفاق ہے اس کی روایت حدِ شہرت تک ہے جو روایتِ آحاد سے مستغنی ہے، بنی ہاشم کی باندی سارہ کا ذکر عامہ اہلِ مغازی نے کیا، نیز ان علماء نے کیا جن کو سیرت سے زیادہ آگاہی ہے البتہ بعض علماء نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

حدیثِ قینتین سے استدلال

اس حدیث سے دلالت کی وجہ یہ ہے کہ
کسی عورت کو مجرد کفرِ اصلی کی وجہ سے قتل کرنا بالاجماع جائز نہیں اور یہ بات سنتِ رسول ﷺ سے شہرت کے ساتھ ثابت ہے۔
صحیحین میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں کسی عورت کی لاش ملی تو آپ نے آئندہ عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ میں ایک عورت کی لاش کے قریب سے گزرے تو اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ مَا کَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ۔ یہ لڑائی کرنے والی تو نہ تھی۔ پھر ایک سپاہی سے فرمایا جا خالد سے مل اور کہہ بچوں اور خدمت گزار مزدوروں کو قتل نہ کیجئے، اسے ابوداؤد وغیرہ ائمہ نے نقل کیا۔

امام احمد مسند میں کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ نے خیبر میں ابنِ ابی الحقیق کی طرف بھیجا تو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اور یہ واقعہ اہلِ سیر کے ہاں مشہور ہے۔

بروایت امام زہری عبداللہ بن کعب بن مالک سے منقول ہے کہ ابنِ ابی الحقیق کو قتل کرنے والے اس کے بلند قلعے میں داخل ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اس کی بیوی باہر نکلی اور پوچھا ''تم کون ہو؟'' جواب دیا عرب کے ایک قبیلے کے کچھ لوگ ہیں، بچا کچھا کھانا چاہتے ہیں، تو اس نے دروازہ کھول کر کہا ''وہ صاحبِ خانہ اندر ہیں اندر ہی چلے آؤ'' چنانچہ ہم اندر داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا، اس پر وہ چلانے لگی، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس مہم پر بھیجتے وقت عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا تھا (اس وجہ سے ہم نے اسے قتل نہ کیا) ہم میں سے ایک شخص اس کے سر پر تلوار اٹھاتا مگر رسول اللہ ﷺ کی ممانعت یاد کر کے ہاتھ روک لیتا، اگر یہ ممانعت نہ ہوتی تو ہم اس رات اس عورت کا قصہ بھی تمام کردیتے۔

یونس بن بکیر نے اس طرح عبداللہ بن کعب سے نقل کیا وہ کہتے ہیں، مجھے عبداللہ بن انیس نے بتایا کہ جب اس عورت نے دروازہ کھولا تو میں نے عبداللہ بن عقیل سے کہا، اپنا کام مکمل کرو، تو انہوں نے اس عورت پر تلوار اٹھائی، وہ بھاگی تو میں نے بھی اس پر تلوار بلند کی مگر مجھے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ آپ نے ہمیں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا تھا چنانچہ میں نے ہاتھ روک لیا۔

بہت سے ائمہ سیرت نے حضرت عبداللہ بن انیس سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ وہ عورت چلائی تو بعض ساتھیوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر یاد آیا کہ حضور نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔

عورتوں کا قتل کب حرام کیا گیا؟

یہ قصہ فتحِ مکہ سے پہلے کا ہے بلکہ فتحِ خیبر سے بھی پہلے کا، اس میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں، واقدی کہتے ہیں کہ یہ خندق سے پہلے ذی الحجہ چار ہجری کا ہے، ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے بعد رونما ہوا، ان دونوں مؤرخوں کا خیال

ہے کہ خندق کا واقعہ شوال پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا، موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے کہ شوال چار ہجری میں پیش آیا، حدیثِ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بھی اس پر دلالت کرتی ہے جبکہ فتحِ مکہ رمضان آٹھ ہجری کا واقعہ ہے۔

ہم نے یہ ساری تفصیل اس لیے ذکر کی ہے کہ ان لوگوں کے وہم کا ازالہ ہو جو کہتے ہیں کہ فتحِ مکہ تک عورتوں کا قتل مباح تھا پھر حرام قرار دیا گیا، ورنہ علماء کو اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ عورتوں کا قتل کیا جانا کبھی جائز نہ تھا اور آیاتِ قتال اور ان کی ترتیبِ نزول اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا قتل کبھی مباح نہیں ٹھہرایا گیا، وہ عورتیں جو کہ ابنِ ابی الحقیق کے قلعہ میں تھیں، مہم پر جانے والے لوگوں نے انہیں قیدی بنانے کی کوشش نہ کی، کیونکہ ایسا کرنا اس وقت تک ممنوع تھا، ابنِ ابی الحقیق کی بیوی نے چلا کر شور بھی کیا اور چھاپہ ماروں کو اس کی آواز سے شر کا خوف بھی تھا اس کے باوجود انہوں نے قتل سے ہاتھ کھینچ کر رکھا اور تلوار لہرانے کا مقصد یہ تھا کہ اسے خوفزدہ کر کے شر سے باز رکھا جائے۔

عورتوں کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا حرام ہے البتہ ہم جب مردوں پر غارت ڈالنے یا توپ چلانے یا آگ پھینکنے کا قصد کرتے ہیں تو اس سے عورتوں اور بچوں کا بھی جانی نقصان ہوتا ہے مگر اس سے گناہ لازم نہیں آتا، اس کی دلیل حدیث صعب بن جثامہ ہے، صعب بن جثامہ نے حضور سے پوچھا کہ مشرکین کے گھروں میں بچے بھی ہوتے ہیں اور شب خون کے وقت وہ بھی حملے کا شکار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا "وہ انہی میں سے ہیں" (متفق علیہ)

نبی اکرم ﷺ نے اہلِ طائف پر سنگ باری فرمائی تو اس میں عورتیں اور بچے بھی شکار بنے، اس سے معلوم ہوا کہ حربی عورت کے قتل کا قصاص دیت یا کفارہ نہیں ہے، حضور نے جنگوں میں عورتوں کے قتل پر کسی بدلے کا حکم نہیں دیا، اس لیے اس حکم سے ذمی عورت کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے، حربی عورت جب جنگ میں شامل ہو تو اس کا قتل بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ حضور نے منعِ قتل کی علت یہ ٹھہرائی ہے کہ وہ عورت جنگ میں حصہ نہ لے، جب جنگ کرے گی تو اس کا مقتضی یعنی قتل بھی متحقق ہو جائے گا، اور ممانعت کا حکم اٹھ جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دفاع کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اسی طرح لڑائی کی جائے گی جس طرح ایک حملہ آور مسلمان کے خلاف لڑی جاتی ہے اس لیے جب اس پر قدرت حاصل ہو تو اسے قتل کرنا جائز نہیں دیگر آئمہ فرماتے ہیں، جب وہ جنگ کرے تو محارب شخص کی طرح ہو جائے گی۔ جب یہ ثابت ہو لیا تو ہم کہتے ہیں کہ ان عورتوں کا خون بوجہ انوثت (عورت ہونے کے) معصوم تھا، پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ ہجو گوئی کی وجہ سے گستاخی کرتی تھیں، اور اس وقت دارِ حرب میں بھی تھیں، اس سے واضح ہو گیا کہ جو شخص حضورِ انور کی ہجو کرے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو اسے بطورِ سزا قتل کرنا ہر حال میں جائز ہے۔

ہر حال میں گستاخ کے جوازِ قتل کو مؤکد کرنے والی وجوہ

مندرجہ ذیل وجوہ اس استدلال کی مؤکد کرتی ہیں۔

وجہِ اوّل:

ہجاء اور سب (گولی گلوچ) زبانی قتال کی صورت ہے اس لیے وہ ہاتھ سے قتال کے مترادف ہے، اس اعتبار سے وہ ہجو کرنے والی عورت اس عورت کی مانند ہوئی جس سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں رائے لی جائے، جیسے حکمران عورت یا کوئی ذی رائے عورت اس کی مثال ہند بنت عتبہ ہے۔

یا یہ ہجو گوئی اور سب خود موجبِ قتل ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور مؤمنین کے لیے اذیت ہے، پھر اس کی دو صورتیں ہیں

یہ ہجو گوئی اور سب وشتم محاربت کی قسم سے ہو

یا اس سے کچھ تعلق نہ رکھتی ہو،

اگر یہ پہلی اور دوسری قسم سے ہو تو ذمی عورت کا قتل جائز ہے، جب وہ سب وشتم سے کام لے، اس صورت میں وہ محارب ہوگی یا ایسے جرم کی مرتکب ہوگی جس سے قتل لازم آتا ہے پس ذمی عورت اس حرکت کا ارتکاب کرے گی تو اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور نتیجتاً قتل کی جائے گی، اس کا ایسا طرزِ عمل ان دو قسموں سے باہر نہیں کیونکہ دوسری صورت میں حربی عورت کا بغیر ہاتھ یا زبان سے لڑے، قتل لازم آئے گا یونہی موجبِ قتل جرم کے بغیر اسے قتل کرنا قرار پائے گا جبکہ ان صورتوں میں ایسی عورت کا قتل سنتِ رسول اور اجماعِ امت سے حرام ہے۔

وجہِ دوئم:

ان قتل ہونے والی عورتوں کا تعلق اہلِ حرب سے تھا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دارالحرب میں ستایا تھا، پھر صرف سب وشتم کے جرم میں قتل کی گئیں، جیسا کہ احادیث بیان کرتی ہیں، تو اس جرم کی پاداش میں ذمی عورت کو ایک مسلمان عورت کی طرح قتل کرنا زیادہ مناسب اور صحیح ہے کیونکہ اس ذمیہ اور ہمارے درمیان ایک عہد تھا جو اظہارِ سب سے روکتا تھا، اور سب وشتم کے ارتکاب پر ذلت کو لازم قرار دیتا تھا اس لیے ایک مسلمان کی جان مال اور عزت پر زد پہنچانے کی وجہ سے وہ قابلِ گرفت ہے جبکہ ایک حربیہ (جو کہ اس عہد کی پابند نہیں) قابلِ گرفت نہیں۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی حربی عورت کا قتل جائز ہے، اور کسی رکاوٹ کے بغیر مباح ہے تو ذمی عورت کا قتل تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے جو عہد کی وجہ سے ایسی حرکات نہیں کرسکتی۔

ایک وہم کا ازالہ:

یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ذمی کی عصمت زیادہ مؤکد ہوتی ہے کیونکہ اسے عصمت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے جبکہ حربی کو ایسی

ضمانت حاصل نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی بھی خونِ مسلم کی حفاظت وعصمت کا ضامن ہوتا ہے، جبکہ حربی سے اس کی ضمانت حاصل نہیں ہوتی، ذمی ضمانت دیتا بھی ہے اور ضمانت لیتا بھی ہے، عہدِ ذمہ کا یہی تقاضا ہے یہاں تک حربی (عورت یا مرد) کا معاملہ ہے ہمارا اس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوتا جو اس بات کا تقاضا کرے، پس ذمی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اسے شانِ رسالت میں توہین کرنے کی اجازت دی جائے، بلکہ یہ اس کا سنگین جرم ہوگا اور وہ اس بات کا سزاوار ہوگا کہ اس جرم اذیت پر اس کی شدید گرفت کی جائے، ہم نہیں سمجھتے کہ کسی جرم پر حربی عورت کو تو قصداً قتل کر دیا جائے اور ذمی عورت کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کا قتل تو زیادہ مناسب اور درست ہے۔

وجہِ سوئم:

گستاخیِ رسالت کے جرم میں قتل ہونے والی عورتوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر جنگ میں حصہ نہیں لیا بلکہ وہ ذلیل ومطیع بن کر آئی تھیں، اور ہجوگوئی جو کہ جنسِ قتال سے ہے، اس سے پہلے موجود تھی اور حربی عورت کا جنگ کے دوران قتل جائز نہیں جبکہ اس نے سر اطاعت بھی خم کر دیا ہو، خواہ اس نے پہلے قتال کیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ سب (یعنی گستاخانہ کلمات) ہی ان کے قتل کو مباح کرنے والا تھا نہ کہ ان کا قتال میں حصہ لینا باعثِ قتل ہوا۔

وجہِ چہارم:

نبی اکرم ﷺ نے آئندہ قتال کا ارادہ رکھنے والوں کے علاوہ تمام اہلِ مکہ کو امان عطا فرمائی، باوجودیکہ ان امان پانے والوں نے نبی اکرم ﷺ سے معرکہ آرائی کی، اصحابِ رسول ﷺ کو قتل کیا اور آپ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان عورتوں کا خون رائیگاں قرار دیا جو امان سے مستثنیٰ لوگوں میں شامل تھیں، اگرچہ ان عورتوں نے بالفعل قتال میں حصہ نہیں لیا تھا، صرف حضور کو اذیت دیتی تھیں، اس سے ثابت ہوا کہ سبّ وغیرہ گستاخانہ کلمات سے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دینے والا جرم قتال وغیرہ جرائم سے سنگین جرم ہے، اور فوری سزا کا مستحق ہے۔

وجہِ پنجم:

یہ دونوں مغنیہ عورتیں باندیاں تھیں اور ہجوگوئی پر مامور تھیں اور ایک باندی کا قتل آزاد عورت کے قتل سے زیادہ بعید اور کمزور معاملہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اجرت پر رکھے ہوئے ملازم کو قتل کرنے سے منع فرمایا، کوئی باندی اگر ہجوگوئی پر مامور ہو تو اس کا جرم ہلکا اور خفیف ہوتا ہے کیونکہ اس کا ابتداء سے اس جرم کا قصد نہیں ہوتا، اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان باندیوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں گستاخانہ کلمات کہنا سزائے قتل کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

وجہِ ششم:

ان عورتوں کے قتل کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ ہجوگوئی کی وجہ سے قتل ہوئیں جبکہ وہ اس عہد کی پابند تھیں جو نبی اکرم ﷺ اور اہلِ مکہ کے مابین ہوا تھا، اس اعتبار سے ان کی ہجوگوئی ذمی کی ہجوگوئی کی جنس سے ہے یا وہ مجرد ہجو کی وجہ سے ماری

گئیں اور عہد کا اطلاق ان پر نہ ہوتا تھا، اگر پہلی صورت ہے تو یہی ہمارا مقصود ہے کہ (ذمی گستاخ واجب القتل ہے) اور اگر دوسری صورت ہے کہ جب غیر معاہد گستاخ عورت کا قتل جائز ہوا تو اس عورت کا قتل تو بطریق اولیٰ جائز ہے جسے معاہدہ کی وجہ سے تحفظ حاصل ہو، کیونکہ مجرد کفر اور اہل حرب سے تعلق بالاتفاق خون مباح نہیں کرتا، بالخصوص اس صورت میں جبکہ گستاخی کو قتال کے برابر نہ سمجھا جائے۔

ایک اعتراض:

وجہ تردید کیا ہے؟ جبکہ تمام اہل مکہ عہد شکنی کر کے محاربین بن چکے تھے؟

جواب:

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عام عہد شکنی کی وجہ سے ان کے اموال چھیننے اور عورتیں بچے قیدی بنانے کو مباح نہیں ٹھہرایا، اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے اس جرم کو معاف کر دیا ہو جیسے غیر مقاتلین کو معاف کر دیا۔

یا اس لیے کہ وہ عہد شکنی، جو بنی بکر کی معاونت سے بعض مشرکین نے کی (جبکہ بعض اپنے عہد پر برقرار رہے) اس کا حکم ان کی آل اولاد کی طرف منتقل نہ ہوا۔

اس امر کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بجز بنو بکر اور دیگر چند افراد کے، جن کی تعداد کم و بیش دس تھی اور جنہوں نے عہد شکنی کر کے بنو خزاعہ کے لوگوں کو قتل کیا تھا، سب اہل مکہ کو امان عطا فرمائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے عہد شکنوں اور مبیح الدم کام کرنے والوں اور عہد کی پاسداری کرنے والوں کے درمیان فرق قائم فرمایا۔ بہر حال آپ ﷺ نے مذکورہ بالا عورتوں کو عام جنگ یا عہد شکنی کی بنا پر قتل نہیں فرمایا بلکہ ان کا خصوصی جرم گستاخانہ کلمات تھے جن کی وجہ سے ایک معاہد عہد شکن قرار پاتا ہے خواہ اس کی طرف عہد شکنی کی نسبت کی جائے یا نہ کی جائے۔

نتیجہ:

یہ بات حاشیۂ خیال میں رہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی عورتوں مثلاً یہودیہ، اُم ولد، اور عصماء کے قتل کا جو ذکر ہوا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو کہ وہ معاہدین سے تعلق رکھتی تھیں، تو اس سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال کرنا جائز ہے کیونکہ ہر وہ فعل جس سے غیر مسلم عورت اور غیر معاہدہ عورت کا قتل جائز ہے تو ایسے فعل سے معاہد عورت کا قتل زیادہ مناسب اور صحیح ہے، وجہ یہ ہے کہ ذمی عورت کو قتل کرنے کی وجوہات غیر ذمیہ کے قتل سے زیادہ وسیع ہیں۔

اس استدلال پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی شان میں بکواس کرنے والی عورت کے متعلق ہے۔

آپ نے فرمایا

مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي — میرے دشمن کو کون سنبھالتا ہے؟

تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جا کر اسے قتل کر دیا۔

قصہ ابنِ اخطل

حدیث یاز دہم:

بعض علماء نے مسئلہ زیرِ بحث پر ابنِ اخطل کے قصہ سے استدلال کیا ہے صحیحین میں بحوالہ امام زہری، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر مغفر (خود) تھا، جب آپ نے اتارا تو اس شخص نے آ کر عرض کیا، ابنِ اخطل کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا ہے، فرمایا ''اسے قتل کر دو'' یہ روایت درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی ہے، علماء نے اسے نقل کر کے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا، اور یہ کہ اسے قتل کیا گیا۔

اس سے پہلے حضرت ابنِ مسیب کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو برزہ ابنِ اخطل کے پاس پہنچے، وہ کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا تو انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔

واقدی نے حضرت ابو برزہ سے اسی طرح نقل کیا، ان کا بیان ہے کہ آیۂ کریمہ

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔(البلد:۱،۲) — میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔

میں نے اسے کعبہ شریف کے پردوں سے نکالا اور رکن اور مقام کے درمیان اس کی گردن ماردی۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ ابنِ اخطل مکہ شریف کے بالائی حصہ سے لوہے میں غرق آیا، پھر نکل کر خندمہ پہاڑ کی طرف گیا، اور مسلمانوں کی سپاہ اور جنگ کا مشاہدہ کیا، اس سے اس پر رعب طاری ہو گیا یہاں تک کہ اس کا لرزہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ پھر کعبہ شریف کی طرف چلا، وہاں گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے ہتھیار پھینک کر کعبہ شریف کے اندر داخل ہو گیا اور پردوں میں چھپ گیا۔

قبل ازیں اہلِ مغازی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقات کا عامل مقرر فرمایا اور اس کے ساتھ ایک شخص بھیجا جو اس کی خدمت بجالاتا تھا۔ اس کے بروقت کھانا نہ تیار کرنے کی وجہ سے طیش میں آ گیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ بوجہ خوف قتلِ مرتد ہو گیا اور صدقات کے جانور بھی ہانک کر لے گیا، مزید برآں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو یہ اشعار کہتا اور اپنی باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیتا تھا، پس یہ ہیں اس کے تین جرائم جو اس کے خون کو مباح قرار دیتے ہیں (یعنی) ۱۔قتلِ نفس، ۲۔ارتداد، ۳۔اور ہجو گوئی۔

اس قصہ سے استدلال کرنے والے علماء کہتے ہیں کہ ابنِ اخطل قتلِ نفس کے بدلے میں قتل نہیں ہوا، کیونکہ بے گناہ قتل کرنے اور مرتد ہو جانے کی زیادہ سے زیادہ یہی سزا ہے کہ اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے، جبکہ اس کے ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا جس کے اولیاء موجود تھے اگر اس کے قتل کا حکم قصاص کے طور پر ہوتا تو اسے مقتول کے اولیاء کے حوالے کیا

جاتا، پھر وہ چاہتے تو اسے قتل کر دیتے یا معاف کر دیتے یا پھر دیت لے کر چھوڑ دیتے۔

اسے مجرد ارتداد کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا گیا کیونکہ مرتد سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، وہ مہلت مانگے تو اسے مہلت دی جاتی ہے جبکہ ابنِ اخطل کی تو یہ حالت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کی پناہ لینے کے لیے بھاگا۔ اس نے امان کی خواستگاری کی، قتال ترک کیا اور اسلحہ پھینک دیا تاکہ حضور اس کے معاملہ میں غور فرمائیں، مگر نبی اکرم ﷺ نے ان تمام حقائق سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا یہ مجرد ارتداد کی بنیاد پر قتل کرنے کا انداز نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے قتل میں اس قدر سختی دراصل گستاخانہ کلمات اور ہجو کی وجہ سے تھی۔

گستاخ اگرچہ ارتداد بھی اختیار کرے تو وہ مرتد محض نہیں، اسے مطالبہ توبہ سے پہلے قتل کر دیا جائے اور قتل میں تاخیر نہ کی جائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کے بعد اسے (گستاخ کو) قتل کرنا جائز ہے۔

قصہ ابنِ اخطل کے نتائج:

فقہاء کی ایک جماعت نے ابنِ اخطل کے قصہ سے یہ دلیل لی ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے وہ اس جرم کی پاداش میں قتل کیا جائے خواہ تجدید اسلام کرے۔

ان فقہاء کے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابنِ اخطل حربی تھا اس وجہ سے مارا گیا، مگر صحیح یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور علمائے سیرت کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، اسے توبہ کے مطالبہ کے بغیر قتل کیا گیا حالانکہ اس نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا اور قیدی کی طرح پیغامِ صلح دے دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ارتداد اور گستاخی کے مرتکب کو بلا استتابہ (توبہ کا مطالبہ کیے بغیر) قتل کر دیا جائے بخلاف اس شخص کے جو صرف ارتداد کا مرتکب ہو۔

اس استنباط کی تائید حضور کے اس طرزِ عمل سے ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے عظیم موقع پر تمام محاربین کو امان عطا فرمائی سوائے ان چند افراد کے جن کے جرائم خاص نوعیت کے تھے۔ ابنِ اخطل بھی انہی میں شامل تھا حضور نے جن کا خون رائیگاں ٹھہرایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ مجرد کفر اور حراب کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا۔

حدیثِ دوازدہم:

نبی اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو گستاخی کے جرم میں قتل کرنے کا حکم دیا جبکہ ایک گروہ کو بالفعل قتل کیا گیا، حالانکہ ان کی طرح دیگر حربی کافروں کو کچھ نہیں کہا گیا، قبل ازیں حضرت ابن المسیب سے نقل کیا جا چکا کہ نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے روز ابنِ زبعری کو قتل کرنے کا حکم دیا، ابن المسیب کی مرسل روایات انتہائی عمدہ ہوتی ہیں، اس لیے اگر بعض اہلِ مغازی انہیں نقل نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اہلِ مغازی کا امان سے مستثنیٰ لوگوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے اور ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق خبر دی ہے، اور (کلیہ یہ ہے کہ مثبت نافی پر راجح ہوتی ہے اس لیے) جو کسی چیز کا ذکر کر کے اثبات کریں ان کا قول اثبات نہ کرنے والوں پر حجت ہے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا۔

"جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس ہو کر مدینہ شریف آئے تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خبر دیتے ہوئے لکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان لوگوں کو قتل کرا دیا جنہوں نے آپ کی ہجو کی اور آپ ﷺ کو اذیت پہنچائی، اور قریش کے شعراء میں سے ابن زبعری اور ہبیرہ بن وہب بچ گئے وہ ادھر ادھر بھاگ گئے۔"

اس روایت میں وضاحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہر اس شاعر کو قتل کرنے کا حکم دیا جو بارگاہِ رسالت میں گستاخی اور اذیت کا مرتکب ہوتا تھا، مثلاً ابنِ زبعری وغیرہ۔

ابنِ الزبعری:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ابنِ زبعری کا یہی جرم تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شدید زبانی عداوت رکھتا تھا، وہ بہت بڑا شاعر تھا اور ہجو گوئی میں شعرائے اسلام مثلاً حضرت حسان اور کعب بن مالک سے مقابلہ کرتا تھا، دیگر جرائم میں بہت سے قریش اس کے برابر یا اس سے بڑھے ہوئے تھے۔

ابنِ زبعری نجران کی طرف بھاگ گیا تھا پھر مسلمان ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا حالانکہ توبہ اور عذر خواہی میں اس نے بہترین اشعار کہے تھے، باوجودیکہ حضور نے دیگر تمام اہلِ مکہ کو امان عطا فرمائی سوائے اس شخص کے جس کا جرم ابنِ زبعری کے جرم جیسا تھا۔

ابوسفیان ابنِ حارث:

جن لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا گیا ان میں ایک ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی تھا، اس کی ہجو گوئی، پھر بارگاہِ رسالت میں مسلمان ہو کر آنے اور حضورِ انور ﷺ کا اس سے بے رخی فرمانے کا قصہ بہت مشہور ہے۔

"ابوسفیان بن حارث نبی اکرم ﷺ کا رضاعی بھائی تھا، حضرت حلیمہ سعدیہ نے اسے چند روز دودھ پلایا، وہ آپ ﷺ کا ہم عمر اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والا تھا مگر جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کا بدترین دشمن بن گیا، اسی وجہ سے وہ شعب ابی طالب میں محصور بھی نہ ہوا تھا، وہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہتا رہتا تھا۔"

واقدی آگے چل کر کہتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اسلام کی عظمت راسخ کر دی تو کہنے لگا اب میں کس کا ساتھ دوں؟ اسلام تو اپنے قدم جما چکا ہے، اس کا بیان ہے کہ پھر بیوی بچوں کے پاس آیا اور کہا تیاری کرو اب بارگاہِ رسالت میں حاضری کا وقت آ گیا ہے وہ کہنے لگے ہاں وہ گھڑی آ پہنچی ہے کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی نصرت و حمایت کرو، عرب و عجم ان کی غلامی میں آ چکا ہے اور تم ان کی دشمنی میں بھاگ دوڑ کر رہے ہو، حالانکہ تمہارے لائق تو یہ تھا کہ سب لوگوں سے زیادہ تم ان کی مدد کرتے، میں نے اپنے لڑکے سے کہا، فوراً اونٹ اور گھوڑے تیار کرو۔"

وہ کہتا ہے اس کے بعد ہم چل پڑے یہاں تک ابواء کے مقام پر پڑاؤ کیا ادھر رسول اللہ ﷺ کی بھی ابواء میں آمد تھی۔ تو

مجھے خوف ہوا کہ کہیں قتل نہ کر دیا جاؤں، کیونکہ حضور نے میرا خون ہدر قرار دے رکھا ہے، پس جس صبح حضور ابواء میں تشریف فرما ہوئے میں نے اپنے بیٹے جعفر کو پیچھے آنے کے لیے کہا اور تقریباً ایک میل چلے کہ لوگوں کے گروہ در گروہ آنے لگے، میں صحابہ کرام کے خوف سے ایک طرف ہٹ گیا، پھر جب حضور انور کا جلوس سامنے آیا تو اچانک حضور کے سامنے آ گیا، آپ ﷺ نے آنکھ بھر کر مجھے دیکھا پھر اعراض فرمالیا، میں پھر کر دوسری طرف سے آیا تو حضور نے پھر رُخِ انور پھیر لیا، جب ایسا کئی بار ہوا تو مجھے لوگوں نے اپنے نرغے میں لے لیا، میں نے دل ہی دل میں کہا، اب تو حضور تک رسائی سے پہلے مارا گیا، پھر حضور ﷺ کے احسانات رحمت اور رشتہ داری کو یاد کرنے لگا، مجھے ذرا بھی شک نہ تھا کہ میرے اسلام لانے سے حضور کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت خوشی ہوگی، کیونکہ میں حضور کا رشتہ دار تھا، مگر جب مسلمانوں نے مجھ سے حضور کی بے رخی دیکھی تو وہ سب بھی مجھ سے بے رخی کا مظاہرہ کرنے لگے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے منہ پھیر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی وہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسا رہے تھے۔ جو میرے درپے آزار ہو کر کہنے لگا اے دشمنِ خدا! تو تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت دیتا تھا، اور دشمنی کی انتہاء کو پہنچ گیا تھا' میں نے اپنا کچھ دفاع کرنے کی کوشش کی تو وہ دھینگا مشتی پر اتر آیا جس کی وجہ سے آواز بلند ہونے لگی، یہاں تک کہ اس نے مجھے لوگوں کے سامنے کھلونا بنالیا جس سے لوگ میرا ٹھٹھا بنانے لگے میں اپنے چچا عباس کے پاس آیا، میں نے کہا، عباس! مجھے تو امید تھی کہ حضور میرے اسلام لانے سے خوش ہوں گے کیونکہ میں آپ کا رشتہ دار اور قبیلوی شرف کا حامل ہوں مگر میرا تو وہ حشر ہوا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، اس لیے میرے متعلق بات کیجئے تاکہ حضور راضی ہو جائیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں بخدا میں تو یہ حشر دیکھ لینے کے بعد تمہارے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔ کیونکہ میں حضور کا بہت زیادہ احترام کرتا ہوں اور رعب کی وجہ سے بات نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا، چچا جان! پھر آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا معاملہ ایسا ہی ہے (جس طرح بیان کر چکا ہوں) پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے بات کی مگر انہوں نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔

ابوسفیان کا بیان ہے:

''اس کے بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کے پڑاؤ کے سامنے ڈیرہ ڈال لیا یہاں تک کہ آپ جحفہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت حالت یہ تھی کہ حضور مجھ سے کلام کرتے نہ مسلمانوں میں سے کوئی بات کرتا، پھر حضور جس مقام پر اترتے میں خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ جاتا اور میرا بیٹا جعفر میرے ساتھ ہوتا، مگر حضور ﷺ مجھے اس حالت میں دیکھ کر رُخِ انور پھیر لیتے، یہ سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ فتحِ مکہ کے وقت بھی میں اس لشکر میں شامل تھا جو حضور کے ہمرکاب تھا یہاں تک کہ آپ اذاخر کے مقام سے اتر کر ابطح میں تشریف فرما ہوئے، وہاں آپ ﷺ نے میری طرف کچھ لطف کی نظر سے دیکھا تو مجھے امید ہوئی کہ حضور تبسم فرمائیں گے اس وقت بنو عبدالمطلب کی عورتیں آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، میری عورت بھی ان کے ساتھ اندر چلی گئی اور میرے متعلق آپ ﷺ کو نرم کرنے کی کوشش کرنے لگی، بعدازاں آپ مسجد کی طرف نکلے میں بھی سائے کی طرح ساتھ تھا، یہاں تک کہ آپ بنو ہوازن کی طرف روانہ ہوئے

تو اس وقت بھی ساتھ تھا، (یہاں واقدی نے ہوازن کے ساتھ رونما ہونے والے واقعے کا ذکر کیا جو کہ بہت مشہور قصہ ہے)‘‘

واقدی کہتے ہیں،

’’میں نے ابوسفیان بن حارث کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ایک اور حوالے سے بھی سنا ہے، اس میں ابوسفیان نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے میری ملاقات ثنیۃ العقاب کے مقام پر ہوئی، پھر وہ واقعہ نقل کیا جو محمد بن اسحاق نے تحریر کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں،

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ثنیۃ العقاب کے مقام پر حضورِ اقدس ﷺ سے ملے اور باریابی کی درخواست کی، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کی سفارش کرتے ہوئے عرض کی یارسول اللہ! یہ آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، آپ نے فرمایا مجھے ان کی ضرورت نہیں، میرے چچازاد (ابوسفیان) نے میری توہین کی جبکہ میرے پھوپھی زاد اور داماد نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے انتہائی نامناسب اور ناسزا باتیں کہیں۔

جب ان دونوں کو نبی اکرم ﷺ کی اس گفتگو کی خبر پہنچی تو ابوسفیان جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا، نے کہا، خدا کی قسم یا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا میں بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور وہیں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو دل میں ان کے متعلق نرمی پیدا ہوئی اور اجازت عطا فرمائی پس وہ دونوں بارگاہِ رسالت میں باریاب ہوئے، اور ابوسفیان نے اسلام لانے اور معذرت پیش کرنے کے لیے یہ اشعار پڑھے۔

لعمرك انی یوم احمل رایة	تیری زندگی کی قسم جس وقت میں کفر کا جھنڈا اٹھا کر اس بات
لتغلب خیل اللات خیل محمد	کے لیے کوشاں تھا کہ لات کے سپاہی محمد ﷺ کے سواروں
لکا لمدلج الحیران اظلم لیله	پر غالب آ جائیں تو اس وقت میں اس شخص کی مانند تھا
فھذا اوانی حین اھدی واھتدی ۔	جو گھپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اور

اب یہ حالت ہے کہ مجھے راستے پر لگا دیا گیا ہے اور میں راہِ راست پر آ گیا ہوں۔

هَدَانِي هَادٍ غَيْرُ نَفْسِيْ وَدَلَّنِيْ عَلَى اللهِ مَنْ طَرَدْتُ كُلَّ مُطَرَّدٍ ۔	میرے نفس نے نہیں بلکہ ایک ہادی اور رہنما نے میری رہنمائی کی، جس کو میں دور کرتا تھا اسی نے مجھے اللہ سے ملا دیا۔

ابن اسحاق نے یہاں قصیدے کے دیگر اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

واقدی کی روایت میں ہے

’’ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں نے بارگاہِ رسالت میں باریابی کی اجازت مانگی مگر حضور نے انکار کر دیا، اس معاملہ میں حضرت اُم سلمہ زوجہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گفتگو کی اور عرض کیا: یارسول اللہ! ایک آپ کا داماد اور پھوپھی کا بیٹا ہے جبکہ دوسرا چچازاد اور رضاعی بھائی ہے اللہ تعالیٰ انہیں مسلمان کر کے لایا ہے یہاں سے دھتکارے گئے تو کہیں سب لوگوں سے زیادہ

بد بخت نہ ہو جائیں، فرمایا، مجھے ان کی ضرورت نہیں، تمہارے بھائی نے مکہ مکرمہ میں کہا تھا کہ اگر میں آسمان پر بھی چڑھ جاؤں تو وہ محمد پر ایمان نہیں لائے گا۔" حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ آپ کی قوم کا ایک فرد ہے، سب قریشیوں نے ایسی باتیں کی ہیں، اوران کے بارے میں قرآن کی آیتیں بھی اتری ہیں، اور آپ نے ان سے بڑے مجرموں کو معاف بھی فرمادیا ہے یہ تو آپ کا چچازاد ہے آپ کی اس سے قریبی رشتہ داری ہے اس لیے سب لوگوں سے زیادہ آپ اس کے جرم کو معاف کر دینے کے حقدار ہیں، یہ سن کر حضور نے فرمایا اس نے میری ہتکِ عزت کی اس لیے مجھے ان کی ضرورت نہیں، اس بات کی ان دونوں تک خبر پہنچی تو ابوسفیان نے کہا، یا تو حضور میری عذر خواہی قبول فرمائیں گے یا میں اپنے اس بیٹے جو میرے ساتھ ہے، کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا، یارسول اللہ آپ تو سب لوگوں سے زیادہ حلیم اور کریم ہیں، میرا آپ کے ساتھ خونی رشتہ بھی ہے"، رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو دل بھر آیا۔

عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا یارسول اللہ! میں تو آپ کی تصدیق کی غرض سے آیا تھا، میرا آپ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہے اور آپ میرے سسر بھی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس معاملہ میں سفارش کی تو ان دونوں کے لیے حضور کے دل میں نرمی پیدا ہوگئی چنانچہ آپ نے انہیں بارگاہِ رسالت میں حاضری کا اذن عطا فرمایا، تو انہوں نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا پھر ان کے اسلام میں حسن پیدا ہو گیا۔

عبداللہ بن ابی امیہ طائف میں قتل ہوئے جبکہ ابوسفیان کا وصال مدینہ منورہ میں خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں ہوا، اس وقت ان پر کسی قسم کا طعن باقی نہ تھا، حالانکہ حضور ملاقات سے پہلے ان کا خون رائیگاں قرار دے چکے تھے۔

وجہ دلالت:

قصہ مذکورہ سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث کا خون رائیگاں قرار دیا جبکہ دوسرے مشرک سرداروں کا جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مدِمقابل ہاتھ مال سے جدوجہد کی تھی، خون رائیگاں نہ ٹھہرایا اور مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے وقت ان کا خون بہانے کا ارادہ نہ فرمایا بلکہ نرمی اور لطف وکرم سے انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے لگے، ابوسفیان کا خون رائیگاں قرار دینے کا بجز ہجوگوئی کے اور کوئی سبب نہ تھا۔ پھر جب مسلمان ہو کر آیا تو آپ نے اس سے شدید بے رخی کا اظہار فرمایا، حالانکہ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ دور کے لوگوں کو بھی محبت سے اسلام کی طرف مائل فرماتے تھے، پھر کیا وجہ تھی کہ آپ نے ایک انتہائی قریبی رشتہ دار کو دھتکار دیا؟ اس کا ایک ہی سبب تھا کہ ابوسفیان نے آپ کی توہین کی تھی جیسا کہ حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔

حویرث بن نقید کا قصہ

اس دعویٰ کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے روز حویرث بن نقید کو قتل کرنے کا حکم دیا، یہ علمائے سیرت کے نزدیک بہت مشہور ہے، اسے موسیٰ بن عقبہ نے بحوالہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا، موسیٰ بن عقبہ کی مغازی اصح المغازی ہے، امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے،

’’جسے پسند ہو کہ غزوات قلمبند کرے وہ مردِ صالح موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی طرف رجوع کرے۔‘‘

موسیٰ بن عقبہ نے فرمایا

’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت حکم دیا کہ کسی سے تعرض نہ کیا جائے سوائے ان لوگوں کے جو مقابلہ کے لیے نکلیں، البتہ آپ نے چار آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ان میں ایک حویرث بن نقید بھی تھا۔‘‘

سعد بن یحییٰ اموی اپنی مغازی میں لکھتے ہیں

’’مجھے میرے والد نے بتایا کہ محمد بن اسحاق نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سپاہیوں کو ذمہ داری سونپی کہ چند افراد کو قتل کر دیں خواہ کعبہ شریف کے پردوں کے نیچے چھپے ہوں، ان کے اسماء حسب ذیل ہیں عبداللہ بن ابی سرح، عبداللہ بن اخطل، حویرث بن نقید، مقیس بن حبابہ اور بنو تمیم کا ایک شخص۔‘‘

ابنِ اسحاق کہتے ہیں

’’مجھے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار نے بتایا کہ وہ چھ تھے، پھر دو آدمیوں کے نام پوشیدہ رکھے اس کا خیال تھا کہ ان میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا۔‘‘

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ

’’حویرث بن نقید کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا‘‘، ابنِ اسحاق نے ابنِ بکیر اور دیگر مؤرخین کے حوالے سے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ جن چھ افراد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا خواہ وہ کعبہ کے پردوں تلے چھپے ہوں ان میں ایک حویرث بن نقید بھی تھا یہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتا تھا۔

واقدی اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہیں،

’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے بعد قتل و غارت سے منع فرما دیا تھا سوائے چھ مردوں اور چار عورتوں کے، مردوں میں عکرمہ بن ابوجہل ہبار بن اسود، عبداللہ بن ابی سرح، مقیس بن حبابہ، حویرث بن نقید اور عبداللہ بن اخطل شامل تھے۔‘‘

حویرث بن نقید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتا تھا اس لیے آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا، فتحِ مکہ کے روز اس نے دروازہ بند کر لیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے متعلق پوچھنے کے لیے تشریف لائے تو بتایا گیا کہ وہ جنگل میں ہے، پھر حویرث کو خبر ملی کہ اس کی تلاش ہو رہی ہے ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ دروازے سے ہٹ کر اوٹ میں کھڑے ہو گئے، تو حویرث گھر سے بھاگنے کے لیے نکلا، آپ نے اسے جا لیا اور قتل کر دیا۔

ایک حدیثی فائدہ:

اس قسم کے قصے جو امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، ابنِ اسحاق واقدی اور اموی جیسے مؤرخین کے ہاں مشہور ہیں، یہ اکثر مرسل روایات پر مبنی ہیں اور مرسل روایت جب مختلف جہات سے مروی ہو خصوصاً جب اہلِ فن بیان کر رہے ہوں اور اس کی تابع روایات

بھی ہوں تو وہ مرسل روایت مسند کا درجہ حاصل کر لیتی ہے بلکہ اہلِ مغازی کے نزدیک مشہور و مستفیض واقعات اسنادِ واحد کے ذریعے مروی روایات سے زیادہ قوی ہوتے ہیں، اور اس بات سے کمزور نہیں ہوتے کہ انہیں حدیث ماثورہ میں سعد اور عمرو بن شعیب سے نقل نہیں کیا گیا کیونکہ مثبت روایت نافی پر مقدم ہے، اور جن علماء نے بیان کیا کہ حضور نے حویرث کو قتل کرنے کا حکم دیا وہ زیادہ علم کے حامل ہیں، ہوسکتا ہے کہ حضور نے پہلے اس کا نام نہ لیا ہو بعد میں قتل کرنے کا حکم دیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے سوائے چار افراد کے کسی کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا ہو پھر ان کے قتل کا حکم جاری فرمایا ہو، اور نبی اکرم ﷺ کا صرف قتال سے منع کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ جس شخص کو قتل نہیں کیا گیا وہ معصوم الدم ہے، بلکہ اس کے معصوم الدم ہونے کا سبب وہ امان ہے جو حضور نے اسے عطا فرمائی، حویرث کو قتل کرنے کا حکم حضور نے اس لیے جاری فرمایا تھا، کہ اس نے حضور کو اذیت دی تھی حالانکہ حضور نے شہرِ مکہ کے ان تمام باشندوں کو امان عطا فرمائی جو آپ ﷺ اور صحابہ کرام سے لڑے اور ان کے ساتھ بہت برا طرزِ عمل اختیار فرمایا۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا قتل

جب حضور بدر سے مدینہ منورہ لوٹے تو نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا اور ان کے سوا بدر کے قیدیوں کو قتل نہیں کیا، ان دونوں مقتولوں کا قصہ بھی بہت مشہور ہے۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں، ''بدر کے قیدیوں میں عقبہ ابنِ ابی معیط اور نضر بن حارث تھے، جب رسول اللہ ﷺ صفراء کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، پھر حضور چلے جب عرق طیبہ پر خیمہ زن ہوئے تو عقبہ بن ابی معیط کو ٹھکانے لگایا اسے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

موسیٰ بن عقبہ امام زہری سے نقل کرتے ہیں

> ''عقبہ بن ابی معیط کے علاوہ کسی کو باندھ کر قتل نہیں کیا گیا اسے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، جب اس نے عاصم کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو قریش کو مدد کے لیے پکارا، اور کہا اے گروہِ قریش!''میں تمہاری موجودگی میں کیونکر قتل کیا جا رہا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا'' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دشمنی کی وجہ سے۔''

محمد بن عائذ نے مغازی میں یہ واقعہ اسی طرح ذکر کیا ہے صرف عقبہ کو باندھ کر قتل کرنے کا قول شاید اس وجہ سے ہے کہ اسے بدر کے قریب مقام صفراء میں قتل کیا گیا اس لیے اسے قیدیوں میں شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا قتل قریش کی قتل گاہوں کے قریب ہوا ورنہ اس میں اختلاف نہیں کہ نضر اور عقبہ دونوں قید ہونے کے بعد قتل ہوئے۔

بزار حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط نے قریش کو پکار کر کہا ''اے گروہِ قریش! مجھے تمہارے درمیان کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ تو حضور نے فرمایا'' تو نے رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے۔''

واقدی کہتے ہیں،

نضر بن حارث کو حضرت مقداد بن اسود نے قید کیا تھا، حضور جب بدر سے چل کر اثیل کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو

قیدیوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ ﷺ نے نضر بن حارث کی طرف دیکھا آپ کی آنکھوں میں قہر کی بجلیاں چمک رہی تھیں، اس نے اپنے ساتھ کے شخص سے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے قتل کرنے والے ہیں کیونکہ آپ نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا ہے جس میں موت کے آثار جلوہ گر ہیں، اس شخص نے جواب دیا "بخدا یہ تو رعب کا اثر ہے" پھر نضر نے حضرت مسعب بن عمیر سے کہا مصعب! تم تو میرے بہت قریبی رشتہ دار ہو، اپنے آقا سے بات کرو کہ میرے ساتھ میرے ساتھیوں جیسا سلوک کریں واللہ آپ مجھے قتل کرنے والے ہیں" حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہتا تھا، کہنے لگا اے مصعب اگر میں قتل کر دیا گیا تو مجھے میرے ساتھیوں کی طرح کر دیں اگر ان پر احسان کریں تو مجھ پر بھی احسان کر دیں۔ حضرت مصعب نے فرمایا تو تو اصحابِ رسول ﷺ کو ستایا کرتا تھا واقدی نے اس کے بعد پورا واقعہ لکھنے کے بعد بیان کیا، "کہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندھ کر تلوار سے قتل کر دیا۔

واقدی ہی کا بیان ہے کہ

"قریش کے قیدی عرق طبیہ کے مقام پر نبی اکرم ﷺ کے حضور پیش کیے گئے، تو آپ ﷺ نے عاصم بن ثابت کو حکم دیا کہ عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماردیں، اس پر عقبہ چلانے لگا اور کہنے لگا "ہائے میری بربادی مجھے کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ اے قریش تمہارے سامنے ایسا ہو رہا ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تیری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے" کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا احسان کرنا افضل ہے، میرے ساتھ میری قوم کے لوگوں کی طرح سلوک کریں اگر انہیں قتل کریں تو مجھے بھی قتل کر دیں اور اگر ان پر احسان کرتے ہیں تو مجھ پر احسان فرمایئے، اور اگر ان سے فدیہ قبول کرتے ہیں تو میں بھی ان کی مانند ہوں، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بچی کا کون کفیل ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا "آگ" پھر حکم دیا عاصم! آگے بڑھ کر اس کی گردن ماردو" چنانچہ عاصم بن ثابت نے اس کا سر اڑا دیا، اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا "تو بہت برا آدمی تھا" بخدا میرے علم میں تجھ سے بڑھ کر کوئی کافر جو اللہ تعالیٰ اس کی کتاب اور اس کے رسول کا منکر ہو، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ اذیت دینے والا نہیں، میں اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاتا ہوں جس نے تجھے قتل کیا اور تیرے قتل سے میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔

قصہ نضر وعقبہ سے استدلال کی وجہ:

اس قصہ میں تصریح ہے کہ تمام قیدیوں میں سے صرف نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا سبب وہ اذیت ہے جو وہ زبان یا فعل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں نضر بن حارث کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں وہ مشہور و معروف ہیں، ابن ابی معیط کا زبان اور ہاتھ سے اذیت دینے کا معاملہ بھی بہت مشہور ہے اس بدبخت نے نبی اکرم ﷺ کے قتل کے ارادے سے آپ کی ردائے مبارک کھینچ کر گلا گھوٹنے کی کوشش کی نیز حالت سجدہ میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اوجھڑی ڈال دی، اس طرح کی اس کی اور بھی حرکتیں تھیں،

اسی اذیت ناک طرزِ عمل اور ہرزہ سرائی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد قریش اور دیگر قبائل عرب کے

گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کی مثال مشہور شاعر کعب بن زہیر اور دیگر افراد ہیں۔

قصہ کعب بن زہیر:

اموی کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے بحوالہ ابنِ اسحاق بتایا، یونس بن بکیر اور بکائی وغیرہ علمائے مغازی نے بھی ابنِ اسحاق سے نقل کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ غزوہ طائف کے بعد مدینہ شریف لوٹے تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا اور خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان گستاخوں کے قتل کا حکم صادر فرما دیا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو اذیت دی اور ہجو کی، یونس اور بکائی کے الفاظ ہیں کہ

نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان افراد کو قتل کرا دیا ہے جو آپ ﷺ کی ہجو گوئی کرتے اور آپ کو اذیت دیتے تھے، اب شعرائے قریش میں سے ابنِ زبعری اور ھبیرہ بن ابی وھب باقی ہیں جو راہِ فرار اختیار کر چکے ہیں، اگر تم (خلاصی کی) خواہش رکھتے ہو تو اڑ کر بارگاہِ رسالت میں پہنچو، کیونکہ حضور اس شخص کو قتل نہیں کرتے جو تائب ہو کر آپ کی خدمتِ اقدس میں آ جائے، اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے بچنے کی تدبیر کرو اور جہاں پناہ ملے چلے جاؤ، اس سے پہلے کعب نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق حسبِ ذیل توہین آمیز اشعار کہے تھے۔

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّيْ بُجَيْرًا رِسَالَةً ... فَهَلْ لَّكَ فِيْمَا قُلْتَ وَيْحَكَ هَلْ لَكَا

لِتُخْبِرَنِيْ إِنْ كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ ... عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ غَيْرَ ذٰلِكَ دُلَّكَا

عَلٰى خُلُقٍ لَّمْ تَلْقَ يَوْمًا أَبًا لَّهُ ... عَلَيْهِ، وَلَمْ تَعْرِفْ عَلَيْهِ أَبَالَكَا

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِفَاعِلٍ ... وَّلَا قَائِلٍ إِمَّا عَثَرْتَ لَكَا

سَقَاكَ بِهَا الْمَأْمُوْنُ كَأْسًا رَوِيَّةً ... فَأَنْهَلَكَ الْمَأْمُوْنُ مِنْهَا وَعَلَّكَا

ترجمہ اشعار: میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو اور پوچھو جو کچھ تو نے کہا کیا وہ تیری ہی بات ہے؟ مجھے بتا کر اگر تو اپنے قدیم دین پر نہیں رہنا چاہتا تو تجھے اس کے علاوہ دین پر کس چیز نے رہنمائی کی ایسے طرزِ عمل کی طرف، اگر تو ایسا نہیں کرنا چاہتا تو میں افسوس کا اظہار نہیں کرتا اور کچھ نہیں کہتا اگر تو ٹھوکر کھائے تو اللہ تجھے معاف کرے تجھے مامون (امین محمد) نے اس کا پیالہ خوب سیراب کر کے پلایا ہے اور بار بار پلایا ہے۔

کعب نے نبی اکرم ﷺ کو ان اشعار میں مامون اس لیے کہا کہ قریش آپ ﷺ کو "امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔

جب کعب کو اپنے بھائی کا خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اسے جان کے لالے پڑ گئے، اور اس کے دشمنوں نے اس کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیں وہ کہنے لگے "کعب اب قتل ہو جائے گا" جب اسے کوئی چارہ کار نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ کی مدح و توصیف پر مشتمل ایک قصیدہ کہا، جس میں اپنے خوف اور دشمنوں کی چہ مگوئیوں کا ذکر کیا پھر چل پڑا اور مدینہ منورہ آ گیا وہاں وہ بنو جہینہ کے ایک شخص کے ہاں ٹھہرا جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی، وہ آدمی اسے صبح سویرے نماز کے وقت بارگاہِ رسالت میں لے آیا، جب حضور لوگوں کو نماز پڑھا چکے تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہ رسول

اللہ ہیں اٹھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، چنانچہ اس نے اٹھ کر اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس میں دے دیا، رسول اللہ ﷺ اس کو پہچانتے نہ تھے، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ سے امان کی بھیک مانگتا ہے، اگر میں اس کو لے آؤں تو کیا آپ اس کی توبہ اور دعویٰ اسلام قبول فرمالیں گے؟ فرمایا "ہاں" تو اس نے کہا: "یارسول اللہ میں کعب بن زہیر ہوں۔"

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ

"مجھے عاصم بن عمر نے بتایا کہ جب کعب نے کہا "یارسول اللہ میں کعب ہوں" تو ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑا اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس دشمنِ خدا کا سر قلم کر دوں، حضور نے فرمایا جانے دو یہ تائب ہو کر کفر سے نکل آیا ہے، اس پر انصاری کے اس طرزِ عمل پر کعب کو غصہ آیا اس نے اپنے قصیدے میں مہاجرین کی تعریف کی (مگر انصار کا ذکر نہ کیا) کیونکہ مہاجرین کا ہر فرد اس کے حق میں کلمۂ خیر کہتا تھا، پھر ابنِ سحاق" نے کعب کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کے اشعار پڑھے جس میں یہ اشعار بھی شامل تھے۔

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ اَوْعَدَنِیْ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ مَأْمُوْلُ ۔	مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی، لیکن بارگاہِ رسالت میں عفو و درگزر کی امید ہے۔
مَهْلًا هَدَاكَ الَّذِیْ اَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْفُرْقَانِ فِيْهِ مَوَاعِيْظُ وَتَفْصِيْلُ ۔	یارسول اللہ! ذرا ٹھہریئے آپ کو اس ذات نے ہدایت دی جس نے آپ کو فرقان یعنی قرآن عطا فرمایا جس میں نصیحتیں اور احکام کی تفصیل ہے۔
لَا تَاْخُذَنِّیْ بِاَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَلَمْ اُذْنِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِی الْاَقَاوِيْلُ ۔	چغل خوروں کی بات پر میری گرفت نہ فرمایئے خواہ وہ کتنی ہی باتیں میرے متعلق کیوں نہ کریں کیونکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا،

ایک اور روایت میں ہے کہ

جب کعب کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے رکھا ہے تو مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور مسجد نبوی میں آ کر قصیدہ پڑھا، تو اسے بتایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان لوگوں کا خون مباح قرار دیا ہے، جنہوں نے ہجو گوئی کی اور آپ کو اذیت دی یہاں تک کہ ان میں کچھ بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعدازاں ابن زبعری مسلمان اور تائب ہو کر واپس آ گیا، جبکہ ہبیرہ نجران ہی میں قیام پذیر رہا تا آنکہ حالتِ کفر و شرک ہی پر مر گیا، نبی اکرم ﷺ نے ہجو گوئی کی وجہ سے کعب کا خون بھی رائیگاں ٹھہرایا مگر اس کی ہجو زیادہ بلیغ نہ تھی، اس کی ہجو گوئی کا مقصد یہ تھا کہ دینِ اسلام میں طعن کرے اور اس میں عیب نکالے اور حضور کے پیغام پر نکتہ چینی کرے پھر قابو میں آنے سے پہلے ہی تائب ہو گیا اور مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا وہ حربی تھا اس کے باوجود اس نے عفو و درگزر کی درخواست کی اور کہا

لا تاخذنی باقوال الوشاة ولم اذنب

چغل خوروں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمائیے کیونکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔

گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سزائے قتل کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ بڑے اہتمام کے ساتھ اس شخص کے قتل کی طرف توجہ دیتے تھے جو آپ کی ہجو گوئی کرتا، آپ ﷺ فرماتے:

مَنْ يَكْفِينِيْ عُدُوِّيْ ۔ میرے دشمن کے معاملہ میں کون میری کفایت کرتا ہے۔

سعد بن یحییٰ بن سعید اموی اپنی مغازی میں لکھتے ہیں

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دیں، تو آپ نے فرمایا

مَنْ يَكْفِينِيْ عُدُوِّيْ ۔ میرے اس دشمن کو کون ٹھکانے لگاتا ہے؟

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں بعدازاں حضور اکرم ﷺ نے اس کا چھینا ہوا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا ہے جہاں یاسر نامی شخص کو قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کو عبدالرزاق نے بھی روایت کیا۔

ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص نے شانِ رسالت میں ہرزہ سرائی کی تو حضور نے فرمایا میرے اس دشمن کا کام کون تمام کرتا ہے، حضرت خالد بن ولید نے عرض کیا: یارسول اللہ میں'' چنانچہ آپ نے انہیں اس شخص کی طرف بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

اصحابِ رسول ﷺ گستاخ کو قتل کر دیتے تھے

گستاخی کی اس سزا پر یہ حقیقت بھی دلالت کرتی ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ جب کسی کو سنتے کہ بارگاہِ رسالت میں یاوہ گوئی کر رہا ہے یا آپ ﷺ کو اذیت دے رہا ہے تو اسے قتل کر دیتے خواہ ان کا قریبی رشتہ دار ہوتا؟ حضور ان کے اس طرزِ عمل کو سراہتے اور اسے مقرر رکھتے۔ اور بعض اوقات ایسا کارنامہ سرانجام دینے والے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حامی قرار دیتے۔

ابو اسحاق فزاری اپنی سیرت کی مشہور کتاب میں بحوالہ حضرت سفیان ثوری نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری ملاقات میرے باپ سے ہوئی وہ مشرکین کے ایک گروہ میں تھا، میں نے سنا کہ وہ آپ کی شان میں ہرزہ سرائی کر رہا ہے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور نیزے کی نوک سے اسے قتل کر ڈالا مگر یہ بات حضور کی طبعِ نازک پر گراں نہ گزری۔''

مالک بن عمیر کہتے ہیں کہ ایک اور شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں اپنے باپ سے ملاوہ مشرکین کے حلقے میں تھا تو میں نے اس سے اعراض کیا تو یہ بات حضور پر ناگوار نہ گزری۔

اس روایت کو اموی اور دیگر مؤرخین نے بھی اس سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابو اسحاق فزاری ہی امام اوزاعی سے اور وہ حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت

جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب مشرکین کے مقابلہ میں صفیں ترتیب دیں تو ایک شخص نے مشرکین کی صفوں سے نکل کر نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں، پس لشکرِ اسلام میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا میں فلاں بن فلاں ہوں اور میری ماں فلاں عورت ہے تو مجھے اور میری ماں کو گالیاں دے لے مگر رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی سے باز رہ، اس سے وہ اور زیادہ برانگیختہ ہوا اور ہرزہ سرائی کا اعادہ کیا، اس مسلمان نے بھی دوبارہ یہی کلمات دہرائے، پھر تیسری بار کہا

''اگر تو نے اب کی بار بکواس کی تو اپنی تلوار سے تجھ کو چلتا کروں گا۔''

اس نے پھر بیہودہ گوئی کی تو اس مردِ مجاہد نے اس پر حملہ کردیا وہ پیٹھ دے کر بھاگا یہ اس کے تعاقب میں تھا یہاں تک کہ مشرکوں کی صفیں چیرتے ہوئے اسے تلوار سے زخمی کردیا، بعد میں مشرکوں نے اسے گھیر کر شہید کردیا، یہ منظر دیکھ کر حضور نے فرمایا،

اَعَجِبْتُمْ مَنْ رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ — کیا تمہیں اس مجاہد کے طرزِ عمل پر حیرانی ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت وحمایت کی۔

بعد ازاں وہ زخمی مشرک ٹھیک ہوگیا تو اسلام لے آیا، اسی وجہ سے اس کا نام ''رحیل'' پڑ گیا، اموی نے بھی اس قصہ کو نقل کیا ہے۔ قبل ازیں عمیر بن عدی کا قصہ گزر چکا ہے کہ جب عمیر کو اطلاع ملی کہ بنتِ مروان نبی اکرم ﷺ کو ستاتی ہے تو نذر مانی کہ اگر حضور بخیر وعافیت واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس گستاخ عورت کو قتل کردوں گا پھر حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر ہی اس کو قتل کردیا، اس پر حضور نے حسبِ ذیل تبصرہ فرمایا:

اِذَا اَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ بِالْغَیْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ۔ — اگر تمہیں پسند ہو کہ ایسے شخص کو دیکھو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی غیبی مدد کی تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔

اسی طرح یہودی عورت اور اُمِ ولد کا قصہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے ان کا خون رائیگاں قرار دیا کیونکہ وہ حضور کی شان میں ہرزہ سرائی کرتی تھیں، اس شخص کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے جس نے نذر مانی تھی کہ نبی اکرم ﷺ پر افتراء کے جرم میں عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کروں گا، اور حضور نے بھی عبداللہ بن ابی سرح کی بیعت سے پہلو تہی فرمائی تا کہ وہ شخص اٹھ کر اسے قتل کردے اور اپنی نذر پوری کرے۔

مومن جن کافر گستاخ جنوں کو قتل کر دیتے

ہجرت سے پہلے اور اذنِ جہاد ملنے سے قبل ایمان لانے والے جن کافر گستاخ جنوں کو قتل کر دیتے تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ ان کی تصویب فرماتے اور ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

بعد بن یحییٰ اموی اپنی مغازی میں فرماتے ہیں،

''مجھے میرے چچا محمد بن سعید نے بتایا انہوں نے بحوالہ محمد بن منکدر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ایک ہاتف جن نے کوہِ ابوقبیس پر پکار کر کہا۔

قَبَّحَ اللّٰہُ رَأيَكُمْ آلَ فِهْرٍ	اے آلِ فہر! اللہ تعالیٰ تمہاری رائے کو نامراد اور رسوا کرے تم کس
مَا ادق العقول والاحلام	قدر احمق اور کم عقل ہو۔
حِيْنَ تُغْضِيْ لِمَنْ يَعِيْبُ عَلَيْهَا	جب وہ اپنے معزز آباؤ اجداد کے دین پر عیب لگانے والے کی
دِيْنَ آبَائِهَا الْحُمَاةِ الْكِرَام	طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔
حَالَفَ الْجِنُّ جِنَّ بُصْرٰى عَلَيْكُمْ	اس (عیب لگانے والے) نے تمہارے خلاف بصریٰ کے جنوں
وَرِجَالَ النَّخِيْلِ وَالْآطَام	اور نخلستان اور ٹیلوں کے لوگوں سے عہد کر لیا ہے۔
يُوْشِكُ الْخَيْلُ اَنْ تَرَوْهَا نَهَارًا	قریب ہے کہ (اس کا) لشکر تم دن کے اجالے میں دیکھو جو حرم
تَقْتُلُ الْقَوْمَ فِيْ حَرَامِ تِهَام	تہامہ کی حدود میں لوگوں کو قتل کرے گا۔
هَلْ كَرِيْمٌ مِنْكُمْ لَهٗ نَفْسُ حُرٍّ	کیا تم میں کوئی معزز گھرانے کا آزاد مرد ہے؟
مَاجِدُ الْجَسَدَّتَيْنِ وَالْاَعْمَامِ	
ضَارِبًا ضَرْبَةً تَكُوْنُ نَكَالًا	جو ایک کاری، عبرت انگیز ضرب لگائے اور رنج وغم سے چھٹکارا
وَرَوَاحًا مِّنْ كُرْبَةٍ وَاَغْتِنَام	دے۔

ہاتف کی یہ آواز وادی مکہ میں گونج اٹھی اہلِ مکہ ان اشعار کو پڑھ پڑھ کر سنانے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مسعر نامی شیطان ہے جو بتوں کے متعلق لوگوں سے کلام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسواء کرنے والا ہے چنانچہ تین دن کے بعد پہاڑ سے ایک ہاتف کی آواز آئی ۔

نَحْنُ قَتَلْنَا فِيْ ثَلَاثٍ مِسْعَرًا	ہم نے مسعر شیطان کو قتل کر دیا
اِذْ سَفَّهَ الْحَقَّ وَسَنَّ الْمُنْكَرَا	کیونکہ اس نے حق کا مذاق اڑایا اور بری رسم ڈالی۔
قَنَّعْتُهٗ سَيْفًا حُسَامًا مُبْتَرًا	اپنے پاک نبی کی شان میں ہرزہ سرائی کرنے کی پاداش میں
بِشَتْمِهٖ نَبِيَّنَا الْمُطَهَّرَا	کاٹ ڈالنے والی تلوار کے ذریعے میں نے ختم کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ عفریت جن ہے جسے سمجھ کہتے ہیں میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا ہے یہ مجھ پر ایمان لایا ہے، اس نے مجھے خبر دی کہ یہ کئی دنوں سے گستاخ مسعر کی تلاش میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا اللہ تعالیٰ اسے بہتر جزا دے۔

ابنِ ابی الحقیق یہودی

جن لوگوں کو اس لیے قتل کیا گیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دی ان میں ایک ابورافع بن ابی الحقیق یہودی تھا علماء کے نزدیک اس کا قصہ بہت مشہور ہے، ہم موضع دلالت میں اسے بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ انصاری مردوں کو ابورافع یہودی کی طرف بھیجا، اور عبداللہ بن عتیک کو اس مہم کا امیر بنایا، یہ ابورافع

یہودی نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتا تھا اور آپ کے مقابلہ میں کفارِ مکہ کی امداد کرتا تھا، اس کا سرزمین حجاز میں قلعہ تھا، جب یہ لوگ قلعہ کے پاس پہنچے سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ رہے تھے، حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''تم یہاں ٹھہرو میں جاتا ہوں اور دربان کو بہلا پھسلا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں'' پھر دروازے کے پاس پہنچ کر اوپر کپڑا اوڑھ لیا جیسے رفع حاجت میں مشغول ہو، اس وقت لوگ قلعہ میں داخل ہو چکے تھے، دربان نے پکار کر کہا اللہ کے بندے! اگر تو قلعہ میں آنا چاہتا ہے تو جلدی کر، میں دروازہ بند کرنے والا ہوں؟ عبداللہ بیان کرتے ہیں میں قلعہ میں داخل ہو گیا اور اندر چھپ کر بیٹھ گیا، دربان نے دروازہ بند کیا پھر چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں (بعد ازاں جب وہ غافل ہوا تو) میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور دروازہ کھول دیا۔

ابورافع قلعہ کے بلند ترین کمرے میں رہتا تھا اور رات کو اس کے ہاں گپ شپ کی محفل جمتی تھی جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کمرے کی طرف اوپر چڑھا، اور جو کمرہ بھی کھولتا اسے اندر سے بند کر دیتا تا کہ اس کے قلعہ والوں کو میرے متعلق خبر ہو تو میری طرف نہ آسکیں یہاں تک کہ میں اس کا کام تمام کر دوں، میں اس کے پاس پہنچا وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال کے درمیان تھا، مجھے پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے میں نے کہا اے ابارافع! اس نے کہا، کون ہے؟ تو میں آواز کی طرف لپکا اور تلوار کا وار کیا، اس وقت مجھ پر ایک دہشت سی طاری تھی، میں اس کا کام تمام نہ کر سکا، وہ چلایا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس لوٹا اور پوچھا: اے ابارافع یہ کیسی آواز تھی؟ کہنے لگا تیری ماں روئے، ایک شخص کمرے میں ہے اس نے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے، عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر اسے پھر تلوار کا نشانہ بنایا، اور تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ کر زور دیا یہاں تک کہ وہ پشت کی جانب سے نکل گئی، اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے پھر ایک ایک دروازہ کھول کر باہر نکلا جب سیڑھی پر پہنچا اور اپنا پاؤں اس پر رکھا اور خیال کیا کہ پاؤں زمین پر پہنچ گیا ہے، میں گر گیا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے اسے عمامہ سے باندھا اور چل کر دروازے پر آیا اور وہاں بیٹھ گیا میں نے کہا، کہ اس وقت تک باہر نہ نکلوں گا جب تک اس کے قتل ہونے کی پوری تصدیق نہیں ہوتی، صبح سویرے جب مرغ کی بانگ ہوئی تو ایک منادی نے پکار کر کہا لوگو! حجاز کا تاجر ابورافع فوت ہو گیا ہے'' تو میں چل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا، بچ نکلو، اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کر دیا ہے، پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا ''اپنا پاؤں آگے کرو'' میں نے پاؤں دراز کیا تو آپ ﷺ نے اس پر دستِ مبارک پھیرا، اس کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ یہ تکلیف کبھی ہوئی ہی نہ تھی، اس واقعہ کو امام بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے۔

ابنِ اسحاق کی روایت

ابنِ اسحاق بحوالہ امام زہری، عبداللہ بن کعب نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے جو اسباب مہیا فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ انصار کے دونوں قبیلے، اوس وخزرج، بارگاہِ رسالت میں سرخروئی کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے، ایک گروہ کوئی کارنامہ سرانجام دیتا تو دوسرا بھی پیچھے نہ رہتا، وہ کہتے دوسرا گروہ اس فضیلت میں ہم سے بازی نہ لے جائے چنانچہ جب بنو اوس نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تو خزرج نے سوچ بچار کیا کہ اس وقت رسول دشمنی میں کون شخص کعب کا ہم

پایہ ہے؟ پھر اس بات پر اتفاق کیا کہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کا شدید ترین دشمن خیبر کا یہودی ابن ابی الحقیق ہے چنانچہ اہل خزرج نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی تو حضور نے اجازت عطا فرمائی، ابن اسحاق نے تمام قصہ بیان کرنے کے بعد لکھا

(کہ اس مشن کو روانہ ہونے والے خیبر پہنچے) پھر ایک سیڑھی کے ذریعے اس کے بالا خانے تک پہنچے اور دروازہ پر دستک دی، ابن ابی الحقیق کی بیوی باہر نکلی اور پوچھا، کون ہو؟ کہا عرب کے ایک قبیلے کے چند افراد، بچا کھچا کھانا مانگتے ہیں، تو اس نے دروازہ کھول کر کہا وہ صاحب خانہ ہیں، اندر آ جائیے، (پھر اس کے قتل کی تفصیل لکھی)

حدیث براء اور حدیث کعب میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ابن ابی الحقیق کو قتل کرنے والے حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے اس مہم پر روانہ ہوئے کیونکہ وہ شخص حضور کو اذیت دیتا تھا اور آپ سے دشمنی رکھتا تھا، اس سلسلہ میں وہ کعب بن اشرف کی مانند تھا فرق یہ ہے کہ ابن اشرف معاہد تھا، اور یہ غیر معاہد، اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی تو حضور نے اہل ایمان کو اس کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔

وجہ دلالت:

یہ تمام احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جو کافر نبی اکرم ﷺ کو گالی دیتا اور اذیت پہنچاتا تھا حضور اس کے قتل کا قصد کرتے اور اس کام کے لیے لوگوں کو آمادہ فرماتے تھے، یہی طرز عمل صحابہ کرام کا تھا۔ دیگر غیر معاہد حربی کافر کے قتل سے اجتناب کرتے، بلکہ انہیں امان عطا فرماتے اور بغیر عہد ذمہ کے بھی ان پر احسان کرتے تھے۔

خون مباح اور رائیگاں قرار دینے کے بعد معصوم قرار پانے کے اسباب

پھر جب لوگوں کا خون مباح اور رائیگاں قرار دیا گیا ان میں سے کچھ لوگ تائب ہو کر آئے تو ان کا خون معصوم ہو گیا اس کے تین اسباب ہیں

پہلا سبب:

ایسا مجرم، جس کا خون مباح اور رائیگاں قرار دیا پھر اسے معاف کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی اسے قتل کرنے کی قدرت نہ پائی کہ وہ تائب ہو گیا، اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان جس پر حد واجب ہو چکی ہو، وہ قدرت پانے سے پہلے توبہ کر کے آ جائے تو اس کی حد ساقط ہو جائے گی، اس لحاظ سے حربی کافر تو اس رعایت کا زیادہ مستحق ہے۔

دوسرا سبب:

نبی اکرم ﷺ کے کریمانہ اخلاق کا کمال تھا کہ آپ ایسے مجرموں کو بھی معاف فرما دیتے تھے۔

تیسرا سبب:

حربی کافر جب اسلام قبول کرے تو اس کے زمانہ جاہلیت کے جرائم پر گرفت نہیں کی جاتی، خواہ ان جرائم کا تعلق حقوق اللہ سے

ہو یا حقوق العباد سے، اور ہمارے علم کے مطابق اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

قُلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۔ (الانفال: ۳۸)

اے رسول! کافروں سے فرما دیجئے اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ گناہ اور جرائم معاف کر دیئے جائیں گے۔

اسلام ماقبل کے گناہ مٹا دیتا ہے:

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

اَلْاِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهٗ ۔ (مسلم)

اسلام پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک اور ارشاد ہے:

مَنْ اَحْسَنَ فِي الْاِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ۔ (متفق علیہ)

جس نے اسلام میں حسن پیدا کر لیا اس کے جاہلیت کے عمل پر اس کی گرفت نہ ہوگی۔

اس لیے خلقِ کثیر نے اسلام قبول کیا، جن کے ہاتھوں بہت سے نامی گرامی لوگ شہید ہوئے مگر ان میں سے کسی سے قصاص دیت یا کفارہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔

حضرت حمزہ کا قاتل وحشی، ابنِ قوقل کا قاتل ابن العاص، خبیب بن عدی کا قاتل عقبہ بن حارث اور دیگر بہت سے لوگ حلقہ اسلام میں آئے اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شخص کو قتل کیا، مگر حضور انور ﷺ نے ان پر قانونی قصاص جاری نہیں فرمایا بلکہ فرمایا

يَضْحَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْلِمُ وَيُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ ۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کے طرزِ عمل سے ہنستا ہے ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو قتل کر دیتا تو دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاتا ہے تو جنت میں جاتا ہے بعد ازاں (قاتل توبہ کر لیتا ہے تو) اللہ تعالیٰ قاتل کی طرف نظر کرم کرتا ہے پس وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر راہِ خدا میں شہید ہو جاتا ہے تو وہ بھی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کو مال کی ضمانت نہ دی جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے خرچ کیا، نہ ان میں سے کسی پر زنا، چوری، شراب نوشی یا قذف کی حد لگائی، خواہ اس نے قید ہونے کے بعد اسلام قبول کیا یا قید ہونے سے پہلے، یہ ایسی حقیقت ہے جس میں اہلِ اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

بلکہ اگر حربی اسلام قبول کرے اور اس کے قبضہ میں مسلمان کا مال ہو جو اس نے چھین کر حاصل کیا ہو تو وہ اس کی ملکیت قرار پائے گا اور جمہور علماء کے نزدیک اس کے مسلمان مالک کو نہیں لوٹائے گا، خلفائے راشدین سے اس معاملہ میں اسی طرح منقول ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی منصوص ہے، جمہور علماء کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اسلام یا عہد

ذمہ اس مال کو اس کے قبضہ میں برقرار رکھتا ہے جسے وہ اپنی ملکیت سمجھتا تھا، کیونکہ وہ مال مسلمان مالک کے ہاتھ سے راہِ خدا میں خرچ ہوا، اس کا اجر بارگاہِ رسالت ﷺ میں ثابت و محقق ہو گیا، اور اس مال کو چھیننے والا اس کا جائزہ مالک بن گیا، بعدازاں جب وہ کافر شخص حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ سے ہونے والے جانی مالی نقصان کو معاف کر دیا، یونہی وہ اپنی ترک شدہ نمازوں کو قضاء نہیں کرے گا کیونکہ اس سے صادر ہونے والے یہ اعمال اس کے اس وقت کے اعتقاد کے تابع تھے۔ جب اس نے کافرانہ عقیدہ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی اتباع میں ہونے والے گناہوں کو معاف کر دیا، اس لیے اس کے ہاتھ آنے والے مال پر اس کی گرفت نہیں کی جائے گی نہ اس سے وہ مال لیا جائے گا، اسی طرح اس زمانے کے تمام عقودِ فاسدہ مثلاً سودی کاروبار درست قرار پائیں گے، البتہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ چھینا ہوا مال اس کے مسلمان مالک کو لوٹائے گا، یہ امام شافعی اور حنبلیہ میں سے ابوالخطاب کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ کفار کا مالِ غنیمت حاصل کرنا فعلِ حرام ہے اس لیے وہ مسلمان کے مال کے مالک نہیں ہوں گے جیسا کہ غصب کا معاملہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس مال کو چھین لے، اس طرح کہ غنیمت میں پائے یا چوری کرے تو وہ اسے اس کے مالک کو لوٹائے گا اس کی دلیل حضور کی اونٹنی والا قصہ ہے یہ ایسا واقعہ ہے جس پر علماء کا اتفاق ہے اگر وہ اس پر قبضہ سے مالک بن جائے تو ان سے واپس نہ لی جاتی۔

مگر پہلا نکتۂ نگاہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ مشرکین نے بہت سے اموال مثلاً زرہ اور اسلحہ وغیرہ پر قبضہ کیا، پھر جب اسلام لے آئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی سے کوئی مال واپس نہ لیا حالانکہ ان میں سے بعض اشیاء اسی حالت میں موجود اور باقی تھیں۔

اس نکتۂ نگاہ کے اثبات کے لیے مندرجہ ذیل فرمودات ہی کافی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (الحشر: ۸)

(مالِ فئے) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے' وہی سچے ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ (الحج آیت نمبر ۳۹)

ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی ہے جن سے جنگ کی جا رہی ہے۔

ایک اور آیت کریمہ ہے۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ ۔ (البقرہ: ۲۱۷)

اللہ کی راہ سے روکنا' اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا۔

ایک اور مقام پر فرمایا

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ ۔

اللہ تو محض تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے باہر نکالے جانے پر مدد کی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ جو مسلمان اپنی بستیوں اور مال جائیداد سے نکالے گئے وہ مالدار تھے اور ہجرت کے بعد نادار ہو گئے۔

پھر مشرکین ان کی بستیوں اور مالوں پر قابض ہو گئے اور یہ اموال فتحِ مکہ تک ان کے پاس باقی تھے، اور یہ لوگ جو ایامِ جاہلیت میں ان اموال پر تصرف رکھتے تھے، مسلمان ہو گئے، تو نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کوئی چیز واپس نہیں لی، بلکہ نبی اکرم ﷺ سے فتحِ مکہ کے بعد سوال ہوا۔

اَلَا تَنْزِلُ فِيْ دَارِكَ ۔ کیا آپ اپنے گھر میں نزولِ اجلال نہیں فرمائیں گے۔

تو آپ ﷺ نے جواب دیا کیا عقیل نے کوئی گھر چھوڑا ہے؟

ادھر مہاجرین نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اہلِ مکہ نے ان کے جن مالوں پر قبضہ جمالیا تھا وہ واپس کرنے کا حکم صادر فرمائیں، مگر حضور نے اس مطالبے پر انکار کیا اور انہیں ان لوگوں کے پاس رہنے دیا جو بعد میں اسلام لے آئے۔

عقیل نے حضور ﷺ کے اور آپ کے رشتہ داروں کے گھروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

ہجرت کے بعد عقیل نے نبی اکرم ﷺ کے کاشانۂ اقدس اور آپ ﷺ کے خاندان کے گھروں پر تسلط جمالیا، اس کے ساتھ ابو طالب کی وراثت بھی حاصل کی، ابو رافع کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے عرض کیا۔

اَلَا تَنْزِلُ مَنْزِلَكَ مِنَ الشِّعْبِ ۔ کیا آپ شعبِ ابی طالب کے گھر میں نہیں ٹھہریں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا؟ دراصل عقیل نے نبی اکرم ﷺ کا کاشانۂ اقدس بیچ دیا، ساتھ ہی اپنے برادری کے مردوں اور عورتوں کے گھر بھی فروخت کر دیے تھے۔

علمائے سیرت جن میں ابو الولید ازرقی بھی شامل ہیں نے بیان کیا کہ مکہ میں عبد المطلب کی جائیدادیں بنی عبد المطّلب کے حصے میں آئیں، ان میں سے ایک شعب ابن یوسف اور ابنِ یوسف کے کچھ گھر ابو طالب کے پاس تھے۔ ان کے اور دارِ ابنِ یوسف کے درمیان جو کھلی جگہ تھی یعنی نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور آس پاس کی جگہ وہ عبد اللہ بن عبد المطلب کی ملکیت تھی، بلاشبہ یہ حضورِ انور ﷺ کا گھر تھا یہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اور آپ یہیں پیدا ہوئے تھے آپ کا ایک اور گھر بھی تھا جو آپ ﷺ کو اور آپ کی اولاد کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ترکہ میں ملا تھا، ازرقی کہتے ہیں۔

”فتحِ مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں گھروں (جہاں آپ پیدا ہوئے اور جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ اور آپ کے بچوں کی جائے پیدائش تھی) کے بارے میں بات نہ کی۔“

ازرقی مزید کہتے ہیں،

”آپ ﷺ کا وہ کاشانۂ اقدس جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے، عقیل بن ابی طالب نے لے لیا تھا جبکہ خدیجہ

الکبریٰ کا گھر معتب بن ابی لہب کے تصرف میں آ گیا، وہ اس گھر کا قریب ترین پڑوسی تھا، بعدازاں اس نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ دیا، علمائے سیرت نے اس بحث کو دور المہاجرین کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔"

دارِ آلِ جحش پر ابوسفیان کا تسلط:

ازرقی کہتے ہیں،

"جحش بن رئاب اسدی کا وہ گھر جو معلٰی میں تھا، متواتر اولادِ جحش کے قبضہ میں رہا، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اصحابِ رسول ﷺ کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو آلِ جحش کے تمام مرد وزن مہاجر بن کر مدینہ شریف چلے گئے اور اپنے گھر خالی چھوڑ گئے یہ لوگ حرب بن امیہ کے حلیف تھے اس لیے ابوسفیان نے ان کے گھروں پر قبضہ کرلیا پھر چار سو دینار میں عمر ابنِ علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ دیئے، جب اس کی خبر آلِ جحش کو پہنچی کہ ابوسفیان نے ان کے گھر بیچ دیئے ہیں تو ابواحمد نے ابوسفیان کی ہجو میں اشعار کہے اور اسے اس بات پر عار دلائی۔"

پھر جب فتح مکہ کی تاریخ ساز گھڑی آئی تو ابواحمد بن جحش نے، جن کی آنکھیں جا چکی تھیں، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ان گھروں کے متعلق گفتگو کی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان نے میرے گھر پر قبضہ کر کے بیچ دیا ہے تو حضور نے اسے قریب بلا کر کان میں کچھ کہا، اس کے بعد نہیں سنا گیا کہ ابواحمد نے کبھی اس کا ذکر کیا ہو، بعدازاں ابواحمد سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو فرمایا حضور نے فرمایا تھا:

إِنْ صَبَرْتَ كَانَ خَيْرًا وَّكَانَ لَكَ بِهَا دَارٌ فِي الْجَنَّةِ ۔ — اگر تو صبر کرے تو بہتر ہے اس کے بدلہ میں تجھے جنت میں گھر نصیب ہوگا۔

تو میں نے عرض کیا میں صبر کرتا ہوں" چنانچہ ابواحمد نے اس گھر کا مطالبہ ترک کر دیا۔

دارِ عتبہ ابنِ غزوان

عتبہ بن غزوان کا ایک گھر تھا جسے "ذات الوجہین" کہتے تھے، جب وہ ہجرت کر چلے تو اس گھر پر یعلی بن امیہ نے قبضہ جما لیا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا اور بنو جحش نے اپنے گھروں کے معاملہ میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی تو حضور نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ مہاجرین اس مال ومتاع میں واپس جائیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر چھوڑا اور جو راہِ خدا میں ان کے قبضہ سے نکل گیا، یہی وجہ تھی کہ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر "ذات الوجہین" کے متعلق حضور سے بات نہ کی، مہاجرین نے بھی سکوت اختیار کیا اور کسی نے حضور سے اس بارے میں کلام نہ کیا، خود نبی اکرم ﷺ نے دارِ یوسف اور دارِ خدیجہ کا مطالبہ نہ کیا، یہ قصہ علماء کے نزدیک مشہور ومعروف ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں

مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے بتایا نیز زبیر بن عکاشہ بن ابی احمد نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ فتحِ مکہ کے روز کچھ دیر اپنے مکانات میں ٹھہرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابواحمد سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ تم اپنے مال ومتاع میں سے کچھ واپس لو جو راہِ خدا میں کام آئے۔

امام ابنِ اسحاق ہی زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایت میں کہتے ہیں تمام مہاجرین نبی اکرم ﷺ سے آملے اور مکہ میں سوائے مقتول یا قیدی کے کوئی نہ رہا۔

بنوجمع میں سے بنومظعون، بنوجحش بن رتاب جو کہ بنوامیہ کے حلیف تھے اور بنوبکیر جو بنوسعد بن لیث سے تعلق رکھتے تھے اور عدی بن کعب کے حلیف تھے۔ انہوں نے اپنے گھر مقفل چھوڑے جن میں کوئی رہائش پذیر نہ رہا۔

جب بنوجحش بن رتاب اپنے مکانات چھوڑ چلے تو ابوسفیان بن حرب نے ان پر قبضہ کرلیا پھر انہیں بنی عامر بن لوی کے ایک شخص عمرو بن علقمہ کے ہاتھ بیچ دیا جب اس کی اطلاع بنوجحش کو پہنچی تو عبداللہ بن جحش نے اس کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا

اَلَا تَرْضٰی یَا عَبْدَاللّٰہِ اَنْ یُّعْطِیَکَ اللّٰہُ بِھَا دَارًا خَیْرًا مِنْھَا فِی الْجَنَّۃِ ۔	اے عبداللہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کے بدلے میں اس سے بہتر گھر تجھے جنت میں عطا فرمائے۔

عبداللہ نے عرض کیا ''ہاں یارسول اللہ'' فرمایا وہ تمہارے لیے جنت میں گھر ہے پھر جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ابو احمد نے اپنے مکانات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے گزارش کی، تو حضور نے کچھ جواب نہ دیا لوگوں نے ابواحمد سے کہا، اے ابواحمد نبی اکرم ﷺ کو پسند نہیں کہ تم اپنے ان اموال میں لوٹو جو راہِ خدا میں تم سے چھین لیے گئے، اس کے بعد ابواحمد رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں کوئی بات نہ کی۔

واقدی اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہیں۔

''نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے وقت کعبہ شریف میں داخل ہو کر درِ کعبہ پر ایک خطبہ دیا پھر داخل ہو کر نماز ادا فرمائی جب خطبہ سے فارغ ہوئے اور نماز ادا کر کے باہر نکلے تو ابواحمد اپنے اونٹ پر سوار مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے اور چلا چلا کر کہہ رہے تھے اے بنی عبد مناف میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر اپنا حلف یاد دلاتا ہوں، اے بنی عبد مناف میں تمہیں اپنے گھر کی طرف توجہ دلاتا ہوں، یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے کان میں کچھ کہا پھر انہوں نے جا کر ابواحمد کے کان میں سرگوشی کی تو وہ اونٹ سے اتر پڑے اور لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، پھر نہیں سنا گیا کہ ابواحمد نے مرتے دم تک اپنے مکانات کا ذکر کیا ہو''

حضور ﷺ نے مہاجرین کے مکانات پر قابضین کا قبضہ برقرار رکھا

یہ اس بات کی نص ہے کہ مہاجرین نے اپنے گھروں کی بازیافت کا مطالبہ کیا مگر نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس سے روک دیا اوران لوگوں کا قبضہ برقرار رکھا جوان پر قابض تھے یا جن لوگوں نے انہیں خریدا تھا، آپ ﷺ نے ان اموال کو جو کافروں نے مسلمانوں سے لے لیے تھے ایسے اموال کی مانند قرار دیا جو مسلمانوں سے زیادہ جنگ میں چھینے گئے یا انہوں نے راہِ خدا میں خرچ کردیے اور یہ ایسے خون اور مال تھے جو اللہ تعالیٰ نے خرید لیے تھے اور مسلمانوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا تھا اوران پر بارگاہِ خداوندی سے اجر لازم ہو چکا تھا اس لیے ان کی واپسی مناسب نہ تھی، اس کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ مشرکین مسلمانوں کے خونون اور مالوں کو مباح سمجھتے تھے اور حلال جانتے ہوئے انہوں نے ان مالوں کو حاصل کیا تھا، حالانکہ اس استحلال میں وہ گناہ گار تھے۔ پھر جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو اسلام نے ان کے اس گناہ کو مٹا کر رکھ دیا، اور وہ سب اس طرح ہوگئے گویا انہوں نے کوئی خونریزی نہ کی اور نہ کوئی مال چھینا، اس لیے ان کے مقبوضہ مال واپس لینا جائز نہ تھا۔

عقیل نے نبی اکرم ﷺ کے مکانات پر کیسے قبضہ کیا؟

ایک سوال:

اگر سوال کیا جائے کہ صحیحین میں بحوالہ امام زہری حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مکہ مکرمہ میں اپنے گھر میں نزولِ اجلال نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لیے مکہ مکرمہ میں کوئی گھر کوئی مکان چھوڑا ہے؟ جبکہ عقیل اور طالب نے ابو طالب کی وراثت پائی جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور عقیل و طالب کافر تھے۔

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ عرض کیا: یارسول اللہ! کل آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ پھر فرمایا کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا نہ مومن کافر کی وراثت پاتا ہے، امام زہری سے پوچھا گیا ابو طالب کی وراثت کس کو ملی؟ جواب دیا عقیل اور طالب نے یہ وراثت پائی۔

معمر از زہری روایت کرتے ہیں کہ حضور سے دریافت کیا گیا۔

اَیْنَ مَنْزِلُكَ غَدًا فِیْ حَجَّتِكَ — کل حج کے زمانے میں آپ کہاں اقامت گزیں ہوں گے۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیل کی طرف یہ گھر بطورِ وراثت منتقل ہوئے، ان پر اس نے زبردستی قبضہ نہیں کیا تھا، بعد ازاں اس نے ان گھروں کو بیچ بھی دیا۔

جواب:

نبی اکرم ﷺ کو اپنے باپ عبداللہ اور اپنی زوجہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ سے جو گھر وراثت میں ملے تھے عقیل کا ان گھروں میں

کوئی حصہ اور حق نہ تھا، معلوم ہوا کہ اس نے ان گھروں پر قبضہ کر لیا تھا، جہاں تک ابو طالب کے مکانات کا تعلق ہے، ابو طالب ہجرت سے دو سال پہلے فوت ہوئے تھے اور اس وقت قانونِ وراثت نافذ نہیں ہوا تھا، اور بعد میں مسلمان کو کافر کی میراث سے محروم رکھنے کا کوئی ضابطہ نازل نہیں ہوا بلکہ مکہ شریف میں مرنے والے مشرکوں کی وراثت سے ان کی مسلمان اولادوں کو غیر مسلم اولادوں کی طرح حصہ دیا گیا، بلکہ مشرکین مسلمان عورتوں سے نکاح کرتے تھے اور یہ وراثت سے بڑھ کر معاملہ تھا، اللہ تعالیٰ نے مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان نکاح اور وراثت وغیرہ معاملات کے ذریعے موالات کا سلسلہ مدینہ شریف میں قطع فرمایا اور جہاد کو مشروع فرمایا جو عصمت کو قطع کرتا ہے ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن ابی نجیح نے بتایا جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مہاجرین کے چھوڑے ہوئے گھروں پر نگاہ ڈالی پھر جن کو دینِ جاہلیت کے مطابق تقسیم شدہ پایا انہیں چھوڑ دیا اور تعرض نہ کیا اور جو تقسیم نہ ہوئے تھے انہیں دینِ اسلام کے احکامات کے مطابق تقسیم کیا۔

یہ ابن ابی نجیح کی روایت ان احادیث سے مطابقت رکھتی ہے جو اس معاملہ میں سند کے ساتھ مروی ہیں مثلاً حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''ہر وہ تقسیم جو جاہلیت کے دستور کے مطابق ہوئی وہ برقرار رہے گی اور ہر وہ تقسیم جسے اسلام کا زمانہ نصیب ہوا، اسے اسلامی قوانین کے مطابق تقسیم کیا گیا، اس روایت کو ابوداؤد اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا۔''

یہ روایت کتاب اللہ کی تعلیم کے بھی موافق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اگر حربی شخص عقدِ فاسد مثلاً سود یا شراب اور خنزیر کی بیع یا اسی طرح کسی اور معاملے کا مرتکب ہو پھر اسلام قبول کر لے تو عقدِ فاسد سے حاصل شدہ معاوضہ اس کے لیے حرام نہ ہوگا، ورنہ اسے لوٹانا ضروری ہوگا۔ البتہ یہ ہے کہ اگر اس نے فاسدِ عقد پر مبنی معاوضہ پر قبضہ نہیں کیا تو اب اس پر قبضہ کرنا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو باقی ماندہ سود نہ لینے کا حکم دیا جبکہ قبضہ میں لی ہوئی سودی رقم کو واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے جب فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا تو جاہلیت کا ہر خون اور ہر سود موضوع قرار دیا یہاں تک کہ حضرت عباس کا سود بھی معاف کر دیا مگر پہلے سے لیا ہوا سود لوٹانے کا حکم نہ دیا یہی حکم ہے میراث کا، جب کوئی شخص حالتِ جاہلیت میں مرا ہو اور اس کے ورثاء نے اس کا ترکہ تقسیم کر لیا ہو تو اس تقسیم کو برقرار رکھا جائے گا اگر ورثاء تقسیم سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو جائیں یا ہمارے پاس (اسلامی عدالت میں) اپنا مقدمہ لے آئیں تو اس کا فیصلہ اسلامی قوانین کے مطابق ہوگا۔

جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو حکم یہی تھا کہ اس کی تمام اولاد اس کی میراث میں حصہ دار ہوگی مگر انہوں نے اپنے مکانات کی تقسیم نہ کی یہاں تک کہ جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی، تو عقیل نے ان مکانات پر قبضہ کر لیا اور انہیں بیچ دیا، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

”عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان نہیں چھوڑا، بلکہ قبضہ کر کے اسے فروخت کر دیا۔“

اس کلام کا یہی مفہوم ہے کہ عقیل نے ان مکانات پر تسلط جمالیا جس کے ہم اس وقت حقدار تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان مکانات کی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے چچیرے بھائیوں کی طرف نسبت نہ ہوتی مگر اس کے بعد فرمایا۔

لَا یَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُؤْمِنَ ۔ مومن کافر کا وارث نہیں نہ کافر مومن کا وارث ہے۔

اگر وہ جائیداد اب تک عقیل کے پاس غیر منقسم ہوتی تو ہم ابوطالب کی تمام جائیداد عقیل ہی کو دیتے اس کے بھائیوں کو نہ دیتے کیونکہ اسلامی غلبے تک غیر منقسم رہنے والی میراث اسلامی قوانین کے مطابق تقسیم ہوتی اور اسلامی قوانین کی وجہ سے تقسیم یہ ہے کہ مومن شخص کافر کی جائیداد کا وارث نہیں ہوتا، نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا حکم میں وضاحت ہے کہ اگر وہ جائیداد باقی بھی ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کو اس کا مطالبہ کرنے کا حق نہ تھا، پھر اس صورت میں یہ مطالبہ کس طرح ہو سکتا ہے جب وہ جائیداد ان سے راہِ خدا میں چھینی گئی؟ کیونکہ اصول یہ ہے کہ مشرک حربی اسلام قبول کرے تو اس سے زمانہ شرک کی قتل و غارت اور حقوق خداوندی کی پامالی پر مؤاخذہ نہیں کیا جاتا، نہ ہی اس سے وہ اموال واپس لیے جاتے ہیں جو اسے بطورِ غنیمت ہاتھ آتے ہیں، نہ اس کی گزشتہ گستاخیوں کا مواخذہ کیا جاتا ہے اور ان جرائم سے چشم پوشی کی وجہ یہی ہے۔

سنتِ رسول ﷺ میں گستاخ کی حتمی سزا قتل ہے

یہ وہ شواہد ہیں جو ہم نے سنتِ رسول اللہ ﷺ سے پیش کیے ہیں کہ جو مشرک بارگاہِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہوگا اسے قتل کیا جائے گا جبکہ صرف کفر و شرک کی وجہ سے اسے یہ سزا نہ دی جائے گی اور یہ حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں راسخ تھی وہ گستاخ کے قتل کا قصد کرتے اور دوسروں کو اس کی تحریک دیتے وہ اس گناہ کو موجبِ قتل ٹھہراتے تھے اور اس کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں ایک صحابی کا قول گزر چکا کہ مجھے گالی دی جائے میری ماں کو گالی دی جائے مگر بارگاہِ رسالت میں گستاخی نہ کی جائے پھر اس صحابی نے گستاخ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، ایک صحابی نے ایک شخص کو اس لیے قتل کر دیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دے رہا تھا، انصاری کا واقعہ گزر چکا ہے کہ اس نے عصماء نامی خاتون کو قتل کرنے کی نذر مانی، ایک اور صحابی نے عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کرنے کی نذر مانی اور حضور نے عبداللہ بن ابی سرح کی بیعت قبول کرنے میں تاخیر کی تاکہ وہ صحابی اپنی نذر پوری کرے۔

ابوجہل کا قتل

صحیحین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں بدر کے روز صف میں کھڑا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، مجھے انصار کے دو نوعمر لڑکے نظر آئے، میری خواہش ہوئی کہ ان کے آگے ہو جاؤں تو ایک نے میرا ہاتھ دبا کر پوچھا چچا جان آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ”ہاں“ بھتیجے تجھے اس سے کیا کام ہے؟ کہا، مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَئِنْ رَّاَیْتُہٗ لَایُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَہٗ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا ۔ بخدا اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا بدن اس کے بدن سے جدا نہ ہوگا جب تک کہ ہم دونوں میں سے وہ نہ مرجائے جس کو مرنے کی جلدی ہے۔

اس کے اس عزم سے مجھے تعجب ہوا اسی اثناء میں دوسرے نے میری چٹکی لے کر مجھ سے یہی سوال کیا اور اسی عزم کا اظہار کیا پھر زیادہ دیر نہیں گزری کہ میری نظر ابوجہل پر پڑگئی جو لوگوں کے درمیان چکر لگا رہا تھا، میں نے ان نوجوانوں کو بتایا، یہ ہے وہ شخص جس کی تمہیں تلاش ہے تو وہ اپنی تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا، پھر لوٹ کر بارگاہِ رسالت میں آئے اور حضور کو اس کے قتل کی خبر دی، آپ نے دریافت فرمایا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ تو ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے قتل کیا ہے آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں تو صاف نہیں کیں؟ عرض کیا نہیں نبی اکرم ﷺ نے دونوں تلواروں کا معائنہ کر کے فرمایا۔ دونوں نے اس کو قتل کیا ہے، پھر اس کے مالِ غنیمت کا فیصلہ معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں کیا، یہ دونوں نوجوان معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء تھے۔

یہ قصہ مشہور ہے کہ حضور نے اس کے قتل پر خوشی کا اظہار کیا اور اس عظیم کامیابی پر سجدہ شکر کیا، آپ کا ارشادِ گرامی ہے۔

ھٰذَا فِرْعَوْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ ۔ یہ (ابوجہل) اس امت کا فرعون ہے۔

اس کے برعکس حضور نے ابوالبختری ابن ہشام کے قتل سے منع فرمایا حالانکہ وہ غیر معاہد کافر تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضور کی گستاخی سے باز رہتا تھا اور اس نے مقاطعہ کے ظالمانہ صحیفہ کو ختم کرنے کی کوشش کر کے احسان کیا تھا، حضور کا ارشاد ہے۔

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں آزاد کر دیتا'' اس کی وجہ یہ ہے کہ مطعم نے مکہ میں حضور کو پناہ دی تھی، حالانکہ مطعم غیر معاہد تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کو اذیت دینے والے کی سزا قتل متعین ہے بخلاف اس کے کہ کوئی آپ کو اذیت نہ دے تو اس کو سزائے قتل نہیں دی جائے گی خواہ وہ کفر میں شریک ہو، حضورِ انور ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ احسان کرنے والے کا بدلہ چکاتے تھے خواہ وہ کافر ہوتا۔

ابولہب کی رسوائی

ابولہب کی حضور کے ساتھ قریب کی رشتہ داری تھی، جب اس نے حضور کو اذیت دی اور بنی ہاشم کی حمایت میں کوتاہی کی تو اس کے معاملہ میں قرآنِ حکیم نازل ہوا جس میں اس کا نام لے کر لعنت اور وعید فرمائی گئی، جبکہ دیگر کافروں کے ساتھ ایسا طرزِ عمل نہیں اختیار کیا گیا۔ جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا'' ابولہب قریشِ مکہ کی طرح ایک کافر تھا وہ ہم سے جدا ہوگیا جب قریش نے ہماری مخالفت کی تو اس نے ان کی مدد کی پس اللہ تعالیٰ نے اسے رسواکن کلمات سے یاد فرمایا بنو مطلب بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے ساتھ نسبی برابری رکھتے تھے جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اعانت ونصرت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر دانی فرمائی پھر اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں رشتہ داری کے حصے میں بنو ہاشم کا شریک ٹھہرایا، اسی طرح ابوطالب نے جب حضور کی اعانت اور

نصرت کی اور آپ کا دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا عذاب ہلکا کر دیا اس کا عذاب اہل جہنم کے عذاب سے کم ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابولہب کو (جہنم میں) انگوٹھے سے پانی ملتا ہے کیونکہ اس کی لونڈی ثویبہ نے اُسے حضور کی ولادت کی خوشخبری دی تھی اور اس نے خوش ہو کر اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا"

طاقتور گستاخ کافروں سے انتقام کا خدائی طریق

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اس گستاخ اور اذیت رساں کافر سے خود انتقام لیتا ہے جس سے اہل ایمان انتقام لینے کی قدرت نہیں رکھتے اس معاملہ میں وہ خود اپنے رسول ﷺ کی کفایت کرتا ہے جیسا کہ ہم مغزی کاتب کے قصہ میں کچھ بیان کر چکے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ○ ۔(الحجر: ۹۴،۹۵)

اے رسول کھول کر بیان کر دے جس کا تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں کی پروانہ کر بے شک ہم استہزاء کرنے والوں کے معاملہ میں آپ کی کفایت کریں گے۔

ان گستاخوں میں سے ایک ایک سے خدائی انتقام کا قصہ مشہور ہے اور ان واقعات کو اہل سیر وتفسیر نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور جن لوگوں کو اس برے انجام سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے قریش کے مندرجہ ذیل سردار ہیں۔

ولید بن مغیرہ　عاص بن وائل　اسودان ابن المطلب　ابن عبدیغوث　اور حارث بن قیس۔

نبی اکرم ﷺ نے کسریٰ (شاہ ایران) اور قیصر (شاہِ روم) کی طرف خط لکھے، دونوں ایمان نہ لائے مگر قیصرِ روم نے حضور کے خط کا احترام کیا اور آپ ﷺ کے ایلچی کی بھی عزت افزائی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو ثابت اور برقرار رکھا کہا جاتا ہے کہ آج تک اس کی نسل میں حکومت اور اقتدار باقی ہے اس کے برعکس کسریٰ نے حضور کے نامہ مبارک کو پھاڑ دیا اور شانِ رسالت میں گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ عرصہ کے بعد اس کو ہلاک کر دیا اور اس کے ملک کے ٹکڑے کر دیئے اور اکاسرہ ایران کا اقتدار خاک میں ملا دیا، دراصل یہ آیۂ کریمہ

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۔(الکوثر:۳)　بے شک تیرا دشمن ہی بے نام ونشان ہو جائے گا۔

کی سچی تفسیر اور تعبیر ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی نبی اکرم ﷺ سے دشمنی رکھی اور بغض وعداوت کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ کاٹ دی اور اس کا نام ونشان مٹا دیا، اس آیۂ کریمہ کے شانِ نزول کے متعلق متعدد اقوال ہیں، کہ یہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی یا عقبہ بن ابی معیط یا کعب بن اشرف کے متعلق اتری میرے خیال میں اللہ تعالیٰ نے سب کو اسی انجام سے دوچار کیا، ایک مشہور کہاوت ہے

لُحُوْمُ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَةٌ ۔　علماء کے گوشت زہر ملے ہیں۔

(یعنی ان کی شان میں گستاخی ہلاکت کا سبب ہے) پس انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کتنی بڑی بربادی

کا باعث ہوگی۔

صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج دیا'' جب ولی سے عداوت اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لینے کے مترادف ہے تو اندازہ کیجئے کہ انبیائے کرام سے دشمنی رکھنے والا کس قدر ہلاکت میں مبتلا ہوگا؟ اور جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرے اس سے جنگ کی جائے گی (یعنی اسے برباد کر دیا جائے گا) جب تم قرآنِ حکیم میں مذکور انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات پر تحقیقی نظر ڈالو گے تو دیکھو گے کہ قوموں کی بربادی اس وقت ہوئی جب انہوں نے انبیائے کرام کو ستایا اور اپنے برے قول یا فعل سے ان کا مقابلہ کیا، اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت مسلط کی گئی اور وہ غضب خداوندی کے حقدار ہوئے، اور جب انہوں نے کفر کے ساتھ انبیائے کرام کو ناحق قتل کیا تو انہیں کوئی حامی اور مددگار میسر نہ ہوا جیسا کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا، یہ حقیقت ہے کہ جس نے بھی انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو اذیت دی پھر توبہ نہ کی تو اسے تباہ کن عذاب نے آلیا ہم نے ایسے عبرت انگیز واقعات نقل کئے ہیں جن کا مسلمانوں کو تجربہ ہوا کہ جب کفار نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فوراً انتقام لیا، اس قسم کے متعدد واقعات ہم تک پہنچے ہیں اور یہ باب بہت وسیع ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں نہ یہاں اس کا احاطہ کرنا مقصود ہے ہمارا مقصد فقط حکمِ شرعی کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کا حامی اور محافظ ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر طریق اپنے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت فرماتا ہے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے لوگوں کی اذیت دور کرتا ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اَلاَ تَرَوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَلَعْنَھُمْ . یَشْتُمُوْنَ مُذَمَّمًا وَّ یَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا، وَاَنَا مُحَمَّدٌ .

تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مجھ سے قریش کی گالی گلوچ اور لعن طعن پھیرتا ہے وہ کسی مذمم (قابلِ مذمت شخص) کو گالیاں دیتے اور لعن طعن کرتے ہیں میں تو محمد (یعنی قابلِ تعریف) ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی اور آپ کی نعت کو اذیت سے منزہ اور پاک رکھا اور اس اذیت کو کسی قابلِ مذمت شخص کی طرف پھیر دیا اگرچہ اذیت دینے والے نے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا قصد کیا۔

گستاخِ رسول ﷺ کی سزا قتلِ متعین ہے

جب سنتِ رسول ﷺ، سیرت اصحاب اور دیگر حوالوں سے ثابت ہوگیا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے تو ہم کہتے ہیں، کہ اس سزا کا تعین یا تو کافر حربی ہونے کی وجہ سے ہے یا گستاخی کے سبب پہلی شق باطل ہے کیونکہ احادیث اس بارے میں صاف بیان کر رہی ہیں کہ حضور نے کبھی کسی کو صرف حربی کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا بلکہ عام احادیث کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ایسے قتل کا موجب گستاخانہ طرزِ عمل ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب گستاخانہ طرزِ عمل کی وجہ سے حربی کافر کا قتل متعین ہوگیا تو مسلمان اور ذمی

گستاخ کا قتل تو بطریقِ اولیٰ ثابت ہو گیا، کیونکہ سزائے قتل کا موجب سب وشتم اور گستاخی ہے مجرد کفر اور محاربہ نہیں جیسا کہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے پس جہاں بھی یہ موجب پایا جائے گا قتل کی سزا واجب ہو جائے گی، وجہ یہ ہے کہ کفر مبیح الدم ہے (یعنی اس سے خون مباح ہوتا ہے) لیکن ہر حال میں قتل کا فر کو واجب قرار نہیں دیتا، کفر کی صورت میں کافر کو امان دینا اس کے ساتھ صلح کرنا گرفتاری میں اس پر احسان کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا جائز ہے لیکن عہد ذمہ اختیار کرنے کے بعد کافر کا خون معصوم ہو جاتا ہے جسے کفر نے مباح ٹھہرا رکھا تھا، حربی کافر اور ذمی کافر کے درمیان یہی فرق ہے جہاں تک دیگر موجباتِ قتل کا تعلق ہے وہ حکمِ عہد میں داخل نہیں۔

سنت سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ گستاخ کے قتل کا حکم دیتے تھے اور اس کا سبب صرف گستاخی ہوتا تھا، مجرد کفر نہیں جو عہدِ ذمہ سے خالی ہو پھر جب ایسی گستاخی پائی جائے تو وہ موجبِ قتل ہو گی اس صورت میں عہدِ ذمہ بھی خون معصوم نہیں ٹھہرائے گا یہاں جرم بڑھ جاتا ہے اور حربی کافر گستاخی کی وجہ سے گستاخ قرار پاتا ہے یونہی مسلمان جب نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے جو اس کی وجہ سے مرتد گستاخ ہو جاتا ہے اور مرتد کو قتل کرنا کافرِ اصلی کے قتل سے زیادہ مؤکد اور ضروری ہے اور ذمی جب گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بھی حربی گستاخ کی مانند ہو جاتا ہے اس لیے ایسے مجرم کا قتل بہت ضروری ٹھہرتا ہے۔

ذمی کی اس سزا کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے عہدِ ذمہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ گستاخی کا اظہار کرے، اس لیے جب وہ ایسی قبیح حرکت کا مرتکب ہوگا تو باجماعِ مسلمین اس کو قتل یا تعزیری سزا دی جائے گی۔ مگر اسے کسی ایسی بات پر سزا نہیں دی جائے گی جو معاہدہ کی شقوں میں شامل ہو خواہ وہ سخت کفر ہو نہ ہی اسے کسی ایسے فعل پر سزا دی جائے گی جس کی عہدِ ذمہ میں اجازت دی گئی ہو۔

نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے فعل کے ارتکاب پر قتل کا حکم دیا کبھی قتل کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ذمی عہدِ ذمہ کی خلاف ورزی کر رہا ہو ایسی صورت میں اس کا قتل بلا تردد ضروری ہے۔

اس توجیہ کی روشنی میں اس ذمی کا قتل ضروری ہے خواہ یہ فرض کیا جائے کہ اس نے عہد شکنی کی یا عہد شکنی نہیں کی، کیونکہ اس کے قتل کی موجب وہ باتیں ہیں جن کے کرنے کی ہم اسے اجازت نہیں دیتے تو ان کے ارتکاب پر وہ واجب القتل ہو جاتا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ بعض جرائم کی وجہ سے وہ عہد شکنی کا مرتکب نہیں ہوتا مثلاً اس کا ذمی عورت سے زنا کرنا، ذمی کی رہزنی کرنا اور کسی ذمی کو قتل کر دینا، یا اسی طرح کے جرائم کا مسلمانوں کے ساتھ ارتکاب کرنا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بلاشبہ اس کا عہدِ ذمہ نہ ٹوٹا مگر ان جرائم کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے گا۔

مسلمان کو بوجہ اظہارِ ایمان شانِ رسالت میں گستاخی سے منع کیا گیا ہے اور ذمی کو اس جرم سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عہدِ ذمہ قبول کیا اور صغار کی زندگی اختیار کی، اگر صغار (ذلت) کے باعث اسے گستاخانہ طرزِ عمل سے روکا نہ جاتا تو اسے ایسے عمل پر تعزیر وغیرہ کی سزا نہ دی جاتی، پھر جب گستاخانہ روش کی وجہ سے ایسے کافر کا قتل ضروری ٹھہرا جس کا خون ظاہری اور باطنی طور پر حلال تھا اور اس نے عہدِ ذمہ بھی اختیار نہیں کیا تھا تو ایسے شخص کا قتل تو بطریقِ اولیٰ جائز قرار پائے گا جس نے عہدِ ذمہ کے ذریعے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ شانِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب نہ ہوگا۔

ہماری نقل کردہ ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ گستاخ رسول ﷺ واجب القتل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کئی مقامات پر گستاخ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور امر (حکم) وجوب کا تقاضا کرتا ہے، نبی اکرم ﷺ کو جس شخص کے گستاخانہ طرزِ عمل کی اطلاع ہوئی آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا یہی طریقہ اصحاب رسول ﷺ کا تھا، حالانکہ اس وقت معاف کردینا ممکن تھا اور جہاں معاف کرنا ممکن نہ ہو وہاں ایسے گستاخ کا قتل زیادہ مؤکد اور ضروری ہے اور اس کی شدید کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ایسا فعل جہاد کافروں اور منافقوں پر سختی، دینی غلبے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ایک قسم ہے اور یہ بات معلوم و محقق ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ گستاخِ رسول کا قتل واجب اور انتہائی ضروری ہے۔

جہاں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے معاف کر دینے کا جواز تھا وہاں یہ ضروری تھا کہ وہ شخص حضور کے سامنے اسلام کا اظہار کرے، اطاعت اختیار کرے اور مطیع و فرماں بردار ہوکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے فرمانبرداری اور اطاعت کا اظہار نہ کیا تو حضور نے ان میں سے کسی کو معاف نہ کیا، اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بعض صحابہ کرام نے مذکورۃ الصدر دو لونڈیوں میں سے ایک کو امان دی اور بعض نے عبداللہ ابن ابی سرح کو امان عطا کی، کیونکہ یہ دونوں فرمانبرداری اختیار کر کے اسلام کے خواہش مند تھے اور توبہ کر چکے تھے، اور جو ایسا طرزِ عمل اختیار کر لیتا تھا نبی اکرم ﷺ اس کو معاف فرما دیتے تھے، اس لیے ان کا قتل متعین نہ ہوا، پھر جب ثابت ہو لیا کہ گستاخ واجب القتل ہے اور کافر حربی جو گستاخی کا اظہار نہ کرے واجب القتل نہیں بلکہ جائز القتل ہے، اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ "عہدِ ذمہ" واجب القتل شخص کے خون کو معصوم نہیں کر سکتا، وہ تو اسی کے خون کو معصوم کرتا ہے جس کے قتل کا صرف جواز ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مرتد کا کوئی عہدِ ذمہ نہیں ہوتا اور رہزن اور زانی کا قتل جب واجب ہو جاتا ہے تو عہدِ ذمہ بھی انہیں نہیں بچا سکتا۔

اس سزا کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ذمی کافر کو حربی کافر پر کوئی مزیت اور فوقیت حاصل نہیں بجز عہدِ ذمہ کے اور عہدِ ذمہ اسے اظہارِ سب اور گستاخی کی چھٹی نہیں دیتا، اس اعتبار سے ذمی اور حربی اظہارِ گستاخی کے جرم میں برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں واجب القتل ہوں گے اور عہدِ ذمہ کے اختصاص کی وجہ سے ذمی کو اظہارِ سب وشتم کی اجازت نہ دی جائے گی پس اس جرم کی بناء پر وہ واجب القتل ہوگا اور اسے ضرور قتل کیا جائے گا۔

اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جو بارگاہِ رسالت میں سب وشتم کرتا تھا، باوجود یکہ آپ نے ایسے شخص کو امان دی جو جان و مال سے آپ کے خلاف معرکہ آرا ہوا اس سے معلوم ہوا کہ سب وشتم کا جرم حرب و پیکار سے زیادہ سخت ہے اور ذمی شخص جب جنگ پر اتر آئے تو سزا اور قتل ہوگا پھر جب سب وشتم کے ذریعے گستاخی کا مرتکب ہو تو بطریق اولیٰ اس سزا کا مستحق ہوگا۔

یہ حقیقت بھی لائق توجہ ہے کہ ذمی اگرچہ عہدِ ذمہ کی وجہ سے معصوم الدم ہے مگر اس عہد کی رو سے گستاخی نہ کرنے کا بھی پابند ہے اس کے برعکس حربی عہدِ ذمہ نہ ہونے کی وجہ سے معصوم الدم نہیں ہوتا اور نہ وہ عدمِ گستاخی کا پابند ہوتا ہے، اس لحاظ سے ذمی حربی سے زیادہ برے مقام پر ہوتا ہے کیونکہ وہ حسب عہد گستاخی نہ کرنے کا پابند ہوتا ہے، اگر وہ اس جرم کا ارتکاب کرے کا تو اس کا جرم

بڑا اور دشمنی زیادہ ہوگی اور حربی گستاخ کی بہ نسبت سخت سزا کا مستحق ہوگا، اس صورت میں عہدِ ذمہ عصمتِ خون کا تقاضا پورا نہ کرے گا کیونکہ ہم عہد کی انہی شرائط پر کاربند رہیں گے جن کی وہ پاسداری کرے گا چونکہ اظہار گستاخی کی وجہ سے وہ عہد پر برقرار نہ رہا اس لیے سزا کا حقدار ہوا۔

نتیجہ کلام:

سنت سے ثابت ہوگیا کہ اس جرم کی سزا قتل ہے اور ان احادیث سے استدلال کا راز یہ ہے کہ ذمی مجرد عہد شکنی سے سزاوار قتل نہ ہوگا کیونکہ مجرد عہد شکنی سے وہ کافر غیر معاہد کی مانند ہو جائے گا، ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے گستاخ کے قتل کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ وہ کافر غیر معاہد تھا بلکہ قتل کی وجہ گستاخی کا جرم تھا، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ گستاخانہ طرزِ عمل کفر عداوت اور محاربت کو مستلزم ہے اور یہ صورت سزائے قتل کو واجب قرار دیتی ہے، اس سزا کے ثبوت میں مزید کلام انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آ رہا

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی سزا

حدیثِ سیزدہم:

ابو القاسم عبداللہ بن محمد بغوی بحوالہ ابنِ بریدہ نقل کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے ایک قوم سے کہا، مجھے نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کروں اور تمہارے مالوں میں بھی اپنی مرضی سے حکم چلاؤں'' اصل معاملہ یہ تھا کہ ایامِ جاہلیت میں اس نے اس قوم کی ایک عورت کو پیغامِ نکاح دیا مگران لوگوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا، بعدازاں وہ گیا اور اس عورت کے ہاں ٹھہرا، تو ان لوگوں نے تحقیقِ حال کے لیے ایک شخص بارگاہِ رسالت میں بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا

كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ — اس دشمنِ خدا نے جھوٹ کہا ہے۔

پھر ایک آدمی کو بھیج کر حکم دیا اگر زندہ تمہارے ہاتھ آئے تو اس کو قتل کر دو اور اگر اسے مردہ حالت میں پاؤ تو اسے جلا دو۔''

چنانچہ وہ شخص روانہ ہوا جب اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ جھوٹا شخص سانپ کے ڈسنے سے مر چکا ہے پس اسے آگ میں جلا دیا، اس موقع پر حضور نے فرمایا

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔ — جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔

اس روایت کو امام ابو احمد بن عدی نے ''کتاب الکامل'' میں بحوالہ ابنِ بریدہ نقل کیا کہ ان کے باپ نے بیان کیا۔

''بنولیث کا قبیلہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر اقامت گزیں تھا۔ ایک شخص نے ایامِ جاہلیت میں ان کی ایک عورت کا رشتہ مانگا مگر انہوں نے اس رشتہ سے انکار کر دیا بعدازاں ایک قیمتی حلہ میں ان کے پاس آیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ حلہ

پہنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان تمہارے مالوں اور جانوں کا فیصلہ کروں۔ پھر چل کر اس عورت کے ہاں ٹھہرا جس سے محبت کرتا تھا، تو لوگوں نے تحقیقِ حال کے لیے ایک شخص حضور کی خدمت میں بھیجا، آپ نے فرمایا

''اس دشمنِ خدا نے جھوٹ کہا ہے۔''

پھر ایک شخص کو بھیج کر حکم دیا اگر تم اسے زندہ پاؤ اور میں نہیں سمجھتا کہ تم اس کو زندہ پاؤ گے، تو اس کی گردن مار دو اور اگر مردہ حالت میں ملے تو اسے جلا دینا''

امام ابنِ عدی فرماتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اسی موقع ومحل کی نسبت سے ہے۔

''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

یہ اسناد صحیح ہے اور صحیح کی شرط پر ہے ہم اس میں کوئی علت قادحہ نہیں پاتے۔

اس حدیث کی ایک اور سلسلہ سند سے شاہد روایت بھی ہے جسے معافی بن زکریا جریری نے روایت کیا، کتاب الجلیس میں ہے ابن السائب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن اپنے ساتھیوں سے فرمایا، تم جانتے ہو کہ حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ الی آخرہ کی تاویل کیا ہے؟

ایک شخص ایک عورت سے عشق کرتا تھا، ایک شام اس کے اہلِ خانہ کے پاس آیا اور کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ جس گھر میں چاہوں مہمان بن کر رہوں' اور پھر رات بسر کرنے کا انتظار کرنے لگا، ان لوگوں نے ایک شخص کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس نے جا کر عرض کیا: یارسول اللہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ آپ نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ ہمارے گھروں میں جس میں چاہے رات بسر کرے، آپ ﷺ نے سن کر فرمایا اس نے جھوٹ بکا ہے'' اے فلاں اس کے ساتھ جا اگر اللہ تعالیٰ تجھے اس پر قدرت دے تو اس کی گردن مار کر اسے آگ میں جلا دے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا کام تمام ہو چکا ہے'' چنانچہ جب وہ ایلچی روانہ ہوا تو حضور نے فرمایا ''اسے بلاؤ'' پھر فرمایا میں نے تجھے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا کر اس کو جلا دے، پس اگر اللہ تعالیٰ تجھے اس پر قدرت دے تو اس کی گردن اڑا دینا مگر اسے جلانا نہیں، کیونکہ آگ کا عذاب دینا آگ کے پروردگار کا کام ہے، لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری کفایت ہو چکی ہے اور اس کا کام نبڑ چکا ہے، رات کے وقت آسمان پر تاریک بادل تھے وہ وضو کے لیے نکلا تو اسے سانپ نے ڈس لیا (اور وہ مر گیا) جب نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ جہنم میں ہے۔''

ابوبکر بن مردویہ بحوالہ ابوسلمہ نقل کرتے ہیں حضرت اسامہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مَنْ يَّقُوْلُ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔ جو میرے ذمے ایسی بات لگائے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اس ارشاد کا باعث یہ ہوا کہ آپ نے ایک شخص بھیجا تو اس نے آپ پر جھوٹ باندھا پھر وہ مردہ حالت میں پایا گیا اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا اور زمین اسے قبول نہیں کرتی تھی۔

ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور پر جھوٹ باندھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس کو قتل کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کے حکم کے متعلق علماء کا اختلاف

علماء کے اس حدیث کے بارے میں دو قول ہیں۔

پہلا قول:

حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ پر دانستہ جھوٹ باندھنے والوں کو قتل کرنا، اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ایسے کلمات منسوب کرنے والے کافر ہو جائیں گے اس نکتۂ نگاہ کی حامل ایک جماعتِ علماء ہے جن میں امام ابومحمد جوینی شامل ہیں، حضرت ابنِ عقیل اپنے شیخ ابوالفضل ہمدانی سے نقل کرتے ہیں کہ ایسے مبتدعین کذابین اور حدیثیں گھڑنے والے ملحدین سے بڑھ کر گمراہ ہیں کیونکہ ملحدوں نے دین کو باہر سے برباد کرنے کی کوشش کی اور یہ ظالم دین کو اندر ہی سے تباہ کرنے پر تلے ہیں ان کی مثال شہر کے ان باشندوں کی طرح ہے جو اندر سے اپنے احوال کو بگاڑ رہے ہوں جبکہ ملحدین ان محاصرین کی طرح ہیں جو باہر سے شہر کا محاصرہ کئے ہوئے ہوں، اس طرح شہر کے اندر موجود سازشی اور شرارتی عناصر جلد قلعوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اس لیے وہ لوگ ان لوگوں کی بہ نسبت زیادہ برے اور اسلام کے لیے زیادہ خطرناک ہیں جنہوں نے اسلام کا لباس نہیں پہنا۔ اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ہے اسی لیے حضور نے فرمایا:

اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى اَحَدِكُمْ ۔ بے شک مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جس طرح تم میں کسی پر جھوٹ باندھا جاتا ہے۔

کیونکہ جس چیز کا حکم نبی اکرم ﷺ نے دیا دراصل وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کی اتباع ضروری ہے اور جس چیز کی خبر حضور نے دی اس کی تصدیق لازم ہے جس طرح خدائی خبر کی تصدیق واجب ہے۔

جو شخص کسی خبر میں حضور کی تکذیب کرے یا التزام امر سے باز رہے وہ کافر حلال الدم ہے یہی حکم ہے اس شخص کا جو دانستہ حضور پر جھوٹ باندھے، کیونکہ یہ بات معلوم و متحقق ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول یا نبی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی خبر دے جیسے مسیلمہ کذاب اور عنسی وغیرہ متنبیین نے کیا، وہ شخص کافر ہے اور اس کا قتل جائز ہے۔

اس بات کی وضاحت اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنا آپ ﷺ کی تکذیب کے مترادف ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کذب بیانی اور تکذیب کو ذیل کے ارشادِ گرامی میں اکٹھا کر فرمایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۔ (العنکبوت: ۶۸) اور اس سے ظالم کون جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھے یا جب حق بات اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے۔

بلکہ بعض اوقات جھوٹا شخص حق کو جھٹلانے والے شخص سے بڑا گناہ گار ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادِ گرامی میں جھوٹے شخص سے کلام کا آغاز فرمایا (اور تکذیب کرنے والے کا بعد میں ذکر کیا) جس طرح اس کے بارے میں سچ کہنے والا اس کی خبر کی تصدیق کرنے والے سے زیادہ رتبے کا حامل ہوتا ہے پھر جب جھوٹا، جھٹلانے والے کی مانند ہو، یا اس سے بڑا گنہگار ہو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا اس کی تکذیب کرنے والے کے مترادف ہو تو نبی اکرم ﷺ کے متعلق جھوٹ کہنے والا بھی آپ کی تکذیب کرنے والے کے برابر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو جھٹلانا جھوٹ کی ایک قسم ہے کیونکہ اس جھٹلانے کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی خبر سچی نہیں ہے اور دینِ خداوندی کا ابطال ہے اور اس میں فرق نہیں کہ ایک خبر کی تکذیب کی جائے یا تمام خبروں کی، اس طرزِ عمل سے آدمی کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں دینِ حق اور رسالت کا ابطال ہے اور حضور پر جھوٹ باندھنے والا دراصل دین میں دانستہ ایسی باتیں داخل کر دیتا ہے جن کا دین سے تعلق نہیں ہوتا، اور یہ گمان کرتا ہے کہ امت پر اس خبر کی تصدیق لازم ہے اور اس حکم کی تعمیل ضروری ہے کیونکہ اس کے زعم کے مطابق وہ دینِ خداوندی ہے حالانکہ اس بات کا دینِ حق سے مطلقاً کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔

دین میں زیادتی اس میں نقص (کمی) کے مترادف ہے اس اعتبار سے کوئی شخص کسی آیتِ کریمہ کی تکذیب کرے یا کوئی کلام تصنیف کر کے دانستہ اسے قرآن کی سورۃ کریمہ سمجھے تو دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں۔

اگر بطور استہزاء و استخفاف جان بوجھ کر حضور پر جھوٹ باندھے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس کے زعم کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ایسی باتوں کا حکم دیا جن کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا تھا بلکہ بعض اوقات ان باتوں کا حکم دینا جائز نہیں جانتا، تو اس طرح وہ (معاذ اللہ) نبی اکرم ﷺ کو سفاہت کی طرف منسوب کرتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور نے باطل چیزوں کی خبر دی ہے حالانکہ حضور کی طرف ایسی نسبت صریح کفر ہے۔

اسی طرح اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزے فرض کیے ہیں یا چھٹی نماز فرض کی ہے یا روٹی اور گوشت کو حرام قرار دیا ہے باوجودیکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ایسا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا۔

پس جو شخص دعویٰ کرے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی ایسی چیز کو واجب کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واجب نہیں کیا یا کسی ایسی چیز کو حرام قرار دیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا، تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، مزید یہ کہ اس نے صراحت کے ساتھ اس بات کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور یہ کہ اس نے یہ بات اجتہاد اور استنباط سے نہیں کہی، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص عمداً اللہ تعالیٰ پر کذب صریح باندھے تو وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کا مرتکب ہوا اور اس کی حالت انتہائی بری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو کسی معظم ہستی کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے وہ اس کی توہین اور گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے۔

جھوٹا شخص جو کسی بات کی رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کرتا ہے وہ ضرور آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر عیب اور نقص کی تہمت رکھتا ہے اور یہ معلوم و محقق ہے کہ جو آپ ﷺ پر جھوٹ باندھے جس طرح کہ عبداللہ ابن ابی سرح نے جھوٹ

باندھا'' کہ محمد (ﷺ) مجھ سے علم حاصل کرتے ہیں'' یا فحش اور خبیث باتوں کی نسبت کرے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کذب بیانی کی وجہ سے کسی حکم یا خبر یا فعل کی روایت کرتا ہے پس اگر وہ کسی ایسے حکم کی روایت کرے جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا تو اس نے شریعتِ محمدیہ میں اضافہ کیا اور ایسا کرنا کسی صورت جائز نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ اس کا ضرور حکم دیتے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ يُقَدِّمُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ اِلَّا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَا مِنْ شَيْءٍ يُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ .

میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں جنت کے قریب کرے مگر میں نے اس کا حکم دیا اور کوئی ایسی چیز نظر انداز نہیں کی جو تمہیں جہنم سے دور کرے مگر میں نے اس سے تمہیں منع کیا۔

پھر جب حضور نے اس کا حکم نہیں دیا تو اس کا حکم دینا نا جائز ہے اور جو حضور ﷺ سے روایت کرے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تو اس نے آپ کی طرف ایسی بات منسوب کر دی جس کا حکم دینا نا جائز تھا، یہ تو معاذ اللہ آپ ﷺ کو سفاہت کی طرف منسوب کرنا ہے۔

اسی طرح حضور کی نسبت سے جھوٹی خبر نقل کرنا کہ اگر وہ خبر ایسی ہوتی جس کا بیان کرنا ضروری ہوتا تو حضور ضرور اس کی خبر دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا پھر جب آپ ﷺ نے اس کی خبر نہیں دی تو معلوم ہوا کہ اس کی خبر دینا ضروری نہ تھا۔ یونہی آپ ﷺ کے حوالے سے کوئی فعل نقل کرنا جو آپ کی طرف غلط منسوب ہو کہ اگر وہ فعل ضروری ہوتا تو حضور اس کو ترجیح دیتے پھر جب آپ ﷺ نے اس فعل کو نہیں کیا تو اس کا ترک کرنا زیادہ مناسب ہے۔

حاصلِ کلام:

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اپنے تمام احوال میں کامل ترین بشر ہیں آپ نے جس قول و فعل کو ترک کیا اسے ترک کرنا بہترین کام ہے اور جسے سرانجام دیا اس پر عمل پیرا ہونا کامل ترین فعل ہے پس جب کوئی شخص عمداً حضور پر جھوٹ باندھے یا کسی خبر کی غلط نسبت کرے تو آپ ﷺ کی طرف نقص کی نسبت کرے گا کیونکہ اگر وہ فعل فی الحقیقت کمال ہوتا تو وہ ضرور حضور سے صادر ہوتا اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف نقص کی نسبت کرے وہ کافر ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ قول اول انتہائی قوی ہے لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضور کی ذاتِ مقدسہ پر براہِ راست جھوٹ باندھنے والے اور بالواسطہ کذب بیانی کرنے والے شخص میں فرق ہے مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مجھے فلاں بن فلاں نے فلاں بات کی خبر دی تو یہ جھوٹ اس شخص پر ہوگا اور وہ حدیث اسی کی طرف منسوب ہوگی، البتہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ ''یہ حدیث صحیح ہے'' یا حضور سے ثابت ہے'' اور اسے علم ہو کہ اس روایت کی نسبت جھوٹ پر مبنی ہے، تو یہ بھی حضور کی طرف جھوٹی نسبت قرار پائے گی۔ ہاں اگر روایت گھڑ کر بیان کرے تو اس کا فعل محلِ نظر ہے بالخصوص جب اس کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہو کیونکہ تمام صحابہ کرام عدول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عادل قرار دیا ہے اس لیے ایسے شخص سے جھوٹ کا وقوع بہت زیادہ دینی نقصان کا سبب بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور نے فوراً اس کو قتل کرایا تا کہ عبرت ناک سزا دین کی حفاظت کا باعث بنے اور منافقوں کا شمار عدول صحابہ

کرام میں نہ ہو۔

جو شخص کسی حدیث کی روایت کرے اور جانتا ہو کہ وہ روایت جھوٹی ہے تو اس کو نقل کرنا حرام ہے، جیسا کہ حضور سے بصحت مروی ہے۔

مَنْ رَوٰی عَنِّیْ حَدِیْثًا یَعْلَمُ اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ . جو میری نسبت سے کوئی بات روایت کرے اور جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو اس شخص کا شمار جھوٹوں میں ہے۔

مگر اس سے وہ اسی صورت میں کافر ہوگا جب اس روایت میں کوئی موجب کفر بات شامل کرے گا کیونکہ اس بات میں تو سچا ہے کہ وہ روایت اس کے شیخ نے نقل کی ہے، لیکن جب اسے علم ہو کہ اس کے شیخ نے جھوٹ بولا ہے تو اس کے لیے روایت کا نقل کرنا حلال نہیں، ورنہ اس کی حیثیت یہ ہوگی کہ گویا اس نے دانستہ اقرار، شہادت یا عقد کی جھوٹی شہادت دی ہے، ایسی شہادت حرام ہے مگر جھوٹے شاہد کی شہادت نہیں۔

اس قول پر حضور ﷺ کو گالی دینے والا، آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے سے زیادہ سزا کا حقدار ہے کیونکہ جھوٹ باندھنے والے نے تو دین میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اس میں نہ تھی جبکہ گالی دینے والے نے تو مطلقاً رسالت کا انکار کر کے دین پر طعن کر دیا، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جھوٹ باندھنے والے سے تو یہ طلب کئے اور موقع دیئے بغیر اس کو قتل کرنے کا حکم دیا جس کی رو سے شاتم رسول ﷺ تو بطریق اولیٰ اس سزا کا مستحق ہے۔

اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے میں مفسدہ اور خرابی ہے کہ جھوٹی خبر کی تصدیق سے دین میں اجنبی چیز کا اضافہ ہو سکتا ہے یا ایسی چیز دین سے خارج ہو سکتی ہے جو فی الواقع دین کا حصہ ہو جبکہ طعن کرنے والے ایسی خرابی نہیں پیدا کر سکتا کیونکہ اس کے کلام کا باطل ہونا ظاہر ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات نبوت کو نمایاں کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ناقل حدیث عادل ضابطہ نہ ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی اس لیے کہ ہر راوی کی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ راوی کو عادل سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ وہ عادل نہیں ہوتا، جبکہ طعن کرنے والے کا طعن بہت سی طبیعتوں میں اثر کر جاتا ہے اور دلوں سے احترام رسول ختم کر دیتا ہے، اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ روایت حدیث کے ایسے دلائل ہوں جن سے سچ اور جھوٹ کے درمیان واضح پہچان ہو سکے۔

دوسرا قول:

حضور ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کو سخت سزا دی جائے مگر اسے کافر قرار دینا اور قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ کفر اور قتل کے موجبات معلوم و مشہور ہیں اور یہ فعل ان سے تعلق نہیں رکھتا، اس لیے جائز نہیں کہ اس چیز کو ثابت کیا جائے جس کی بنیاد نہ ہو، اور جو ایسا کہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول کو اس سے مقید کرے کہ حضور کی طرف کذب کی نسبت ظاہری عیب کو متضمن نہیں پس اگر روایت کرے کہ اس نے آپ کو ایسا کلام کرتے سنا جو آپ کے نقص و عیب پر واضح طور پر دلالت کرتا ہو مثلاً حدیث عرق

النخیل اور دیگر بیہودگیاں تو ایسا شخص حضور کے ساتھ واضح مذاق کرتا ہے اور بلاشبہ کافر اور حلال الدم ہے۔

اس دوسرے نکتۂ نظر کے حاملین حدیثِ مذکورۃ الصدر کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور کو علم تھا کہ وہ شخص (جس نے دوسرے قبیلے میں جا کر فیصلہ کرنے کا اعلان کیا اور اس کی نسبت حضور کی طرف کی) منافق تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا، اسے جھوٹ کی وجہ سے قتل نہیں کیا۔

مگر اس جواب کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ہرگز یہ طرزِ عمل نہ تھا کہ آپ کسی منافق کو، جس کے نفاق کی ثقہ خبر ہو، یا جن کے نفاق کے معاملہ میں قرآن نازل ہوا ہو، قتل کرنے کا حکم دیتے پھر ایسے شخص کو کیونکر قتل کر سکتے تھے جس کے نفاق کی صرف آپ کو اطلاع تھی، آپ ﷺ نے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو ان منافقین کی نام بنام اطلاع دی مگر ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا۔

حدیث میں قتل کے جس سبب کا ذکر ہے وہ نبی اکرم ﷺ پر ایسا جھوٹ ہے جس کی خاص غرض و غایت ہے اور قتل کا حکم اسی پر مرتب ہے اس لیے اسے کسی اور سبب کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

اس شخص کا نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا حصولِ شہرت کی غرض سے تھا اس طرح کا فعل فاسقوں سے صادر ہوتا ہے جیسا کہ کافروں سے صادر ہوتا ہے۔

پھر اس شخص کے فعلِ نفاق کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، جھوٹ یا گزشتہ کوئی سبب، اگر پہلی وجہ ہو یعنی نبی اکرم ﷺ پر کذب بیانی تو ثابت ہو گیا کہ وہ منافق ہے اور منافق کافر ہی ہوتا ہے اور اگر مرضِ نفاق پہلے سے موجود ہو تو وہ قتل کا تقاضا کرتا ہے، پھر حضور اس وقت تک اس کے قتل کو کیوں مؤخر کرتے رہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس نفاق کی وجہ سے اس کی گرفت کیوں نہ فرمائی؟ یہاں تک کہ اسے کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

اس قبیلہ کے لوگوں نے جب حضور ﷺ کو اس شخص کی کذب بیانی سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کذب عدو اللہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا پھر اپنے ایلچی کو حکم دیا کہ اگر زندہ مل جائے تو اسے قتل کر دے بعد ازاں فرمایا۔

مَا اَرَاكَ تَجِدُهٗ حَيًّا۔ میرے خیال میں تم اسے زندہ نہیں پاؤ گے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور جانتے تھے کہ اس کا جرم فوری سزا کا متقاضی ہے۔

وصفِ فعل کے بعد سزا کا حکم اس کی علیت کی دلیل ہے

نبی اکرم ﷺ جب کسی فعل کے پیچھے قتل یا دیگر سزاؤں اور کفاروں کا حکم دیتے اور وہ فعل اس جزاء کے مرتب ہونے کی صلاحیت رکھتا تو وہ فعل خصوصیت کے ساتھ اسی جزاء کا مقتضی ہوتا، جیسا کہ بدو نے آ کر رمضان میں جماع کا اعتراف کیا تو حضور نے اسے کفارہ دینے کا حکم دیا یونہی ماعز اور غامدیہ نے زنا کا اقرار کیا تو آپ نے سنگساری کا حکم دیا اس معاملہ میں علماء کا اختلاف نہیں، البتہ بعض اوقات اصل موجبِ سزا (جرم) کے متعلق اختلاف کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ تمام اوصاف کا مجموعہ ہے یا بعض

اوصاف کا، دراصل یہ تنقیح مناط کی ایک نوع ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اس فعل کو سزا میں بے اثر مانا جائے اور سزا کا موجب کوئی اور سبب قرار دیا جائے تو یہ بالبداہت فاسد ہے مگر اس بارے میں قریب ترین یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے جھوٹ بولا جو آپ ﷺ کی تنقیص اور عیب کو متضمن تھا، کیونکہ اس نے دعویٰ یہ کیا تھا کہ حضور نے اسے لوگوں کے خونوں اور مالوں میں فیصلہ کرنے کی ذمہ داری سونپی اور اجازت دی کہ جس گھر میں چاہے رہے، اور اس کذب بیانی سے اس کا مقصود یہ تھا کہ وہ اس عورت کے ہاں رات گزارے اور اس سے بدکاری کرے اور وہ لوگ اس کے منصب کے پیشِ نظر اس پر نکیر نہ کرسکیں۔

نبی اکرم ﷺ محرمات کو حلال نہیں ٹھہراتے

یہ حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ حرام بات کو حلال نہیں کرتے جو اس گمانِ فاسد میں مبتلا ہو کہ حضور نے جانوں اور مالوں کی حرمتوں اور فحش باتوں کو حلال قرار دیا اس نے آپ ﷺ کی توہین کی اور آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عیب لگایا، اس بدبخت نے حضورِ انور کی طرف یہ منسوب کیا کہ آپ ﷺ نے اسے ایک اجنبی عورت کے ہاں علیحدگی میں رات بسر کرنے کا اختیار دیا، نیز ایک گروہِ مسلمین کے درمیان اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا، یہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک پر شدید طعن اور عیب ہے اس تقدیر پر آپ نے اس کو بلا مطالبہ توبہ قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے آپ پر عیب لگایا اور طعن کیا۔

اس مقام پر یہی ثابت کرنا مقصود تھا کہ (مذکورہ بالا) دونوں اقوال کی روشنی میں ایسے شخص کو قتل کرنا نصِ حدیث سے ثابت ہے جو حضور کی ذات پر طعن کرے۔

قولِ اوّل کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر اس قبیلہ کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس شخص کا کلام شانِ رسالت میں گستاخی اور طعن ہے تو فوراً نکیر کا اظہار کرتے، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں اس کے معاملہ میں شک گزرا تو انہوں نے توقف اختیار کیا یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ سے حقیقتِ حال کے متعلق دریافت کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ طاعتِ رسول ﷺ کے وجوب اور اس لعین کے لائے ہوئے سنگین حکم کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا تھا۔

قولِ اوّل کے حامی کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک پر ہر جھوٹ آپ کی تنقیصِ شان اور طعن کو متضمن ہے جیسا کہ گزر چکا ہے پھر یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ حدیث میں ذکر نہیں آیا کہ اس شخص نے تنقیصِ شان اور طعن کا قصد کیا تھا، اس کا مقصد تو اس کذب بیانی سے شہوت کا حصول تھا، اور ہر دانستہ جھوٹ بولنے والے کا یہی مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ اس جھوٹ سے اس کا مقصد استہزاء نہ ہو تو کوئی غرض ضرور پیشِ نظر ہوگی اور اغراض زیادہ تر مال یا شرف سے وابستہ ہوتی ہیں، جیسا کہ کسی بدکار کا مقصد اگر گمراہ کرنا نہ ہو تو سرداری، بڑائی یا ظاہر شہوات کا حصول ضرور ہوتا ہے۔ الغرض! جو شخص کفری قول یا کفری فعل کا مرتکب ہو، وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا خواہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہ کیا ہو۔

اذیتِ رسول ﷺ کی پاداش میں قتل ہونے والا جہنمی ہے

چودھویں حدیث:

یہ حدیثِ اعرابی ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے ایک بدو کو عطا فرمایا تو اس نے کہا
مَا اَحْسَنْتَ وَلَا اَجْمَلْتَ
تو اس گستاخانہ کلام کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔
بعدازاں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ تَرَكْتُكُمْ حِيْنَ قَالَ الرَّجُلُ مَا قَالَ فَقَتَلْتُمُوْهُ دَخَلَ النَّارَ ۔ اگر میں تم کو اس کے گستاخانہ طرزِ عمل پر اس کے قتل کی اجازت دے دیتا اور تم اس کو قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں جاتا۔

اس کا ذکر عنقریب ان احادیث کے ضمن میں آ رہا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے عفو و درگزر کے متعلق وارد ہیں، زیرِ نظر حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اذیت دے پھر اس کی پاداش میں قتل ہو جائے تو جہنم میں جائے گا، یہ اس کے کفر اور جوازِ قتل کی دلیل ہے اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ اس جرم کی وجہ سے کافر نہ ہو اور اس کا قتل بھی ناجائز ہو تو اس صورت میں تو وہ شہید قرار پائے گا اور اس کا قاتل جہنمی ہوگا (جو کہ بداھتاً غلط اور باطل ہے) اس کو قتل نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو منانے کی کوشش کی یہاں تک کہ حضور اس سے راضی ہو گئے اور ایسے مجرموں کو معاف کر دینا آپ کا حق اور اختیار تھا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آ رہی ہے۔

غزوۂ حنین کی غنیمتوں کی تقسیم

اسی قسم کا واقعہ غزوۂ حنین کا ہے نبی اکرم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے، کہ ایک شخص نے کہا:

اِنَّ هٰذِهٖ لَقِسْمَةٌ مَّا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ ۔ اس تقسیم میں رضائے خداوندی کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے اس منافق کی گردن اڑا دوں، حضور نے فرمایا، اللہ کی پناہ میں نہیں پسند کرتا کہ لوگ کہیں "محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں" اس کے بعد پیش گوئی فرمائی "اس بدبخت کی نسل سے ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا" اس حدیث خوارج کو امام مسلم نے روایت کیا۔

وضاحت:

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس گستاخ کے قتل سے صرف اس لیے منع فرمایا کہ لوگ آپ ﷺ پر اصحابِ رسول کو

قتل کرنے کا الزام نہ رکھیں، ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ وہ معصوم الدم تھا، جیسا کہ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں تصریح فرما دی، جب حضرت حاطب نے کفارِ مکہ کو اسلامی لشکرکشی کی اطلاع کا خط لکھا تو اپنے دفاع میں یوں عرض کیا۔

مَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ كُفْرًا وَّلَا رَغْبَةً عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ . — میں نے ایسا کفر، دینِ حق سے برگشتگی یا اسلام لانے کے بعد کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔

یہ سن کر حضور نے فرمایا

اِنَّهٗ قَدْ صَدَقَكُمْ . — اے میرے اصحاب! حاطب نے تم سے سچ کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت مرحمت فرمایئے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

فرمایا نہیں،

اِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ — حاطب غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی سرفروشیاں اور جانثاریاں دیکھ کر فرمایا اے اہلِ بدر! تم جو چاہو کرو، میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ حاطب اس خطاء کے بعد بھی ایمان پر قائم دائم ہیں اور ان کا اعترافِ خطا بخشش کا باعث ہے اس سے معلوم ہوا کہ حاطب کا خون معصوم تھا اور یہاں خرابی کی جو وجوہات ہو سکتی تھیں، ختم ہو گئیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اور کوئی خرابی لاحق نہ ہوتی ہو تو ایسے گستاخ کا قتل جائز ہے یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کی خرابیوں اور مفاسد کا اندیشہ نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ . (تحریم:۹) — کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

حالانکہ اس سے پہلے یہ حکم موجود تھا۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذَاهُمْ . (احزاب:۴۸) — کافروں اور منافقوں کی بات نہ سنو اور ان کی اذیتوں سے صرفِ نظر کرو۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حکم جہاد نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔

عبداللہ بن ابی کا واقعہ:

اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ عبداللہ بن ابی کا واقعہ ہے، جس کی طرف آیتِ ذیل میں اشارہ ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ . (المنافقون:۸) — (منافقین) کہتے ہیں اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت مند شخص ذلیل شخص کو مدینہ سے نکال دے گا۔

انہوں نے یہ بھی کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنْفَضُّوْا . — بارگاہِ رسالت کے حاضر باشوں پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ تتر

(۲۳/۷) بتر ہو جائیں۔

(دراصل یہ گستاخانہ کلمات عبداللہ بن ابی نے غزوۂ مریسیع سے واپسی پر کہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَنْ تُرْعَدُ لَهُ اُنُوْفٌ كَثِيْرَةٌ بِالْمَدِيْنَةِ ۔ اس صورت میں بہت سی ناکیں اس کی خاطر (غضبناک ہو کر) لرزنے لگیں گی۔

نیز فرمایا: ''میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔''

یہ قصہ مشہور ہے، صحیحین میں بھی موجود ہے انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل عنقریب آئے گی۔

مذکورہ بالا قصہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اس طرح کے گستاخانہ کلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دے، اس کو قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشہ کے پیش نظر اس گستاخ کو قتل نہ کیا تھا کہ کہیں لوگ اسلام سے متنفر نہ ہو جائیں کیونکہ اس وقت اسلام کمزور تھا۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی اذیت رسائی پر فرمایا

مَنْ يَّعْذِرُنِيْ فِيْ رَجُلٍ بَلَغَنِيْ اَذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ ۔ کون ہے جو مجھے اس شخص کی شرارتوں سے محفوظ و معذور کرے جس نے مجھے میرے گھر والوں کے متعلق اذیت دی ہے؟

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ذمہ داری میں لیتا ہوں اگر اس شخص کا تعلق بنی اوس سے ہے تو میں اس کی گردن ماردوں گا یہ قصہ بہت مشہور ہے، پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی اس بات پر انکار نہ فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دے اور آپ کی تنقیص کرے تو اس کی گردن مارنا جائز ہے۔

ان باندھنے والو حضرت کے کلام اور عبداللہ بن ابی کے بکواسات میں فرق یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اپنے کلام کے ذریعے آپ کی ذاتِ اقدس پر عیب و طعن کی غلاظت پھینکنا چاہتا تھا اور آپ کے دامنِ اطہر کے ساتھ عار لاحق کرنا چاہتا تھا تا کہ حضور کی توہین ہو بخلاف حضرت حسان حضرت مسطح اور حضرت حمنہ کے، کہ ان کا ارادہ ایسا نہ تھا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت طلب کی اور حضور نے بھی عبداللہ بن ابی کی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کا مطالبہ کیا، دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں فرمایا، اسی غرض سے آپ نے لوگوں کو خطاب فرمایا جس کی وجہ سے دونوں قبیلوں میں لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

مالِ عزیٰ کی تقسیم

حدیثِ پانزدہم

سعید بن یحییٰ اموی مغازی میں لکھتے ہیں

''مجالد بن سعید امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو عزیٰ کا قیمتی مال منگوا کر سامنے بکھیر دیا

پھر ایک شخص کو بلا کر عطا فرمایا پھر ابوسفیان کو اس میں سے دیا پھر سعد بن حریث کو طلب فرمایا اور عطا کیا بعدازاں قریش کے ایک گروہ کو اس سے نوازا، آپ ایک ایک شخص کو سونے کے ٹکڑے جو پچاس مثقال اور ستر مثقال کے تھے، دینے لگے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ تبر (سونے) کا حق دار کون ہے؟ پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے بھی یہی کہا تو آپ ﷺ نے رُخ انور پھیر لیا۔ بعدازاں تیسرے نے کھڑے ہو کر کہا۔

اِنَّکَ لَتَحْکُمُ وَمَا نَرٰی عَدْلاً۔ آپ فیصلہ تو کر رہے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ عادلانہ فیصلہ نہیں۔

آپ نے سن کر فرمایا تیری بربادی پھر تو میرے بعد کوئی بھی عدل کا فیصلہ نہیں کر پائے گا'' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے فرمایا۔

اِذْھَبْ فَاقْتُلْهُ ''جاؤ اسے قتل کر دو۔''

آپ اس کو قتل کرنے کے لیے تشریف لے گئے مگر وہ ہاتھ نہ آیا، حضور نے فرمایا ''اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو امید تھی کہ اس گستاخ گروہ کا پہلا اور آخری آدمی ہوتا۔''

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے کہ حضور کی شان میں ایسا اعتراض کرنے والے کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جائے، واضح رہے کہ یہ واقعہ غنائم حنین کی تقسیم والا نہیں، نہ ہی اس سونے والا قصہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا، بلکہ یہ قصہ اس سے پہلے کا ہے اور مالِ عزیٰ کی تقسیم کے موقع پر رونما ہوا، اس کی دلیل یہ ہے کہ عزیٰ (بت) کی توڑ پھوڑ کا واقعہ اواخرِ رمضان سن آٹھ ہجری فتح مکہ سے پہلے کا ہے جبکہ حنین کا مالِ غنیمت اس کے بعد ذی القعدہ میں جعرانہ کے مقام پر تقسیم ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی دس ہجری کا ہے۔

اس حدیث کی فنی حدیث:

یہ حدیث مرسل ہے، اس کا ایک راوی مجالد ہے اس میں لین (یعنی کچھ کمزوری) ہے لیکن اس مفہوم کی تائید میں دیگر احادیث بھی ہیں پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے حضور کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا تھا، اور قرآنِ حکیم نے بھی حضرت عمر کے عمل کی تائید کی حالانکہ اس شخص کا جرم اس گستاخ کے جرم سے ہلکا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یمن سے بارگاہِ رسالت میں سونا بھیجا جس کی تقسیم کے درمیان ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا یا رسول اللہ! اللہ سے ڈریئے (یہ عادلانہ تقسیم نہیں ہے) تو حضور نے فرمایا اس شخص کی نسل سے ایسا گروہ نکلے گا جو تر زبانوں سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا، وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہ کہیں گے، اگر میں نے ان کو پا لیا تو ان کو قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا۔

صحیحین ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔

سَیَخْرُجُ قَوْمٌ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ آخری زمانے میں نوعمر احمق لوگ ظاہر ہوں گے جو بیان

سُفَهَاءَ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ مَحُوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

کریں گے ان کا ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، وہ جہاں بھی تم کو ملیں انہیں قتل کرو کیونکہ روزِ قیامت ان کے قاتل کو بہت ثواب حاصل ہوگا۔

امام نسائی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں کچھ مال پیش کیا گیا، تو آپ نے اس کو تقسیم فرمایا، کچھ دائیں طرف کے لوگوں کو دیا اور کچھ بائیں طرف کے لوگوں کو، پیچھے بیٹھنے والوں کو کچھ نہ دیا تو پیچھے سے ایک آدمی نے اٹھ کر کہا اے محمد (ﷺ)

مَاعَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ ۔

آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔

وہ شخص سیاہ رنگ کا تھا اور اس کا سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا، نبی اکرم ﷺ نے اس گستاخانہ تبصرہ پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا واللہ لا تجدون لجدی رجلا اعدل منی

بخدا! تم کو میرے بعد مجھ سے زیادہ عادل شخص نہیں ملے گا۔

پھر فرمایا۔

يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَاَنَّ هٰذَا مِنْهُمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ، لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ ۔

آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوں گے گویا یہ شخص بھی ان میں سے ہے، جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان کی نشانی سر منڈانا ہے، وہ پے در پے نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ دجال لعین کے ساتھ نکلے گا پس جب تم کو مل جائیں تو انہیں قتل کر دینا وہ بدترین مخلوق اور بد اخلاق ہیں۔

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے گروہ کو قتل کرنے کا حکم دیا جس نے حضور پر ناانصافی کا الزام لگایا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی جو ان گستاخوں کو قتل کریں گے حضور نے یہ بھی فرمایا

''اگر وہ میرے ہاتھ آئیں تو میں انہیں قومِ عاد کی طرح قتل کروں۔''

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

''وہ لوگ بدترین مخلوق ہیں اور ان کے اخلاق بہت برے ہیں۔''

ترمذی وغیرہ محدثین کی حضرت ابو امامہ سے مروی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا

هُمْ شَرُّ قَتْلٰى تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ خَيْرُ قَتْلٰى مَنْ قَتَلُوْهُ ۔

یہ نیلے آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں بہترین مقتول وہ ہیں جس کو یہ لوگ قتل کریں۔

ابوامامہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو متعدد بار ایسا فرماتے ہوئے سنا، اوران لوگوں کے بارے میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

(آلِ عمران: ۱۰۶)

اس روز کئی چہرے روشن ہوں گے اور کئی چہرے تاریک ہوں گے جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا

یہی لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوں گے ان کے متعلق اس آیتِ کریمہ کی بھی تلاوت فرمائی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

(آلِ عمران: ۷)

پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔

فرمایا، یہ لوگ ٹیڑھے ہو گئے تو ان کے سبب کجروی کا راستہ کھل گیا، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان کے قتل کا حکم اس لیے نہیں کہ وہ لوگوں سے لڑتے ہیں جیسا کہ حملہ آوروں مثلاً رہزنوں اور باغیوں سے لڑنے کا حکم ہے کیونکہ ان سے لڑائی کے جواز کی غرض و غایت یہ ہے کہ ان کی شوکت ٹوٹ جائے اور وہ فتنہ وفساد سے باز آجائیں اور پھر سے طاعت اور فرمانبرداری میں داخل ہو جائیں مگر رہزنوں اور باغیوں کے بارے میں یہ حکم نہیں کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں، نہ قوم عاد کی طرح انہیں قتل کرنے کا حکم ہے نہ وہ زیرِ آسمان بدترین مقتول ہیں اور نہ ہی پہلے مرحلہ میں ان کو قتل کرنے کا حکم ہے بلکہ آخری چارۂ کار کے طور پر ان سے جنگ کا جواز ہے اس سے معلوم ہوا کہ گستاخانِ رسول کے قتل کا موجب ان کا غلو کے باعث دین سے نکلنا ہے جیسا کہ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ

''وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے پس تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو''

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ان کے قتل کا حکم ان کے دین سے نکلنے پر مرتب فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کا دین سے نکلنا ان کے قتل کا موجب ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس خارجی گروہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

''اگر ان اہلِ لشکر کو معلوم ہو جائے، جو خارجیوں کا قلع قمع کرنے میں مصروف ہیں، کہ زبان محمد مصطفیٰ ﷺ سے ان کے لیے کتنے بڑے اجر و ثواب کا اعلان ہو چکا تو وہ عمل چھوڑ دیں'' اس گروہ کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا ہوگا، جس کا بازو ہوگا کہنی نہ ہوگی اور بازو کے سرے پر حَلَمَةُ الثَّدْيِ (یعنی سر پستان کی طرح) ہوگا اور اس پر سفید بال ہوں گے۔''

حضور نے یہ بھی فرمایا:

یہ مسلمانوں کے بہترین گروہ کے خلاف صف آراء ہوں گے اور انہیں حق کے زیادہ قریب گروہ قتل کرے گا۔''

یہ ساری تفصیل صحیح میں موجود ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے قتل کی موجب خصوصی صفات تھیں نہ کہ عمومی صفات مثلاً بغاوت کرنا یا معرکہ آرائی کرنا، اور ان کی یہ نشانیاں ان کے ہر ایک فرد میں پائی جاتی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ظہور کے آغاز ہی میں ان کو قتل نہیں کیا کیونکہ شروع میں یہ واضح نہ تھا کہ یہ وہی گروہ ہے جس کا ذکر زبانِ رسالت مآب سے ہو چکا، بعدازاں انہوں نے ابنِ جناب رضی اللہ عنہ کا ناحق خون بہایا اور مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کر کے لوٹ مار مچائی تو حضور کے اس ارشاد

''کہ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں سے تعرض نہ کریں گے۔''

کی صداقت ظاہر ہوگئی اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ دین سے نکل جانے والے تھے، ان کو شروع ہی میں قتل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر ان کو جنگ سے پہلے ہی تہ تیغ کر دیتے تو ان کے قبیلے بھڑک اٹھتے اور آپ کے خلاف جتھہ بندی کر لیتے، اس وقت آپ کی مجبوری تھی کہ اپنے لشکر سے نرمی اور تالیفِ قلب کا انداز اختیار کریں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں منافقین کے ساتھ نرمی سے کام لیا۔

ان خارجیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعرض نہیں کیا بلکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تعظیم کرتے تھے لیکن انہوں نے دین میں شدید غلو کیا اور کم عقلی کے باعث دین کی حد سے نکل گئے۔ اس وجہ سے وہ اس تاویل کا مصداق بن گئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذیل کی آیتِ کریمہ سے مراد لی۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳-۱۰۴)

کہہ دیجئے کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر دوں جو عمل میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں؟ یہ لوگ وہ ہیں جن کی کوشش (تگ ودو) دنیا کی زندگی میں کھو گئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ اچھا کر رہے ہیں۔

خارجیوں کے اس طرزِ عمل کا موجب ان کے فاسد عقائد ہیں جو ناپسندیدہ افعال کا ذریعہ بنے اور ان کی وجہ سے انہوں نے امت کے ایک بڑے حصے کو کافر قرار دے دیا، حالانکہ اُمتِ مسلمہ کے دوسرے گروہوں نے ان معاملات میں توقف اختیار کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مالِ غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے شخص کی حالت دیکھی کہ اس نے جہالت اور غلو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے انصافی کی نسبت کی اور خیال کیا کہ عدل تو لوگوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنے کا نام ہے اور تخصیص وتفصیل اشخاص اور تالیفِ قلوب کی مصلحت کو پیشِ نظر نہیں رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگیا کہ یہ شخص خارجیوں سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس طرح گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ پر اور آپ کے خلفاء پر کس قدر شدید اعتراض کرے گا۔

خوارج کے بعض اقوال ونظریات

اہلِ مقالات نقل کرتے ہیں کہ خارجی انبیائے کرام علیہم السلام پر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کو جائز جانتے ہیں، اس لیے وہ اس حدیث کی طرف التفات نہیں کرتے جوان کی رائے میں ظاہر قرآن کے خلاف ہو، اگر چہ وہ حدیث متواتر ہو، اسی بناء پر وہ زانی کو سنگسار نہیں کرتے، اور چوری چھوٹی ہو یا بڑی دونوں صورتوں میں چور کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں ان کا زعمِ فاسد یہ ہے کہ حجت شرعیہ صرف قرآن ہے سنتِ رسول ﷺ حجت نہیں ہے۔

خارجیوں کے ایسے نظریات نقل کرنے والے علماء کہتے ہیں کہ وہ نقل در وایت پر بوجہ تواتر اعتراض نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے نظریات کا اثبات اس اصل پر کرتے ہیں کہ صرف قرآن حجتِ شرعیہ ہے اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ: وہ قرآن پڑھتے ہیں مگر ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا، دراصل وہ اپنی رائے سے قرآن کی تاویل کرتے ہیں اور سنت سے اس کے معانی پر استدلال نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ قرآن کو دل سے نہیں سمجھ پاتے بلکہ صرف زبان سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

خارجیوں کے مختلف گروہ:

تحقیق یہ ہے کہ خارجیوں کی مختلف قسمیں ہیں، اور مذکورہ بالا رائے ان کے ایک گروہ کی رائے ہے، ایک گروہ ناقلینِ حدیث کی تکذیب کرتا ہے ایک اور گروہ حدیث کی مطلقاً سماعت نہیں کرتا نہ اس کی طلب رکھتا ہے، ایک گروہ کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ جس چیز کا ذکر قرآنِ حکیم میں صراحت کے ساتھ نہیں آیا وہ مخلوق پر حجت نہیں، یا تو اس کا حکم منسوخ ہے یا وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یا کوئی اور وجہ ہے، میرے خیال میں انبیائے کرام پر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے جواز کا قائل بھی ایک گروہ ہے، (یعنی سارے خارجی نہیں)

رجوع الی المطلوب:

بہر حال جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی اکرم ﷺ تقسیم میں زیادتی کر سکتے ہیں نیز یہ کہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کی رسالت کو جھٹلاتا ہے اور جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور ﷺ کسی حکم یا تقسیمِ مال میں زیادتی کرتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) ظالم سمجھتا ہے اور واجب الاتباع نہیں جانتا۔

حالانکہ یہ نکتۂ نگاہ منصبِ رسالت کی عظیم امانت، وجوبِ طاعت اور قولی وفعلی فیصلوں میں زوالِ حرج کے باکمال اصول سے متصادم اور اس کے مناقض ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھول کر بیان کر دیا کہ آپ کی طاعت واجب ہے اور آپ ﷺ کا حکم ماننا ضروری ہے، اور یہ کہ آپ ﷺ کسی سے زیادتی نہیں کرتے، اس لیے جس نے آپ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا اس نے آپ کی تبلیغ پر اعتراض کیا جو درحقیقت رسالت محمدیہ پر اعتراض ہے، اس سے اس حدیث کی صحت وصداقت بھی واضح ہوگئی جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''میں ہی انصاف نہ کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟'' اگر میں عدل وانصاف سے کام نہ لوں تو اس صورت میں تو گھاٹے اور نقصان میں رہا۔''

وجہ یہ ہے کہ معترض مانتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور اس پر نبی اکرم ﷺ کی تصدیق وطاعت لازم ہے، پس جب وہ کہے گا کہ حضور ﷺ نے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا، تو اس سے لازم آیا کہ اس نے ایسے شخص کی تصدیق کی جو عادل اور امانت دار نہیں اور جو غیر عادل اور غیر امین کی اتباع کرے گا وہ خائب وخاسر ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

''ایسے لوگ عمل کے لحاظ سے سخت نقصان میں ہیں اگر چہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔''

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو شخص مال میں امانت داری کا مظاہرہ نہیں کرتا تو اس کو اس سے بڑی امانت کی ذمہ داری نہیں سونپی جا سکتی، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا تَاْمَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَآءِ یَاْتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً . کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں اللہ تعالیٰ (کی امانت یعنی رسالت) کا امین ہوں؟ صبح وشام میرے پاس آسمانی خبر (وحی) آتی ہے۔

جب اس شخص نے گستاخانہ انداز میں کہا، یا رسول اللہ اللہ سے ڈریئے تو آپ ﷺ نے فرمایا

''کیا میں روئے زمین کے تمام لوگوں سے زیادہ حقدار نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں۔''

مقام رسالت کی انہی عظمتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے لوگوں کو حکم دیا۔

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا . (حشر:۷) رسولِ اکرم ﷺ جو کچھ تم کو دے دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ۔

اس سے پہلے فرمایا

مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ . (حشر:۷) جو (اموالِ فے) اللہ نے بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان کر دیا کہ جس مالِ فے، سے اس نے منع فرمایا اس سے باز رہنا ہم پر لازم ہے۔ پس بداہتاً ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ تمام اہلِ جہاں سے زیادہ خدا ترس ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی طاعت اور دوسروں کی طاعت یکساں ہوتی یا دوسروں سے کم تر ہوتی، اس صورت میں حکمِ خداوندی کا انکار لازم آتا، اور یہ بدیہی مسئلہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ان گستاخوں کے معاملہ میں فرمانا کہ وہ شر الخلق والخلیقہ (خلق وخُلق کے لحاظ سے بدترین لوگ) اور زیر آسمان بدترین مقتول'' ہیں، یہ اس مسئلے میں نص ہے کہ ان کا تعلق منافقین سے ہے، وجہ یہ ہے کہ منافقین کا حال کفار سے بدتر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقَاتِ . (توبہ:۵۸) ان میں سے کوئی ایسا ہے جو صدقات کے معاملہ میں آپ پر طعن کرتا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ انہی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی،
یونہی حدیث ابوامامہ میں ہے کہ آیتِ کریمہ
اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (آل عمران:۱۰۶) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔
بھی ان کے متعلق اتری، یہ ایسی حقیقت ہے، جس میں کسی کا خلاف نہیں کہ ان منافقوں نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں صریح طعن کیا اور عیب لگایا۔

پس جب ان صحیح احادیث سے ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس قسم کے گستاخوں کو، جہاں مل جائیں، قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کے بدترین مخلوق ہونے کی خبر دی، نیز یہ ثابت ہو گیا کہ وہ منافق ہیں تو یہ حدیثِ شعبی کے صحیح ہونے کی دلیل ہوئی کہ ایسے منافق اصل میں قتل کے مستحق ہیں۔

ایک وضاحت طلب مسئلہ:

ایک وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے کے قتل سے منع فرمایا،

ہم کہتے ہیں، حدیثِ شعبی میں ان گستاخوں کے اولین ظہور کی خبر ہے جیسا کہ گزر چکا، اس لیے ممکن ہے کہ حضور نے اس شخص کے قتل کا حکم اس طمع پر دیا ہو کہ اس تحریک کا شروع ہی میں خاتمہ ہو جائے، کیونکہ آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ کے بعد اس فتنہ کے باعث امت میں انتشار اور فساد پیدا ہوگا، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا

لَوْ قَتَلْتَهُ لَرَجَوْتُ اَنْ يَكُوْنَ اَوَّلَهُمْ وَاٰخِرَهُمْ ۔ اگر تو اس گستاخ کو قتل کر دیتا تو مجھے امید تھی کہ یہ اس سلسلہ کا پہلا اور آخری آدمی ہوتا۔

اور اس کے قتل سے جو مصلحتِ عظیمہ حاصل ہوتی وہ اس مصلحت سے بڑی تھی جس میں لوگوں کے متنفر ہونے کا اندیشہ تھا، پھر جب وہ گستاخ ہاتھ نہ آیا اور اس کا قتل ممکن نہ ہو سکا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ عظیم سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تو آپ ﷺ کو قطعی علم و یقین حاصل ہو گیا کہ اس گروہ کا نکلنا لابدی امر ہے اور اس کے استیصال اور خاتمے کی طمع بے کار ہے جس طرح کہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ دجال لامحالہ نکلے گا اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابنِ صیاد (جس میں دجال کی بعض صفات پائی جاتی تھیں) کے قتل سے منع کر دیا اور فرمایا

اِنْ يَّكُنْهُ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّا يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهِ ۔ اگر یہ دجال ہی ہو تو تو اس پر قابو نہیں پا سکے گا اور اگر وہ دجال نہ ہو تو تیرے لیے اس کے قتل میں کوئی فائدہ نہیں۔

اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے ذوالخویصرہ جس نے غنائمِ حنین کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا، کے قتل سے منع فرمایا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اجازت عطا فرمایئے میں اس گستاخ کی گردن مار دوں، تو آپ نے فرمایا:

دَعْهُ فَاِنَّ لَهٗ اَصْحَابًا يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهٗ مَعَ چھوڑ دو اسے، اس کے اور بھی ساتھی ہیں (اور ایسے پابندِ صوم و

صَلَاتِهِـمْ وَصِيَـامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ .

صلوٰۃ کہ) تم میں سے کوئی ان کی نمازوں کے ساتھ اپنی نماز کو اور ان کے روزوں کے ساتھ اپنے روزے کو حقیر اور ہلکا سمجھے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

مزید فرمایا:

يَخْرُجُوْنَ عَلٰى حِيْنَ فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ .

یہ لوگوں کی گروہ بندی کے زمانے میں نکلیں گے۔

پس اس گستاخ کے قتل سے کنارہ کشی کا حکم اس لیے دیا کہ اس کے گروہ کے ساتھی اس کے بعد ظاہر ہونے والے تھے، اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ کو قطعی علم تھا کہ گستاخوں کا ایسا گروہ ضرور نکلے گا اس لیے منع فرمادیا کہ زمانہ رسالت کے ایسے گستاخ کو قتل نہ کیا جائے جس سے آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر یہ الزام آئے کہ آپ ﷺ اپنے نمازی ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں، جس سے بہت سے دل اسلام سے متنفر ہوسکتے تھے، اور یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اذیت دینے والوں کو معاف کردینا نبی اکرم ﷺ کا ذاتی حق تھا۔

(میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں۔)

اس سے اس سبب کی بھی وضاحت ہوگئی جس کے تحت نبی اکرم ﷺ نے حدیث میں کہیں یہ علت بیان فرمائی کہ وہ گستاخ نمازی ہے کہیں فرمایا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں اور کسی حصے میں اس کے ساتھیوں کے خروج کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ کی بعض احادیث کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب آتا ہے اگرچہ یہ مقام بھی ان کے ذکر سے بیگانہ نہیں۔

فَثَبَتَ اَنَّ كُلَّ مَنْ لَمَزَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُكْمِهٖ اَوْ قَسْمِهٖ فَاِنَّهٗ يَجِبُ قَتْلُهٗ كَمَا اَمَرَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَ مَوْتِهٖ وَاَنَّهٗ اِنَّمَا عَفَا عَنْ ذٰلِكَ اللَّامِزِ فِيْ حَيَاتِهٖ كَمَا قَدْ كَانَ يَعْفُوْ عَمَّنْ يُّؤْذِيْهِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّهُمْ خَارِجُوْنَ فِي الْاُمَّةِ لَامَحَالَةَ وَاَنَّ لَيْسَ فِيْ قَتْلِ ذٰلِكَ الرَّجُلِ كَثِيْرُ فَائِدَةٍ بَلْ فِيْهِ مِنَ الْمَفْسَدَةِ مَا فِيْ قَتْلِ سَائِرِ الْمُنَافِقِيْنَ وَاَشَدُّ .

پس ثابت ہوا کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ کے حکم یا تقسیم پر طعن کرے، وہ واجب القتل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا اپنی حیات ظاہری اور بعد وصال کے حکم دیا، حیات ظاہری میں ایک گستاخ کو معاف کرنا ایسا ہی تھا جیسے آپ اذیت دینے والے منافقوں کو معاف کردیتے تھے، اور اسی کی بنیاد پر آپ کا قطعی علم تھا کہ وہ امت محمدیہ میں لامحالہ نکلیں گے اس لیے صرف ایک شخص کو قتل کردینے میں کوئی زیادہ فائدہ نہ تھا، بلکہ اس میں دیگر تمام منافقین کے قتل سے زیادہ مفسدہ تھا۔

اس حدیث کے مفہوم کا شاہد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ناراض کر کے غضبناک کیا تو حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا

مَا كَانَ لِاَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی کی ایسی شان نہیں کہ اس کی

اَنْ يَقْتُلَ اَحَدًا . گستاخی پر کسی کو کوئی قتل کرے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے کہ اس معاملہ میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا جائے گا کہ کوئی آپ کو ناراض کرے گا تو آپ کے حکم کے تحت اس کو قتل کیا جائے گا۔

حدیثِ شعبی میں ایک دلچسپ راز یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو اس گستاخ معترض کے قتل کا حکم دیا، اس لیے یہ قصہ قولِ صدیق کی بہترین تفسیر ہے اور اس کی صحت کی زبردست دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خارجیوں کے قتل کا عقیدہ رکھتے تھے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس شخص کے متعلق جان لیتے کہ اس کا تعلق خارجیوں سے ہے، تو اس کو واجب القتل سمجھتے تھے، اس کی دلیل ضبیع بن عسل کا مشہور واقعہ ہے، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ بنی یربوع یا بنو تمیم کے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سورہ ذاریات مرسلات اور نازعات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس کو حکم دیا۔

ضَعْ عَنْ رَّأْسِكَ اپنے سر سے (پگڑی) اتار۔

جب دیکھا کہ اس کے سر پر بال ہیں تو فرمایا

اَمَا وَاللهِ لَوْ رَأَيْتُكَ مَحْلُوْقًا لَضَرَبْتُ الَّذِیْ فِيْهِ عَيْنَاكَ . بخدا اگر تجھ کو سر منڈا دیکھتا تو تیرے اس سر کو اڑا دیتا جس میں تیری آنکھیں ہیں۔

نہدی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اہلِ بصرہ کو لکھا

اَنْ لَّا تَجَالِسُوْهُ . اس کے پاس نہ بیٹھا کرو۔

چنانچہ جب وہ ہمارے پاس آتا اور ہم سو کی تعداد میں بھی ہوتے تو اٹھ کر ادھر ادھر چلے جاتے" اس واقعہ کو اموی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا۔

دیکھئے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو مہاجرین وانصار کے درمیان قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر وہ اس علامت (نشانی) کو دیکھ لیتے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجیوں کی بیان فرمائی تو اس شخص کی گردن اڑا دیتے باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے قتل سے منع کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ "جہاں انہیں پاؤ قتل کرو" سے قتل کا مطلق حکم سمجھا اور حضور نے جو اس گستاخ کو معاف فرمایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی اسلام کمزور تھا اور لوگوں کی دلجوئی ضروری تھی۔

ایک سوال:

ان معترضین کے قول، نفاق وکفر اور اباحتِ دم (خون) کا موجب ہوا اور جس کی وجہ سے وہ لوگ بدترین مخلوق قرار پائے اور مہاجرین وانصار کی اس خلش کے درمیان کیا فرق ہے جو صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار افراد کے درمیان کچھ سونا تقسیم فرمایا تو قریش وانصار کے بعض نوجوانوں نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا

تُعْطِيْهِ صَنَادِيْدَ اَهْلِ نَجْدٍ وَّ تَدَعُنَا ۔ آپ ﷺ سرداران اہل نجد کو عطا کرتے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں دیتے۔

یہ سن کر حضور نے فرمایا:

اِنَّمَا اَتَاَلَّفُهُمْ ۔ میں ان کی تالیف قلب (دلجوئی) کرتا ہوں۔

اسی اثناء میں ایک گہری آنکھوں والا شخص آیا، جس کا پورا قصہ حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک شخص نے کہا۔

كُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ ہم ان لوگوں سے زیادہ اس بخشش کے حقدار تھے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''لوگو! تم مجھ کو امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کی نظر میں امین ہوں صبح وشام میرے پاس اس کی طرف سے آسمانی خبر آتی ہے''

اس وقت ایک شخص اٹھا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں۔

غنائم حنین میں انصار کی خلش

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے روز بنو ہوازن کے اموال غنیمت کی تقسیم کے دوران جب نبی اکرم ﷺ نے قریش کے بعض افراد کو سوسو اونٹ دیئے تو انصار کے کچھ لوگوں نے کہا:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِىْ قُرَيْشًا وَّيَتْرُكُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآءِ هِمْ ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے درگزر فرمائے آپ قریش کو تو خوب مال دے رہے ہیں اور ہمیں محروم چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک دشمنان اسلام کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

جب مکہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے قریش میں اموال غنیمت تقسیم فرمائے، اس پر انصار نے کہا، تعجب کی بات ہے کہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے اور اموال غنیمت قریش کو لوٹائے جا رہے ہیں۔

ایک روایت میں انصار کی خلش ان الفاظ میں منقول ہے۔

جب امتحان کی گھڑی آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے انصار کو طلب فرمالیا پس میں نے ان کو چمڑے کے ایک خیمے میں اکٹھا کیا، ان کے علاوہ کسی کو نہ بلایا، جب سب اکٹھے ہوگئے تو حضور تشریف لائے اور فرمایا۔

مَا حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ ۔ یہ کیا بات ہے، جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟

سمجھ دار انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے جو اہلِ رائے ہیں، انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی البتہ کچھ نو عمر لڑکے ہیں جنہوں نے ایسے غیر ذمہ دارانہ کلمات کہے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ان کا عذر سن کر فرمایا،

''میں ایسے لوگوں کو عطا کرتا ہوں جو نئے نئے کفر سے نکل کر آئے تاکہ ان کی دلجوئی کروں، کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ تو مال و متاع لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو لے کر لوٹو، بخدا تم ان سے بدر جہا بہتر سرو سامان لے کر جاؤ گے، انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس تقسیم پر راضی ہیں، اس وقت آپ ﷺ نے پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا۔

''عنقریب میرے بعد تم اقربا پروری دیکھو گے، جب ایسی صورتحال ہو تو صبر سے کام لینا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اور حوضِ کوثر پر مجھ سے آملو۔'' انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم صبر کریں گے۔

بعض مہاجرین و انصار کی خلش اور خوارج کی ناراضگی میں فرق

بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی تقسیمِ اموال پر بعض مہاجرین و انصار کا خلش ظاہر کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آپ پر اعتراض کرتے تھے یا آپ پر ناانصافی کا الزام لگاتے تھے، نہ یہ بہتان باندھا کہ حضور نے تقسیم میں خواہشِ نفس اور طلبِ حکومت کی خاطر زیادتی کی، نہ ہی آپ ﷺ کی طرف یہ نسبت کی کہ آپ ﷺ نے اس تقسیم میں رضائے خداوندی کو پیشِ نظر نہیں رکھا جیسا کہ اس قسم کے اعتراضات منافقین کے کلام میں آئے ہیں۔

ان دونوں قبیلوں یعنی مہاجرین و انصار کے اہل الرائے حضرات نے ہرگز کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہیں نکالا، وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا پر راضی اور خوش تھے اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل و کرم سے نواز دیں گے البتہ بعض کم عمر جوانوں سے کچھ غیر ذمہ دارانہ کلمات ضرور صادر ہوئے، مگر ان کا بھی یہی نکتۂ نگاہ تھا کہ حضور مصالحِ اسلام کی خاطر تقسیم فرماتے ہیں اور صرف اسی جگہ مال دیتے ہیں جہاں اس کا دینا زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں کسی کو ہرگز کوئی شک نہ تھا۔

ایک وضاحت:

جہتِ مصلحت کا علم کبھی وحی سے ملتا ہے اور کبھی اجتہاد سے، اس خلش کا اظہار کرنے والے صحابہ کو معلوم نہ تھا کہ حضور کا تقسیمِ اموال کا یہ فعل وحی الٰہی سے تھا یا آپ ﷺ نے وحی الٰہی سے ہونے کی صراحت کی، کیونکہ اس صراحت کے بعد کوئی آپ ﷺ کے فعل پر ناگواری کا اظہار کرے یا معترض ہو تو وہ بلاشبہ کافر ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کو جھٹلاتا ہے۔

دراصل ان کی نظر میں یہ تقسیم اجتہادی تھی اور وہ مصالحِ دین سے متعلق اجتہادی معاملات میں نبی اکرم ﷺ کی طرف مراجعت کرتے تھے، یہ ایسا معاملہ ہے جس میں آپ ﷺ کا اجتہاد سے کام لینا باتفاقِ امت جائز ہے، اس لیے صحابہ کرام بعض

اوقات ایسے معاملات میں تحقیق کر لیتے تھے تا کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جائیں اور مسائل کی علت جان کر ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل سمجھ لیں۔

مراجعت کی وجہ اور مثالیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کا معاملہ مشہور ہے جو ان دو وجہ سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔

۱- اگر معاملہ سیاسی ہوتا جس میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی تو اس میں مراجعت کے ذریعے تکمیلِ نظر کا اہتمام۔

۲- یا مراجعت کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ اقدس سے معاملہ کی توجیہہ بیان فرما دیں، تا کہ صحابہ کرام کے علم اور ایمان میں اضافہ ہو اور ان کے لیے معاملہ فہمی کا راستہ کھلے۔

<u>مثالِ اوّل</u>

حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کی مراجعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ!

کیا اس مقام پر پڑاؤ ڈالنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے کہ ہم اس جگہ سے ادھر ادھر تجاوز نہیں کر سکتے یا یہ ذاتی رائے اور حربی تدبیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں یہ حکمِ خداوندی سے نہیں بلکہ ذاتی رائے ہے اور حربی تدبیر ہے، حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یہ جنگ کے لیے موزوں جگہ نہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے قبول فرمائی اور دوسری جگہ پڑاؤ ڈالا۔

<u>مثالِ دوم</u>

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی مراجعت

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے زمانے میں بنوغطفان کے ساتھ مدینہ شریف کی نصف کھجوروں پر صلح کرنے کا عزم ظاہر فرمایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک گروہ کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جو کچھ آپ بنوغطفان کو دے رہے ہیں کیا یہ حکمِ الٰہی سے ہے؟ کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم سننے اور ماننے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے سے ہے؟ حضور نے فرمایا نہیں، بلکہ یہ میری رائے سے ہے، میں نے دیکھا کہ کفارِ مکہ نے ان کو اموال دیئے تو وہ تمہارے مقابلے میں ان قبائل کو جمع کر لائے اور تمہارا ایک ہی قبیلہ ہے میں چاہتا ہوں کہ ان کے بعض قبائل کو دے دلا کر منتشر کر دوں، دراصل میں معشرِ انصار پر نازل ہونے والی مصیبت کے ازالہ کا سامان کر رہا ہوں' یہ سن کر حضرت سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ اللہ کی قسم جب ہم حالتِ کفر و شرک میں تھے تو اس وقت بھی یہ لوگ ہم سے اس طرح نہیں لیتے تھے ایک اور روایت میں ہے یہ ہم سے زبردستی ایک کھجور بھی لے کر نہ کھاتے تھے البتہ خرید کر یا مہمان بن کر اپنی حسرت پوری کر سکتے تھے، اس وقت یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف فرما ہیں؟

بخدا ہم تو ان کو کھجور کا ایک دانہ نہیں دیں گے، نہ ان کی ایسی عزت وکرامت ہے، اس کے بعد حضرت سعد نے صلح نامہ لے کر اس میں تھوکا اور چاک کر کے پھینک دیا۔

دنیاوی معاملات میں رائے اور ظن کی مثال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سے عملِ تلقیح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا یہ میرا ظن تھا اس لیے مجھ سے ظن والا معاملہ نہ لو۔ ہاں جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کروں تو اس کو اختیار کر لو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا

''تم اپنے دنیاوی معاملات کو خوب جانتے ہو، البتہ جس معاملہ کا تعلق تمہارے دین سے ہو وہ میری ذمہ داری ہے۔''

<u>مثالِ سوئم</u>

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مراجعت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو کچھ مال عطا فرمایا، میں بھی بیٹھا تھا، آپ ﷺ نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا اور کچھ نہ دیا، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فلاں فلاں کو تو عطا فرما دیا اور ایک شخص کو جو میرے نزدیک ان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اہلِ ایمان بھی ہے، محروم رکھا'' حضرت سعد کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات تین بار کہی اور حضور نے بھی اس کا تین بار ہی جواب دیا اور فرمایا بے شک میں ایک شخص کو عطا کرتا ہوں جبکہ دوسرا اس سے زیادہ مجھے عزیز ہوتا ہے اور اس کو محروم رکھنے کی وجہ یہ خوف ہے کہ کہیں اس مال کے باعث جہنم میں منہ کے بل نہ گرے۔ (متفق علیہ)

یہاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پوچھنے کی غرض وغایت یہ تھی کہ حضور ﷺ کو یاد دہانی ہو جائے شاید آپ ﷺ اسے عطا کے قابل سمجھ لیں یا یہ کہ حضرت سعد کے لیے وضاحت ہو جائے کہ آپ ﷺ نے اس کو کیوں اس عطا سے محروم رکھا، تو آپ ﷺ نے ان دونوں مقدموں کا جواب دیا اور فرمایا عطا کا سبب صرف ایمان نہیں، بلکہ میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو محروم رکھتا ہوں حالانکہ جسے محروم رکھتا ہوں وہ لینے والے سے زیادہ مجھے محبوب ہوتا ہے، کیونکہ جس کو دیتا ہوں اگر نہ دوں تو وہ کفر کا مرتکب ہو جائے اس طرح اسے عطا کر کے اس کے ایمان کی حفاظت کرتا ہوں اور جس کو محروم رکھتا ہوں اس کے پاس ایسا یقین اور ایمان ہوتا ہے جو اسے دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے، وہ مجھے انتہائی عزیز ہوتا ہے اور میرے نزدیک بڑی شان والا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مضبوط رسی سے وابستہ ہے اور اس نے دنیا کے عوض دین کا بھرپور حصہ لے لیا ہے جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر کامل الایمان صحابہ نے نیز انصارِ مدینہ نے دین کی دولت پائی، جب طلقاء اور اہلِ نجد بھیڑ بکریاں لے چلے تو انصارِ مدینہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹے۔

پھر اگر عطاء کا سبب مجرد ایمان ہوگا تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ عطا پانے والا مومن ہو؟ بلکہ ہو سکتا ہے کہ صرف ظاہری

مسلمان ہو، اور ایمان ابھی اس کے دل میں نہ آیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے زیادہ جانتے تھے کہ مومن کون ہے اور غیر مومن کون۔"

مؤلفہ قلوب کو عطا کرنے پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مراجعت

ابن اسحاق، محمد بن ابراہیم بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو تو سو سو اونٹ دے دیئے مگر جمیل بن سراقہ ضمری کو کچھ نہیں دیا، نبی اکرم ﷺ نے سن کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر زمین عیینہ اور اقرع جیسے لوگوں سے بھری ہو تو جمیل بن سراقہ ان سب سے بہتر اور افضل ہے، میں نے ان دونوں کی تالیف قلب کی ہے تاکہ اسلام میں پختہ ہو جائیں، اور جمیل کو میں نے اس کے کمالِ اسلام کے حوالے کر دیا۔

بعض علمائے مغازی نے حدیثِ انصار میں ذکر کیا، کہ بعض صحابہ کرام نے کہا، ہماری خواہش ہوئی کہ جان لیں، ایسا طریقہ کار کیوں اختیار کیا گیا، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو صبر کریں اگر نبی اکرم ﷺ کی ذاتی رائے ہے، تو آپ ﷺ سے تلافی کا مطالبہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں خلش پیدا ہوئی وہ بھی اس تقسیم کو جائز سمجھتے تھے جو مصلحت کے تحت اجتہاد سے واقع ہوئی اس لیے وہ اس وجہ سے آگاہ ہونا چاہتے تھے کہ ایمان و جہاد کی فضیلت رکھنے والوں کو کیوں محروم رکھا گیا اور دوسروں کو کیوں نوازا گیا۔

یہ سرسری رائے میں مال عطا کرنے کا سبب تھا ورنہ حضور انور ﷺ تو جمیل کو بھی اسی طرح داد و دہش سے نوازتے تھے جس طرح دوسروں کو عطا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ "ہم تلافی کا مطالبہ کرتے ہیں" اسی حقیقت کا مظہر ہے، جہاں تک دوسروں کو عطا کرنے کی وجہ کی وضاحت ہے، اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، "آپ ﷺ کے نزدیک بارگاہِ الٰہی میں عذر سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اچھے اعمال پر خوش خبری دینے اور برے اعمال پر ڈرانے کے لیے بھیجا۔ پس نبی اکرم ﷺ کو پسند تھا کہ اپنے فعل میں معذرت کا اظہار فرمائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے اس عطا کی غرض و غایت بیان فرمائی، پھر جب اس داد و دہش کی حقیقت ظاہر ہو گئی تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، اور وہ حضور ﷺ کی تقسیم پر دل کی گہرائیوں سے راضی ہو گئے۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول کلام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ وہ اس تقسیم کو حضور کی ذاتی رائے اور اجتہاد کا نتیجہ سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ اس مال کا حق دار جانتے تھے اسی وجہ سے ان کو دوسروں کی عطاء پر تعجب ہوا اور انہوں نے جاننا چاہا کہ اس کی بنیاد وحی ہے یا اجتہاد ہے؟ تاکہ مصلحت کو سمجھ کر آپ کی پیروی کریں کیونکہ ممکن تھا کہ حضور کی رائے میں دوسروں کو دینا مصلحت کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ ابھی اس معاملہ میں آپ ﷺ کی رائے کسی حتمی نکتہ پر نہ جمی ہو، اسی

کیفیت کے پیش نظر انہوں نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے درگزر فرمائے کہ حضور کفار کو فیاضی سے عطا کر رہے ہیں اور ہمیں اس سے محروم چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کافروں کا خون ٹپک رہا ہے۔"

ان کا یہ قول بھی منقول ہے کہ

"حیرانی ہے، ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے اور ہمارا مال غنیمت بھی ان کو لوٹایا جا رہا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے

"جب مشکل گھڑی آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور جب مال غنیمت عطا کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو دوسروں کو نواز دیا جاتا ہے۔"

کیا یہ داد و دہش مالِ غنیمت سے تھی یا خمس سے تھی؟

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ یہ داد و دہش مالِ غنیمت سے تھی یا خمس سے تھی؟

سعد بن ابراہیم اور یعقوب بن عتبہ کہتے ہیں کہ یہ عطائیں مالِ غنیمت سے فارغ تھیں، اس صورت میں حضور ﷺ نے مہاجرین وانصار کا حصہ ان کی مرضی سے لیا۔

ایک اور قول ہے کہ حضور نے اس مال کے عوض انصار کو بحرین کا مال ومتاع عطا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو انہوں نے کہا نہیں ہم نہیں لیں گے جب تک کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی ایسا مال نہیں عطا کر دیا جاتا۔ پھر جب بحرین کا مال پہنچا تو نمازِ فجر کے وقت سب نے اپنا حصہ بھرپور لیا ایک موقع پر حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

"اگر بحرین کا مال آیا تو تجھے اتنا اتنا مال دوں گا۔"

لیکن آپ ﷺ نے اس مال کی تقسیم سے پہلے صحابہ کرام سے اجازت نہیں لی کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ جانتا کہ حضور اس کے ساتھی کے مال سے لے رہے ہیں اور وہ خوش دلی سے دے رہا ہے تو وہ بھی اس سے راضی ہوتا خواہ نبی اکرم ﷺ اس سے زبانی اجازت طلب نہ فرماتے۔ یہ معاملہ بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کے درمیان مشہور ومعروف ہے۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سے کچھ اون مانگی، تو اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا اور بنی ہاشم کا سارا مال آپ ﷺ کی ملکیت ہے، اس طور پر تو کوئی حرج نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور انور ﷺ سے اپنا حصہ مانگتے۔

موسیٰ بن ابراہیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ مال خمس میں سے تھا، واقدی کہتے ہیں کہ زیادہ صحیح قول ہے، اس صورت میں خمس یا اس کے پانچ حصے کر کے تقسیم کرے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کا نکتۂ نگاہ ہے، پھر جب پانچ حصے کرے اور ان کے مصارف مثلاً یتیم مسکین اور مسافر نہ ہوں یا ان کو ضرورت نہ ہو تو ان کے حصے نبی اکرم ﷺ کے حصہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں۔

اس وقت یتیم مسکین اور مسافر قلتِ تعداد کے ساتھ اپنے حصہ زکوٰۃ سے بھی بے نیاز تھے کیونکہ جب خیبر فتح ہوا اور اکثر مسلمانوں کو محتاجی نہ رہی تو نبی اکرم ﷺ نے وہ باغات انصار کو عطا کر دیئے جو مہاجرین کو دیئے تھے۔ اس طرح انصار کے پاس ان کے اپنے مال اور خیبر کا مالِ غنیمت بھی جمع ہو گیا اور وہ خوش حال ہو گئے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا (اے انصار!)

اَلَمْ اَجِدْكُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ۔ کیا میں نے تم کو مفلس نہیں پایا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے خمس کو حصہ رسول ﷺ میں شامل کر لیا کیونکہ اس وقت ان لوگوں کی دلداری سب سے بڑی مصلحت تھی، اور جو شخص یہ گمان کرے کہ جو کچھ آپ ﷺ نے مؤلفہ قلوب کو دیا وہ خمس کا پانچواں حصہ تھا اس کو معلوم نہیں کہ اصل قصہ کیا ہے اور جس کو اصل واقعہ کی خبر ہے، وہ جانتا ہے کہ اس مال میں اتنی گنجائش نہ تھی۔

ایک اور قول ہے کہ اس غزوہ میں جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا ان کی تفصیل یہ ہے۔

اونٹ چوبیس ہزار

بکریاں کم و بیش چالیس ہزار

سونا چار ہزار اوقیہ

اگر دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر فرض کی جائیں تو اونٹوں کی کل تعداد تیس ہزار (تقریباً) بن جاتی ہے، اس لحاظ سے خمس کا پانچواں حصہ تقریباً بارہ سو اونٹ بنتا ہے حالانکہ حضور ﷺ نے اس سے کئی گناہ زیادہ مؤلفہ قلوب کو عطا فرمایا، یہ ایسی حقیقت ہے جس میں اہلِ علم کا اختلاف نہیں۔

جہاں تک اس تھوڑے سے سونے کی تقسیم کا مسئلہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا، اور قریش و انصار نے اس تقسیم پر کچھ پریشان کلمات کہے۔ کہ

''حضور اہلِ نجد کو تو نواز رہے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں دیتے۔''

اس کا معاملہ بھی غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی طرح ہے اور قریش و انصار نے اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا مطالبہ کیا تھا۔

اس اعتراض کے یہاں دو اور جواب بھی ہیں۔

پہلا جواب:

ان معترضین میں سے کچھ منافق تھے جن کا قتل جائز تھا، مثلاً وہ شخص جس کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ

''اس مال کی تقسیم میں خدا کی رضا کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔''

دراصل ایسے لوگ کافی تعداد میں قریش و انصار کے اندر گھلے ملے ہوئے تھے اس لیے اس کی زبان سے جو کلمہ نکلا وہ ایک

منافق کی زبان ہی سے نکل سکتا ہے البتہ وہ شخص جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اس نے کہا
''ہم ان مالِ غنیمت پانے والوں سے زیادہ اس کے حق دار تھے۔''
اس کو منافق نہیں قرار دیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

دوسرا جواب:
ایسا اعتراض کبھی گناہ اور معصیت ہوتا ہے جس کے مرتکب پر نفاق کا اندیشہ ہے مگر وہ حقیقی نفاق نہیں ہوتا اس کی مثال اس ارشادِ ربانی میں ہے۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ۔ (انفال: ۶) یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔

یا مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دوران ایک گروہ کو حج کے احرام کو عمرہ کے احرام میں تبدیل کرنے اور یوم الترویۃ تک آرام کرنے کے بعد حج کا نیا احرام باندھنے کا حکم دیا تو انہوں نے احرام سے باہر آنے میں تاخیر کی اور اس حکم کی حکمت جاننے کے لیے سوالات کیے یونہی حدیبیہ کے سال احرام کھولنے میں ناگواری محسوس کی اور صلح حدیبیہ پر عدم پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بار بار رجوع کیا، اور جس نے ایسا کیا اس نے خطا کا ارتکاب کیا اور اس ارتکابِ خطاء پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ضروری تھا، جیسا کہ کچھ لوگوں نے آوازِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آوازیں بلند کر کے گناہ کیا، اسی حقیقت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (حجرات: ۷) جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

حضرت سہل بن حنیف نے صحابہ کرام سے کہا، لوگو! تم دین کے سامنے اپنی رائے پر الزام رکھو، بخدا ابو جندل کے معاملہ میں، (جسے حضور نے معاہدہ حدیبیہ کی پاسداری میں کفار کے پاس واپس بھیج دیا تھا) میں نے اپنے آپ کو اس حالتِ کرب میں دیکھا کہ اگر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کر سکتا تو اس روز ضرور کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کرام سے ایسے کلمات دین میں شک کی وجہ سے صادر نہیں ہوئے بلکہ خواہشِ نفس یا عجلت میں ناسمجھی کے باعث منہ سے نکلے، جیسا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے قریش کے لیے جاسوسی کا فعل صادر ہوا ایسی خطاؤں سے توبہ کرنا لازم ہے کیونکہ یہ خطائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے زمرہ میں آتی ہیں۔

انصار کا ایک قول اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

حدیثِ ابو ہریرہ میں ہے کہ فتحِ مکہ کے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ عام فرمایا ''جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہے جو ہتھیار پھینک دے اسے بھی امان حاصل ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اسے بھی امان حاصل ہے'' تو

انصار کے کچھ افراد نے کہا

''اس شخص (نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کے دل میں رشتہ داری کی رغبت اور قبیلے کی رأفت و رحمت پیدا ہوگئی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اسی وقت وحی آ گئی اور وحی جب آتی تھی تو ہم پر پوشیدہ نہ رہتی تھی، مگر نزولِ وحی کے وقت کوئی شخص حضورِ انور ﷺ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا، یہاں تک کہ اس کا سلسلہ موقوف ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

اے گروہِ انصار! انہوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ ﷺ!

آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نے کہا، اس شخص (یعنی حضورِ انور ﷺ) کے دل میں رشتہ داری کی رغبت اور قبیلے کی محبت و رأفت پیدا ہوگئی ہے۔''

کہنے لگے ''ہاں بات ایسی ہی ہے'' آپ نے فرمایا

''ہرگز نہیں، میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔

اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ . میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔

یہ سن کر وہ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا بخدا ہم نے ان جذبات کا اظہار تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلقِ خاطر ہی کی وجہ سے کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ . بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تمہاری بات کی تصدیق کرتے ہیں اور تمہاری معذرت کو قبول کرتے ہیں۔

اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مکہ کو امان عطا فرمادی اور انہیں مال و جائیداد پر برقرار رکھا حالانکہ آپ ﷺ بزورِ تلوار مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو قتل کر سکتے تھے اور ان کے اموال قبضے میں لے سکتے تھے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حضورِ انور ﷺ دوبارہ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں ہونا چاہتے ہیں اور قریش کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ شہر آپ کا شہر ہے اور اس کے باسی آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں اور یہ قدرتی بات ہے کہ وطن اور اہلِ وطن کی محبت نفس کو کھینچتی ہے، اس لیے ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ ہم کو چھوڑ کر شہرِ مکہ کو مسکن بنالیں، اس طرح ان کے وسوسے الفاظ بن کر ان کی زبان پر آ گئے۔ مگر یہ الفاظ اہلِ عقل و دانش نے نہیں کہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کا مکہ مکرمہ کو دوبارہ وطن بنانے کا پروگرام نہیں، اس لیے انہوں نے ان جذبات کا اظہار بطورِ طعن و عیب نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ایسے کلمات بے ساختہ نکل گئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کے جذبات محبت کی تصدیق کی اور ان کو ایسی گفتگو میں معذور قرار دیا، اس معذوری کی وجہ یہ تھی کہ ان اہلِ ایمان کو حضور کی جدائی برداشت کرنے کی سکت نہ تھی، جن کے بارے میں خود حضور نے فرمایا۔

اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَّالنَّاسُ دِثَارٌ ۔ انصار میری چادر کا اندرونی حصہ ہیں اور دوسرے لوگ چادر کا بیرونی حصہ۔

یعنی انصار کو مجھ سے جو تعلق اور قربت ہے وہ دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔

وَالْکَلِمَۃُ الَّتِیْ تَخْرُجُ عَنْ مُّحَبَّۃٍ وَّ تَعْظِیْمٍ وَّ تَشْرِیْفٍ وَّتَکْرِیْمٍ تُغْفَرُ لِصَاحِبِھَا بَلْ یُحْمَدُ عَلَیْھَا وَاِنْ کَانَ لَوْ صَدَرَ بِدُوْنِ ذٰلِکَ اسْتَحَقَّ صَاحِبُھَا النِّکَالَ ۔ جو کلمہ محبت وتعظیم اور تشریف وتکریم سے نکلے وہ قابلِ معافی ہے بلکہ اس کا کہنے والا اس پر قابلِ تعریف ہوتا ہے اگر وہ محبت و تعظیم کے بغیر صادر ہو تو کہنے والا مستحقِ سزا ہوتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ رسالت میں شیوۂ ادب

اس طرح جو فعل محبت وتعظیم کا آئینہ دار ہو وہ قابل مواخذہ نہیں بلکہ لائق تحسین ہے اس کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل ہے جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو حضور اتفاق سے مسجد میں تشریف لے آئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکانک اپنی جگہ کھڑے رہو مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ آئے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

مَامَنَعَکَ اَنْ تَثْبُتَ مَکَانَکَ وَقَدْ اَمَرْتُکَ ۔ جب میں نے حکم دیا تو تم اپنی جگہ (مصلائے امامت پر) کھڑے کیوں نہ رہے؟

عرض کیا

مَا کَانَ لِابْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ اَنْ یَّتَقَدَّمَ بَیْنَ یَدَیِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ ابنِ ابی قحافہ کے لیے سزاوار نہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہوتا۔

حضرت ابوایوب انصاری کا ادب

اس طرح کا واقعہ حضرت ابوایوب انصاری کا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے کاشانہ سعادت میں قیام پذیر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نچلی منزل میں سکونت اختیار کی، اور حضرت ابوایوب اور ان کے اہلِ خانہ بالا خانہ میں رہے، ان کو ناگوار تھا کہ وہ بالا خانہ میں رہیں اور حضور نیچے والے مکان میں، چنانچہ انہوں نے نیچے والے مکان میں منتقل ہونے اور حضور کے بالا خانہ میں تشریف لے جانے کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے لیے نیچے رہنا زیادہ آرام دہ ہے کیونکہ لوگ مجھ سے ملنے آتے ہیں" پس حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ازراہِ ادب واحترام خاموش ہو گئے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ فتح مکہ کے موقع پر انصار کے جذبات سے مغلوب کلمات اسی قبیل کے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس بات میں کلمات تین قسم کے ہوئے۔

اول: کفریہ کلمات:

مثلاً منافقین کا کہنا کہ اس تقسیم سے رضائے ربانی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

دوئم: گناہ و معصیت کے کلمات:

ایسے کلمات سے اندیشہ ہے کہ کہنے والے کا عمل حبط ہو جائے مثلاً نبی اکرم ﷺ کی آواز سے آواز بلند کرنا یا مثلاً صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر لینے کے بعد آپ ﷺ سے الجھنا اور بار بار رجوع کرنا یا مثلاً حق کے کھل جانے کے بعد غزوۂ بدر کے معاملہ میں آپ ﷺ سے جھگڑنا، اس طرح کا طرزِ عمل آپ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی میں داخل ہے۔

سوئم: کفر اور گناہ سے خالی کلمات:

ایسے کلمات کے صدور سے کہنے والا لائقِ تحسین ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، مثلاً نمازِ قصر کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال کہ ''اب جبکہ ہم حالتِ امن میں ہیں تو قصر نماز کیوں کر پڑھیں؟ یا مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ (الحاقۃ:۱۹) سو وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

یا مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا سوال کرنا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۔(مریم:۷۱) ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو''

(اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کاشانہ حفصہ میں تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا غزوۂ بدر اور حدیبیہ کے مقام پر حاضر ہونے والا کوئی شخص جہنم میں نہیں جائے گا تو حضرت حفصہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کا حوالہ دے کر سوال کیا۔)

یونہی حضرت حباب کا مقامِ بدر کے متعلق تحقیق کرنا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا صلحِ غطفان کے بارے میں پرسش کرنا، یا مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان برتنوں کے توڑ دینے کے حکم پر مراجعت کرنا، جن میں گدھوں کا گوشت تھا کہ کیا ہم توڑنے کی بجائے ان کو دھو نہ لیں تو حضور نے فرمایا ہاں دھو لو۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لوٹانا جب وہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں کے لیے جنت کی بشارت لے کر نکلے اور حضورِ انور ﷺ سے اس معاملہ میں رجوع کرنا یا بعض جنگوں میں سواریوں کے ذبح کرنے کے مسئلہ میں بحث کرنا نیز مطالبہ کرنا کہ اس کی بجائے بچے کھچے توشوں کو جمع کر کے دعا فرمائیں اور حضور کا عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو قبول فرمانا۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض اشکالات کے حل کے لیے سوال کرنا یا نبی اکرم ﷺ کے فعل میں پوشیدہ مصلحت سے باخبر ہونے کے لیے التماس کرنا۔

ایسی تمام صورتوں میں حضور ﷺ سے مراجعت گستاخی کے زمرہ میں نہیں آتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تمام احادیث کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضور کی شان میں گستاخی کرنے والے کو قتل کیا جائے، خواہ معاہد ہو یا غیر معاہد، بعض احادیث اس مسئلہ میں نص ہیں، بعض ظاہری حکم رکھتی ہیں اور بعض سے استنباطاً ثابت ہے، جو آدمی اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتا ہے یہ احادیث اس کے نکتۂ نظر میں تقویت کا باعث ہیں اور جو نہیں سمجھ پاتا یا کامل توجہ نہیں کرتا یا جو ان سے استدلال کو کمزور جانتا ہے، وہ توقف اختیار کرتا ہے مگر جو شخص حق کا قصد کرے اور اللہ تعالیٰ اسے علم وبصیرت سے نوازے اس پر یہ مسئلہ مخفی نہیں رہ سکتا۔

اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے گستاخ کے واجب القتل ہونے پر استدلال

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد ایسے فیصلے منقول ہیں جو بہت مشہور ومعروف ہیں اور ان میں سے کسی نے اس مسئلہ کا انکار نہیں کیا، اس اعتبار سے یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا، اور کسی فرعی مسئلہ میں اس سے بڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا دعویٰ ممکن نہیں۔''

مہاجر بن ابی امیہ کا دو مغنیہ عورتوں کا فیصلہ کرنا

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو سیف بن عمر تمیمی نے کتاب ''الردۃ والفتوح'' میں اپنے اساتذہ سے نقل کیا۔

''مہاجرین بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ یمامہ اور گردونواح کے علاقوں پر حاکم تھے ان کے پاس دو مغنیہ عورتوں کا مقدمہ لا گیا، ان میں سے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ اشعار گاتی تھی حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ نے اس کا ایک ہاتھ کٹوا دیا اور سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے، دوسری عورت مسلمانوں کی ہجوگوئی کرتی تھی تو اس جرم میں انہوں نے اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیا اور دانت بھی نکلوا دیئے، جب اس فیصلہ کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کو لکھ بھیجا'' مجھے تمہارے فیصلے کا علم ہوا جو تم نے شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والی عورت کے بارے میں کیا، اگر تم مجھ سے پہلے ہی اس کو سزا نہ دے چکے ہوتے تو میں تم کو اس کے قتل کا حکم دیتا، کیونکہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کی سزا عام لوگوں کی سزا کے مشابہ نہیں، اس لیے یاد رکھو کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی اس جرم کا مرتکب ہو تو وہ مرتد ہے، اگر معاہد (غیر مسلم) ایسی حرکت کرے تو حربی عہد شکن ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسری عورت کے متعلق لکھا،

''مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ تم نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے کے دانت نکلوا دیئے ہیں، جس نے گا کر مسلمانوں کی ہجو کی، اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ یہ بات ہے کہ اگر وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی تھی تو اس کے لیے تادیب وتعزیر ہی کافی تھی مثلہ جائز نہ تھا، اور اگر ذمیہ تھی تو تم نے اس سے درگزر کیوں نہ کیا، اس کا مشرک ہونا تو اس سے بڑا جرم تھا اور اگر میں پہلے سے تم کو ہدایت دے چکا ہوتا تو تمہارے ناگوار فیصلے کی نوبت نہ آتی ...... آئندہ مثلہ کی سزا سے اجتناب کرو کیونکہ اس میں گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے ذریعہ نفرت بھی، البتہ قصاص کا استثناء ہے۔''

اس قصہ کو سیف بن عمر کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی ذکر کیا، جو اس کے بیان کردہ مسئلہ سے مطابقت رکھتا ہے کہ جو شخص نبی

اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، وہ واجب القتل ہے اور حضور ﷺ کے بعد کسی اور کا ایسا استحقاق نہیں، یہ اس معاملہ میں صریح ہے کہ جو شخص بھی شانِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم معاہد، عورت ہو یا مرد، توبہ کا موقعہ دیئے بغیر قتل کیا جائے، بخلاف اس شخص کے جو عام لوگوں کو گالی دے انبیائے کرام علیہم السلام کی گستاخی کی سزا قتل ہے جبکہ عام لوگوں کی گستاخی اور توہین کی سزا کوڑے ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے قتل کا حکم نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مہاجر حضرت ابوبکر صدیق کی اطلاع سے پہلے اسے اپنے اجتہاد سے سزا دے چکے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو حدوں کو جمع کرنا پسند نہیں کیا، مزید برآں شاید وہ عورت اسلام قبول کر چکی تھی اور توبہ بھی کر چکی تھی اور حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خط سے پہلے اس کی توبہ قبول کر چکے تھے، یہ اجتہادی فیصلہ تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبدیل نہیں کیا، کیونکہ اجتہاد اجتہاد کا ناقض نہیں ہوتا، حضرت ابوبکر صدیق کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا حضرت مہاجر کو اس کے قتل سے منع کرنا اس لیے تھا کہ مہاجر پہلے اس کو سزا دے چکے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گستاخ کو قتل کرنا

حرب ''مسائل'' میں لیث بن ابی سلیم سے بحوالہ مجاہد نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں لایا گیا، وہ نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دیتا تھا، اس لیے آپ نے اس کو قتل کر دیا۔

پھر فرمایا:

مَنْ سَبَّ اللّٰہَ اَوْسب اَحَدًا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاقْتُلُوْہُ — جو اللہ تعالیٰ کو گالی دے یا کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دو۔

لیث کہتے ہیں، مجھے مجاہد نے بحوالہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ''جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے یا کسی نبی کی شان میں بکواس کرے وہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہوا اور یہ ارتداد ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر رجوع کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے، اور جو معاہد عناد سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شان میں گالی گلوچ کرے یا کسی پیغمبر کو سب وشتم کرے یا ایسے کلمات علانیہ کہے تو وہ نقضِ عہد کا مرتکب ہوا، اس لیے اس کو قتل کر دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شام کے عیسائیوں سے معاہدہ

ابومسجعہ بن ربعی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو شام کے بطریق (پیٹرک) نے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معاہدہ کی شرائط یاد دلائیں اور عرض کیا کہ اس کی دستاویز تیار کر لی جائے آپ نے فرمایا ''ہاں'' پھر جب دستاویز لکھ رہے تھے تو یاد آیا اور دوبارہ فرمایا

میں تم سے معرۃ الجیش کا استثناء کرتا ہوں۔

پھر فرمایا تمہارے لیے دو حق ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے جو تم سے معاہدہ توڑے پھر جب تحریر سے فارغ ہوئے تو

بطریق نے درخواست کی۔

امیر المؤمنین! اٹھ کر لوگوں میں اعلان فرما دیجئے کہ آپ نے مجھ کو کیا حقوق دیئے ہیں اور کونسی ذمہ داریاں ڈالی ہیں؟ تا کہ لوگ میرے ساتھ ظلم سے باز رہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں" پھر اٹھ کر حمد وثناء بیان کی اور ان الفاظ میں خطبہ دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ .	ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں میں اس کی حمد بجالاتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

یہ سن کر ایک نبطی نے کہا

"اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا"

آپ نے پوچھا "تو کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے کہا کچھ نہیں، پھر پہلی بات دہرائی، آپ نے حاضرین سے پوچھا بتاؤ یہ نبطی کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا" آپ نے فرمایا

اِنَّا لَمْ نُعْطِكَ الَّذِيْ اَعْطَيْنَاكَ لِتَدْخُلَ عَلَيْنَا فِيْ دِيْنِنَا .	ہم نے تجھے یہ عہدِ ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ تو ہمارے دین میں مداخلت کرے۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تو نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو میں تیری کھوپڑی اڑا دوں گا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ خطبہ دیا مگر اس بار نبطی نے کوئی تبصرہ نہ کیا، جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو نبطی نے معاہدہ کی تحریر لے لی۔

دیکھیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک معاہد سے فرمایا،

"ہم نے تم کو عہدِ ذمہ اس لیے نہیں عطا کیا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو۔"

اور قسم کھا کر فرمایا "اگر تو نے دوبارہ ہمارے دین میں مداخلت کی تو تیری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ اہلِ ذمہ کو ہمارے دین پر اعتراض کرنے کی اجازت نہیں، اگر وہ اعتراض کریں گے تو ان کا خون مباح ہوگا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے بڑا اعتراض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا ہے، اور یہ ایسا ظاہر وواضح معاملہ ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر وشان کو جھٹلانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

جہاں تک اس نبطی کو قتل نہ کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید اس کے نزدیک اس کلام کا دین میں طعن ہونا ثابت نہ تھا اور وہ سمجھتا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا اپنی طرف سے کیا، جب آپ نے اس کو وضاحت فرما دی کہ یہ ہمارے دین میں مداخلت ہے تو اس کے بعد فرمایا "اگر تو نے دوبارہ ایسا کیا تو تیری گردن ماردوں گا۔"

اس کی ایک اور مثال وہ واقعہ ہے جس سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے پاس سے ایک راہب گزرا تو ان کو بتایا گیا کہ یہ راہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتا ہے، کہا، اگر میں اس کی زبان سے سنتا تو اس کو قتل کر دیتا، ہم نے ان کو عہدِ ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ یہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کریں۔

اس واقعہ کو حدیث ثوری میں بحوالہ حصین اس طرح نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک راہب پر، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتا تھا، تلوار سونت لی اور فرمایا ہم نے اہلِ ذمہ کے ساتھ مصالحت اس لیے نہیں کی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔

ان دونوں روایات کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شاید وہ راہب اس امر کا اقرار کرتا ہو تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر تلوار سونت لی ہو اور جب انہوں نے اس کو ڈانٹا ہو تو وہ باز آ گیا ہو بعد ازاں یہ کہا ہو کہ اگر میں اس کی زبان سے گالیاں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا، اس روایت کو کئی محدثین نے نقل کیا ہے۔

یہ تمام آثارِ ذمی اور ذمیہ میں نص ہیں، ان میں سے بعض کافر اور مسلم دونوں کو شامل ہیں۔

اس سلسلہ کے آثار و واقعات قبل ازیں گزر چکے ہیں مثلاً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کرنا، جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ناگواری کا اظہار کیا، یونہی آپ کا صبیغ بن عسل کو سر سے پگڑی اتارنے کا حکم دینا اور توبہ کا مطالبہ کئے بغیر یہ فرمانا کہ اگر میں تجھ کو منڈے ہوئے سر کے ساتھ دیکھتا تو تیری کھوپڑی اڑا دیتا، اس شخص کے گروہ کا جرم یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اعتراض کرتے تھے۔

اس سے پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کے مطابق آیتِ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الی اٰخر الآیۃ (سورہ نور:۲۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہرات کی شان میں آئی، جس میں توبہ کا ذکر نہیں جبکہ کوئی شخص ازواجِ مطہرات کے علاوہ کسی مومنہ عورت پر تہمت باندھے تو اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کا حق دیا ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور قول ہے کہ یہ آیتِ کریمہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی، وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور منافقت کا کام ہے اور منافق جب توبہ کا مطالبہ قبول نہ کرے تو واجب القتل ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ سماک بن فضل سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

قبل ازیں محمد بن مسلمہ کا واقعہ نقل ہو چکا، کہ انہوں نے ابنِ یامین کے معاملہ میں قسم کھائی، جب اس نے کعب بن اشرف کے قتل کو غدر قرار دیا کہ وہ اس کو تنہا پا کر قتل کر دیں گے کیونکہ اس نے غدر کا الزام لگا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے۔

ایک وضاحت:

اس سے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس وقت کے حاکم (امیر معاویہ یا مروان) نے اس شخص کو کیوں قتل نہ کیا کیونکہ اس حاکم کا سکوت اس مؤقف سے الگ مؤقف پر دلالت نہیں کرتا نہ اس سے محمد بن مسلمہ کی مخالفت لازم آتی ہے، شاید سکوت کی وجہ یہ ہو کہ اس نے اس شخص کے معاملہ میں غور نہ کیا ہو، یا غور کیا ہو مگر اس کی حکمت ظاہر نہ ہوئی ہو یا اقامتِ حد کا داعیہ نہ پیدا ہوا ہو یا یہ گمان ہو

کہ اس نے کعب بن اشرف کے قتل کا کوئی اور سبب قرار دیا ہو۔

بہر حال اس کے قتل سے باز رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حاکم اس مسئلہ میں محمد بن مسلمہ سے اختلاف رکھتا تھا۔ لیکن بظاہر محمد بن مسلمہ کی رائے میں حد جاری نہ کرنے کی وجہ سے خطا کار تھا، اس لیے حضرت محمد بن مسلمہ نے اس سے کنارہ کشی کر لی لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ حاکم مسلمان تھا کیونکہ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ غرفہ ابنِ حارث کندی ایک صحابی تھے، انہوں نے ایک نصرانی کو سنا جو حضور کو گالیاں دے رہا تھا تو اس کے گھونسا مار کر اس کی ناک توڑ دی، یہ مقدمہ عمرو بن العاص کے پاس لایا گیا تو کہا، ''ہم نے ان نصرانیوں کو عہدِ ذمہ دے رکھا ہے۔'' یہ سن کر غرفہ نے کہا، معاذ اللہ، ہم نے ان کو عہدِ ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ حضور کی شان میں گستاخی کا اظہار کریں، ہم نے ان کو یہ عہد اس لیے دیا کہ وہ آزادی سے اپنے کنیسوں میں عبادت کر سکیں، اور ہم طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالیں، ان پر حملہ ہو تو ان کا دفاع کریں، اور ان کے شرعی احکام میں مداخلت نہ کریں ہاں وہ ہمارے شرعی احکام سے راضی ہو کر ہمارے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ان میں فیصلہ کریں، اور اگر غائب ہوں تو ان کے معاملات میں تعرض نہ کریں' یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا ''آپ نے سچ کہا''

اس سے معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص اور غرفہ ابنِ حارث کا اس پر اتفاق تھا کہ ہمارے اور اہلِ ذمہ کے درمیان جو عہد ہے اس سے اہلِ ذمہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کی اجازت نہیں، البتہ وہ اپنے عقائد کفریہ اور تکذیب پر برقرار رہ سکتے ہیں، پس جب وہ گستاخی کا اظہار کریں گے تو خون مباح کرنے والے فعل کے مرتکب ہوں گے اس صورت میں ان کو قتل کرنا جائز ہوگا۔ یہ حکم اسی طرح ہے جیسے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے گستاخِ رسول راہب کے متعلق فرمایا ''کہ اگر میں اس کے گستاخانہ کلمات سن لیتا تو اس کو قتل کر دیتا۔ ہم نے ان کو عہدِ ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ وہ بارگاہِ رسالت میں گستاخی کریں۔''

جہاں تک اس شخص کو قتل نہ کرنے کا تعلق ہے تو شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر شہادت قائم نہ ہوئی تھی، تنہا غرفہ نے اس کے گستاخانہ کلمات سنے تھے، اور آپ نے شاید اپنی ضرب سے اس کو قتل کرنے کا قصد کیا تھا اور عدمِ شہادت کی بناء پر اس کا کام تمام نہ کر سکے۔

اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکمِ وقت کے لیے پریشانی کا باعث ہو سکتا تھا کیونکہ حاکم کے سامنے اس کی شہادت پوری نہ تھی۔

خلید کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو گالی دی، انہوں نے عامل کو لکھ بھیجا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ یہ سزا صرف گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے البتہ اسے درے مارو، اور اگر درے مارنا اس کے حق میں بہتر نہ سمجھتا تو اس کا حکم بھی نہ دیتا، اس کو حرب نے روایت کیا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر فرمایا یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مشہور معاملہ ہے ان کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے وہ سنت کے عالم اور اس کے متبع تھے۔

فَهٰذَا قَوْلُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پس یہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اتفاقی نکتۂ نگاہ ہے کسی صحابی یا

وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ لَا يُعْرَفُ عَنْ صَاحِبٍ وَّلَا تَابِعٍ خِلَافٌ لِذٰلِكَ بَلْ اِقْرَارٌ عَلَيْهِ وَاسْتِحْسَانٌ لَهُ

تابعی سے اس کے خلاف معلوم نہیں، بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہے اور وہ اسی کو مستحسن سمجھتے ہیں۔

گستاخِ رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے پر قیاس سے استدلال

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے اس سے بھی اس مسئلہ پر کئی وجوہ سے روشنی پڑتی ہے۔

پہلی وجہ:

ہمارے دین پر اعتراض کرنا اور ہمارے نبی ﷺ کو گالی دینا ہمارے ساتھ لڑائی ہے جو کہ حقیقی لڑائی سے زیادہ نقضِ عہد کا باعث ہے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ پاک سے ہوتی ہے۔

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

(توبہ: ۴۱)

اور جانی جہاد جس طرح ہاتھ سے ہوتا ہے اسی طرح زبان سے ہوتا ہے بلکہ اس سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مشرکوں سے اپنے ہاتھوں، زبانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرو۔'' (نسائی وغیرہ)

نبی اکرم ﷺ حضرت حسان بن ثابت کو حکم دیتے،

اُغْزُهُمْ وَغَازِهِمْ ۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر نصب کیا جاتا تو وہ اپنے اشعار کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کا دفاع کرتے اور مشرکین کی ہجو کہتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی۔

''اے اللہ! روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے حسان کی تائید فرما۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا

''بے شک جبرائیل تمہارے ساتھ ہیں جب تک تم رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے رہو گے۔''

نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

هِيَ اَنْكٰى فِيْهِمْ مِنَ النَّبْلِ ۔ حسان کی شاعری دشمنانِ رسول کو تیر سے زیادہ زخم لگانے والی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ہجو گوئی کے خوف سے بکثرت اذیت ناک باتوں سے احتراز کرتے تھے، یہاں تک کہ کعب بن اشرف جب مکہ مکرمہ جاتا اور کسی گھرانے کے ہاں مہمان بنتا تو وہ اسے حضرت حسان کے ہجویہ قصیدہ کی بناء پر گھر سے نکال دیتے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مکہ مکرمہ میں کوئی گھرانہ اسے اپنے ہاں ٹھہرانے کے لیے باقی نہ رہا۔

حدیث میں ہے:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ. افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

جب زبانی جہاد کی یہ شان ہے کہ اس سے مشرکین کی گالی گلوچ کا جواب دیا جاتا ہے، ان کی قباحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، دینِ حق کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تو اس سے معلوم ہوا، کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور کھلے بندوں اس کا اظہار کرے نیز کتاب اللہ کا برائی کے ساتھ علانیہ ذکر کرے تو وہ اہلِ اسلام کے ساتھ محارب ہوا، جو کہ صریح عہد شکنی ہے۔

دوسری وجہ:

ہم نے اگرچہ ان کفار کو (عہدِ ذمہ کی رو سے) ان کے کفریہ اور شرکیہ عقیدے پر رہنے دیا تو یہ ایسا ہی ہے کہ ہم نے ان کو ان کی پوشیدہ عداوت ہمارے ساتھ ارادۂ بد، ہمیں برباد کرنے کی خواہش پر برقرار رکھا، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہمارے دین کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، ہمارا خون بہانا چاہتے ہیں اور اگر بن پڑے تو اپنے دین کے غلبہ کے لیے بھرپور کوشش بھی کرتے ہیں، مگر جب وہ اپنے اس ارادہ کے بموجب اقدام کریں اس طرح کہ ہم سے حرب وقتال کے مرتکب ہوں تو عہد شکن ہوں گے اسی طرح جب اپنے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک، اس کی کتاب، اس کے دین اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اظہارِ سب وشتم کریں گے تو عہدِ ذمہ توڑ دیں گے، کیونکہ ارادہ کے بموجب عمل اور عقیدہ کے بموجب عمل میں کوئی فرق نہیں۔

تیسری وجہ:

ہمارے اور ان کے درمیان مطلق عہد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمارے دین میں اعتراض اور ہمارے رسول ﷺ کی شان میں اہانت کے اظہار سے باز رہیں، جس طرح کہ ہماری خونریزی اور ہمارے ساتھ اقدامِ جنگ سے باز رہنا ضروری ہے کیونکہ "عہد" کا مفہوم ہی یہ ہے کہ فریقین معاہدہ میں سے ہر ایک دوسرے کو ان باتوں سے مامون رکھے جن سے خوف کیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ومحقق ہے کہ ہم ان سے کلمۂ کفر کے اظہار اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی سے خوف رکھتے ہیں، جیسا کہ ان کے ساتھ جنگ سے حذر کرتے ہیں بلکہ اس معاملہ میں حذر کرنا زیادہ مناسب اور ضروری ہے۔

ہم تو نبی اکرم ﷺ کی عزت وتوقیر، رفعتِ ذکر، اظہارِ شرف اور علوِ قدر کے لیے جان دینا اور مال خرچ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تمام کافر اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہمارا دین ہے اس لیے ان میں سے جو کوئی اہانتِ رسول ﷺ کا مرتکب ہوگا تو وہ ناقضِ عہد ٹھہرے گا اور اس عمل کا مرتکب ہوگا جس سے ہم عہدِ ذمہ سے قبل خوف کرتے تھے اور جس پر ہم برسرِ پیکار ہو جاتے تھے، یہ بہت واضح حقیقت ہے۔

چوتھی وجہ:

اگر مطلق عہد میں اس کا تقاضا نہ ہو تو اس عہد میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے کیا تھا، ان شرائط کی وضاحت موجود ہے اور تمام اہلِ ذمہ اس قسم کے معاہدوں کو تسلیم کرتے اور ان پر عمل کرتے رہے۔

اہلِ ذمہ پر اہلِ اسلام کی شرطیں

حرب باسناد صحیح عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کرتے ہیں کہ شام کے عیسائیوں نے صلح کے وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔

''یہ فلاں شہر کے باشندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المؤمنین عمر بن خطاب کے نام خط ہے۔

جب آپ ہمارے پاس تشریف لائیں گے تو ہم آپ سے اس شرط پر اپنی جانوں اولادوں اور مالوں کی حفاظت کا سوال کریں گے کہ ہم عہد شکنی نہیں کریں گے'' پھر چند شرطوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ''ہم شرک کا اظہار نہیں کریں گے نہ شرک کی طرف کسی کو دعوت دیں گے۔''

خط کے آخر میں کہا

''ہم نے اس شرط پر اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر اس معاہدہ کو لازم کرلیا ہے اور اس شرط پر امان کو قبول کیا ہے (کہ ہم ان شرائط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے) اگر ہم ان شرائط میں سے کسی کی خلاف ورزی کریں گے تو ہمارا عہدِ ذمہ ختم ہو جائے گا، اور آپ کے لیے ہمارا وہ کچھ حلال ہو جائے گا جو اہلِ عناد وشقاق کا حلال ہے۔''

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عقدِ معاہدہ کی مجلس میں فرمایا

''ہم نے تم کو عہد ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو تمہاری گردن ماردوں گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ اسلام نے شرائط کے ذریعے ان پر لازم کر دیا کہ وہ کلمۂ کفر کا اظہار نہ کریں، اور جب وہ اس کا اظہار کریں گے تو محاربین ہو جائیں گے، اس توجیہ کی روشنی میں اس شخص کے نزدیک بھی سب وشتم نقضِ عہد کا موجب ہوگا، جو کہتا ہے کہ نقضِ عہد صرف اسی صورت میں ہوگا جب ہم ان پر شرط رکھ دیں کہ وہ سب وشتم کا ارتکاب نہیں کریں گے، جیسا کہ بعض حنابلہ اور شوافع نے ذکر کیا ہے۔

کلمۂ کفر کا اظہار اس شخص کے نزدیک بھی موجب نقضِ عہد ہے جو کہتا ہے کہ جب اس کی شرط رکھ دی جائے تو اس فعل کے ارتکاب سے عہدِ ذمہ ختم ہو جائے گا، جیسا کہ بعض اصحابِ شوافع نے ذکر کیا، کیونکہ اہلِ ذمہ ان شرائط پر پابند رہیں گے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عہدِ ذمہ میں ان پر لازم کیں اور بعد کے کسی حاکم نے ان شرائط کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام حکمران اسی ڈگر پر چلتے رہے، اور جس نے اس بات کی کوشش کی کہ اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والے کی طرف یہ قول منسوب کرے کہ اگر اظہار سب وشتم پر نقضِ عہد کی شرط معاہدہ میں شامل ہو تو وہ اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کرے گا، ہم کہتے ہیں کہ اجماعِ صحابہ کی موجودگی میں مخالفت کی گنجائش نہیں، پھر جب تمام آئمہ نے اس شرط کو اہلِ ذمہ پر لازم قرار دیا تو ہر قول پر اس کے ساتھ عمل ضروری ہے۔

پانچویں وجہ:

اہلِ ذمہ کے ساتھ عقدِ ذمہ اس شرط پر ہے کہ دارالسلام میں اسلام کے احکام جاری ہوں گے اور وہ صغار و ذلت کے ساتھ رہیں گے تو اس شرط کی رو سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور دینِ اسلام پر اعتراض ان کے اہلِ صغار و ذلت ہونے کے منافی ہے کیونکہ جو کوئی علانیہ دین پر اعتراض کرے اور اسے گالیاں دے وہ ہرگز اہلِ صغار نہیں، اس صورت میں اس کا عہدِ ذمہ باقی نہیں رہا۔

چھٹی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے رسول ﷺ کی تعزیر و توقیر فرض کی ہے، تعزیر کا معنی ہے آپ ﷺ کی نصرت و حمایت اور توقیر کا معنی ہے اجلال و تعظیم، اس سے ہر طرح آپ ﷺ کی عزت و حرمت کی حفاظت لازم آتی ہے بلکہ یہ آپ کی نصرت و حمایت اور تعظیم و توقیر کا پہلا درجہ ہے اسی لیے جائز نہیں کہ ہم کفار سے کوئی ایسا معاہدہ کریں جس کو آڑ بنا کر وہ ہمارے نبی ﷺ کی علانیہ توہین کے مرتکب ہوں کیونکہ اس بات کا ان کو اختیار دینا حضور کی تعظیم و توقیر اور نصرت و حمایت کی نفی ہے اور کفار اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم ایسی گھٹیا شرط پر ان سے مصالحت نہیں کرتے، بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہر طرح سے ان کو توہینِ رسالت سے باز رکھیں اور انہیں جھڑکیں ہماری ان کے ساتھ مصالحت کی یہی شرط ہے کہ ہمارے دین میں اعتراض نہیں کریں گے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس شق کی پاسداری نہیں کریں گے تو ان کے اور ہمارے درمیان معاہدہ باقی نہیں رہے گا۔

ساتویں وجہ:

نبی اکرم ﷺ کی نصرت ہم پر فرض ہے، یہ سب سے بڑا جہاد ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۔ (توبہ:۳۸)

تمہیں کیا ہوا، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہِ خدا میں نکلو تو زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۔ (توبہ:۴۰)

اگر تم نبی اکرم ﷺ کی نصرت نہ کروں گے تو (جان لو کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۔ (الصف:۱۴)

اے اہلِ ایمان تم اللہ کے (دین کے) انصار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا اللہ کی طرف کون میری نصرت و حمایت کرنے والے ہیں؟

بلکہ حضور کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی مدد کرنا لازم ہے، آپ نے فرمایا

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا ۔ اپنے بھائی کی مدد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ایک اور ارشاد ہے،

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يُسْلِمُهٗ وَلَا يَظْلِمُهٗ ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔

اور سب سے بڑی نصرت وحمایت حضور ﷺ کی ناموس کی حفاظت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور نے فرمایا،

مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ يُؤْذِيْهِ حَمَى اللّٰهُ جِلْدَهٗ مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ جو شخص کسی مومن کو کسی منافق کی اذیت سے بچائے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی جلد کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

یہی وجہ ہے کہ شاتم کی گالی کا تر کی بہ تر کی جواب دینے والے کو منتصر (انتقام لینے والا) کہا گیا ہے، ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حضرت ابوبکر صدیق کو گالی دی مگر وہ خاموش رہے بعد ازاں جب اس کی گالی کا جواب دینا شروع کیا تو حضور اٹھ کھڑے ہوئے، عرض کیا: یا رسول اللہ وہ مجھے گالی دیتا رہا اور آپ ﷺ تشریف فرما رہے جب بدلہ لینے کے لیے میں نے جواب دیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کو جواب دے رہا تھا جب تم نے خود بدلہ لیا تو فرشتہ چل دیا، پس فرشتے کے جانے کے بعد میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔"

یہ اہلِ عرب کے کلام میں بہت مشہور و معروف ہے کہ وہ ساب اور شاتم کا مقابلہ کرنے والے کو "منتصر" کہتے ہیں یونہی ضرب لگانے اور قتل کرنے والے کا مقابلہ کرنے والے کو منتصر کہا جاتا ہے۔

پہلے گزر چکا کہ نبی اکرم ﷺ نے بنتِ مروان، جس نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی، کے قاتل کے متعلق فرمایا۔

"اگر تمہیں پسند ہو کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی غائبانہ مدد کی تو اس شخص کو دیکھ لو۔"

ایک اور شخص کے بارے میں جس نے مشرکین کی صفوں کو چیرتے ہوئے گستاخِ رسول ﷺ پر وار کیا، حضور نے فرمایا

اَعَجِبْتُمْ مِنْ رَّجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ کیا تمہیں ایسے شخص سے تعجب ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کی۔

عزت و ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت وحمایت دوسروں کی عزت کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور بڑی نصرت ہے کیونکہ بعض اوقات دوسروں کی ہتکِ عزت مقصد کو نقصان نہیں دیتی بلکہ اس سے نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی ہتکِ عزت کا معاملہ ہے وہ کلیتاً دینِ خداوندی کے منافی ہے کیونکہ ہتکِ عزت سے احترام اور تعظیم ساقط ہو جاتی ہے جو کہ پیغامِ ربانی کے سقوط کو لازم ہے اس طریقہ سے دین باطل قرار پائے گا پس آپ ﷺ کی مدح وثناء اور تعظیم و توقیر کا قیام سارے دین کو قائم کرنے کے مترادف ہے اور اس مدح وثناء اور تعظیم و توقیر کو چھوڑ دینے سے سارا دین گر جاتا

ہے، اور جب معاملہ ایسا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ناموسِ رسالت میں ہاتھ ڈالنے والے سے انتقام لیں اور اس کو قتل کر کے نصرتِ رسالت کا فریضہ سرانجام دیں کیونکہ ناموسِ رسول ﷺ کی توہین دینِ خداوندی کی توہین ہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ جو شخص دینِ خداوندی میں گڑبڑ کی کوشش کرے وہ مستحقِ قتل ہے، بخلاف کسی معین شخص کی بے عزتی کے، کہ اس بے عزتی سے دین کا ابطال لازم نہیں آتا، اس لیے یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ ہم کسی کافر معاہد سے اس شرط پر معاہدہ نہیں کرتے کہ ہم ناموسِ رسالت کی حفاظت سے دستبردار ہو جائیں گے یونہی ہم اس بات پر معاہدہ نہیں کرتے کہ ہم حقوقِ مسلمین کی ادائیگی سے باز رہیں گے، ایسی شرائط پر معاہدہ کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں، اور شاتم اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم ایسا معاہدہ نہیں کرسکتے اس لیے جب حضور کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا تو اس کو قتل کر کے حفاظتِ ناموسِ رسول کا فریضہ سرانجام دینا ہم پر لازم ہوگا، اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی پر وہ واجب القتل ہوگا، یہ بہت واضح بات ہے۔

آٹھویں وجہ:

کفار کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا گیا کہ وہ بلادِ اسلام میں ایسی منکرات کا اظہار نہیں کریں گے جو ان کے دین کے ساتھ خاص ہیں پس ان منکرات کے اظہار کی صورت میں مستحق سزا ہوں گے، اگرچہ ان کا اظہار ان کے دینی مراسم میں شمار ہوتا ہو، اسی لیے جب شانِ رسالت میں گستاخی کا اظہار کریں گے تو سزا کے حقدار ہوں گے اور اس جرم کی سزا قتل ہے۔

نویں وجہ:

ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ پر قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ اہلِ ذمہ کو اظہارِ سب وشتم کی ہرگز اجازت نہیں، اور اس ممانعت کے بعد اگر ایسی حرکت کے مرتکب ہوں گے تو لائق سزا ٹھہریں گے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس جرم کی کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی جس طرح کہ ان کو حالتِ کفر پر رہنے کی اجازت دی گئی ہے پھر جب اس جرم کا ارتکاب کریں گے تو بالاتفاق سزا کے مستحق ہوں گے، اور گالی گلوچ کی سزا کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں، کوڑے، قید، قطعِ اعضاء اور قتل، پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ کسی عام مسلمان یا حاکم کو گالی دینے سے کوڑوں اور قید کی سزا لازم آتی ہے اگر رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی بھی یہی سزا ہو، تو گستاخِ رسول اور عام مسلمانوں کی توہین کرنے والے میں کوئی فرق نہیں رہے گا وہ دونوں یکساں ہوں گے اور یہ بداہتاً باطل ہے، جہاں تک قطعِ اعضاء کا تعلق ہے تو یہ صورت یہاں بے معنی ہے پس توہینِ رسالت کی سزا قتل متعین ہوگئی۔

اہلِ ذمہ کی خلاف ورزی عہدِ ذمہ کی تنسیخ کی موجب ہے

دسویں وجہ:

قیاسِ جلی کا تقاضا ہے کہ اہلِ ذمہ جب معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ ایک گروہِ فقہاء کا نکتۂ نظر ہے کیونکہ عہدِ ذمہ نہ ہو تو خونِ کافر مباح ہوتا ہے، اور عہدِ ذمہ ایک عقد ہے پس جب متعاقدین میں سے ایک عقد کی شرائط پوری نہ کرے تو عقد فسخ ہو جاتا ہے یا دوسرا عقد فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ اصول عقدِ بیع عقدِ نکاح اور ہبہ وغیرہ میں ثابت

ہے اوراس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک متعاقد شرائطِ عقد پر کار بندر ہے گا تو دوسرے کے لیے ان پر کار بندر ہنا ضروری ہوگا، جب وہ کار بند نہیں ہوگا تو دوسرا بھی ان سے وابستہ رہنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ کسی شرط پر معلق حکم اس شرط کے نہ پائے جانے پر ثابت نہ ہوگا، اس پر سب عقلاء کا اتفاق ہے۔

جب یہ ثابت ہولیا تو معقود علیہ اگر عاقد کا حق ہے اس طرح کہ بغیر شرط کے بھی اس میں تصرف کرسکتا ہو تو شرط کے فوت ہو جانے سے عقد فسخ نہ ہوگا۔ بلکہ عاقد کو اس کے فسخ کا اختیار رہے گا، جیسے رہن یا کفیل یا مبیع میں کسی صفت کی شرط رکھی، اور اگر اس کو فسخ کرنے کا حق ہو یا دوسرے کو جو ولایت یا کسی اور وجہ سے تصرف کا حق رکھتا ہو تو اس کے لیے امضائے عقد جائز نہیں بلکہ فواتِ شرط سے عقد منسوخ ہو جائے گا اور اس کے لیے اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہوگا۔ جیسے عقد میں شرط رکھی کہ عورت آزاد ہو اور وہ لونڈی نکل آئے اور وہ ایسا شخص ہو جس کے لیے لونڈیوں سے نکاح جائز نہ ہو، یا شرط رکھی کہ شوہر مسلمان ہو اور اس کا کافر ہونا ظاہر ہو جائے یا شرط رکھی کہ عورت مسلمان ہو اور وہ بت پرست ثابت ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ عقدِ ذمہ حاکمِ وقت کا حق نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور عامۃ المسلمین کا حق ہے، پھر جب اہلِ ذمہ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں تو ایک رائے یہ ہے کہ امام پر اس عہد کا فسخ کرنا ضروری ہے اور اس کے فسخ کا طریقہ یہ ہے کہ اہلِ ذمہ کو دارالاسلام سے نکال کر ان کی جائے امن کی طرف لوٹا دیا جائے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ عقد مجرد مخالفت سے فسخ نہیں ہوتا بلکہ اس کا فسخ کرنا ضروری ہے، یہ کمزور نکتۂ نگاہ ہے کیونکہ مشروط جب اللہ تعالیٰ کا حق ہے، عاقد کا نہیں تو فواتِ شرائط سے خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ یہاں اہلِ ذمہ پر شروط اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے حاکمِ وقت یا کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان سے جزیہ لے اور دارالاسلام میں ٹھہرنے کا معاہدہ کرے بجز اس کے کہ وہ ان شروط پر کار بند ہوں، ورنہ حاکمِ وقت پر نصِ قرآن سے واجب ہے کہ ان سے قتال (جنگ) کرے، فرض کریں کہ اس شرط کے بغیر بھی انہیں برقرار رکھنا جائز ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے اہلِ اسلام کو نقصان نہ ہو اگر اہلِ اسلام کو نقصان ہو تو کسی صورت انہیں اس حیثیت پر باقی رکھنا جائز نہیں نہ ہی انہیں دینِ حق کو تباہ کرنے اور کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر اعتراض کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

انہی وجوہات کے پیشِ نظر بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ کفار کا عہدِ ذمہ اس مخالفت کے باعث ٹوٹ جائے گا جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہو، اگر مخالفت نقصان دہ نہ ہو تو نقضِ عہد نہ ہوگا، بعض فقہاء نے نقضِ عہد کو مسلمان کے دینی ضرر کے ساتھ خاص کیا، دنیاوی ضرر میں نہیں۔

وَالطَّعْنَ عَلَى الرَّسُوْلِ اَعْظَمُ الْمُضَرَّاتِ فِيْ دِيْنِهِمْ . نبی اکرم ﷺ پر طعن کرنا سب سے بڑا دینی نقصان ہے۔

جب یہ واضح ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ اہلِ ذمہ پر لازم ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں مطلقاً گستاخی نہ کریں، یہ شرط دو وجہ سے ثابت ہے۔

وجہ اوّل:

نبی اکرم ﷺ کی اذیت وتوہین سے باز رہنے کی شرط عقدِ ذمہ کی موجب اور اس کی مقتضی ہے، جس طرح مبیع کا عیوب سے پاک ہونا، مبیع کی قیمت ادا کرنا، عقدِ بیع وشراء کا موجب ومقتضی ہے یونہی مرد اور عورت کا وطی (جماع) کے موانع سے سالم ہونا، عورت آزاد اور مسلمان ہو تو شوہر کا آزاد اور مسلمان ہونا عقد کا موجب ومقتضی ہے کیونکہ عقد کا موجب عرفاً اس بات کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ عاقد نے اس کی شرط رکھی ہے خواہ زبان سے اس کے الفاظ نہیں کہے، جیسے مبیع کا بے عیب ہونا عقدِ بیع کا تقاضا ہے۔

دینِ اسلام میں طعن اور نبی اکرم ﷺ کی اہانت سے باز رہنا ایسا ثابت شدہ معاملہ ہے جس سے واضح ہے کہ مسلمان عقدِ ذمہ سے اس کا قصد کرتے ہیں جس طرح وہ اہلِ ذمہ سے عدمِ قتال کا مطالبہ کرتے ہیں بلکہ پہلی شق زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی اذیت ہے جبکہ عام اذیت سے باز رہنا بھی عقدِ ذمہ کا موجب ہے۔

پھر جب بصورتِ ظہورِ عیب مشتری کو عقدِ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے خواہ اس نے بوقتِ عقد اس کی شرط نہ رکھی ہو تو مسلمانوں کی حالت تو بالکل واضح ہے کہ وہ اسی شرط پر کفار سے عہد کرتے ہیں کہ وہ ہاتھ یا زبان سے مسلمانوں کے دین میں خرابی یا طعن نہیں کریں گے، اگر ان کو معلوم ہو کہ وہ دینِ حق میں طعن کریں گے تو ان سے ہرگز عہدِ ذمہ نہ کریں، اور اہلِ ذمہ بھی اس کو خوب سمجھتے ہیں، جیسے بائع جانتا ہے کہ مشتری مبیع کے بے عیب ہونے پر ہی اس کے ساتھ عقدِ بیع میں شامل ہوا ہے یہ بہت واضح بات ہے۔

وجہِ دوم:

یہ شرط اس اعتبار سے بھی ثابت ہے کہ سب سے پہلے اصحابِ رسول ﷺ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کفار سے عہدِ ذمہ کیا، اور ہم قبل ازیں ان کے اس معاہدہ کی شقیں نقل کر چکے ہیں، اس کی اہم شق یہ تھی کہ اہلِ ذمہ دینِ اسلام پر طعن سے باز رہیں گے اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کا جان ومال مباح ہو جائے گا اور معاہدہ باقی نہیں رہے گا، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس شرط کی پابندی ان پر لازم ہے تو اس کی خلاف ورزی فسخِ معاہدہ کی موجب ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ شرط اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ عقدِ نکاح میں زوج اور زوجہ کا مسلمان ہونا شرط ہے، پس جب یہ شرط فوت ہو جائے گی تو معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا جس طرح شوہر کے کافر یا عورت کے بت پرست ظاہر ہونے پر عقد باطل قرار پائے گا، یا مبیع غصب کا ہو یا قبضہ سے پہلے تلف ہو جائے۔ پس جب ان چیزوں کا علم ہو تو عقد پر اقدام جائز نہیں یونہی یہ جب عقد کے ساتھ مقارن ہو تو عقد کو باطل کر دیتی ہیں، اسی طرح کافر سے گستاخانہ اقوال وافعال کے اظہار پر امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان سے معاہدہ کرے تو ان کا بعد از معاہدہ پایا جانا فسخ عقدہ کا موجب ہے۔

فرض کریں کہ عقدِ ذمہ فسخ نہیں ہوتا بجز فسخِ امام کے تو اس صورت میں امام پر لازم ہے کہ وہ اس کو بلاتردد فسخ کر دے کیونکہ اس نے یہ عہد مسلمانوں کے لیے کیا ہے، اس کی مثال اس طرح ہے، کہ ولی نے یتیم کے لیے کوئی چیز خریدی، بعد ازاں اس کا عیب ظاہر ہو گیا، تو ولی پر لازم ہے کہ وہ اس مالِ یتیم کی تلافی کرے اور اس معاہدہ کا فسخ قول وفعل سے ہوگا، اور گستاخ کا قتل فسخِ عقد کا موجب

ہو گا۔

البتہ یہ ہے کہ مجرد قول سے فسخ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اہلِ اسلام کے لیے ضرر ہے اور حاکمِ وقت کے لیے ایسا کام کرنا جائز نہیں جس میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہو بشرطیکہ وہ ترک فعل پر قدرت رکھتا ہو، اور ہم جو کہتے ہیں کہ، ذمی کا عہدِ ذمہ ٹوٹ گیا تو اس کی مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا معاہدہ نہیں رہا جس کی رو سے ذمی کا خون معصوم ہو کیونکہ عہدِ ذمہ کا باقی رہنا جبکہ اس کے منافی عمل پایا جائے، محال ہے۔

عقدِ ذمہ کے منافی مخالفات

یہاں ان شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے جو عقدِ ذمہ کے منافی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر قسم کی مخالفت عقدِ ذمہ کے منافی ہے، اس نکتۂ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ حاکمِ وقت ان شرائط کے بغیر کفار سے مصالحت نہیں کر سکتا، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاہدہ میں شامل فرمائیں۔ بعض فقہاء کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ صرف وہ مخالفات عہدِ ذمہ کے منافی ہیں جن میں مسلمانوں کا نقصان ہو کیونکہ ان سے کم درجہ کی شرائط پر مصالحت کرنا جائز ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل ضعفِ اسلام کی حالت میں ان سے مصالحت کی۔ ایک اور گروہ کہتا ہے کہ وہ مخالفات جو ضررِ عام کی موجب ہوں، خواہ ضرر دینی ہو یا دنیوی، عقدِ ذمہ کے منافی ہیں، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر طعن کرنا یا ایسی اور کوئی گستاخی کرنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر وہ اقدام جو حاکمِ وقت کو کفار کے ساتھ معاہدہ کرنے سے مانع ہو وہ عقدِ معاہدہ کے منافی ہے۔ جیسے بیع و شرا اور نکاح کے دو فریقوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ خلاف عقد چیز کی موجودگی میں عقدِ بیع و نکاح کریں۔

دین کے معاملہ میں علانیہ طعن ایسا اقدام ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے امام (حاکمِ وقت) کے لیے جائز نہیں کہ وہ کفار سے عقدِ ذمہ باندھے، مراد یہ ہے کہ کفار اسلام پر اعتراض جیسے فعل پر قدرت رکھتے ہوں تو عقدِ ذمہ جائز نہیں اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اسی لیے بعض فقہاء اس جرم پر تعزیری سزا تجویز کرتے ہیں جبکہ اکثر قتل کی سزا قرار دیتے ہیں۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس میں کسی مسلمان کو قطعاً شک نہیں اور

وَمَنْ شَكَّ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ ۔ جو شک کرے اس نے اسلام کا پٹا گلے سے اتار پھینکا۔

پھر جب اس قسم کے فعل پر عقدِ معاہدہ جائز نہیں تو یہ عقد کے منافی ہوا، اور جو شخص ایسی شرط کی خلاف ورزی کرے جو ابتداء ہی سے عقد کے خلاف ہو تو اس شخص کا عقدِ ذمہ خود بخود فسخ ہو جائے گا جیسے زوجین میں سے کسی ایک کا دین بدل لینا مثلاً مسلم کا مرتد ہونا یا کافر کے نکاح میں عورت کا مسلمان ہو جانا، اس سے عقدِ نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے پھر اس فسخ کی تین صورتیں ہیں، یہ عقد فوراً فسخ ہو جاتا ہے یا عدت ختم ہونے کے بعد یا قاضی کے فیصلہ کے بعد، جیسا کہ متعلقہ مباحث میں ثابت ہے۔

پس اہلِ ذمہ کا موجب عقد کی مخالفت کرتے ہوئے دین پر طعن کرنا ابتدائے عقدِ معاہدہ کی مخالفت ہے اس لیے اس عقد کو منسوخ کرنا ضروری ہے اور یہ بات اس شخص کے لیے بالکل واضح ہے جو غور و فکر سے کام لے، تمام فقہائے اسلام کا یہی نکتۂ نگاہ ہے

اور یہ قیاس کا مقتضی بھی ہے۔

ہماری بیان کردہ وجوہات ذمی کی جہت سے ہیں، جہاں تک ایک مسلمان کا تعلق ہے جو گستاخی کا مرتکب ہو اس کے بارے میں جہت معنی کے لحاظ سے کسی چیز سے استدلال نہیں کیا گیا وجہ یہ ہے کہ اس کے حق میں مسئلہ بالکل واضح اور ظاہر ہے اور اس پر اتفاق بھی ہے البتہ اس امر کی تحقیق عنقریب آ رہی ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ارتدادِ محض ہے جس طرح تغلیظ سے خالی ارتداد کی دوسری قسمیں ہیں؟ یا یہ ارتدادِ مغلظ کی قسم ہے جو ہر حال میں قتل کی موجب ہے؟ اور کیا مسلمان کو حکمِ اسلام کے باوجود گستاخی کی پاداش میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

ایک شبہ:

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (آل عمران:۱۸۶)

"بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں خبر دی کہ ہم ان دونوں گروہوں سے بہت کچھ اذیت کی باتیں سنیں گے، اور ہم کو ان کی اذیت پر صبر کرنے کی ہدایت فرمائی، جبکہ ہمارے لیے عام اذیت کا سبب کتاب اللہ، دینِ حق اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی شان میں طعن ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی بھی اسی قبیل سے ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۔ (آل عمران:۱۱۱)

وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا۔

اس شبہ کا ازالہ:

۱۔ اس آیت میں اس امر کی وضاحت نہیں کہ یہ اذیت ناک طرزِ عمل اہلِ ذمہ سے مسموع ہے بلکہ یہ تو تمام کافروں سے مسموع ہے۔

۲۔ ان کی اذیت رسانی پر صبر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ان سے جنگ کو منع نہیں کرتا اس صورت میں کہ ان کو قتل کرنے کی قدرت حاصل ہو، وجہ یہ ہے کہ حدِ خداوندی کا نفاذ قدرت وطاقت سے مشروط ہے۔ تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جب ہمارے سننے میں آئے کہ کوئی مشرک یا کتابی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دے رہا ہے تو اس کے اور ہمارے درمیان معاہدہ قائم نہ رہا بلکہ ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اس کے خلاف قتال وجہاد کریں بشرطیکہ ہم ایسا کر سکتے ہوں۔

۳۔ یہ آیتِ کریمہ اور اس جیسی دیگر آیات بعض وجوہ سے منسوخ ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب

مدینہ شریف تشریف لائے تو یہاں یہودیوں اور مشرکوں کی کثرت تھی، اور یہ خطۂ زمین ان دو گروہوں پر مشتمل تھا، مشرک اور اہلِ کتاب، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے یہاں کے یہودیوں اور دیگر قبیلوں سے امن کا معاہدہ کیا، اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عفوودرگزر کا حکم دیا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (البقرہ:۱۰۹)

بہت سے اہلِ کتاب کی خواہش ہے کہ کاش تم کو ایمان کے بعد کافر بنا ڈالیں، اس حسد کی بناء پر جو حق کے کھل جانے کے بعد بھی ان کے دلوں میں ہے اس لیے ان سے عفوودرگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے اور ان کو معاف کر دینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اہلِ ایمان کو عزت دی، غزوۂ بدر اس عزت اور سرفرازی کا پہلا واقعہ ہے اس فتح مندی نے مدینہ شریف کے اکثر کفار کی گردنیں جھکا دیں اور دیگر کفار پر دہشت طاری کر دی۔

صحیحین میں عروہ سے روایت ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے ان کے قبیلے بنی حارث میں تشریف لے گئے، جس گدھے پر آپ سوار تھے اس پر زین کسی تھی اور فدک کا بنا ہوا کپڑا تھا، آپ ﷺ نے مجھے پیچھے سوار کر رکھا تھا اور یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستے میں ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی بھی تھا اور اس وقت تک عبداللہ نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مجلس میں مسلمان مشرک بت پرست اور یہودی سب ملے جلے تھے، عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھے جب سواری کے قدموں کا غبار مجلس پر پڑا تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے ناک کو ڈھک لیا پھر بلند آواز سے کہا ''ہم پر غبار نہ ڈالیے'' نبی اکرم ﷺ سلام کہہ کر سواری سے اتر پڑے، اور قرآنِ حکیم کی چند آیات تلاوت فرما کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے جل کر کہا۔

اَيُّهَا الْمَرْءُ اِنَّهٗ لَا اَحْسَنَ مِمَّا تَقُوْلُ اِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهٖ فِيْ مَجَالِسِنَا اِرْجِعْ اِلٰى رَحْلِكَ فَمَنْ جَآءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ .

''اے شخص آپ کی بات بہت اچھی ہے اور حق ہے مگر ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں پریشان نہ کیجیے، اپنی قیام گاہ پر لوٹ چلیے، پھر جو آپ کے پاس آئے اس کو سنائیے۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ اس گستاخی پر پیچ و تاب کھا کر بولے۔

بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاغْشَنَا بِهٖ فِيْ مَجَالِسِنَا فَاِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ .

یارسول اللہ آپ ہماری مجالس میں تشریف لائیے، اس کو ہم پسند کرتے ہیں۔

اس کی وجہ سے مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں تلخ کلامی ہوئی یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک جا پہنچی، نبی اکرم ﷺ ان کو پرسکون کرنے لگے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے، پھر آپ ﷺ سوار ہو کر سعد بن عبادہ کے ہاں تشریف لائے، اور پوچھا سعد! تم نے نہیں سنا ابوحباب (یعنی عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟ اس نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔

حضرت سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے درگزر فرمایئے، اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن اتارا، بے شک اللہ تعالیٰ اس حق کو لے آیا جو اس نے آپ پر اتارا اور اصل یہاں کے لوگ اس کی تاج پوشی کی تیاری کر چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعے اس کا منصوبہ الٹ دیا اس لیے وہ رنجیدہ ہے اور پیچ و تاب کھا رہا ہے اور آپ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل کا اظہار کر رہا ہے پس رسول اللہ ﷺ نے اس گستاخ سے درگزر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہلِ کتاب کو معاف فرما دیتے تھے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتے تھے۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (آل عمران:۱۸۶)

بے شک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو بڑی ہمت کا کام ہے۔

ایک اور ارشاد ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (بقرہ:۱۰۹)

بہت کتابیوں نے چاہا، کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے، بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے، تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول اللہ ﷺ عفو کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تاویل فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ قتال کی اجازت عطا فرمائی، پھر جب نبی اکرم ﷺ نے معرکہ بدر بیان کیا اور اللہ تعالیٰ نے سردارانِ قریش کو قتل کیا اور حضور اپنے اصحاب کے ہمراہ فتح مند ہو کر بدر کے قیدیوں کے ساتھ لوٹے تو عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی بت پرستوں نے کہا "اب تو اس دین کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں" چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا۔ (بخاری)

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

آیات

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (انعام:۱۰۶)

اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ:۲۲)

تم ان (کافروں) پر کوڑا (برسانے والے) نہیں ہو۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۔ (المائدہ:۱۳)

تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر رو۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (التغابن:۱۴)

اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشش دو تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔

تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

(البقرہ:۱۰۹)

قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ۔ (الجاثیہ:۱۴)

اہلِ ایمان سے فرماؤ، درگزر کریں ان سے جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔

اور اس طرح کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو عفو اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا حسبِ ذیل آیات سے منسوخ ہیں۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ (التوبہ:۵)

تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (الٰی) وَهُمْ صَاغِرُوْنَ ۔(توبہ: ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے، صاغرون تک۔

پس ان آیات نے مشرکین سے درگزر کرنے کو نسخ کر دیا، یونہی امام احمد اور دوسرے محدثین حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ مشرکوں سے درگزر فرمائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ برآت نازل فرمائی اور یہ حکم دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (اِلٰی اٰخِرِ الاٰية) ۔

پس اس آیت نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے قتال کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ کا اقرار کریں۔

موسیٰ بن عقبہ زہری سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جنگ سے باز رہنے والوں سے نہیں لڑتے تھے، جیسا کہ حکمِ ربانی ہے کہ

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۔ (نساء:۹۰)

اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کے خلاف (لڑنے کی) کوئی راہ نہ رکھی۔

یہ حکم برقرار رہا، یہاں تک کہ سورہ برأت نازل ہوئی۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمام کفار، بت پرست ہوں یا اہلِ کتاب کے ساتھ قتال و جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کا حکم دیا، خواہ کفار جنگ سے باز رہیں یا نہ رہیں، نیز حکم دیا کہ ان کے معاہدے ان کی طرف پھینک دیے جائیں، اس سے پہلے یہ ارشاد ہوا تھا

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ اَذَاهُمْ ۔ (احزاب:۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو اوران کی ایذاء پر درگزر فرماؤ۔

اس کے بعد حکم آیا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ (توبہ:۷۳)

جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اوران پر سختی کرو۔

غزوۂ بدر اسلامی غلبہ کی بنیاد اور فتحِ مکہ تکمیل ہے

اسی بناء پر حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت نے ماقبل کی آیت کو منسوخ کردیا، حضور انور ﷺ اظہارِ برأت یا بدر سے پہلے کفار کی اذیتوں اور ستم رانیوں پر صبر کرنے اور ان سے درگزر کرنے پر مامور تھے، اذنِ جہاد کے بعد آپ ﷺ اذیت دینے والوں سے قتال کرتے تھے اور صلح وسلامتی کے ساتھ رہنے والوں سے ہاتھ کھینچتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے کعب بن اشرف اور دیگر ستم کاروں کے ساتھ کیا، اس اعتبار سے غزوۂ بدر اعزازِ دین کی اساس اور فتحِ مکہ غلبۂ دین کا کمال ہے، غزوۂ بدر سے پہلے مسلمان کفار کی کھلی اذیتوں کو سن کر برداشت کرتے تھے جبکہ بدر کے بعد منافقین کی خفیہ اور باطنی اذیتوں پر صبر وتحمل کے پابند تھے، غزوۂ تبوک کے موقع پر ان کو کفار اور منافقین کے ساتھ سختی کرنے کا حکم ہوا، اس کے بعد کسی کافر یا منافق کو ہمت نہ رہی کہ مسلمانوں کو کسی خاص مجلس یا عام مجلس میں ایذاء پہنچاسکیں، بلکہ وہ گھٹ گھٹ کر مرنے لگے، وہ جانتے تھے کہ منہ سے ایسی کوئی بات نکالیں گے تو قتل کردیئے جائیں گے، البتہ غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کی زبان درازیاں اور اذیت رسانیاں بڑھ گئیں تا آنکہ کعب بن اشرف یہودی قتل ہوا۔

محمد بن اسحاق کعب کے قصہ میں محمد بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں، ہمارے اس اقدام کے بعد یہودیوں پر خوف طاری ہوگیا اور کوئی یہودی ایسا نہ رہا جسے جان کا خطرہ نہ ہو۔

ابنِ سنینہ یہودی کا قتل

ابنِ اسحاق اپنی سند کے ساتھ محیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ ظَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ رِجَالِ يَهُوْدَ فَاقْتُلُوْهُ ۔

یہودیوں کے جس شخص پر قابو پاؤ اس کو قتل کردو۔

چنانچہ محیصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود نے ایک یہودی تاجر ابنِ سنینہ کو قتل کردیا تھا محیصہ کے بھائی حویصہ بن مسعود ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اور محیصہ سے عمر میں بڑے تھے، اس اقدامِ قتل پر محیصہ کو زدوکوب کرنے لگے اور کہتے جاتے تھے، اے دشمنِ خدا تو نے ایسے شخص کو قتل کردیا جس کا ہم پر احسان ہے بخدا تیرے جسم کی چربی اس کے مال کی مرہونِ منت ہے حضرت محیصہ نے جواب دیا بخدا نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس کے قتل کا حکم دیا اگر حضور تمہیں قتل کرنے کا حکم دیتے تو میں تمہاری گردن بھی ماردیتا۔

حویصہ نے کہا کیا تو مجھے بھی محمد (ﷺ) کے حکم پر قتل کردیتا؟ محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، خدا کی قسم حضور ﷺ ایسا حکم دیتے

تو ہرگز حکم عدولی نہ کرتا'' یہ سن کر حویصہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''حیرانی ہے کہ دینِ اسلام اس قدر تیرے اندر رچ بس گیا ہے۔''

یہودیوں کا خوف:

ابن اسحاق کے علاوہ اہلِ سیرت نے بھی ذکر کیا کہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہودی انتہائی محتاط ہو گئے اور خوف و ذلت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، پھر جب غلبۂ دین اور اعزازِ مسلمین کا خدائی وعدہ پورا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے معاہدین سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے مشرکوں اور اہلِ کتاب سے قتال کا حکم دیا تا آنکہ وہ جزیہ ادا کر کے اسلام کی بالادستی قبول کریں۔

صبر وتقویٰ کا ثمرہ:

یہ غلبۂ دین دراصل اس صبر وتقویٰ کا ثمرہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اوائلِ اسلام میں دیا، اس زمانے میں مدینہ کے کسی یہودی یا کسی اور جماعت سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا، اور وہ آیات جن میں صبر وتحمل کی تلقین تھی، ان کمزور اہلِ ایمان کے حق میں تھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت کی قدرت نہ رکھتے تھے وہ صرف دل ہی سے مدد کر سکتے تھے جبکہ معاہدین کی ذلت اور زبردستی والی آیات ان طاقتور اہلِ ایمان کے متعلق ہیں جو ہاتھ اور زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت پر قدرت رکھتے ہیں، اور اس جیسی آیات پر اہلِ ایمان حضور کی حیاتِ ظاہری کے آخری حصے میں اور خلفائے راشدین کے عہد میں عمل کرتے تھے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بھرپور نصرت کرے گا، پس اہلِ ایمان میں سے جو شخص کسی علاقے میں یا کسی وقت کمزور ہو تو صبر، درگزر اور عفو والی آیات پر عمل کرے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے مشرکین اور اہلِ کتاب سے درگزر کرے اور جو اہلِ قوت ہوں وہ کفر کے سرغنوں کے ساتھ قتال والی آیات پر عمل کریں۔

ایک اعتراض:

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

(المجادلہ:۸)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں بُری مشاورت سے منع فرمایا گیا تھا پھر وہی کرتے ہیں جس کی ممانعت ہوئی تھی اور آپس میں گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں۔ جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر انہیں جہنم بس ہے اس میں دھنس گے تو کیا ہی بُرا انجام ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منافقین بارگاہِ رسالت میں آ کر گستاخانہ انداز میں سلام کہتے ہیں، اور یہ بتایا کہ آخرت میں اس جرم کی پاداش میں ان کو عذاب ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ان کو سزا دینا واجب نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اور کہا **السام علیك** تو آپ نے جواب دیا "**وعلیك**"

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "نہیں" فرمایا کہہ رہا تھا۔

السام علیکم

عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اسے قتل نہ کردیں؟ فرمایا نہیں، جب اہلِ کتاب تم کو سلام دیں تو تم بھی جواب میں "**وعلیکم**" کہہ دیا کرو۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، یہودیوں کا ایک گروہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور کہا، **السام علیك**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس کا مفہوم سمجھ کر کہا **وعلیکم السام واللعنة** "تم پر موت اور لعنت ہو" تو حضور نے فرمایا عائشہ! "نرمی سے کام لے" "اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی پسند کرتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟ فرمایا ہاں سنا مگر میں نے جواب میں "وعلیکم" (یعنی تم پر بھی ہو) کے الفاظ کہہ دیئے۔" (متفق علیہ)

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے جس کے آخر میں ہے،

بَلٰی قَدْ سَمِعْتُ فَرَدَدْتُ عَلَیْهِمْ وَاِنَّا نُجَابُ وَلَا یُجَابُوْنَ عَلَیْنَا۔　　ہاں میں نے سنا اور ان کے کلمات ان کی طرف لوٹا دیئے اور جواب ہم ہی دیتے ہیں وہ جواب نہیں دیتے۔

ایسی بددعا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذیت کا سبب اور گستاخی ہے اگر مسلمان ایسے کلمات کہے تو مرتد ہو جائے کیونکہ یہ حضور کے لیے موت کی دعا ہے اور یہ کافرانہ فعل ہے اس کے باوجود حضور نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اس یہودی کے قتل سے بھی منع فرمایا جس کے قتل کی اجازت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طلب کی۔

اس اعتراض کے جوابات

جواب:

یہ واقعہ ضعفِ اسلام کے زمانے کا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی پسند کرتا ہے" یہ جواب اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اذیت پر صبر کرنے کے بارے میں ذکر کیا، اور اس جواب کو مالکی شافعی اور حنبلی علماء نے نقل کیا ان علماء میں قاضی ابویعلیٰ، ابواسحاق شیرازی اور ابوالوفاء بن عقیل وغیرہم شامل ہیں، اور جس نے یہ جواب دیا اس نے عہدِ امان کو گالی کے ساتھ ٹوٹنے میں ایمان کی مانند قرار دیا۔

مگر یہ جواب حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کی روشنی میں محلِ نظر ہے کیونکہ حضور نے فرمایا، جب کوئی یہودی تمہیں سلام دیتے

ہوئے السام علیکم کہے تو تم بھی جواب میں ''وعلیک'' کہو۔

ایسی ہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اہلِ کتاب کے حق میں دائمی سنت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ اسلام کے زمانے میں بھی اس طرزِ عمل پر قتل نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی نضیر کی طرف سوار ہو کر گئے تو صحابہ کرام سے فرمایا وہ جب تم کو سلام دیں تو ان کے جواب میں کہو ''علیکم'' اور یہ واقعہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد کا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد فرمایا:

ہاں، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوائلِ اسلام میں کفار و منافقین کی طرف سے بہت اذیت ناک باتیں سنتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے صبر کا اظہار فرماتے۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذَاهُمْ ۔ (احزاب:۴۸)

کافروں اور منافقوں کی بات نہ مان اور ان کی اذیت سے درگزر کر۔

وجہ یہ تھی کہ ان پر حد قائم کرنا ایک عظیم فتنے تک لے جاتا تھا جو کہ ان کے اذیت ناک کلمات پر صبر کے مفسدہ سے بڑا مفسدہ تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح فرمایا اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اعلانِ برأت نازل فرمایا جس میں یہ حکم بھی تھا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ (توبہ:۷۳)

کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی فرمایئے۔

نیز فرمایا

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ (احزاب:۶۰'۶۱)

اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔

جب بچے کھچے منافقوں نے دیکھا کہ اسلام غالب ہو گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے نفاق چھپا لیا، پھر غزوۂ تبوک کے بعد کسی منافق سے کوئی دل آزار بات سننے میں نہیں آئی اور وہ اندر ہی اندر غصے کی آگ میں جلنے لگے، یہاں تک کہ ان میں سے کچھ منافق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک باقی رہے، جن کو صاحبِ سر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پہچانتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے بعض اور اہلِ ایمان جو کسی اور سبب سے ان کے نفاق کو جانتے تھے وہ بھی ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے نفاق سے آگاہ تھے۔

اس بحث کا مفاد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اظہار برأت سے پہلے کفار و منافقین کی جتنی دل آزاریاں برداشت کرتے تھے اتنی

برأت کے بعد برداشت نہ کرنا پڑیں، جیسا کہ قیامِ مکہ کے دوران کفارِ مکہ سے اذیتیں سہیں، اس قدر دارِ ہجرت ونصرت (مدینہ) میں نہ سہیں، مگر یہ بحث اس باب سے خارج ہے۔

جوابِ دوئم:

اس طرح کا کلام اس سب وشتم سے تعلق نہیں رکھتا جو نقضِ عہد کا سبب ہے، کیونکہ ان یہودیوں نے بظاہر تحیہ حسنہ یعنی عمدہ سلام کا اظہار کیا جس میں کھلا سب وشتم نہ تھا۔ بلکہ پوشیدہ تحریف سے کام لیتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا جس کو اکثر لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے اسی بناء پر جب یہودی نے نبی اکرم ﷺ کو لفظ سام سے سلام دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے آگاہ نہ ہوسکے، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے ان کو خبر دی اور فرمایا

''یہود کا وطیرہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی سلام دیتا ہے تو کہتا ہے ''السام علیکم'' اوران کے عہدِ ذمہ کے نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر وتکذیب پر مبنی کلامِ خفیہ کہتے ہیں، جبکہ نقضِ عہد کے لیے کھلم کھلا اظہار ضروری ہے۔

بہت سے محدثین نے روایت کی ہے کہ یہود نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آتے تو کہتے ''السام علیک'' اور حضور اس کے جواب میں فرماتے ''وعلیکم'' باہر نکل کر کہتے ''اگر نبی ہوتا تو ہمیں سزا دیتا''، اور ہمیں ایسا ہی جواب دے کر آگاہ کرتا''

ایک دن وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آئے اور کہا ''السام علیکم'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھانپ کر کہا:

وعليكم السام والذام والداء واللعنة .

(یعنی تم پر موت، مذمت بیماری اور لعنت ہو) حضور ﷺ نے سن کر فرمایا عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی پسند کرتا ہے، فحش گوئی پسند نہیں کرتا۔'' عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟ فرمایا، ''جب اہلِ کتاب تم کو سلام دیں تو جواب میں کہہ دیا کرو'' وعلیکم''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ اس کو ظاہری سب وشتم نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتصریح گالی دینے سے منع فرمایا اور جواب سلام میں نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا، اگر وہ کھلے عام برے سلام کا اظہار کرتے تو حضور ﷺ ہمیں بھی اسی طرح ترکی بہ ترکی جواب دینے کا حکم دیتے، اور اگر یہ طرزِ خطاب نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے لئے صریح گالی ہوتا تو اس میں سزا تعزیر اور جوابی بدکلامی کی اجازت ہوتی۔

چونکہ حضور ﷺ نے اس قسم کی ''تحیت'' پر تعزیر مشروع نہیں فرمائی اور اہلِ تمیت پر سختی سے منع فرمایا تو معلوم ہوا کہ یہ بظاہر گالی نہیں کیونکہ یہودی منافقوں کی طرح تعریضاً اور کنایتاً کلام کرتے تھے، ان کے گستاخانہ طرزِ عمل کا اندازہ صرف کلام کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا، اس لیے ایسے کلام پر سزا نہیں دی جاسکتی تھی، اس مسئلہ پر پوری بحث انشاء اللہ عنقریب آرہی ہے۔

جوابِ سوئم:

یہودی کے ''السام علیکم'' کہنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک گستاخ کی سزا قتل ہے، جیسا کہ کعب بن اشرف اور گستاخ عورت وغیرہ کے متعلق ان کا نکتۂ نگاہ واضح ہے، نبی اکرم ﷺ

نے ان کو اس یہودی کے قتل سے منع کیا اور حکم دیا کہ جس طرح وہ سلام کے الفاظ کہتے ہیں مقابل میں اسی طرح جوابی کلمات کہہ دیئے جائیں، کیونکہ اس طرح کے اندازِ سلام میں ایسے سب وشتم کا اظہار نہیں جیسا کہ یہودی عورت اور کعب بن اشرف وغیرہ گستاخوں کے کلمات میں سب وشتم ہوتا تھا، یہ برے ارادے کو چھپانے کا انداز ایسا ہی ہے جیسے منافقین کا نفاق کو چھپانا۔

جوابِ چہارم:

شاتمین کو حیاتِ ظاہری میں معاف کر دینا نبی اکرم ﷺ کا حق اور اختیار تھا، امت کا اختیار نہیں کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد ایسے مجرموں کو معاف کریں، اس کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ جو مسلمان نبی اکرم ﷺ کو گالی دے اور آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی تنقیص کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کا خون مباح ہو جاتا ہے اسی طرح جو کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کرے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں، لہٰذا ارشادِ ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا (احزاب: ۶۹)

اے اہلِ ایمان ان یہودیوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اذیت ناک الزامات سے مبرا ثابت کیا۔

بنی اسرائیل جن باتوں سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ظاہری حیات میں اذیت دیتے تھے آج کوئی مسلمان اسی قسم کے کلمات کہے تو واجب القتل ہوگا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان یہودیوں کو قتل نہیں کیا تھا نبی اکرم ﷺ کا اس معاملہ میں یہی طریقہ کار رہا، آپ ﷺ اپنے مبارک کانوں سے ایسے اذیت ناک کلمات سنتے یا آپ کو ایسی باتوں کی اطلاع کی جاتی تو آپ ﷺ اذیت دینے والے کو سزا نہیں دیتے تھے، قرآنِ حکیم میں ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ الآية. (توبہ: ۶۱)

اور ان میں سے وہ ہیں جو نبی ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کان (کے کچے) ہیں۔

ایک اور ارشاد ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ . (التوبہ: ۵۸)

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ پر صدقات کی تقسیم میں نکتہ چینی کرتے ہیں، اگر ان کو صدقات میں سے مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔

امام زہری بحوالہ ابو سلمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

”نبی اکرم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں عبداللہ بن ذوالخویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا، یارسول اللہ! انصاف کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا تیری بربادی! اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے میں اس بدبخت کی گردن مار دوں، فرمایا رہنے دے، اس کے اور بھی ساتھی ہیں (اور بظاہر اتنے پابندِ صوم وصلوٰۃ ہیں کہ) تم میں سے کوئی ان کی نمازوں کے ساتھ اپنی نماز کو اور روزوں کے ساتھ اپنے روزے

کو حقیر سمجھے گا، یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے امام زہری نے پوری حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا آیتِ کریمہ وَمِنْهُمْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ اسی بدبخت کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام بخاری اور دیگر محدثین نے اس حدیث کو بحوالہ معمر از زہری اسی طرح روایت کیا اور یہ صحیحین میں دوسری سندوں کے ساتھ بحوالہ ابو مسلمہ اور ضحاک ہمدانی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے البتہ ان میں اس آیت کے شانِ نزول کا ذکر نہیں۔

اس گستاخ کا نام ذوالخویصرہ ہی عام احادیث میں آیا ہے جیسا کہ امام زہری کے شاگردوں نے روایت کیا اور معمر کا اس معاملہ میں الگ راستہ اختیار کرنا اس کا وہم ہے، بعض محدثین نے اس کا نام حرقوص بن زہیر بھی تحریر کیا۔

صحیحین میں حدیث عبدالرحمٰن بن ابی نعم ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھوڑا سا سونا بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کیا جس سے قریش اور انصار کے چند افراد کو کچھ ناگواری اور ناراضگی ہوئی، انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نجد کے سرداروں کو عطا کرتے ہیں اور ہمیں اس سے محروم رکھتے ہیں، یہ سن کر حضور نے فرمایا میں ان لوگوں کی دلجوئی کر رہا ہوں" اسی دوران میں

فَاَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرِ الْعَيْنَيْنِ فَاتِي الْجَبِيْنِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِتَّقِ اللهَ قَالَ فَمَنْ يُطِعِ اللهَ اِذَا عَصَيْتُهُ اَفَيَامَنُنِى عَلَى اَهْلِ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِىْ ۔

ایک شخص آیا، آنکھیں دھنسی ہوئی، پیشانی اٹھی ہوئی، داڑھی گھنی، رخسار ابھرے ہوئے اور سر منڈا ہوا، کہنے لگا اے محمد! اللہ سے ڈر فرمایا اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں تو کون اس کی اطاعت کرے گا؟ وہ مجھے زمین والوں پر امین قرار دیتا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟

حاضرین میں سے ایک شخص (میرا خیال ہے کہ خالد بن ولید تھے) نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی، مگر آپ نے منع فرمایا، جب لوٹ کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا

اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ ۔

اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

خارجیوں کے متعلق اس حدیث کے آخر میں فرمایا

يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ ۔

وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہ کہیں گے اگر میں نے ان کو پایا تو ان کو قوم عاد کی طرح قتل کروں گا۔

امام مسلم کی روایت میں ہے

اَلَا تَاْمَنُوْنِىْ وَاَنَا اَمِيْنُ مَنْ فِى السَّمَآءِ يَاْتِيْنِىْ خَبَرُ السَّمَآءِ صَبَاحًا وَّمَسَآءً ۔

کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کی نظر میں امین ہوں وہ مجھے صبح و شام آسمان کی خبریں دیتا ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا

اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے ڈریئے، آپ نے فرمایا تیری بربادی کیا میں سب سے زیادہ حق دار نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں" پھر جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ فرمایا نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو، عرض کیا کتنے ہی نمازی زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا؟ فرمایا مجھے یہ حکم نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر دیکھوں، نہ مجھے ان کے پیٹ پھاڑنے کا حکم ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے اس کی گستاخی پر حضرت عمر بن خطاب اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں" فرمایا: "نہیں" پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر یہی تقاضا کیا تو آپ نے منع فرمایا اس لحاظ سے یہ شخص ایسا تھا جس کے منافق ہونے پر قرآنِ حکیم نے نص کی، قرآنِ حکیم میں ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۔(توبہ:۵۸) اوران منافقین میں سے کوئی وہ ہے جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعن کرتا ہے۔

اس بدبخت نے نبی اکرم ﷺ سے گستاخانہ انداز میں کہا "عدل کرو اور اللہ سے ڈرو" آپ ﷺ نے جب چار آدمیوں کو مال عطا فرمایا تو اس نے آپ ﷺ پر ظلم اور خدا ناترسی کا الزام لگایا، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"کیا میں روئے زمین کے تمام لوگوں سے زیادہ اس بات کا حقدار نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں، کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں آسمان والے کی نظر میں امین ہوں۔"

اس جیسا کلام بلاشبہ ایسا ہے کہ اس زمانے میں کوئی ایسا کلام کرے تو واجب القتل ہو، جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے آپ ﷺ نے اس گستاخ کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام کے عظیم رکن نماز کا اظہار کرتا تھا اور اس کا نفاق نبی اکرم ﷺ کی اذیت کی صورت میں تھا اور اسے معاف کرنا حضور ﷺ کا اپنا اختیار تھا اور آپ ایسے لوگوں سے اس لیے درگزر فرماتے تھے تاکہ لوگوں کی دلجوئی ہو اور وہ ایسا پروپیگنڈہ نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کردیتے ہیں، اس واقعہ کی تفسیر ایک اور قصہ میں یوں آئی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حنین سے لوٹتے وقت جعرانہ کے مقام پر ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت بلال کی جھولی میں چاندی تھی اور حضور اس سے لے لے کر لوگوں کو عطا کر رہے تھے اس نے بے ادبی کے ساتھ کہا اے محمد! "انصاف کر" آپ ﷺ نے فرمایا تیری بربادی! میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا اگر میں انصاف نہ کروں تو تو سخت خسارے میں رہا، اس کا گستاخانہ انداز دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اجازت دیجیے میں اس منافق کو قتل کردوں، فرمایا، اللہ کی پناہ کہ لوگ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں، یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا، یہ اس سے اس طرح نکل جاتے ہیں جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔"

بخاری نے حضرت جابر کے یہ الفاظ نقل کیے کہ حضور نے فرمایا:

لَقَدْ شَقِيْتَ اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ ۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو تو بدبخت ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں اس سے بھی سخت کلمات منقول ہیں۔

ابن اسحاق ابن بکیر کی روایت میں مقسم ابوالقاسم مولیٰ عبدالھل بن حارث سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: تلید بن ابن کلاب لیثی اور میں دونوں نکلے اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملے وہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور جوتیاں ان کے ہاتھ میں تھیں، ہم نے پوچھا کیا آپ اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے جب ذوالخویصرہ تمیمی گستاخانہ کلمات بک رہا تھا؟ جواب دیا ''ہاں'' پھر پورا واقعہ بیان کیا کہ ذوالخویصرہ آیا، اس وقت حضور ﷺ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرما رہے تھے اس نے کہا اے محمد! آپ نے تقسیم میں جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ میں نے دیکھا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''تو نے اس طرزِ عمل کو کیسا پایا'' اس نے کہا ''آپ نے انصاف نہیں کیا، آپ ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا ''اگر میرے پاس ہی انصاف نہ ہو تو پھر اور کس سے انصاف کی توقع کی جا سکتی ہے؟ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اٹھ کر اس کی گردن نہ مار دوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا

دَعْهُ فَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ لَهُ شِيْعَةٌ يَتَعَمَّقُوْنَ فِي الدِّيْنِ حَتّٰى يَمْرُقُوْنَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ .	چھوڑ دو اسے، عنقریب اس کے ایسے ساتھی ہوں گے جو دین میں تعمق کریں گے یہاں تک کہ دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکلتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے ذوالخویصرہ تمیمی کا واقعہ مجھے لفظ بلفظ اسی طرح بیان فرمایا، امام احمد نے بھی اس کو بحوالہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد از ابراہیم بن سعد از ابن اسحاق روایت کیا۔

معترض کون تھا؟ اس کی تحقیق

اموی ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوعبیدہ، محمد بن علی اور ابونجیح سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں بدتمیزی سے بات کی، اور بجز محمد بن علی کے کسی نے اس کا نام نہ لیا، محمد بن علی نے اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی بیان کیا،

دوسرے علمائے سیرت بھی کہتے ہیں کہ اموالِ حنین کی تقسیم پر اعتراض کرنے والا ذوالخویصرہ ہی تھا، یونہی وہ منافق بھی جس کی زبان سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے طعن آمیز کلمات سنے۔

جہاں تک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ابن ابی نعم کی روایت ہے اس میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ تقسیمِ حنین سے بعد کا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچھ سونا بارگاہِ رسالت میں بھیجا اور آپ نے اس کو نجد کے چار آدمیوں میں تقسیم فرمایا، علماء کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود غزوۂ حنین میں حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے، اور اس وقت یمن فتح نہ ہوا تھا، پھر حضور نے غزوۂ تبوک کے بعد دس ہجری میں جبکہ حضرت علی حج کی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہو چکے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا، بعد ازاں یمن سے لوٹ کر حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ سے ملے اور جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدقہ پر مقرر فرمایا اس وقت حضور مدینہ منورہ میں تھے، ہمارے اس دعویٰ کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ

نبی اکرم ﷺ نے حنین کا مالِ غنیمت قریش اور نجد کے بہت سے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمایا جبکہ یمن سے آنے والا سونا صرف چار آدمیوں کو دیا، اس لحاظ سے ممکن ہے کہ اس تقسیم پر اعتراض کرنے والا کوئی اور ہو، ذوالخویصرہ نہ ہو، یا ہوسکتا ہے کہ ابوسعید خدری دونوں موقعوں پر موجود ہوں، اس بناء پر جو معمر کی روایت میں آیا ہے کہ آیہ صدقات ذوالخویصرہ کے متعلق نازل ہوئی جید نہیں، بلکہ زہری یا معمر کا کلام حدیث میں مندرج ہو گیا ہو، کیونکہ ذوالخویصرہ نے اموالِ حنین کی تقسیم پر اعتراض کیا، وہ صدقات نہ تھے جن کی اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسمیں قرار دیں، اس سلسلہ میں بعض مفسرین کی بیان کردہ روایات کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کہ یہ آیت تقسیمِ غنائم کے بارے میں نازل ہوئی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے سونا کی تقسیم پر اعتراض کرنے والا ذوالخویصرہ ہی ہو، اس صورت میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی تمام احادیث اسی قصہ سے متعلق ہوں، تقسیمِ غنائم سے متعلق نہ ہوں، اور آیتِ کریمہ اس معاملہ میں نازل ہوئی ہو، یا ابوسعید دونوں قصوں میں موجود ہوں اور آیتِ کریمہ ان دو میں سے ایک واقعہ کے متعلق اتری ہو۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں مال لایا گیا تو آپ ﷺ نے دائیں بائیں بیٹھنے والوں میں تقسیم کیا، پیچھے بیٹھے ہوؤں کو کچھ نہ دیا تو پیچھے سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا اے محمد! (ﷺ) آپ ﷺ نے تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا، آپ ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا

بخدا! تم کو میرے بعد مجھ سے زیادہ عادل اور منصف شخص نہیں ملے گا، پھر فرمایا

''آخری زمانے میں ایک قوم ایسی ہوگی، گویا یہ بھی اسی قوم سے تعلق رکھتا ہے، جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کی گردنوں سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، سر منڈانا ان کی نشانی ہوگی، وہ مسلسل نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ دجال لعین کے ساتھ نکلے گا، جب ان سے ملو تو ان کو قتل کر دو وہ صورت اور سیرت کے حوالے سے بدترین لوگ ہوں گے۔ (نسائی)

اسی سے ملتی جلتی وہ روایت ہے جو صحیحین میں حضرت ابووائل از عبداللہ منقول ہے کہ غزوۂ حنین کے اموال میں نبی اکرم ﷺ نے بعض لوگوں کو ترجیح دی، آپ ﷺ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے عیینہ بن حصن کو بھی اتنی ہی تعداد میں عطا کیے، عرب کے بعض سرداروں کو بھی تقسیم میں ترجیح دی تو ایک شخص نے کہا بخدا! اس تقسیم میں عدل و انصاف کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا نہ اس سے رضائے رب کا ارادہ کیا گیا، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم میں اس بات کی اطلاع حضور ﷺ کو ضرور دوں گا، چنانچہ میں نے آ کر اس اعتراض کی خبر حضور کو دی، تو حضور کا چہرۂ انور متغیر ہو کر سرخ ہو گیا پھر فرمایا

''پھر کون عدل و انصاف کرے گا اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی انصاف نہیں کرے گا؟''

اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا تو انہوں نے صبر کیا اس کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ حضور تک ایسی کوئی بات نہیں پہنچاؤں گا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری شخص نے کہا ''اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔''

واقدی نے ذکر کیا، ایسا گستاخانہ کلام کرنے والا معتب بن قشیر تھا جس کا شمار منافقین میں ہوتا تھا۔

پس یہ ایسا کلام ہے جس سے بالاتفاق قتل کی سزا واجب ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے اس بدبخت نے حضور ﷺ کو ظالم اور ریاکار قرار دیا (معاذ اللہ) اور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد میں تصریح فرمادی ہے کہ اس طرح کا کلام رسولوں کی اذیت کا باعث ہے مگر آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے معترض کو معاف فرمادیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا، اور اس معافی کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آپ ﷺ کے ہاں ثابت نہ ہوا کیونکہ آپ ﷺ نے کہنے والے سے وضاحت طلب نہ کی نہ اس معاملہ میں کچھ کہا۔

ان احادیث کی قبیل سے وہ حدیث ہے جس کو ابن ابی عاصم نے اور ابوالشیخ نے دلائل میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سونے اور چاندی کا ایک خزانہ آیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے اصحاب کے درمیان تقسیم فرمایا، ایک بدو نے اٹھ کر کہا اے محمد (ﷺ) بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل کا حکم دیا تو میرے خیال میں آپ عدل نہیں کر رہے، فرمایا تیری بربادی ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو میرے بعد کون عدل کرے گا؟ جب وہ لوٹ کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا کچھ دیر کے بعد اسے میرے پاس لانا۔"

ایک انصاری کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانی کی نالی پر تنازعہ ہوا تو حضور نے اس کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا "زبیر پہلے تم پانی دے لو پھر اپنے ہمسائے کی طرف چھوڑ دینا تو اس انصاری نے کہا یہ فیصلہ آپ ﷺ نے اس لیے کیا کہ زبیر آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔

ایک اور شخص کا فیصلہ کیا تو اس نے کہا میں اس پر راضی نہیں پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا بعدازاں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

تحقیق و تفحص سے کام لیا جائے تو احادیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً مشہور حدیث ہے، بہز بن حکیم اپنے باپ حکیم سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ان کا بھائی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا میرے ہمسایوں کو کیوں گرفتار کیا گیا؟ نبی اکرم ﷺ نے سن کر رخ انور پھیر لیا، اس نے کہا، لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مال فئے سے منع کرتے ہیں اور اپنے لیے حلال قرار دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ایسا کرتا ہوں تو یہ میرے اوپر وبال ہے، لوگوں پر اس کا کوئی بوجھ نہیں، پھر فرمایا اس کے ہمسایوں کو چھوڑ دو" اس روایت کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا۔ اس کلام میں اگرچہ دوسروں کے بہتان کی حکایت ہے مگر اس شخص نے بروجہ تنقیص وایذاء کہا اور کہنے والوں کے رد کے طور پر حکایت نہیں کیا اس لیے یہ بھی گستاخی کی ایک صورت ہے۔

اسی طرح ابن اسحاق از ہشام مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بدو سے ایک وسق کھجور کے بدلے اونٹ خریدے جب لے کر خانہ اقدس پر تشریف لائے تو خانہ اقدس میں کھجوریں نہ پائیں، واپس جا کر بدو سے کہا اے اللہ کے بندے! ہم نے تجھ سے کھجوروں کے بدلے سودا کیا تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ گھر میں کھجوریں ہیں، مگر ہمیں گھر میں نہیں ملیں" اس

پر بدو چلا کر کہنے لگا ہائے دھوکا، ہائے دھوکا! تو لوگوں نے اس کو زدوکوب کیا اور کہا تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو' اس واقعہ کو ابنِ ابی عاصم نے اور ابنِ حبان نے دلائل میں ذکر کیا۔"

اس طرح کی تمام احادیث دلالت کرتی ہیں کہ گستاخِ رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اس قسم کے گستاخانہ کلمات سے آدمی کافر منافق اور حلال الدم ہو جاتا ہے مگر نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا گستاخوں کو معاف کرنا اور ان سے درگزر کرنا اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔ (اعراف:۱۹۹)

درگزر سے کام لو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (مومنون: ۹۳)

احسن طریقے سے دفاع کرو۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ (فصلت: ۳۵،۳۴)

اچھائی اور برائی برابر نہیں، پس اچھے طریقے سے (برائی کا) جواب دو ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ تمہارا بدترین دشمن بھی گرم جوش دوست بن جائے گا اور یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی برداشت کے خوگر اور بڑے نصیب کے مالک ہوتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (آلِ عمران: ۱۵۹)

اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھٹ گئے ہوتے تو ان کو معاف کردو اور ان کی بخشش کی دعا کرو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذَاهُمْ ۔ (احزاب:۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانو اور ان کی ستم رانیوں کو نظر انداز کرو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حلم و بردباری اور ایذاء پر صبر اور ظلم سے درگزر اہلِ دنیا و آخرت کا بہترین اخلاق ہے ان سے آدمی ان بلند درجات تک پہنچتا ہے جن تک روزوں اور نمازوں سے نہیں پہنچتا۔

ذیل کی آیات بھی اسی حقیقت کی آئینہ دار ہیں،

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (آلِ عمران: ۱۳۴)

(متقین) غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔ (شوریٰ:۴۰)

اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملات کو درست کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر یا برائی سے درگزر کرو گے تو

كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۔ (النساء: ۱۴۹) اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا صاحب قدرت ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ (النحل:۱۲۶) اگر تم ان کو تکلیف دینا چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تم کو ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔

اس موضوع پر احادیث بکثرت ہیں اور درجہ شہرت تک پہنچی ہیں، چونکہ صبر وتحمل اور عفو و درگزر کا مرتبہ بہت عظیم ہے اس لیے انبیائے کرام اپنی فضیلت کے پیش نظر دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ اس منصب کے حق دار ہیں، دعوت حق دینے اور لوگوں کی بری عادات بدلنے کی آزمائش میں ان کو اس صفت کی زیادہ ضرورت ہے یہ ایسا فریضہ ہے جس کو کوئی سرانجام نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ برداشت اور درگزر کا عادی نہ ہو، پس وہ کلام جو انبیائے کرام کو اذیت دیتا ہے اس سے آدمی اگر معاہد ہو تو حربی ہو جاتا ہے اور اگر اسلام کا اظہار کرتا ہو تو اس سے مرتد یا منافق ہو جاتا ہے اس میں انبیائے کرام کا انسانی حق بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اس قسم کے کلام میں معاف کردینے کا اختیار دیا ہے اور انسانی حق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو گنجائش دی ہے کیونکہ آدمی کا حق اللہ تعالیٰ کے حق پر فائق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دیت کے حق دار اور مقذوف کو اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل اور قاذف کو معاف کردے، انبیائے کرام علیہم السلام تو ہمت اور دین سے متعلق عظیم مصالح کی وجہ سے اس کے زیادہ سزاوار ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی خادم عورت، جانور یا کسی اور چیز کو نہیں پیٹا، سوائے راہ خدا میں جہاد کے وقت، اور کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

مَانِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ فَانْتَقَمَهٗ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ مَحَارِمُ اللّٰهِ فَاِذَا انْتُهِكَتْ مَحَارِمُ اللّٰهِ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَيْءٌ حَتّٰى يَنْتَقِمَ اللّٰهِ ۔ (متفق علیہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا سوائے اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کے، جب حدود خداوندی کی خلاف ورزی کی جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے۔

حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا بھی سب سے بڑی خلاف ورزی اور حرمتوں کی پامالی ہے لیکن چونکہ اس معاملہ میں آپ کا اپنا حق شامل ہو گیا اس لیے معاف کر دینا یا انتقام لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اختیار ٹھہرا، اس سے اس امر کی وضاحت بھی ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی اجازت دینا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو معاف کرنا زیادہ قرین مصلحت تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کر دینے سے پہلے گستاخ کو قتل کر دیتا تو حضور اس سے تعرض نہ فرماتے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتقام لیا، بلکہ آپ اس صورت میں قاتل کی تعریف فرماتے، جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تسلیم نہ کیا، قتل کر دیا، تو آپ نے اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی، یا جیسے بنت مروان اور گستاخ یہودی عورت کے قتل پر قاتلوں سے تعرض نہ کیا، اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد گستاخ کو معاف کرنا متعذر ہے اس لیے اس کو سزا دینا واجب ہے۔

اس کی وضاحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک بدو بارگاہ رسالت میں کچھ لینے کے لیے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا کرنے کے بعد پوچھا اَحْسَنْتُ اِلَيْكَ ؟ میں نے تیرے ساتھ احسان کیا؟ اس نے جواب دیا "نہیں"

وَالَا اَجۡمَلۡتَ (اور نہ ہی خوبصورت طرزِ عمل اختیار کیا)۔

راوی کہتے ہیں کہ بدو کے اس گستاخانہ کلام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھڑک اٹھے مگر حضور ﷺ نے اشارہ کیا کہ ''نہیں'' کچھ نہ کہو، پھر اٹھ کر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور بدو کو بھی اندر بلا لیا، اور اتنا عطا کیا کہ وہ راضی ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا تو نے آ کر مانگا اور ہم نے عطا کیا پھر تو نے اس طرح کا لہجہ اختیار کیا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رنجش پیدا ہو گئی، اب اگر تو پسند کرے تو ان کے سامنے وہی بات کر جواب میرے سامنے کی ہے تا کہ ان کی رنجش دور ہو اس نے کہا، ''ٹھیک ہے'' چنانچہ اگلی صبح یا شام کے وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اس ساتھی نے آ کر طلب کیا اور ہم نے اس کو نواز دیا پھر اس کے منہ سے کچھ کلمات نکلے، تو ہم نے اسے کاشانۂ اقدس میں بلا کر مزید عطا فرمایا جس سے یہ راضی ہو گیا، کیوں بھئی! ایسا ہی ہے؟ تو بدو نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اہل و عشیرت کی طرف سے بہترین جزا دے' اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا

لوگو! میری اور اس بدو کی مثال اس شخص کی ہے جس کی اونٹنی بھڑک اٹھی اور بھاگ گئی تو لوگ اس کے پیچھے بھاگے جس سے اس کی نفرت اور وحشت میں اضافہ ہوا، اونٹنی کے مالک نے آواز دے کر کہا اسے چھوڑ دو، میں اس سے نرمی کرتا ہوں، چنانچہ وہ اونٹنی کے سامنے آیا، اور زمین سے خس و خاشاک اٹھا کر آگے کیا، پس وہ آ کر بیٹھ گئی اور اس نے اس پر پالان رکھا اور آرام سے سوار ہو گیا، اگر میں اس بدو کے گستاخانہ کلمات پر تم کو نہ روکتا تو تم اس کو قتل کر دیتے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا۔

ابو احمد عسکری نے اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ ایک بدو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ) مجھے عطا کیجئے آپ ﷺ مجھے اپنے مال یا اپنے باپ کے مال سے عطا نہیں کریں گے، اس نے درشت کلامی سے کام لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف لپکے اور بولے اے دشمنِ خدا! تو نبی اکرم ﷺ سے اس طرح کی گفتگو کرتا ہے؟

یہ روایت اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ اس شخص کا قتل اس کے گستاخانہ کلمات کی وجہ سے توبہ کے مطالبہ سے قبل بھی جائز تھا، اور وہ گستاخانہ کلام کے باعث کافر ہو گیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو قتل کئے جانے پر مستحق جہنم نہ ہوتا بلکہ مظلومانہ شہادت کی بناء پر جنت میں جاتا، اور اس کا قاتل جہنم کا حقدار ہوتا، کیونکہ اس طرح وہ ایک مومن کے قتل کا ارادتاً مرتکب ہوتا، نیز حضور ﷺ بھی اس کے قتل کو جائز نہ فرماتے کیونکہ ناحق خون بہانا بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے، اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص مسلمان تھا، اسی لیے حضور نے اس کے حق میں فرمایا صاحبکم یعنی تمہارا ساتھی، اور مسلمان ہونے کی وجہ ہی سے وہ مال لینے کے لیے آیا تھا، اگر حربی کافر ہوتا تو ہرگز مال کی طلب میں نہ آتا اور اگر حضور اسے یہ مال اس غرض سے عطا فرماتے کہ وہ مسلمان ہو جائے تو حدیث شریف میں اس کی وضاحت فرما دیتے، پھر جب سلسلۂ کلام میں اسلام کا ذکر نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے اسلام میں داخل تھا، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بدوؤں میں سختی ہوتی ہے نیز یہ کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھا جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی ہے:

فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ۔ (توبہ:۵۸)

اگر انہیں عطا کر دیا جائے تو راضی ہو جائیں نہ ملے تو ناراضی کا اظہار کریں۔

ہمارے مذکورہ بالا نکتۂ نگاہ کی وضاحت اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان منافقوں سے بھی درگزر فرماتے تھے جن کے نفاق میں ذرّہ برابر شک نہ تھا، یہاں تک کہ آپ کا ارشادِ پاک ہے کہ اگر مجھے یقین ہو کہ ستر بار سے زیادہ درگزر کرنے سے ان کی بخشش ہو سکتی ہے تو اس سے زیادہ بار درگزر کرتا، حضور کا یہی طریقہ کار رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا، آپ ﷺ منافقوں کا بہت زیادہ گستاخانہ کلام برداشت کرتے اور ان سے عفو اور درگزر کا معاملہ کرتے اور دعائے خیر کرتے رہے اور یہ سب نزول برأت سے پہلے کا ہے ارشادِ ربانی ہے،

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ۔ (الاحزاب:۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانو اور ان کی ستم رانیوں کو نظر انداز کرو۔

کیونکہ اس وقت ان کے ساتھ نرمی کرنے کی ضرورت تھی، اور ڈر تھا کہ کسی کو قتل کرنے کی وجہ سے اہلِ عرب متنفر نہ ہو جائیں، نبی اکرم ﷺ نے خود عبداللہ بن ابی اور ذوالخویصرہ کے گستاخانہ کلمات پر اس بات کی تصریح فرمائی، کہ ان گستاخوں کو قتل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی معاف نہیں کرتے اور قتل کر دیتے ہیں، کیونکہ لوگ تو ظاہری حالت ہی کو دیکھتے ہیں، وہ کسی کے قتل پر یہ گمانِ فاسد قائم کر لیں گے کہ محمد ﷺ کسی خاص غرض یا کینے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیتے ہیں، اس سے لوگ اسلام میں داخل ہونے سے گریز کریں گے، پھر جب آپ ﷺ کی شریعت کا تقاضا ہے کہ اموالِ عظیمہ کے ساتھ دلجوئی کر کے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا جائے تا کہ دینِ حق کا غلبہ ہو تو عفو اور درگزر کے ساتھ ان کی تالیف قلب کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کے ساتھ بیزاری کا حکم نازل فرمایا اور آپ ﷺ کو منافقوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع فرمایا اور کفار و منافقین کے ساتھ جہاد و غلظت کا حکم دیا تو ان کے ساتھ عفو اور درگزر کا پہلا معاملہ منسوخ فرما دیا، جیسا کہ کفارِ مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ کر دیا، اور اب ہر انسان کے حق میں اقامتِ حدود اور اعلائے کلمۃ اللہ کے علاوہ کوئی صورت نہ رہی۔

ایک سوال:

اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیات میں یہودیوں کے گستاخانہ طرزِ کلام کا ذکر فرمایا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۔ (النساء:۴۴)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

یہودیوں میں سے ایسے ہیں جو کلام کو ان کے موقعوں سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا مگر ہم نے مانا نہیں، تو

وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۔ (النساء:۴۶)

(ہماری) سن اور تجھے سنوایا نہ جائے اور زبان کو پھیر کر راعنا کہتے ، دین میں طعنہ زنی کے لیے۔

اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کا مفہوم ہے کہ تم سناؤ اور تمہاری کوئی نہ سنے اور کوئی قبول نہ کرے، کیونکہ جس کا کلام سننے کا قصد نہیں کیا جاتا تو اس کو قبول بھی نہیں کیا جاتا (رَاعِنَا) کی تفسیر میں قتادہ وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ یہودی نبی اکرم ﷺ سے ازراہ مذاق کہتے رَاعِنَا سَمعك یہ کلمہ یہودیوں میں قبیح سمجھا جاتا تھا۔

امام احمد، عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں آتے اور کہتے راعنا سمعك ، ان کی دیکھا دیکھی، مسلمان بھی یہی کلمات کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ کو یہودیوں کا یہ انداز ناگوار ہوا۔

عطاء خراسانی کہتے ہیں، یہودی آکر کہتے، راعنا سمعك اور زبان کو پھیر کر دین میں طعن کرتے۔

بعض اہلِ تفسیر نے بیان کیا کہ یہ لفظ لغتِ یہود میں قبیح گالی ہے، اس طرح وہ بدبخت حضورِ انور ﷺ کو اس کلام کے ذریعے گالی دیتے اور زبان پھیر کر استہزاء کرتے اور دین میں طعن کے مرتکب ہوتے، اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان کو قتل نہیں کیا، (ایسا کیوں تھا؟)

جوابات:

ہم کہتے ہیں کہ اس سوال کے کئی جوابات ہیں۔

جوابِ اوّل:

اس قسم کے واقعات ضعفِ اسلام کی حالت کے تھے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور اہلِ ایمان کو خبر دی تھی کہ وہ اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت اذیت ناک باتیں سنیں گے، اور ساتھ ہی حکم دیا کہ وہ اس حالت میں صبر اور تقویٰ سے کام لیں، بعد ازاں جب مسلمانوں نے قوت پکڑی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ان کو اہلِ کتاب اور مشرکین کے ساتھ نبرد آزما ہونے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ دیں، اور مغلوب اور کمزور کسی صورت اذیت کا مرتکب نہیں ہوتا اور جو اذیت کا ارتکاب کرے وہ مغلوب اور کمزور نہیں ہوتا۔

پھر اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے، ایک گروہ حکم کے بدل جانے کی وجہ سے اس کو نسخ قرار دیتا ہے دوسرا گروہ اس کو نسخ کا نام نہیں دیتا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ایک خاص وقت تک درگزر کرنے اور عفو سے کام لینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ آجائے، چنانچہ اب اسلام کی سربلندی اور اظہار کا خدائی فیصلہ آ گیا اور اہلِ ایمان کو حکم ہوا کہ وہ اہلِ کتاب اور مشرکین سے رزم آرائی کریں یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ پاک ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۔ (النساء:۱۵)

تو ان () عورتوں کو اپنے گھروں میں روک رکھو یہاں تک اللہ تعالیٰ انہیں اٹھالے یا ان کے لیے کوئی راہ نکالے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ نکال دی ہے۔" بعض علماء اس کو نسخ کہتے ہیں اور بعض اسے نسخ کا نام نہیں دیتے مگر یہ اختلاف لفظی ہے۔

ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ درگزر کا حکم اب بھی بوقتِ ضرورت باقی ہے جب اہلِ اسلام بوجہ ضعف قتال کے قابل نہ ہوں، اس طرح کہ وہ کسی وقت یا کسی جگہ قتال کی قدرت نہ رکھتے ہوں، تو اس صورت میں یہ حکم منسوخ نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ منسوخ وہ ہے جو آئندہ کے تمام زمانوں میں اٹھ جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر فرض کر دیا گیا کہ اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد اہلِ کتاب، مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ عفو اور درگزر کا معاملہ ترک کر دیں اور ان پر شرعی حدود قائم کریں خواہ اس کو نسخ کہا یا نہ کہا جائے۔

جوابِ دوم:

نبی اکرم ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ گالی گلوچ کرنے والے گستاخوں کو معاف فرمادیں، امت کو یہ اختیار نہیں، جیسا کہ آپ ﷺ مسلمانوں میں سے ایسے شخص کو معاف کر دینے کے مختار تھے مگر اس مسئلہ میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں کہ اب اگر کوئی مسلمان ایسی حرکت کا مرتکب ہو تو واجب القتل ہے۔

جوابِ سوم:

سوال میں مذکور کلمات میں کھلی گستاخی کا اظہار نہیں بلکہ یہ پوشیدہ گستاخی ہے اور ایسی ہی ہے جیسے یہودی السام علیکم کہتے یا زبان کے پھیر میں نفاق کا اظہار کرتے کیونکہ بظاہر وہ حضور ﷺ سے درخواست کرتے کہ آپ ہمیں کلام سنانے میں رعایت فرمائیں تا کہ ہم سمجھ لیں، تو حضور ان کی بات ختم ہونے کا انتظار فرماتے اور ٹھہر ٹھہر کر ارشاد فرماتے تا کہ وہ خوب سمجھ لیں، پھر وہ زبانوں کو پھیر کر کلام کرتے جس کا مقصد یہ ہوتا کہ حضور کا مذاق اڑائیں گستاخی کریں اور دینِ اسلام میں طعن کے مرتکب ہوں، جیسا کہ سلام کے وقت زبان کے پھیر سے "السام علیکم" کہتے اور موت کی دعا کی نیت کرتے، یہودی قوم منافقت اور خباثت میں مشہور ہے وہ ان باتوں کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں، مگر ایسے طرزِ عمل سے سزا کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

اگر یہ کلمات ظاہری گستاخی پر مشتمل ہوتے تو مسلمان نبی اکرم ﷺ سے ہم کلام ہوتے وقت ہرگز ان کو استعمال نہ کرتے، البتہ ان سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے استہزاء کا احتمال اور وہم پیدا نہ ہو اس طرح کی نیت اور دلالتِ حال سے گستاخی کی صورت نہ اختیار کرے۔

اہلِ عرب اس لفظ (راعنا) سے باہم مخاطب ہوتے تھے اور اس سے گستاخی کا قصد نہیں کرتے تھے، عطاء کہتے ہیں یہ ایامِ جاہلیت میں انصار کی زبان تھی، ابو العالیہ کہتے ہیں، "مشرکینِ عرب جب ایک دوسرے سے بات کرتے تو ایک دوسرے سے کہتے ارعنی سمعك بعد ازاں اس سے روک دیئے گئے، ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ اہلِ عرب کہتے: ارعیته سمعی ارعاء یعنی جب کان کو سننے کے لیے فارغ کیا لیکن یہودی اس سے گالی کا مفہوم لیتے تھے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے رعونت یا حفاظت کا معنی لیتے تھے کیونکہ اسی لفظ سے استرعاء الشاۃ یعنی بکریوں کی حفاظت اور نگہبانی ہے، اور ان کے عرف و لغت میں یہ لفظ زیادہ تر ردی اور برے

مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، جیسا کہ وہ اس سے (اسمع لا سمعت) آپ سنیں اور سنوائے نہ جائیں کی نیت کرتے، الغرض زبان کے ہیر پھیر اور نیت کی وجہ سے ان کا کلام گالی بن جاتا تھا، اس لیے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت کا مادہ ہی ختم ہو جائے اور یہودی اس مشابہت کی بناء پر اس کو گستاخی کا ذریعہ نہ بنا سکیں اور آئندہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اس لفظ سے قلتِ ادب کا احتمال نہ ہو۔

جوابِ چہارم:

بعض اہلِ تفسیر نے ذکر کیا کہ لفظِ راعنا یہودیوں کی زبان میں قبیح گالی تھی، اور مسلمان جب راعنا یارسول اللہ کہتے تو اس سے یہ مراد لیتے کہ یارسول اللہ ہماری رعایت اور لحاظ فرمایئے، جب یہودیوں نے یہ کلمہ سنا تو اسے غنیمت سمجھا، آپس میں کہنے لگے ہم محمد (ﷺ) کو چھپ چھپا کر گالیاں دیتے تھے اب کھلے عام گالیاں دو" چنانچہ وہ حضور کے پاس آ کر کہتے رَاعِنَا یَا مُحَمَّدُ اور آپس میں اس استہزاء پر ہنستے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کا کلام سنا تو ان کی شرارت سمجھ گئے، کیونکہ وہ ان کی زبان کو جانتے تھے، اس لیے یہودیوں سے کہا تم پر خدا کی لعنت! اے گروہِ یہود! بخدا اگر میں نے تمہارے کسی شخص کو بارگاہِ رسالت میں اس لفظ سے خطاب کرتے ہوئے سنا تو اس کی گردن ماردوں گا، انہوں نے کہا تم مسلمان بھی یوں ہی لفظ استعمال کرتے ہو، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ۔ اے اہلِ ایمان تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" کہا کرو۔

(البقرہ:۱۰۴)

تا کہ یہودی لفظ راعنا سے توہینِ رسول ﷺ کا موقع نہ پاسکیں۔

مفسرین کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ لفظِ راعنا عربی زبان اور عبرانی زبان میں مشترک ہے اور مسلمان یہودیوں کی اس شرارت کو سمجھ نہ پاتے تھے کہ وہ اس سے گستاخانہ مفہوم لیتے ہیں، پھر جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے یہودیوں کو اس سے منع کر دیا، اور بتا دیا کہ یہ عہد شکنی ہے اور اس سے ان کا خون مباح ہو گیا ہے اور یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ گستاخی پر مشتمل کلام کی وجہ سے ان کا خون حلال ہو گیا، جب تک مسلمان ان کے گستاخانہ مفہوم کو نہیں سمجھتے تھے وہ ان کے خون کو حلال نہیں قرار دیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل بحث ظاہری گستاخی میں ہے۔

ایک اعتراض:

ہم نے حسبِ معاہدہ اہلِ ذمہ کو ان کے دین پر برقرار رکھا اور ان کے دین میں نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کا (معاذ اللہ) جواز ہے اس لیے جب وہ گستاخانہ کلمات کے مرتکب ہوں گے تو ان سے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

جواب:

یہودیوں کے دین میں تو مسلمانوں سے لڑنا، ان کا مال چھیننا اور ہر طریق سے ان سے معرکہ آراء رہنا جائز ہے مگر معاہدہ کے

بعد ان کو ایسے کسی اقدام کی اجازت نہیں، جب وہ کسی ایسے فعل کے مرتکب ہوں گے تو عہدِ ذمہ توڑ دیں گے۔ کیونکہ ہم ان کو ان کے معتقدات ونظریات پر رہنے اور اپنے ارادوں کو پوشیدہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں مگر ان کے اظہار اور مسلمانوں کے درمیان کھلم کھلا پرچار کی اجازت نہیں دیتے، اور اس کی یہ بھی شرط نہیں کہ ان کے گستاخانہ کلمات کو ہم اپنے کانوں سے سنیں یا مسلمان ان کی شہادت دیں بلکہ جب بھی ان سے ایسے فعل کا صدور ہوگا اسے اظہار واعلان قرار دیا جائے گا۔

تحریر الجواب:

یہ دونوں مقدمات۔ باطل ہیں' (کیونکہ معترض کے ذیل کے دونوں اقوال)

۱- ہم نے ان کو ان کے معتقدات ونظریات پر رہنے کی اجازت دی۔

۲- ان کے دین میں نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنا جائز ہے۔

باطل ہیں، معترض کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو ان کے دین پر رہنے کی اجازت دی، کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ان کے تمام نظریات ومعتقدات پر رہنے دیتے تو وہ اہلِ ذمہ نہ ہوتے بلکہ محاربین ہوتے اور ان کو اپنے دین کے اظہار اور ہمارے دین پر طعن کی وجہ سے لائق سزا نہ سمجھا جاتا، اور اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کو ایسے اقدام پر سزا دی جاتی ہے، اگر ہم ان کو اپنے دین کے کھلے اظہار کی اجازت دیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم نے ان کو مسجدیں شہید کرنے، قرآنِ حکیم جلانے اور علماء وصلحاء، کو قتل کرنے کی کھلی چھٹی دے دی، کیونکہ ان کا دین ایسی باتوں پر مشتمل ہے جو مسلمانوں کے لیے بہت اذیت ناک ہیں اور جرم جب مخفی ہو تو اس کا ضرر صرف مجرم کو ہوتا ہے اور اگر جرم علانیہ ہو اور اس پر ردوانکار نہ کیا جائے تو اس سے عوام الناس کو نقصان ہوتا ہے، ہم نے معاہدہٗ ذمہ میں ان پر شرط رکھی ہے کہ وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں جس سے ہم کو اذیت ہو یا ہمیں نقصان ہو، خواہ وہ اس فعل کو حلال جانتے ہوں یا حرام، اس لیے جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیں گے تو نقضِ عہد کے مرتکب ہوں گے۔

معاہدہٗ ذمہ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ حکمِ اسلام کا التزام رکھیں گے، خواہ ان کے نزدیک ان کے دین میں اس کا لزوم نہ ہو۔

ایک شرط ادائے جزیہ کی ہے اگر چہ ان کا عقیدہ ہو کہ ان کے دین میں ان سے جزیہ لینا حرام ہے۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو چھپائیں گے اور بلند آواز سے اپنی مذہبی کتاب نہیں پڑھیں گے نہ جنازوں پر آوازیں بلند کریں گے اور نہ ہی ناقوس بجائیں گے۔

معاہدہٗ ذمہ کی ایک شق یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہیں کریں گے، نیز پہچان کے لیے اپنی ہیئت مسلمانوں سے الگ رکھیں گے اور ذلیل بن کر رہیں گے۔

اس کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جو ان کے عقیدہ کے مطابق شرعاً ان پر لازم نہیں مگر معاہدہٗ ذمہ کی رو سے لازم ہوگئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے ان کو بہت سی ایسی چیزیں ترک کرنے کا پابند کیا جو ان کے دین میں ان کے لیے مباح یا واجب تھیں اور ایسے بہت سے امور سرانجام دینے کی شرط رکھی جو ان کے دین میں نہ تھے، پس کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے ان کو مطلقاً ان کے دین پر رہنے دیا؟ جہاں تک دوسرے مقدمے کا تعلق ہے، ٹھیک ہے ہم نے ان کو ان کے عقائد ونظریات پر قائم رہنے کی

اجازت دی، لیکن جہاں تک ان کے دین میں نبی اکرم ﷺ کی توہین کا معاملہ ہے تو اس بارے میں وضاحت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عہدِ ذمہ سے پہلے کی بات ہے؟ یا معاہدہ میں ترکِ توہین کی شرط آجانے کے بعد بھی ان کے دین میں شامل ہے؟

پہلی شق تو مسلم ہے لیکن اس کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اہلِ ذمہ معاہدہ کی شرائط قبول کر چکے ہیں، پس اگر یہ فعل اس حالت میں ان کے دین میں شامل نہیں تو انہیں اس کے ارتکاب کی رخصت نہیں، کیونکہ اس کا ان کے دین میں شامل ہونا معاہدہ سے الگ حالت ہے، (اور وہ معاہدہ کی صورت میں فعل توہین سے باز رہنے کے پابند ہو گئے۔)

یہ ایسا ہی ہے کہ جب ہم ان سے معاہدہ ذمہ نہ کریں تو ان کے دین کی رو سے ان کا خون اور مال مباح ہے اور گستاخانہ کلمات پر ان کو اذیت دینا جائز ہے، معاہدہ کے بعد ان چیزوں کو حلال جاننا صحیح نہیں، اس صورت میں روا نہیں کہ ہم ان کو اذیت دیں اور کہیں کہ ہم نے تم سے جو معاہدہ کیا وہ اپنے دین کے اصولوں کے مطابق کیا اور ہمارے دین میں تم کو اذیت دینا جائز ہے، کیونکہ دو متحارب گروہوں کے درمیان معاہدہ ہر گروہ پر ضرر کی وہ باتیں حرام کر دیتا ہے جو معاہدہ سے پہلے اس کے دین میں حلال و جائز ہوتی تھیں۔

جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو وہ ممنوع ہے کیونکہ عہد شکنی ان کے دین میں بھی روا نہیں، بلکہ روئے زمین کے تمام لوگوں کا دین ایفائے عہد ہے اس لیے ہم نے ان سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ اس کو پورا کرنے کے پابند رہیں گے، اگر ان کے دین میں ایفائے عہد کی ذمہ داری نہ ہوتی تو ہم ان سے اس دین پر معاہدہ نہ کرتے جس میں معاہد کے لیے نقضِ عہد کا جواز ہو، اور اگر ہم اس دین پر معاہدہ کرتے تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم نے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ جب چاہئیں معاہدہ کی خلاف ورزی کر لیں اور ہم معاہدہ کی پابندی کریں، یہ صریح البطلان ہے۔ پھر جب ہم نے ان کے ساتھ ایسے فعل کے ترک پر معاہدہ کیا جو ان کے دین میں شامل نہیں تو ہم نے ان کو اس معاہدہ کی رو سے پابند کر دیا کہ وہ زبان اور ہاتھ سے ہم کو اذیت نہ دیں، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے سے باز رہیں، اور اپنے دین کو پوشیدہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے حکم میں باطل ہے پھر جب اہلِ ذمہ ان باتوں کے ترک پر معاہدہ کر چکے اور اپنے دین کے اخفاء کے پابند ہو چکے تو یہ معاملہ ان کے اپنے دین کی نظر میں بھی حرام ہو گیا، کیونکہ خلاف ورزی کی صورت میں یہ فعلِ غدر، خیانت اور عہد شکنی شمار ہوتا ہے اور یہ خود ان کے اپنے دین میں بھی حرام ہے، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی قوم کسی مسلمان سے برضا و رغبت اس شرط پر معاہدہ کرے کہ وہ مسلمان صلیب کا ذکر نہ کرے گا تو اس کے دین کے مطابق جب تک معاہدہ قائم رہے گا وہ ذکر صلیب سے باز رہنے پر پابند ہوگا۔

معترض کا یہ کہنا کہ ”اہلِ ذمہ کے دین میں نبی اکرم ﷺ کی توہین اور گستاخی کا جواز ہے“ باطل ہے۔ کیونکہ اس معاہدہ کی موجودگی میں ان پر لازم ہے کہ وہ اس حرکت سے باز رہیں اور یہ اسی طرح حرام ہے جس طرح معاہدہ کی رو سے ان کے دین میں ہمارا خون بہانے اور ہمارے مال چھیننے کو حلال جاننا حرام ہے اور اہلِ ذمہ بخوبی جانتے ہیں کہ جب وہ اپنی زبانوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے تو اپنی دینی تعلیمات کی روشنی میں حرام کے مرتکب ہوں گے، وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ ایسا طرزِ عمل معاہدہ کی خلاف ورزی ہے خواہ بظاہر یہ گمان کرتے رہیں کہ ہمارے اور ان

کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں، وہ اسلامی حکومت میں مغلوب اور قوتِ اسلام کے تحت ہیں، اس لیے وہ ایسے گستاخانہ طرزِ عمل سے جانی حفاظت وعصمت سے دور اور انتقام کے حق دار ہوں گے، کیونکہ ان کے تحفظ خون کی ضمانت صرف ''عہدِ ذمہ'' ہے، جب وہ عہدِ ذمہ کی پاسداری نہیں کریں گے تو حفاظت جان کی ضمانت بھی باقی نہیں رہے گی، اور یہ تمام باتیں ہر ذی فہم پر روشن ہیں۔

بعض فقہاء نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے اہلِ ذمہ کو ان کے اعتقادات ونظریات پر رہنے دیا اور نقضِ عہد اس وقت قرار دیا جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں ایسے الفاظ سے گستاخی کی جن کو وہ قذف وغیرہ شمار نہیں کرتے، ہمارے نزدیک یہ تفصیل پسندیدہ نہیں اور اس کی تحقیق انشاء اللہ عنقریب آرہی ہے۔

ایک اور اعتراض:

''ٹھیک ہے اہلِ ذمہ کے ساتھ اس بات پر مصالحت ہوئی کہ وہ گستاخانہ کلمات کا اظہار نہیں کریں گے، لیکن صرف دین کے اظہار سے عہدِ ذمہ کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟ کیا ان کا ایسا طرزِ عمل، بلند آواز سے کتاب پڑھنے، صلیب لہرانے یا علانیہ عید منانے کے مترادف یا مشابہ ہے؟ یہ تو صرف سزا اور تعزیر کا موجب ہے، نقضِ عہد کا باعث نہیں؟

جواب اول:

ہم کہتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا نقضِ عہد ہوگا کہ وہ کلمۂ کفر کا اعلان واظہار کریں؟ اور حدِ صغار (ذلت) سے نکل جائیں، ہمارے دین پر زبان درازی کریں اور ہمیں ایذاء پہنچائیں؟ یہ تو قتل وغارت سے بڑھ کر جرم ہے۔

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاہدۂ ذمہ میں مقرر کردہ شرائط کے بعد ایسی باتوں کے اظہار کا تعلق ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱- ان کے اظہار سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور ہم پر لازم نہ رہے گا۔

۲- عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔

ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق دو وجہ سے ہے۔

پہلی وجہ:

اہلِ ذمہ کی طرف سے ایسی باتوں کے ظہور میں کلمۂ کفر کا غلبہ اور سرفرازی نہیں ہے البتہ اس میں مشرکین کے دین کا ظہور ہے اور ان دونوں صورتوں میں فرق ہے کیونکہ اگر مسلمان کلمۂ کفر زبان سے کہے تو کافر ہو جائے، اور اگر ایسا نہ کرے بجز کافر کی ہدایت میں مشارکت کے لیے تو کافر نہ ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کی طرف سے گناہوں کا اظہار، جس پر سزا لازم آتی ہے مگر اس لیے ایمان باطل نہیں ہوتا، جبکہ زبان سے کفر کا کلمہ بکنے والا کافر ہو جاتا ہے، یہی صورت ہے اہلِ ذمہ کی، جب وہ کفریہ کلمات کا اظہار کریں گے تو عہدِ امان کو توڑ دیں گے اور جب کافرانہ لباس پہنیں گے تو نافرمانی کے مرتکب قرار پائیں گے مگر ان کا ''عہدِ امان'' نہیں ٹوٹے گا۔

یہ ہمارے اصحابِ حنابلہ اور دیگر علماء کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ اہلِ ذمہ اگر تثلیث وغیرہ کفریہ عقائد کا اظہار کریں تو عہد شکن

قرار پائیں گے۔

جوابِ دوئم:

ان باتوں کے ظہور میں مسلمانوں کے لیے بڑا ضرر نہیں، نہ کوئی ان کے دین میں عیب ہے، نہ ہی ان کی ملت میں طعن ہے بلکہ اس ظہور میں دو باتوں میں سے ایک بات ہے، مسلمانوں کے لباس کے ساتھ ان کے لباس کی مشابہت، یا ان کی دینی خرابیوں کا دارالاسلام میں اظہار، جیسے کسی مسلمان کا علانیہ شراب نوشی کا اظہار یا پھر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور دینِ اسلام میں طعن کرنا، یہ ایسی صورت ہے کہ اس میں بعض وجوہ سے مسلمانوں کا قتل و غارت سے بڑھ کر ضرر ہے، کیونکہ کافر ذمی کھلے عام گستاخی اور طعن کا جرم کرے تو اس سے بڑھ کر کلمۃ اللہ کی پستی، دینِ خداوندی کی ذلت اور کتاب اللہ کی اہانت متصور نہیں۔

اسی فرق کے پیشِ نظر علمائے حنابلہ اور علمائے شوافع نے ان امور کی تفصیل و وضاحت کی ہے جو اہلِ ذمہ پر معاہدہ ذمہ کی رو سے حرام ہیں اور ان امور میں فرق واضح کیا ہے جن میں مسلمانوں کا جانی مالی اور دینی نقصان ہے اور جن امور میں ایسا نقصان نہیں، ان علماء نے پہلی صورت کو عہد شکنی قرار دیا جبکہ دوسری صورت کو عہد شکنی نہیں ٹھہرایا، وجہ یہ ہے کہ مجرد اور مطلق عہدِ ذمہ ان باتوں سے باز رہنے کو لازم قرار دیتا ہے جو مسلمانوں کے لیے باعث ضرر و اذیت ہوں، پس ایسے ضرر اور اذیت کا پایا جانا معاہدہ کی غرض و غایت کو فوت کر دیتا ہے اس لیے وہ اس کی منسوخی کا سبب بنتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے قبضہ سے پہلے عوض تلف ہو جائے تو بیع کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس قبیل کی اذیتوں اور ضرر رسانیوں سے مسلمان واجب القتل ہو جاتا ہے تو غیر مسلم ذمی تو بدرجہ اولیٰ اس سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم ذمی دونوں نے ایمان اور عہدِ امان کے ذریعے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ اس قسم کے جرائم کے مرتکب نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ جرائم حرب و قتال کی جنس سے ہیں، اور ان کے ارتکاب سے ''عہد'' باقی نہیں رہتا، بخلاف ان گناہوں کے کہ جن میں ناپسندیدگی اور ذلت ہوتی ہے۔

ایک اور اعتراض:

معاہدہ ذمہ سے غیر مسلم ذمیوں کو ان کے شرکیہ دین پر رہنے کی رخصت دی گئی اور شرک نبی اکرم ﷺ کی شان میں تنقیص اور گستاخی سے بڑا جرم ہے، اس صورت میں تو انہیں گستاخی رسول (ﷺ) کی بھی اجازت ہونی چاہیے بلکہ ان کو بارگاہِ الوہیت میں سب و شتم کی رعایت مل گئی کیونکہ عیسائی عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں صریح گالی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا،

كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُّعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِّي

ابنِ آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کو یہ حق حاصل نہ تھا اس نے مجھے گالی دی اور یہ بھی اس کے لیے جاتا [sic] نہ تھا، جہاں تک جھٹلانے کا معاملہ ہے تو اس نے کہا، مجھے اللہ تعالیٰ دوبارہ نہیں اٹھائے گا جس طرح پہلی بار پیدا کیا حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ بھی اٹھانے سے آسان نہیں، اس کی گالی یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، میں

كُفُوًا اَحَدٌ ۔ | نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا نہ کسی نے مجھ کو جنا، نہ میرا کوئی ہمسر ہے۔

یہ روایت صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل جب عیسائیوں کو دیکھتے تو فرماتے: ''ان پر رحم نہ کھاؤ''، ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی گالی دی ہے کہ انسانوں میں سے کسی نے ایسی گالی اللہ تعالیٰ کو نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔ (مریم ۸۸ تا ۹۱)

انہوں نے کہا رحمٰن نے بیٹا بنا لیا (ظالمو!) تم بری بات لائے ہو قریب ہے کہ اس افتراء سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں (انہوں نے یہ بہتان باندھا) کہ رحمان کا بیٹا ہے۔

یہودیوں نے بھی عیسائیوں کے اس قبیح عقیدے کو برقرار رکھا اور یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

۱۔ یہ سوال فاسد قیاس پر مبنی ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی جرم گناہ کے لحاظ سے دوسرے سے بڑا ہو مگر اس کی سزا کا اثر آخرت میں ظاہر ہو اور دنیا میں اس کے اقرار پر ایسا اثر مرتب نہ ہوتا ہو، دیکھئے اہلِ ذمہ کو شرکیہ عقائد پر رہنے کی رخصت ہوتی ہے مگر ان کو زنا، چوری، رہزنی، بہتان طرازی اور مسلمانوں سے لڑائی جیسے جرائم اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، جبکہ یہ جرائم شرک سے کم درجے کے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہی سنت جاری ہے، اس نے قومِ لوط کو لواطت کے جرم پر فوری سزا دی حالانکہ اس وقت کرہ ارض پر شہر کے شہر شرک سے معمور تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کو برباد نہیں کیا، معترض جو اس کلام سے استدلال کر رہا ہے اس کے نزدیک بھی کفار کا قتل بھی مجرد محاربت (جنگ کرنے) کی وجہ سے ہے، خواہ کفر اصلی ہو یا طاری، حتیٰ کہ وہ مرتدہ کا قتل بھی جائز نہیں سمجھتا، اور کہتا ہے کہ دنیا دارِ جزاء نہیں کہ کفر پر سزا دی جائے، کفر کی جزاء آخرت میں ہوگی، کفار سے جنگ تو دفعِ اذیت کے لیے ہے۔

پھر یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ''جب ہم نے ان اہلِ ذمہ کو کفر کی حالت پر رہنے دیا'' تو کفر سے کم درجہ کے جرم جنگ اور آویزش پر بھی قائم رہنے کی اجازت بطریقِ اولیٰ ثابت ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جس جرم یا گناہ کا ضرر فاعل کے لیے متعدی ہے تو دنیا میں اس کے مرتکب کو فوری سزا دینا شرعاً اور تقدیراً ضروری ہے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰى اَنْ تُعَجَّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةُ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ ۔ | بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی سزا اس کے مرتکب کو فوری دی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے جرم کی سزا میں تاخیر زمین والوں کے لیے تباہی کا سبب ہے، بخلاف اس جرم کے کہ جس کا ضرر

متعدی نہ ہو، اس کی سزا بعض اوقات مؤخر کی جاتی ہے خواہ وہ جرم کفر جتنا بڑا جرم ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے اہلِ ذمہ کو شرکیہ عقائد پر قائم رہنے کی اجازت دی کیونکہ اس جرم میں عموماً سزا تاخیر ہی سے دی جاتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جرم میں بھی سزا تاخیر سے دی جائے جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہے اگر چہ وہ کفر و شرک سے کم درجے کا جرم ہے۔

دوسری وجہ:

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ ذمہ کو، جب وہ اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں تو (ان کو) اذیت دینا جائز نہیں، نہ خون بہانا جائز ہے نہ زدوکوب کرنا، لیکن اگر توہین آمیز رویہ اختیار کریں گے تو ان کو سزا دی جائے گی، خواہ سزا جانی ہو یا جسمانی، اور اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ ان کو شرک کے جرم پر تعزیر نہیں دی گئی اس لیے شرک سے کم تر جرم، گستاخی اور سب و شتم پر بھی ان کو سزا نہیں ہو گی چونکہ یہ سوال اجماعِ امت پر اعتراض ہے اس لیے اس کا جواب دینا ضروری نہیں ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ معترض خود تسلیم کرتا ہے کہ سب و شتم پر اہلِ ذمہ کو سزا دی جائے گی، اس لیے اس کا سوال قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس شبہ کا جواب مشترک ہے اس لیے تنہا ہم ہی اس کے جواب کے مکلف نہیں۔

تیسری وجہ:

گستاخ اپنی گستاخی کو عقیدۂ شرک کے ساتھ شامل کرے بخلاف اس مشرک کے جو گستاخی کا مرتکب نہ ہو (تو اس کو گستاخ مشرک پر قیاس نہیں کیا جا سکتا) نہ ہی ایک جرم پر قائم رہنا دوسرے جرم کو مستلزم ہے، خواہ دوسرا جرم پہلے جرم سے کم تر ہو، کیونکہ دو جرموں کا اکٹھا ہونا جرم کی شدت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

چوتھی وجہ:

معترض کا کہنا کہ ''اہلِ ذمہ کا جرم کفر گستاخی رسول کے جرم سے بڑا جرم ہے، مطلقاً صحیح نہیں، وجہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے دو گروہ ہیں۔

۱- یہودی ۲- عیسائی

یہودیوں کے کفر کی بنیاد تکذیبِ رسول (ﷺ) ہے اور حضور ﷺ کی گستاخی تکذیب سے بڑا جرم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا سب سے بڑا کفر گستاخی رسول ہی ہے کیونکہ ان کے کفر کی تمام صورتیں، خواہ دینِ اسلام کا انکار ہو، عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر ہو یا امورِ آخرت سے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تکذیب ہو، نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق رکھتی ہیں، اس طرح نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا دراصل ان تمام امور کا انکار ہے، کیونکہ ان تمام امور سے آگاہی نبی اکرم ﷺ کی جہت سے ہوئی، اس وقت اہلِ زمین کے پاس موروثی علم، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی شہادت موجود ہے، وہی علم ہے جو نبی اکرم ﷺ کی میراث ہے، دوسرے انبیاء سے ورثہ میں ملنے والے علم کے اندر اشتباہ اور بہت خلط ملط ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جس علم کی حقیقت اور اصلیت معلوم نہ ہو اس کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے۔

جہاں تک عیسائیوں کا تعلق ہے ان کی بارگاہِ رسالت میں گستاخی یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے عقیدہ توحید، غیبی خبروں اور شریعت پر طعن کرتے ہیں، ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا (معاذ اللہ) سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ آپ ﷺ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول قرار دیتے ہیں، جیسا کہ یہودی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شریعتِ تورات کو بدل دیا، حالانکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ عیسائی خود اپنی موروثی شریعت کے محافظ نہیں، بلکہ ہر زمانے میں ان کے مذہبی رہنما شریعت میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں عطا فرمائی، طرفہ یہ کہ پھر بدعتی شریعت کی بھی پاسداری نہ کر سکے، اس لیے ان کی گستاخی عقیدۂ توحید پر طعن کرنے، شرک اختیار کرنے اور انبیاء و ادیان کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، مجرد شرک تمام انبیائے کرام کی تکذیب کرنے اور دین کو جھٹلانے کو متضمن نہیں، اس لیے یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا، کہ شرک پر قائم رہنا نبی اکرم ﷺ کی گستاخی سے بڑا جرم ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ کی گستاخی ایسا جرم ہے جس میں شرک سمیت اور بھی جرائم شامل ہو گئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

عقلمند کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ رہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کا قیام انبیائے کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ہے اگر انبیاء و رسل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریك کی بندگی اختیار نہ کی جاتی، اور لوگ اللہ کی بہ کثرت بلند صفات اور اسمائے حسنیٰ سے آگاہ نہ ہوتے، نہ کرہ ارض پر اس کی شریعت کا وجود ہوتا۔

یہ ہرگز گمان نہ کیجئے کہ عقلِ انسانی مجرد نظر و استدلال سے حاصل کئے ہوئے علوم کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء کی پہچان کر سکتی ہے کیونکہ اس موضوع پر عقلی استدلال کرنے والے عموماً علوم انبیاء علیہم السلام سے استفادہ کر کے ہی کلام کرتے ہیں خواہ وہ رسولوں کے باقاعدہ پیرو ہوں یا نہ ہوں، ان مدعیانِ عقل کے بڑے بڑوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ الٰہیات کے مسائل کی تفاصیل کا یقینی علم مجرد عقل سے ممکن نہیں، اس سے تو ظن و تخمین ہی ہاتھ آتا ہے، البتہ نظر و استدلال کے ذریعے عقل جس قدر رسائی رکھتی ہے انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اس کی خبر دے کر اس سے استفادہ کی نصیحت کی ہے اور لوگوں کو امورِ عقلیہ میں غور کرنے کی دعوت دے کر اندھی آنکھوں، بند کانوں اور مغلوف دلوں کو کھول دیا ہے۔

اور وہ امور جن کے ادراک سے عقل انسانی عاجز ہے انبیائے کرام علیہم السلام نے اہلِ عقل کو ان کی خبر دی، اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام کی ذوات میں طعن دراصل اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے اسماء، صفات کلام، دین، شریعت، انبیاء، ثواب و عقاب اور اس کے اسباب پر (جو اس کے اور مخلوق کے درمیان ہیں) طعن ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ زمین پر کوئی مملکت نبوت یا اثرِ نبوت کے بغیر قائم نہیں، اور زمین کی ہر بھلائی نبوۃ کا اثر اور نتیجہ ہے، اس معاملہ میں صاحبِ عقل کو قطعاً شک نہیں ہو سکتا کہ وہ قومیں، جن میں نبوت کے نشانات مٹ گئے مثلاً براہمہ صابئہ اور مجوس وغیرہ، ان کے فلسفی ہوں یا عام لوگ، سب نے اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید سے منہ موڑ لیا اور ستارہ پرستی، آتش پرستی اور بت پرستی اختیار کر لی، پس ان کے پاس نہ عقیدۂ توحید رہا نہ کوئی اور الہامی چیز، عقیدہ توحید سے وابستہ کوئی امت نہیں، بجز پیغمبروں کے متبعین (پیرووں) کے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۔

(الشوریٰ:۱۳)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا اور جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، مگر مشرکوں کو وہ چیز بہت ناگوار گزرتی ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ دین جس کی طرف انبیاء و مرسلین دعوت دیتے تھے مشرکوں کے لیے ناگوار ہے، اس طرح لوگوں کے دو گروہ بن گئے رسولوں کے تابعدار یا مشرک، یہ حق صریح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی شان میں تنقیص و طعن سے کام لینا طرح طرح کے کفروں کا سرچشمہ ہے اور تمام گمراہیوں کا مجموعہ ہے، ہر کفر اسی کی شاخ ہے جس طرح انبیاء و مرسلین کی تصدیق ایمان کے تمام شعبوں کی اصل اور تمام اسبابِ ہدایت کی جامع ہے۔

پانچویں وجہ:

ہم کہتے ہیں کہ سنت کے ناقابلِ تردید ثبوت سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بارگاہِ رسالت کے گستاخ کے قتل کا حکم دیتے تھے اور تمام مسلمانوں کا یہی انداز تھا کہ وہ گستاخِ رسول کو قتل کر دینے کی ترغیب دیتے تھے حالانکہ وہ مشرک گستاخ یا اس سے بدتر محارب اور معاہد کے قتل سے باز رہتے تھے، اگر یہ دلیل قبول کر لی جائے تو اس پر ایک شبہ یہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ جب مسلمان مشرک سے ہاتھ روکتے ہیں تو گستاخ سے تعرض نہ کرنا زیادہ مناسب ہے اور جب ذمی سے کفر پر معاہدہ ہوسکتا ہے تو اس کی گستاخی پر تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے، ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ استدلال مان لیا جائے تو یہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے معارض ہوگا اور جو قیاس سنت کے معارض ہو وہ واجب الرد ہے۔

چھٹی وجہ:

اہلِ ذمہ کا مشرکانہ عقیدہ اگرچہ بارگاہِ الوہیت میں گستاخی ہے لیکن وہ اس کو گستاخی اور گالی گلوچ نہیں سمجھتے بلکہ عظمتِ شان اور تقدیس کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس لحاظ سے وہ شرک کے ذریعے گستاخی اور اہانت کا عقیدہ نہیں رکھتے، بخلاف نبی اکرم ﷺ کی اہانت اور تنقیصِ شان کے، (کہ اس سے ان کا مقصد ہی نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہوتا ہے) اس طرح دونوں صورتیں (یعنی اہانت کا قصد نہ کرنا اور ارادتاً اہانت کا مرتکب ہونا) یکساں نہیں، یہ اس شخص کا جواب ہے جو گستاخیِ رسالت کو لائقِ قتل سزا قرار دیتا ہے لیکن ذمی کے اظہارِ عقیدہ پر قتل کے جواز کا قائل نہیں۔

ساتویں وجہ:

نبی اکرم ﷺ کی علانیہ گستاخی مسلمانوں کے دین پر حملہ ہے، اور ان کے لیے ضرر رسانی کا باعث ہے جبکہ ذمی کا اپنے دین کے متعلق زبانی بات کرنا مسلمانوں کے لیے باعثِ ضرر نہیں، اس طرح گستاخی کا اظہار محاربہ (جنگ) کے مترادف ہے، جس پر سزا دینا لازم ہے خواہ یہ شرک سے کم درجہ کا جرم ہو۔

آٹھویں وجہ:

اصل مقیس علیہ پر حکم لگانا جائز نہیں، ہم کہتے ہیں کہ کہ اہلِ ذمہ جب کھلے عام کفر کا اظہار کریں تو عہد شکنی کے مرتکب ہوں گے، بخلاف اس کے کہ صرف اونچی آواز میں اپنی کتاب پڑھیں کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کتاب کی ہر بات کفر ہو، مزید برآں ہم ان کی زبان بھی نہیں سمجھتے، وہ تو صرف شعارِ کفر کا اظہار کرتے ہیں اور اظہارِ کفر اور اظہارِ شعارِ کفر کے درمیان واضح فرق ہے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ

جب وہ کھلے عام کفر کا اظہار کریں جو کہ دینِ خداوندی پر طعن اور حملہ ہے تو عہد شکن قرار پائیں گے بخلاف اس کفر کے، جس کے ذریعے ہمارے دین پر اعتراض نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ ذمہ کی رو سے انہیں ایسے قول وفعل کی اجازت ہے جس میں مسلمانوں کا (دینی اور دنیاوی) ضرر نہ ہو، اگر وہ کلمۂ کفر کا علانیہ اظہار کریں یا مسلمانوں کو اذیت دیں تو اس پر تو کسی صورت ان سے معاہدہ نہیں کیا جاسکتا، انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

بہت سے فقہائے حدیث اور علمائے مدینہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہلِ ذمہ کو (معاہدہ میں) اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ علانیہ کفر کا اظہار کریں، اس لیے جب وہ کفریہ کلمات کا اظہار کریں گے تو ناقضِ عہد قرار دیئے جائیں گے۔

امام ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں کہتے ہیں،

''ہر وہ شخص جو کسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے ذکرِ ربانی میں کنایتاً گستاخی کرے، وہ واجب القتل ہے، خواہ مسلمان ہو یا کافر، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے۔ امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے امام ابوعبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا کسی نے ان سے ایک یہودی کے متعلق سوال کیا جس نے گزرتے وقت مؤذن کے کلماتِ اذان پر کہا ''تو نے جھوٹ کہا'' تو امام ابوعبداللہ نے فرمایا ''اس کو قتل کیا جائے'' کیونکہ اس نے گستاخی کا ارتکاب کیا۔

بعض فقہاء اس سلسلہ میں فرق کرتے ہیں کہ اگر اہلِ ذمہ نے ایسے گستاخانہ کلمات بطورِ عقیدہ کہے تو واجب القتل ہیں اور اگر بطورِ عقیدہ نہ کہے تو واجب القتل نہیں، بعض لوگ اس طرح بھی فرق کرتے ہیں کہ اگر اہلِ ذمہ ایسے کلمات بطورِ عقیدہ علانیہ کہیں جس سے ہمیں ضرر ہو کیونکہ یہ ہمارے دین میں قدح ہے تو واجب القتل ہیں اور اگر وہ ان گستاخانہ کلمات کو اپنا عقیدہ قرار دے کر اظہار کریں مگر اس سے ہمارے دین پر طعن نہ ہوتا ہو تو واجب القتل نہیں، اس کی تفصیلی بحث بھی عنقریب آرہی ہے انشاءاللہ۔

اس سے پہلے ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کرچکے ہیں کہ انہوں نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں ایک نصرانی سے فرمایا، جس نے کہا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا'' ہم نے تم کو عہدِ ذمہ اس لیے نہیں دیا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تو نے دوبارہ دین میں مداخلت کی تو میں تیری کھوپڑی اڑادوں گا۔

ہم نے جن آیات اور قیاسی دلائل کو ذکر کیا ان کا بیان آئندہ بھی (دین کی حفاظت اور غلبہ کے ضمن میں) آئے گا کیونکہ جہاد واجب ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی کا بول بالا ہوجائے، دین پورے کا پورا اللہ ہی کا ہوجائے اور یہ دین سارے ادیان پر غالب ہوجائے اور کافر ذلیل ہوکر جزیہ دینے لگیں۔

اسی طرح برائی کے اظہار سے بحسب قدرت روکنا واجب ہے، پھر جب کافر ذمی کلمۂ کفر کا علانیہ اظہار کریں تو ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ اور اختیار کردہ ذلت وصغار سے نکل جائیں گے اس صورت میں ہم پر ان کے خلاف تلوار سے جہاد کرنا واجب ہوگا کیونکہ یہ کافر اپنے عہد کے پابند نہ رہے۔

دوسرا مسئلہ:

گستاخ کو قتل کرنا متعین ہے اس کو غلام بنانا اس پر احسان کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا جائز نہیں

گستاخ رسول ﷺ اگر مسلمان ہو تو اس کو قتل کرنا بالاجماع واجب ہے، کیونکہ اس کا جرم ارتداد یا زندقہ کی قسم ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے، خواہ اس جرم اہانت کا مجرم مرد ہو یا عورت ہو، اور جب ایسا مجرم قتل کیا جائے گا تو حکم اسلام کے ساتھ قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کا قتل (اسلام کا اظہار کرنے کی وجہ سے) بالاتفاق حد ہے اور حد کو قائم کرنا ضروری ہے، ہم اس سے قبل سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اقاویلِ صحابہ سے مسلمان گستاخ عورت کے قتل پر صراحت کے ساتھ دلائل پیش کر چکے ہیں، ان بعض احادیث وآثار میں مسلمان گستاخ عورت کے قتل کی تصریح ہے اور بعض میں ذمی گستاخ عورت کے قتل کی صراحت ہے اور یہ بدیہی مسئلہ ہے کہ جب ذمی گستاخ عورت اس جرم میں قتل کی جائے گی تو مسلمان گستاخ کو قتل کرنا تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا جیسا کہ فقیہ پر مخفی نہیں۔

اہلِ کوفہ میں سے جس نے کہا کہ ''مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا'' تو اس کے مذہب کا قیاس یہ ہے کہ ''گستاخ عورت کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا'' کیونکہ گستاخ اس کے نزدیک مرتد ہے، ان کے بعض فقہاء کے نزدیک گستاخ عورت کو جادوگر عورت اور رہزن عورت کی طرح بطورِ حد قتل کیا جائے گا مگر ان کے اصولِ مذہب اس نکتۂ نگاہ سے ابیٰ (انکار) کرتے ہیں۔

صحیح وہی ہے جو عام فقہائے امت کا نظریہ ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا، پس گستاخ کو قتل کرنا تو زیادہ ضروری ہے اور اگر گستاخ معاہد ذمی ہو تو اس کی سزا بھی قتل ہے، خواہ مرد ہو یا عورت یہ سلف وخلف فقہائے اسلام کا مذہب ہے۔

ہم نے گستاخ رسول ﷺ کی سزا کے متعلق ابنِ منذر کا قول نقل کیا کہ

''عام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرے اس کی سزا قتل ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام لیث رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اسی نکتۂ نگاہ کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

ابنِ منذر کہتے ہیں،

''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ذمی اہانتِ رسول اللہ ﷺ کا مرتکب ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عام فقہاء کے نزدیک اس کا قتل واجب ہے یہ امام مالک، اسحاق اور دیگر فقہائے مدینہ کا مذہب ہے، علمائے احناف کے کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ ذمی کے قتل کے دو ماخذ ہو سکتے ہیں۔

۱۔نقضِ عہد،۲۔یہ شرعی حد ہے اور فقہائے حدیث بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں

''اہلِ ذمہ اگر رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کے علانیہ مرتکب ہوں اور ان کے گستاخانہ کلمات سنائی دیں یا ایسی گستاخی ثابت ہو جائے تو قتل کیے جائیں گے'' اس سلسلہ میں جن لوگوں نے کہا کہ ان کا جرمِ شرک (جس پر ہم نے ان کو امان دی) گستاخی اور اہانتِ رسول سے بڑا جرم ہے، وہ غلطی پر ہیں۔

امام اسحاق فرماتے ہیں

''وہ قتل کیے جائیں گے کیونکہ انہوں نے عہد شکنی کی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا بھی اس سلسلہ میں یہی طرزِ عمل رہا ہے اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ اس جرم (گستاخی) سے ذمی معاہدہ صلح کو توڑ دیتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے ایک گستاخ راہب کو قتل کر دیا اور فرمایا

مَا عَلٰی هٰذَا صَالَحْنَاهُمْ. ہم نے ان ذمیوں سے اس شرط پر صلح نہیں کی (کہ یہ بارگاہِ رسالت میں گستاخی کریں۔)

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذمی گستاخ کے واجب القتل ہونے اور عہد شکن ہونے کی نص کی ہے، بعض نصوص کتاب کے اوائل میں گزر چکی ہیں، عام حنبلی علماء نے بھی وجوبِ قتل کا فتویٰ اور خصوصیت کے ساتھ کئی مقامات پر اس مسئلہ کا ذکر کیا، اور گستاخ کو عہد شکنوں میں شمار کیا۔

اس مذہب کے متقدمین اور متاخرین کہتے ہیں کہ گستاخ ذمی اور عہد شکن ذمی کے جرم کی سزا قتل ہے جس طرح امام احمد کے کلام نے اس پر دلالت کی ہے۔

البتہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ عہد شکن ذمیوں کے معاملہ میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے، جیسا کہ اس کو اختیار ہے کہ وہ قیدی کو غلام بنالے قتل کر دے احسان کرتے ہوئے آزاد کر دے یا فدیہ لے کر رہائی دے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان چار باتوں میں سے جوامتِ اسلامیہ کے لیے زیادہ مفید ہو وہ اختیار کرے، اس لحاظ سے گستاخ بھی اس کلام کے عموم و اطلاق میں داخل ہو گیا اگر ایسا نہ ہو تو ناقضینِ عہد کے بارے میں بھی حاکمِ وقت کی تخییر کا ثابت کرنا ضروری ہے لیکن اس نکتۂ نگاہ کے محققین ائمہ مثلاً قاضی ابو یعلی وغیرہ نے اس کلام کو مقید کیا اور کہا

اَلتَّخِيِيرُ فِيْ غَيْرِ سَابِّ الرَّسُوْلِ. تخییر کا معاملہ گستاخِ رسول کے علاوہ لوگوں میں ہے۔

کیونکہ گستاخ رسول ﷺ کا قتل متعین ہے (اس میں حاکمِ وقت کے لئے اختیاری فیصلے کی گنجائش نہیں البتہ قیدیوں وغیرہم میں اس کا اختیار ہے اس تقدیر پر قتلِ گستاخ کا یقین محلِ خلاف نہیں، کیونکہ جن ائمہ نے کسی جگہ مطلق تخییر کا ذکر کیا تو دوسری جگہ کہا کہ گستاخ کا قتل تعین ہے اور اس مذہب کے امام نے تصریح کی ہے گستاخ رسول ﷺ اس اطلاق سے مستثنیٰ ہے یا اس کا اس عموم و اطلاق میں شامل کرنا ضعیف قول ہے کیونکہ جن علماء نے گستاخ کی سزا کو اختیاری معاملہ کہا انہوں نے دوسری جگہ اس کے خلاف پر

نص کی۔

اصحاب شافعی رحمہ اللہ کا بھی اس مسئلہ پر اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ گستاخ رسول حتمی طور پر واجب القتل ہے البتہ دوسرے مجرموں کا معاملہ حاکمِ وقت کے اختیار پر تفویض ہے۔

بعض ائمہ شافعیہ کہتے ہیں کہ گستاخ بھی دوسرے ناقضینِ عہد کی طرح ہے اور اس کے معاملہ میں دو قول ہیں، ان میں سے زیادہ ضعیف قول یہ ہے کہ اسے (گستاخ کو) اس کے مأمن (جائے امن یعنی دار الکفر) میں بھیج دیا جائے مگر صحیح قول یہ ہے کہ قتل کر دیا جائے، یہ علماء کہتے ہیں کہ اس کی حیثیت قیدی کی ہے، اس لیے امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے متعلق قتل، غلامی، احسان یا فدیہ کے ساتھ آزادی میں سے جو فعل امت کے لیے زیادہ بہتر ہو، وہ اختیار کرے۔

ایک جگہ امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام ہے جس کا تقاضا ہے کہ عہد شکن کا وہی حکم ہے، جو حربی کا حکم ہے اس لیے گستاخ بھی قیدی کی مانند ہے، مگر دوسرے مقام پر امام شافعی رحمہ اللہ نے گستاخ کے قتل کا بلا تخییر حکم دیا ہے۔

یہاں اختصار کے ساتھ ایک مقدمہ ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت ہے جس میں وضاحت ہو کہ کس بات سے عہد شکنی ہوتی ہے اور عہد شکن کا عمومی حکم کیا ہے؟ پھر خصوصی طور پر مسئلہ زیرِ بحث (گستاخی) پر گفتگو کی جائے۔

عہد شکنوں کی دو قسمیں ہیں۔

۱- ایک وہ عہد شکن، جس پر قابو پانا مشکل ہو بجز جنگ وقتال کے

۲- دوسرا وہ جو مسلمانوں کے قابو اور اختیار میں ہو۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے، اس قسم کے عہد شکنوں کے پاس شوکت وقوت اور لڑنے کی طاقت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ جزیہ کی ادائیگی اور ملتِ اسلامیہ کے عائد کردہ ضروری احکامات کے التزام سے باز رہیں۔ البتہ ان کے معاملہ میں چغل خوروں کے ظالمانہ طرزِ عمل کی طرف توجہ نہ دی جائے یا وہ دار الحرب چلے جائیں اور وہیں سکونت اختیار کر لیں تو بالاجماع عہد شکن ہوئے، اس کے بعد جب ان کا کوئی شخص قید کر لیا جائے تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہر مذہب میں اس کا حکم حربی قیدی کا حکم ہے، حاکمِ وقت اس کے ساتھ وہ سلوک کرے جو امت کے لیے زیادہ مناسب ہو۔

ابو الحارث کی روایت میں ہے، امام احمد سے ذمیوں کے ایک گروہ کے متعلق دریافت کیا گیا، ان ذمیوں نے عہد شکنی کی اور اپنے بچوں کو لے کر دارِ حرب کی طرف چلے گئے، تو حاکمِ وقت نے ان کی تلاش میں فوجی دستہ بھیجا جس نے ان ذمیوں کو پیچھے سے جا لیا، اور ان سے جنگ کی، امام احمد نے جواب دیا چونکہ انہوں نے عہد شکنی کی اس لیے ان کے بالغ شخص پر حربی قیدیوں کے احکام جاری ہوں گے، اور اس کا معاملہ حاکمِ وقت کے سپرد ہو گا اور وہ اپنی مرضی سے اس کے متعلق فیصلہ کرے گا۔

جہاں تک ان کے بچوں کا تعلق ہے، پس جو اس عہد شکنی کے بعد پیدا ہوا وہ عہد شکنوں کا حکم رکھتا ہے اور جو عہد شکنی کے اس اقدام سے پہلے پیدا ہوا اس پر کچھ نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ علقمہ بن علاثہ کی عورت نے کہا علقمہ مرتد ہو گیا لیکن میں نے ارتداد نہیں کیا، امام حسن بصری سے عہد شکنی کے متعلق اسی طرح منقول ہے کہ "عورتوں پر عہد شکنی کا کچھ اثر نہیں۔"

صالح کی روایت میں فرمایا

''امام احمد رحمہ اللہ سے معاہدین کے ایک ایسے گروہ کے متعلق سوال ہوا جو قلعہ بند ہوں اور ان کے ساتھ مسلمان بھی ہوں، پھر وہ عہد شکنی کے مرتکب ہوں تو ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جائے؟

فرمایا، جو بچے عہد شکنی کے بعد پیدا ہوں، وہ بمنزلہ عہد شکنوں کے ہوں گے اور قیدی بنائے جائیں گے اور جو عہد شکنی سے پہلے پیدا ہوں انہیں قید نہیں کیا جائے گا۔''

اس طرح آپ نے اس بات پر نص کی کہ ناقضِ عہد (عہد شکن) جب جنگ کے بعد گرفتار ہو تو اس کے معاملہ میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے (جو چاہے فیصلہ کرے) اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکن (ذمی) کو غلام بنانا جائز ہے اور یہ امام احمد کا مشہور مذہب ہے۔

صالح ہی سے روایت ہے کہ جب ان عہد شکنوں پر قابو پایا جائے تو انہیں غلام نہ بنایا جائے بلکہ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹایا جائے

ابو طالب کی روایت میں ہے، ذمی شخص اپنے اہل وعیال سمیت دشمن کے پاس چلا گیا اور وہاں اس کے ہاں بچے پیدا ہوئے تو دارِ کفر میں پیدا ہونے والے بچے غلام بنائے جائیں گے اور دار السلام میں پیدا ہونے والے بچوں کو جزیہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس پر سوال کیا گیا کہ کیا دار السلام میں پیدا ہونے والے بچوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا؟ تو فرمایا ''نہیں'' پوچھا گیا، اگر اہلِ ذمہ نے ان بچوں کو چھوٹی عمر میں دار السلام میں داخل کیا ہو تو؟ فرمایا نہیں انہیں غلام نہیں بنایا جائے گا۔ بلکہ انہیں ان کے مأمن (امن کی جگہ) بھیج دو۔

عہد شکن ذمی کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب

ابنِ ابراہیم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے امام احمد سے ذمی معاہد کے متعلق سوال کیا جو دار الحرب میں چلا گیا جبکہ اس کے بیوی بچے دشمن کے ملک میں تھے، پھر مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا، فرمایا اس کی بیوی اور بچوں پر کچھ نہیں، مگر وہ بچہ جو اس کی حالت گرفتاری میں پیدا ہوا غلام بنایا جائے گا، جبکہ دیگر بچے جزیہ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس روایت میں امام احمد رحمہ اللہ نے نص فرمادی کہ عہد شکن اور اس کے اہل وعیال کو جزیہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور انہیں غلام نہیں بنایا جائے گا، البتہ وہ بچے جو جنگ کے بعد پیدا ہوئے، وہ غلام بنائے جائیں گے۔

وجہ یہ ہے کہ اس کے ان بچوں کی صغار (ذلت) یہ ہے کہ وہ اہلِ حرب کی اولاد سے قیدی بنے، اور پھر ان کی قید غلامی میں بدل گئی، اس لیے ان کو اول یا آخر عقدِ ذمہ میں داخل نہیں کیا جائے گا، البتہ عہد شکن کی وہ اولاد جو عہد شکنی سے پہلے پیدا ہوئی ان کا حکم گزشتہ معاہدہ ذمہ کا ہے۔

پس پہلی مشہور روایت کی بناء پر حاکمِ وقت کو قیدی مردوں کے بارے میں اختیار ہے کہ وہ قتل، غلامی، احسان اور فدیہ میں سے جو معاملہ مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید اور بہتر ہو، اس پر کاربند ہو جائے، پھر جب احسان کرنا جائز ہوا تو فدیہ لے کر آزاد کرنا بھی جائز ٹھہرا، نیز دوسری بار معاہدہ ذمہ کرنا بھی صحیح ہوا، لیکن ایسا کرنا حاکمِ وقت کے لیے واجب نہیں جیسا کہ اصلی جنگی قیدی، جس کا

تعلق اہلِ کتاب سے ہو، کو فدیہ پر رہا کرنا یا اس پر احسان کرنا لازم نہیں، نبی اکرم ﷺ نے بنی قریظہ اور خیبر کے یہودی قیدیوں کو قتل کرا دیا اور انہیں جزیہ دینے کا موقع نہ دیا اگر آپ ﷺ ان کو جزیہ کا کہتے تو وہ ضرور اس کا جواب دیتے اور جزیہ دینا قبول کر لیتے۔

دوسری روایت کی روشنی میں ضروری ہے کہ عہد شکنوں کو عہدِ ذمہ کی طرف دعوت دی جائے جیسے مرتد کو اسلام کی طرف واپس آنے کی دعوت دی جاتی ہے دوسرا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ ایسی دعوت دینا مستحب ہے پھر جب وہ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کی سنجیدہ کوشش کریں تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے جیسے مرتد سے قبولِ اسلام یا حربی اصلی جب گرفتاری سے پہلے جزیہ دینے پر آمادہ ہو تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے، اگر وہ انکاری ہوں تو اس روایت کا قیاسی حکم یہ ہے کہ ان کو وجوباً قتل کر دیا جائے اور غلام نہ بنایا جائے، کیونکہ ایسا نقضِ امان نقضِ ایمان کی طرح ہے اور اگر بار بار عہد شکنی کے مرتکب ہوں تو ان کا وہی حکم ہے جو بار بار ارتداد کے مرتکبین کا ہے۔

نقضِ عہد کے معاملہ میں امام مالک کا نکتۂ نظر

امام مالک کا وہی نکتۂ نظر ہے جو اس دوسری روایت کا مفاد ہے، امام مالک کے شاگرد شہب کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا

"آزاد آدمی کو کسی صورت غلام نہیں بنایا جا سکتا، نہ ہی ذمیوں کو غلام بنایا جائے گا بلکہ انہیں ہر حال میں "عہدِ ذمہ" کی طرف لوٹایا جائے گا۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

امام شافعی کتاب الام میں نواقضِ عہد اور دیگر مسائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"جو کوئی ایسی بات کرے یا فعل بجالائے جو نقضِ عہد کا باعث ہو پھر اسلام لے آئے تو دونوں صورتوں میں قتل نہ کیا جائے گا ہاں قولاً یا فعلاً دینِ اسلام پر حملہ کرے یا ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجب حد یا قصاص ہو تو حد یا قصاص میں قتل کیا جائے گا نہ کہ نقضِ عہد (عہد شکنی) کی وجہ سے۔"

اور اگر ہمارے بیان کردہ جرائم کا ارتکاب کیا اور شرط یہ رکھی تھی کہ ان جرائم کی وجہ سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا پھر اسلام قبول نہ کیا مگر یہ کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں اور پہلے کی طرح جزیہ دینے کا پابند ہوں یا از سرِ نو صلح کا معاہدہ کرتا ہوں" تو اس صورت میں اس کو سزا دی جائے گی مگر قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ یہ ہے کہ اگر اسی نے کوئی ایسا جرم کیا جو موجب قصاص وحد ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا اس پر حد جاری کی جائے گی اور اگر معاہدے کی کسی شق کی خلاف ورزی کرے جس کی رو سے اس کا خون حلال ہو پھر اس پر قابو پا لیں مگر وہ اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے پر بھی آمادہ نہ ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مال بطورِ فئے قبضہ میں لے لیا جائے گا۔"

اس کلام میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ذمی سے جزیہ قبول کرنے کی نص کی ہے، جبکہ وہ ہمارے قابو میں ہو، جزیہ نہ دے یا اسلام قبول نہ کرے تو اس صورت میں قتل کیا جائے گا اور اس کا مال لے لیا جائے گا اصلی حربی قیدی سے قبول جزیہ کے وجوب پر اصحاب شافعی کے دو قول ہیں، تیسری روایت امام احمد سے ہے کہ قید میں آنے کے بعد اصلی حربی قیدی غلام بن جائیں گے۔

ابنِ ابراہیم کی روایت میں ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب رومی یہودیوں کو قیدی بنالیں پھر مسلمان ان پر غالب آ جائیں تو وہ ان کو بیچ نہیں سکیں گے، کیونکہ ان کی حرمت لازم ہوگئی الا یہ کہ ان میں سے کوئی جزیہ دینے سے انکاری ہو جائے تو وہ بمنزلہ مملوک کے ہوگا۔

یہی امام مالک کا مشہور مذہب ہے ابنِ قاسم وغیرہ مالکیہ کہتے ہیں جب ذمی عہد شکنی کریں اور جزیہ نہ دیں اور دارِ حرب چلے جائیں تو ان کا عہدِ ذمہ ٹوٹ گیا اور اگر پھر قید میں آ جائیں تو ان کی حیثیت مالِ فئے کی ہوگی وہ ہمارے ذمہ میں لوٹ کر نہ آئیں گے۔

اس طرح فقہائے مالکیہ نے ان کو غلام بنانا ضروری قرار دیا اور دوبارہ عہدِ ذمہ کے انعقاد سے انکار کیا گویا ان کے خروج از ذمہ کو ارتداد کے برابر قرار دیا لیکن ان کے کفرِ اصلی کی بناء پر ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔

مذہبِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

علمائے احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں ''جو ذمی نقضِ عہد کا مرتکب ہو وہ مرتد کی طرح ہو جائے گا، فرق یہ ہے کہ ذمی کو غلام بنانا جائز ہے، مرتد کو غلام بنانا جائز نہیں، پھر اگر یہ صورتِ حال ہو کہ ان کو غلام بنانے کی قدرت نہ ہو یہاں تک کہ وہ دوبارہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اور عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کریں، تو ان کے ساتھ عہدِ ذمہ کی بحالی جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے اہلِ کتاب کے ساتھ ان کی عہد شکنی کے بعد دوسری اور تیسری بار ''عہدِ ذمہ'' کیا، اور ان کا قصہ فتوحِ شام میں مشہور ہے، میرے خیال میں اس مسئلہ پر اختلاف نہیں کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں۔

''جب ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دیں اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں اور مسلمانوں کا حاکم عادل ہو تو ان ذمیوں کے ساتھ لڑائی کی جائے گی یہاں تک کہ دوبارہ جزیہ دینے لگیں، اس کے ساتھ ان کا مشہور نظریہ یہ ہے کہ ذمیوں کے قیدی عہدِ ذمہ کی طرف نہیں لوٹیں گے بلکہ ان کی حیثیت مالِ فئے کی ہوگی'' پھر جب امام مالک کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں تو دوسرے آئمہ بدرجہ اولیٰ اس معاملہ میں مخالف نہیں کیونکہ قیدیوں کا ذمہ کی طرف نہ لوٹنا امام مالک کا مشہور قول ہے۔

اہلِ ذمہ (عہد شکنی کے بعد) اگر ذمہ کی طرف لوٹنے کی پوری کوشش کریں تو ان کا مطالبہ قبول کر لینا چاہیے جس طرح حربی اصل کا مطالبہ قبول کرنا ضروری ہے؟ اس کے جواب میں اگر ہم کہیں کہ اسیر عہد شکن ذمی کا ذمہ کی طرف لوٹنا واجب ہے تو حربیوں کا مطالبہ ذمہ قبول کرنا زیادہ ضروری ہوگا اور اگر ہم کہیں کہ ایسے ذمی کا مطالبہ رجوع قبول کرنا واجب نہیں تو یہاں بھی یہی حکم ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب یہودیوں کے قبیلے بنی قینقاع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ ذمہ کو توڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنا چاہا، مگر عبداللہ بن ابی نے زور دے کر ان کی سفارش کی، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذرعات کی طرف جلاوطن کر دیا، اور مدینہ منورہ میں نہ رہنے دیا حالانکہ وہ لوگ تجدیدِ عہد کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہنے کے شدید متمنی تھے، یونہی بنو قریظہ جنگ کے بعد صلح کے خواہش مند تھے اور عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ قبول نہ کیا چنانچہ

سعد بن معاذ کو اپنا ثالث بنانے پر اتر آئے، اسی طرح جب نضیر نے عہد شکنی کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور انہیں مدینہ منورہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا، حالانکہ وہ اپنے گھروں میں رہنے کے شدید خواہش مند تھے، اور عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے، یہ تمام گروہ ذمی تھے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ مدینہ منورہ دار السلام ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم چلے گا، اور جب کبھی فریقین کے درمیان کوئی مسئلہ پیدا ہوگا تو نبی اکرم ﷺ ہی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔ صلح کی تحریر میں اسی طرح تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بعض کو قتل کیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا اور ان کی شدید خواہش کے باوجود دوسری بار عہدِ ذمہ قبول نہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا واجب نہیں اور نہ ہی اس کا جواز ہے کیونکہ سرزمینِ حجاز میں دو دینوں کے ماننے والوں کو باہم اقامت گزین نہیں رکھا جا سکتا نہ وہاں کفار کا رہنا صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے مرضِ وصال میں یہ تاکیدی حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور وہاں دو دین نہ رہنے دیئے جائیں، حالانکہ اس وقت حضور کی ورع ایک یہودی ابوشحمہ کے پاس رہن تھی اس کے علاوہ مدینہ میں اور بھی یہودی تھے اور خیبر میں بھی یہودیوں کی بڑی تعداد تھی چنانچہ حضورِ انور ﷺ کے اس تاکیدی حکم کو خلافتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ میں نافذ کیا گیا۔

عہد شکن ذمی اور مرتد کے درمیان فرق

ذمی (عہد شکن) اور مرتد کے درمیان فرق یہ ہے کہ مرتد جب ارتداد سے توبہ کر کے اسلام کی طرف لوٹ آئے تو دراصل اس انتہاء کی طرف لوٹ آیا جس کی طرف لانے کے لیے لوگوں سے جہاد و قتال کا حکم ہے اس لیے مرتد سے اس کے علاوہ کچھ طلب نہیں کیا جائے گا، خواہ ہمیں یقین ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے (یعنی منافقانہ طور پر وہ اسلام کی طرف رجوع کر رہا ہے) کیونکہ ہمیں لوگوں کے دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں، جہاں تک اہلِ ذمہ سے ہاتھ روکنے کا تعلق ہے تو یہ اس لیے تھا کہ ان لوگوں نے ہم سے معاہدہ کیا، اور جس ذمی سے خیانت کا خوف ہو اس کا معاہدۂ ذمہ اس کی طرف پھینک دینے کا جواز ہے، اگرچہ جس سے ارتداد کا خوف ہو اس کی طرف معاہدہ پھینک دینا جائز نہیں کیونکہ جب وہ عہد شکنی کرے گا تو یہ وعدہ پورا نہ کرنے کی نشانی ہوگی، کیونکہ ان لوگوں نے معاہدہ خوف اور تقیہ کے پیشِ نظر کیا تھا اور جب ان میں طاقت و قوت آ گئی تو عہد شکنی کا ارتکاب کیا، اس لیے یہ خوف جزیہ کی وصولی کے ساتھ ترکِ معاہدہ کے جواز کا سبب بنا جیسا کہ اہلِ ہدنہ (معاہدہ امن کرنے والوں) کی طرف ان کا معاہدہ پھینک دینا بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔

اس میں دلیل ہے کہ عہد شکن قیدی کو عہدِ ذمہ کی طرف لوٹانا بطریقِ اولیٰ ضروری نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے عہد شکنوں کے مطالبہ کے باوجود ان کو عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کی اجازت نہ دی اس لیے قیدی (عہد شکن) جب اس کا مطالبہ کریں تو انہیں بطریقِ اولیٰ لوٹنے کی اجازت نہیں، دیکھیے، بنی قریظہ جب عہد شکنی کے بعد قیدی بنائے گئے تو ان میں سے مقاتلین کو قتل کر دیا گیا اور عہدِ ذمہ کی طرف واپس آنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۔(الفتح:۱۰)   جو عہد شکنی کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

اور اگر ایسا ہو کہ عہد شکن جب بھی معاہدہ کی خواہش کرے اور ہم اس کو قبول کر لیں تو عہد شکنی کی سزا کا خوف ختم ہو جائے گا، بلکہ جب چاہے گا معاہدہ توڑ دے گا البتہ یہ ہے کہ ہم ان کو عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کی رعایت دے دیں تو جائز ہے (یعنی یہ ضروری نہیں ہے) کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے زبیر بن باطا قرظی اور اس کے اہل و مال کو ثابت بن قیس کے حوالے کیا تا کہ سرزمین حجاز میں سکونت اختیار کرے اس کا تعلق بنی قریظہ کے عہد شکنوں سے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکنی کے بعد اہلِ ذمہ کو دار اسلام میں ٹھہرانے کا جواز ہے، دوسری طرف بنی قینقاع کو قابو میں لانے کے بعد اذرعات کی طرف جلاوطن کیا، پس پتہ چلا کہ عہد شکنی کے بعد اہلِ ذمہ پر احسان کرنے کا بھی جواز ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ جب عہد شکن قیدی پر احسان کرنا اور دار الاسلام میں ٹھہرانا جائز ہے تو فدیہ لے کر اسے رہا کرنا تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک سے ان عہد شکنوں کے بارے میں مختلف صورتیں واضح ہوتی ہیں،

۱-ان کا قتل جائز ہے،   ۲-ان پر احسان کر کے دار اسلام میں ٹھہرانا جائز ہے،

۳-مصلحت ہو تو ان کو دارِ حرب میں بھیج دینا جائز ہے۔

وَفِیْ ذٰلِكَ حُجَّةٌ عَلٰى مَنْ اَوْجَبَ اِعَادَتَهُمْ اِلَى الذِّمَّةِ وَعَلٰى مَنْ اَوْجَبَ اِسْتِرْقَاقَهُمْ ۔

اس میں ان لوگوں پر حجت ہے جو ان عہد شکن ذمیوں کو ذمہ کی طرف لوٹانے کو ضروری قرار دیتے ہیں، نیز ان لوگوں پر بھی حجت ہے جو ان کو غلام بنانا لازم ٹھہراتے ہیں۔

ایک اعتراض:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ناقضینِ عہد (عہد شکنوں) کا عہدِ ذمہ کی طرف لوٹانا اس لیے ضروری ہے کہ ان کا عہدِ ذمہ سے نکلنا اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونا ایسا ہے جیسے کسی کا اسلام سے نکل کر مسلمانوں سے الگ ہونا، ایسی عہد شکنی ایمان شکنی کے مترادف ہے پس جب مرتد سے وہ کچھ قبول نہیں کیا جاتا جو کافرِ اصلی سے قبول کر لیا جاتا ہے بلکہ اس کے لیے صرف دو صورتیں ہیں یا تو اسلام کی طرف لوٹ آئے یا قتل کر دیا جائے تو عہد شکن کا بھی یہی حکم ہے، کہ اس سے وہ چیزیں قبول نہ کی جائیں گی جو حربی اصل سے قبول کر لی جاتی ہیں، یا تو اسلام قبول کرے، یا عہدِ ذمہ کی طرف لوٹ آئے ورنہ تہ تیغ کر دیا جائے گا، چونکہ اہلِ ذمہ کو گزشتہ عہد کی حرمت حاصل ہے، اس لیے ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ مرتد کو پہلے اسلام کی حرمت کے سبب غلام بنانے سے ممانعت ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مرتد دینِ حق میں داخل ہونے کے بعد خارج ہوتا ہے اس لیے اس کا کفر شدید و غلیظ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو کسی صورت اس ارتداد پر قائم رکھنے کی گنجائش نہیں، اور دینی عصمت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کا قتل

ضروری ہوتا ہے جیسا کہ عزت وآبرو اور مال وجان کی حفاظت کے لیے حدودِ شرعیہ کا نفاذ ضروری ہے، اور اس کو غلام بنانا جائز نہیں، کیونکہ اس کو غلام بنانا ارتداد پر قائم رکھنے کے مترادف ہے اور عہد شکن اس عہدِ ذمہ کو توڑنے کا مرتکب ہوا جس کے باعث اس کو جان ومال کی حفاظت حاصل تھی، اور اس جرم کی بناء پر اس کی حرمت جاتی رہی، اب وہ بے عقد وعہد مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور اس حربی کافر کی طرح ہو گیا جو ہماری قید میں آ جائے یا اس سے بھی بدتر ہو گیا، ایسے شخص پر جزیہ یا فدیہ وغیرہ سے احسان کرنا ضروری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان سے قتال کریں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں، پس جس شخص کو ہم نے جزیہ کی ادائیگی سے پہلے گرفتار کیا وہ آیت مذکورہ کے حکم میں داخل نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ قتال نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اختیار دے دیا کہ ایسے لوگوں کو گرفتار کرنے کے بعد احسان کر کے رہا کر دیں یا فدیہ لے لیں، مگر ذمی یا کتابی کے حق میں ایسے احسان کو ضروری نہیں قرار دیا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیدی میں بھی مسلمانوں کا حق ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کو غلام بنالیں یا فدیہ لے کر رہا کر دیں، پس ان پر لازم نہیں کہ وہ اپنے حق کو مفت میں تلف کر دیں ایسے عہد شکن کا قتل جائز ہے کیونکہ وہ کافر ہے اور عہد سے بھی نکل چکا ہے اور اس حال میں عہد کی آڑ لے رہا ہے جبکہ اس کا معاہدہ بے اثر ہو گیا ہے، اس سے اس کا خون معصوم ومحفوظ نہیں رہے گا۔

ایک اور اعتراض:

یہاں وہ شخص اعتراض کر سکتا ہے جو عہدِ ذمہ کی طرف بازگشت کو ناجائز کہتا اور عہد شکن ذمی کی گرفتاری کو فئے قرار دیتا ہے کہ یہ قیدی پر مفت کا احسان ہے اور اس میں مسلمانوں کی حق تلفی ہے، پس ان کے مالی حقوق کو تلف کرنا جائز نہیں۔

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس بات پر مبنی ہے کہ قیدی پر من واحسان کرنا جائز نہیں، جبکہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ احسان کرنا جائز ہے جیسا کہ کتاب وسنت اس پر دلالت کرتے ہیں، اور جو شخص اس قول کے نسخ کا دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل کا محتاج ہے۔

ایک اور اعتراض:

عہد شکن کا عہدِ ذمہ سے نکلنا اس پر سختی کو لازم ٹھہراتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کو قتل کیا جائے یا غلام بنایا جائے جیسا کہ مرتد کا معاملہ ہے کہ اس کو قتل کرنا متعین ہے، پس جب عہد شکن کی وہی سزا ہے جو حربی اصلی کی ہے تو ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔"

جواب:

ہم کہتے ہیں، جب اس کو قیدی بنانا جائز ہے تو اس کو جزیہ کے ساتھ حالتِ ذمہ پر رکھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا حق مانع نہ ہو، کیونکہ اس میں ملکِ رقبہ (غلام کی ملکیت) ضائع ہوتی ہے جبکہ امام کی نظر میں اس کو جزیہ کے ذریعے حالتِ ذمہ پر برقرار رکھنے یا من واحسان کرنے یا فدیہ لے کر آزاد کر دینے میں بڑی مصلحت ہے بخلاف مرتد کے کیونکہ مرتد کو حالتِ ارتداد پر قائم رکھنے کا کوئی

طریقہ نہیں، اور بخلاف بت پرست کے، جب ہم نے اس کو غلام بنانا جائز رکھا تو جزیہ کے ساتھ اسے عہدِ ذمہ پر قائم رکھنے سے مانع اللہ تعالٰی کا حق ہے یعنی اس کا دین ہے اور عہد شکن کا دین عہد شکنی سے پہلے اور بعد یکساں ہے اور عہد شکنی کا ضرر اس شخص کی طرف لوٹتا ہے جو مسلمانوں سے جنگ کرتا ہے اس لیے اس کا معاملہ حاکمِ وقت کے سپرد ہوگا۔

اگر کہا جائے کہ

تم نے خلاف کیوں نہیں نقل کیا کہ اس عہد شکن کا قتل متعین ہے جیسے دیگر عہد شکنوں کا قتل متعین ہے، جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

امام ابوالخطاب کا ارشاد ہے

”جب ہم نے ذمی کا عہد ٹوٹنے کا حکم کیا، تو امام احمد کے ظاہر کلام کی روشنی میں وہ فوراً قتل کیا جائے گا۔

مزید فرمایا

ہمارے شیخ کہتے ہیں اس معاملہ میں امام کو چار باتوں کے درمیان اختیار حاصل ہے، پھر عہد شکن کے متعلق مطلقاً کلام کیا یعنی اس کے بارے میں کوئی شرط یا قید نہیں رکھی، اور اس اطلاق میں ایک گروہِ علماء نے ان کی پیروی کی، اور جن علماء نے اسے (مطلقاً نہیں بلکہ) مقید ذکر کیا انہوں نے یہ قید رکھی کہ اس چیز سے عہد ٹوٹے گا جس میں مسلمانوں کا ضرر ہو، مثلاً ان کے ساتھ قتال کرنا یا اس قسم کی دیگر باتیں۔

اگر ذمی دارِ حرب میں چلے جانے کی وجہ سے عہد شکنی کا مرتکب ہو تو وہ اسیر (قیدی) کی مانند ہے، اس دعویٰ کی تائید امام عبداللہ بن احمد کی روایت سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے پوچھا، عیسائیوں کی ایک قوم نے عہد شکنی کی اور وہ مسلمانوں سے لڑے، ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا، میرے خیال میں ان کی اولاد کو قتل نہ کیا جائے اور ان کو قیدی نہ بنایا جائے مگر ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے“ میں نے سوال کیا اگر ان کے بچے دارالحرب میں پیدا ہوں؟ فرمایا میری سمجھ کے مطابق ان کو قیدی بنایا جائے اور قتل کیا جائے۔“ میں نے دریافت کیا، اگر ان کی اولاد سے کوئی دارالحرب کی طرف بھاگ جائے اور مسلمان اس کو گرفتار کر لیں تو آپ کی رائے میں اس کو غلام بنایا جائے گا؟ فرمایا نہ غلام بنایا جائے گا نہ قتل کیا جائے گا، کیونکہ ان کی اولاد نے عہد شکنی نہیں کی بلکہ بڑوں نے عہد شکنی کی، بچوں کا کیا قصور ہے؟ پس امام رحمتہ اللہ نے ان کے قتل کا حکم دو وجہ سے دیا یا تو مجرد عہد شکنی کی بناء پر یا عہد شکنی اور قتال کی وجہ سے،

ہم کہتے ہیں کہ گزشتہ صفحات میں ہم امام احمد رحمہ اللہ کی یہ نص لکھ چکے ہیں کہ جو شخص عہد شکنی کا مرتکب ہوا اور مسلمانوں سے معرکہ آرائی کرے اس پر حربی کافروں کے احکام جاری ہوں گے، اور جب قید میں آجائے تو اس کا فیصلہ امام (حاکمِ وقت) کی رائے پر مفوض ہے۔

ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ نے نص فرمائی کہ جو شخص عہدِ ذمہ توڑ کر دارِ حرب میں چلا جائے اسے (گرفتاری کے بعد) غلام بنایا جائے گا، ایک اور روایت میں ہے کہ اسے عہدِ ذمہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس لیے جائز نہیں کہ کہا جائے، اس صورت میں امام

احمد کا ظاہری کلام عہد شکن کے قتل کو واجب قرار دیتا ہے" حالانکہ امام نے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے، یہ کیونکر ہو سکتا ہے، اس کے قائلین نے امام احمد کا کلام مسائل شتیٰ میں لیا ہے اور یہ صورت ان سے تعلق نہیں رکھتی ابوالخطاب وغیرہ علماء نے اس صورت کا ذکر نہیں کیا نہ یہ صورت یعنی دارِ حرب میں چلے جانے کی صورت ان کے کلام میں آئی ہے انہوں نے تو اس عہد شکن کا ذکر کیا ہے جو اپنے اوپر لازم شرائط کو ترک کر دے، یا ایسے فعل کا مرتکب ہو جو عہد ذمہ کو توڑ دے جبکہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ عہد شکن کا قتل لازم ہے اور یہی صحیح ہے، پس جو ان علماء کے کلام سے ہر عہد شکن کا حکم عام سمجھے تو دراصل یہ اس کی اپنی فہم کا نتیجہ ہے، علماء کے کلام کا مفہوم نہیں۔

اور جو صاحبِ علم ذمی عہد شکن کے دارِ حرب میں چلے جانے، مسلمانوں کو قتل کرنے اور جزیہ کی ادائیگی کے باز رہنے کا ذکر کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دارِ حرب میں جانے اور دیگر معاملات کے درمیان فرق کرے، جیسا کہ ہم نے امام احمد وغیرہ علماء کی نصوص سے جزیہ نہ دینے والے عہد شکن کے بارے میں بیان کیا۔

ان دونوں عہد شکنوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جس ذمی سے صرف دارِ حرب میں چلے جانے کا جرم پایا جائے تو یہ ایسا جرم نہیں ہے جس سے مسلمانوں کا نقصان ہو اور جس کی پاداش میں عہد شکن کو خصوصی سزا دی جائے اس کا جرم اتنا ہی ہے کہ اس نے وہ عہد چھوڑ دیا جو اس کے اور ہمارے درمیان تھا، اس طرح وہ اس کافر کی طرح ہو گیا جس نے عہدِ ذمہ اختیار نہیں کیا، اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ عنقریب آ رہی ہے۔

دارِ حرب سے لاحق ہونے والا ذمی حربی کافر کی مانند ہے

اس بات سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ جو ذمی دارِ حرب میں چلا جائے وہ حربی ہو جاتا ہے اس کے بعد اس سے جو جرائم بھی سرزد ہوں گے وہ حربی کے جرائم کی مانند ہوں گے، وہ اگر اسلام قبول کرے یا عہدِ ذمہ کی طرف واپس آ جائے تو ان جرائم پر اس کی گرفت نہ ہوگی۔ امام خرقی کا یہی ارشاد ہے کہ جو ذمی عہد شکنی کر کے ہمارے ذمہ سے بھاگ کر دارِ حرب چلا جائے تو وہ حربی ہو جائے گا، اسی طرح جب ذمی دارالسلام میں جزیہ کی ادائیگی یا فرماں برداری نہ کریں اور ان کے پاس ایسی قوت و شوکت ہو جس سے وہ اپنا دفاع کرتے ہوئے لڑیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی لڑائی عہد شکنی کے بعد ہے اور ان کا حکم محاربین کا حکم ہے، اس صورت میں ان کے غلام بنائے جانے والے شخص کا قتل متعین نہیں، بلکہ اس کا فیصلہ امام کی رائے پر موقوف ہے، اس شخص کا غلام بنایا جانا بھی جائز ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تعیین کے ساتھ اس کی نص فرمائی ہے، کیونکہ جس جگہ انہوں نے اپنے دفاع اور حفاظت کا سامان کیا، وہ دارِ حرب کے بمنزلہ تھا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایسا جرم نہیں کیا کہ اس میں ان کی طرف سے ابتداء ہو بلکہ انہوں نے ایک محفوظ مقام میں پناہ لے کر اپنا دفاع کیا اور انہیں علم تھا کہ وہ محاربین ہیں۔

حنبلی علماء میں سے جس نے کہا کہ جس ذمی نے مسلمانوں سے لڑائی کی اس کا قتل متعین ہے اور جو دارِ حرب چلا جائے اس کے معاملہ میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ذمی عہد شکنی کے ظہور سے پہلے مسلمانوں سے لڑے اور جزیہ دینے سے انکار

کرے اس طرح کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں اہلِ حرب کی مدد کرے، اگر وہ قوت وشوکت پالینے کے بعد آمادۂ پیکار ہو یا جزیہ نہ دے تو اس سے وہ کافر حربی کی حیثیت اختیار کرے گا اسی بناء پر ہم نے کہا کہ مرتدین جب انکار وامتناع کے بعد جانی یا مالی نقصان کریں تو چٹی نہیں بھریں گے اور امتناع سے پہلے جو نقصان کریں اس کی تلافی کریں گے، اس فرق کی تفصیل آ رہی ہے۔

عہد شکنوں کی اولاد کا حکم

جہاں تک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے جو عبداللہ بن احمد کی روایت میں آیا ہے، اس سے امام صاحب نے عہد شکن مردوں اور ان کی اولاد کے درمیان فرق مراد لیا ہے تاکہ وضاحت ہو جائے کہ ان کی اولاد کو قتل کرنا جائز نہیں اور عہد شکن مردوں کو حربی کافروں کی طرح قتل کرنا جائز ہے، اسی لیے عہد شکنی کے بعد پیدا ہونے والے بچوں کے بارے میں فرمایا یسبوْن ویقتلون وہ بچے قیدی بنائے جائیں اور قتل کئے جائیں مراد یہ ہے کہ جب چھوٹے ہوں تو قیدی بنائے جائیں اور بڑے ہوں تو قتل کئے جائیں، اور انہیں قتل کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح اصل حربی کافروں کو قتل کرنا جائز ہے، البتہ یہ مراد نہیں لی کہ ان کا قتل متعین اور ضروری ہے کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

نوعِ دوئم:

ذمی جب حاکمِ وقت کے حکم سے انکار نہ کرے تو اس معاملہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا ذمی عہد شکن نہیں، امام صاحب کے نزدیک اہلِ ذمہ اسی وقت عہد شکن ہوتے ہیں جب ان کے پاس قوت وشوکت ہو اور وہ اس قوت وشوکت کے بل پر حاکمِ وقت کا حکم نہ مانیں اور ان پر احکام اسلام کا اجراء ممکن نہ ہو یا وہ دارِ حرب میں رہ جائیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ فرمانبرداری سے انکاری نہ ہوں تو حاکمِ وقت ان پر حدود قائم کرسکتا ہے اور ان سے حقوق لے سکتا ہے، اس صورت میں وہ اپنی ثابت شدہ عصمت سے خارج نہیں ہوتے، جس طرح باغی بلاقوت وشوکت حاکمِ وقت کی طاعت سے نکل جاتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''اہلِ ذمہ کا عہد اسی وقت ٹوٹتا ہے جب وہ عہد شکنی کے مرتکب ہو کر (دارِ حرب کی طرف) نکل جاتے ہیں، اور جزیہ کی ادائیگی روک دیتے ہیں۔''

البتہ ان کے نزدیک گستاخ اور مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کرنے والا ذمی واجب القتل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے عہدِ ذمہ سے متعلق امور کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔

۱- وہ امور جن کا کرنا اہلِ ذمہ پر لازم ہے۔

۲- وہ امور جن کا نہ کرنا ان پر لازم ہے۔

پہلی قسم کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ جب ذمی ان امور کی ادائیگی سے باز رہے جن کا کرنا اس پر واجب ہے مثلاً جزیہ کی ادائیگی یا احکامِ ملت کا اجراء جب مسلمان حاکم ان کا حکم دے تو عہدِ ذمہ بلاتردد ٹوٹ جائے گا۔

جزیہ نہ دینے والے کا حکم

امام احمد رحمہ اللہ جزیہ نہ دینے والے کے معاملہ میں فرماتے ہیں،

''ذمی کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائے اور اس سے بزور جزیہ لیا جائے، نہ دے تو اس کی گردن ماردی جائے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ قتال کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں، اور دینے (یعنی اعطاء) کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء، اور ابتداء التزام وضمان ہے جبکہ انتہاء اس کی کامل ادائیگی ہے، اور صغار (یعنی ذلت) کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے احکام ان پر جاری اور نافذ ہو جائیں، پس جب وہ جزیہ کی کامل ادائیگی نہ کریں گے تو وہ صاغرین (ذلیل) قرار نہیں دیئے جائیں گے، اس طرح حکم جہاد وقتال کی غرض وغایت (یعنی صغار وذلت) ختم ہو جائے گی، اور قتال کا حکم لوٹ آئے گا۔

اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اہل ذمہ کے خون کی حفاظت جزیہ کی ادائیگی اور احکام اسلام کے نفاذ کے التزام سے ثابت ولازم ہوئی، تو جب وہ ان امور کی بجا آوری سے باز رہے اور مخالفت پر اتر آئے تو اس مسلمان کی طرح ہو گئے جس کا خون اسلام کی وجہ سے محفوظ تھا مگر اس نے کفری کلمہ کہہ کر ارتداد کیا، (اور اس کے خون کی حرمت جاتی رہی)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ضروری ہے کہ ذمی ایسی وجہ پر ادائے جزیہ سے باز رہے جس کی اس وجہ پر ادائیگی ممکن نہ ہو مثلاً بدنی حق سے باز رہے اور اس کی طرف سے اس کی ادائیگی نیابتاً بھی ممکن نہ ہو یا ادائے جزیہ سے انکار کرے تو اس کا وہی حکم ہے جو نماز یا زکوٰۃ کے منکر مسلمان کا ہے، اگر حاکم وقت اس سے جنگ کرے تو عہد شکنی کا یہی انجام ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ کے انکار پر منکر سے جنگ کرنا ضروری ہے۔

ذمی کے لیے واجب الترک امور

<u>دوسری قسم:</u>

ذمی کے لیے واجب الترک امور کی دو نوعیں ہیں۔

۱-وہ امور جن میں مسلمانوں کا ضرر ہو۔

۲-وہ امور جن میں مسلمانوں کے لیے ضرر نہ ہو۔

۱-جس میں مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان ہو مثلاً ذمی کسی مسلمان کو قتل کر دے، یا راہ زنی کرے یا جنگ میں مسلمانوں کے خلاف مدد دے یا دشمن کے لیے تحریری یا زبانی جاسوسی کرے یا دشمن کے کسی جاسوس کو پناہ دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یا نکاح کے نام پر اس سے مجامعت کرے۔

۲-دوسری قسم: جس میں مسلمانوں کے لیے اذیت وذلت ہو مثلاً ذمی اللہ تعالیٰ، یا کتاب اللہ یا رسول اللہ ﷺ یا دین

حق کا برائی کے ساتھ ذکر کرے۔

۲- دوسری نوع جس میں مسلمانوں کا ضرر نہ ہو مثلاً اہلِ ذمہ کا دینی شعائر یعنی ناقوس اور کتاب وغیرہ کا بلند آواز میں بجانا اور پڑھنا۔ اسی طرح لباس وغیرہ میں مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرنا، اس سلسلہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کے ساتھ عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا۔

پھر ذمی جب اسلام کے زیر دست ہوتے ہوئے کسی قسم کی عہد شکنی کا مرتکب ہو مثلاً مسلمان عورت سے زنا کرے، یا کافروں کے لیے جاسوسی کرے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منصوص حکم کے مطابق قتل کیا جائے گا امام احمد، حنبل کی روایت میں فرماتے ہیں،

''جو کوئی عہدِ ذمہ توڑے یا اسلام میں کوئی مصیبت کھڑی کرے مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، تو میرے نظریے کے مطابق اس کو قتل کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر ان کے ساتھ عہدِ ذمہ نہیں کیا گیا''

اس طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص فرما دی کہ جو کوئی عہد توڑے اور ایسی خرابی لائے جس سے عہد شکنی ہوتی ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا، اس سے قبل نصوص گزر چکی ہیں کہ جس سے صرف انکار و امتناع کے ذریعے عہد شکنی کا جرم پایا جائے تو وہ حربی کافر کی مانند ہے۔

آپ نے متعدد مقامات پر فرمایا کہ ذمی مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو قتل کیا جائے گا کیونکہ اہلِ ذمہ کے ساتھ اس قسم کی باتوں پر مصالحت نہیں کی گئی، عورت اگر اس جرم میں راضی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اور اگر اس کو مجبور کیا گیا تو اس کے لیے سزا نہیں۔

آپ نے مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرنے والے یہودی کے معاملہ میں فرمایا ''قتل کیا جائے'' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی لایا گیا جس نے ایک مسلمان عورت کے ساتھ دست درازی کی پھر اس کے ساتھ زناء کیا، تو آپ نے اس کو قتل کر دیا، پس زنا عہد شکنی سے بڑا جرم ہے، امام احمد سے پوچھا گیا ایک نصرانی غلام مسلمان عورت سے زنا کا مرتکب ہوا، فرمایا اس کو بھی قتل کیا جائے خواہ وہ غلام ہو۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں،

''مجوسی مسلمان عورت سے بدکاری کرے تو قتل کیا جائے کیونکہ اس جرم کی وجہ سے اس نے عہد شکنی کی، یونہی کوئی کتابی اس جرم کا ارتکاب کرے تو وہ بھی واجب القتل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان عورت سے بدکاری کرنے والے یہودی کو پھانسی دی کیونکہ ایسا جرم عہد شکنی ہے، پوچھا گیا کیا آپ کی رائے میں قتل کے ساتھ پھانسی کی سزا بھی ہے؟ فرمایا، اگر کوئی شخص حدیثِ عمر پر عمل کرے تو اس پر الزام نہیں۔

مہنا کہتے ہیں، میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہودی یا نصرانی، جس نے کسی مسلمان عورت سے بدکاری کی، کے متعلق سوال کیا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو فرمایا ''قتل کیا جائے'' میں نے سوال دہرایا تو پھر یہی جواب دیا۔ میں نے عرض کیا ''لوگ تو کچھ اور کہتے ہیں'' فرمایا، لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ وہ حد قرار دیتے ہیں، فرمایا نہیں، بلکہ وہ قتل کیا جائے گا۔ میں نے عرض

کیا، اس معاملہ میں کوئی ماثور روایت ہے؟ فرمایا ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے ذمی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ایک اور جماعتِ علماء سے مروی ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان عورت سے بدکاری کرنے والے ذمی کے معاملہ میں فرمایا کہ اس کو قتل کیا جائے گا، پوچھا گیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے" فرمایا پھر بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ سزا اس پر واجب ہو چکی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذمی بدکار کو ہر حال میں واجب القتل قرار دیا، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اور اسے قتل کرنا ضروری ہے خواہ اسلام قبول کرے، اس پر زنا کی حد، جس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی تفریق روا رکھی جاتی ہے، قائم نہیں کی جائے گی، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو خالد الحذاء نے بطریق شعبی از عوف بن مالک روایت کیا کہ ایک شخص نے مسلمان عورت کے ساتھ ناشائستہ حرکت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا، امام مروزی بحوالہ مجالد از شعبی از سوید بن غفلہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک ذمی نے شام میں ایک مسلمان عورت کے ساتھ شرارت کی، وہ گدھے پر سوار تھی، اس ذمی نے اس کو گرا دیا اور اپنے آپ کو اس پر ڈال دیا، حضرت عوف بن مالک کی نظر پڑی تو اس شخص کو مار مار کر لہولہان کر دیا، وہ عوف کی شکایت لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ماجرا بیان کیا، آپ نے تحقیقِ حال کے لیے اس عورت کو بلا بھیجا تو اس نے حضرت عوف کی تصدیق کی، آپ نے فرمایا ہماری بہن نے شہادت دے دی ہے، پھر اس ذمی کو سولی چڑھا دیا، راوی کہتے ہیں، عہدِ اسلام میں یہ پہلا شخص ہے جس کو سولی چڑھایا گیا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرو، اور اہلِ ذمہ پر ظلم نہ کرو، مگر جو شخص اس قسم کا جرم کرے گا اس کا کوئی ذمہ نہیں۔ سیف نے "فتوح" میں اس قصہ کو حضرت عوف بن مالک سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا انہوں نے بیان کیا کہ گدھے نے عورت کو پچھاڑ دیا اور نبطی نے عورت کے ساتھ زنا کی کوشش کی تو عورت نے شدید مزاحمت کی اور مدد کے لیے آواز دی، عوف کا کہنا ہے کہ میں لاٹھی لے کر اس نبطی کے پیچھے گیا اور اس کو پا کر اس کے سر پر شدید ضرب لگائی، اور گھر واپس آ گیا، اسی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبطی سے فرمایا "مجھے صحیح صحیح بتا، تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جاسوس کے معاملہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ ذمی ہو تو جاسوسی کی وجہ سے نقضِ عہد کا مرتکب ہوا، اس لیے واجب القتل ہے۔

راہب کے بارے میں فرمایا "اس کو قتل نہ کیا جائے نہ اس کو اذیت دی جائے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز پوچھی جائے، البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں دشمنوں کو بتاتا ہے تو اس صورت میں اس کا خون حلال ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر نص فرمائی ہے کہ جو ذمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے کر عہد شکنی کرے وہ واجب القتل ہے۔

پھر اس کے بعد ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے، قاضی حسین اور ان کے اکثر اصحاب مثلاً ان کے باپ ابوالحسین، شریف ابوجعفر، ابوالمواہب عکبری اور ابنِ عقیل وغیرہ علماء فرماتے ہیں:

"جو ان امور کی خلاف ورزی کر کے عہد شکنی کرے اس کا حکم اسیر (قیدی) کا ہے، اس کے معاملہ میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے،

اسے قتل کرے، اس پر احسان کر کے چھوڑ دے، غلام بنالے یا فدیہ لے کر آزاد کردے، البتہ حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان چاروں صورتوں میں سے جو مسلمانوں کے لیے بہتر ہو وہ اختیار کرے، قاضی مجرد میں فرماتے ہیں، ''جب ہم کہتے ہیں کہ ذمی نے عہد شکنی کی تو ہم اس سے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ عقدِ ذمہ اسی شرط پر ہوا تھا کہ اس پر ہمارے احکام نافذ ہوں گے،'' (اور خلاف ورزی کی صورت میں قتل حد اور تعزیر کی سزا ہوگی) اور یہ ہمارے احکام ہیں، مطالبہ کی عدم تکمیل پر حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اسے قتل کرے یا غلام بنالے، اسے جائے امن کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا، کیونکہ ان افعال کے ارتکاب سے اس نے عہد شکنی کا جرم کیا، اور عہد شکنی کی وجہ سے وہ (ذمی سے) پہلے کی حالت پر آ گیا (اور حربی ہوگیا) گویا غیر ذمی عیسائی ہو جو دارالسلام میں پکڑا جائے۔

اس کے بعد قاضی نے خلاف میں فرمایا

''عہد شکن کا حکم اسیر حربی کا ہے، اس کے معاملہ میں حاکم وقت کو چار باتوں کا اختیار ہے۔''

۱-قتل ۲-استرقاق (غلام بنانا)

۳- من احسان کر دینا ۴-فداء فدیہ لے کر آزاد کر دینا

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسیر کے بارے میں ان چار باتوں کی نص فرمائی ہے اور اس پر اسیر (قیدی) کا حکم اس لیے ہے کہ وہ کافر ہے اور بغیر امام کے ہماری گرفت میں آیا ہے۔

قاضی نے مزید فرمایا

''امام احمد رحمہ اللہ کے اس ارشاد کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ جب حاکم وقت اس کو قرین مصلحت سمجھے۔''

قاضی نے خلاف میں گستاخ رسول ﷺ کا استثناء کیا اور کہا کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، اور حتمی طور پر اس کو قتل کیا جائے، حاکم وقت کو اس کے قتل یا عدم قتل کا اختیار نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا قذف حق میت ہے اس لیے توبہ سے ساقط نہ ہوگا۔

کبھی ان اہلِ ذمہ کے لیے امام احمد کے کلام کے عموم اور تعلیل سے اس مذہب پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اہلِ ذمہ کے ایک گروہ نے عہد شکنی کی اور اپنے بچوں کو لے کر دارِ حرب کی طرف نکل گئے حاکم وقت نے ان کے تعاقب میں فوجی بھیجے جنہوں نے انہیں جالیا اور ان کے ساتھ جنگ کی، امام فرماتے ہیں، اس صورت میں ان کے بالغ آدمی پر اہلِ حرب کے احکام جاری ہوں گے، قید ہونے پر ان کا معاملہ حاکم وقت کی رائے پر موقوف ہوگا، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ امام مصلحت دیکھے تو ان کو ذمہ کی طرف لوٹا سکتا ہے، جس طرح وہ حربی اصلی کے ساتھ یہی معاملہ کر سکتا ہے۔

یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے فی الجملہ صحیح قول ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جو شخص اہلِ ذمہ میں سے عہد شکنی کا مرتکب ہو تو اس کو اس کی جائے امن یعنی دارِ حرب کی طرف لوٹا دیا جائے، پھر بعض شافعی علماء نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں جرمِ گستاخی کا استثناء کیا، اور اس جرم کو حتمی طور پر موجب قتل ٹھہرایا، بعض علماء نے حکم قتل کو عام رکھا، جہاں تک امام شافعی کا اپنا ارشاد ہے وہ کتاب الدم میں فرماتے ہیں:

''جب امام (حاکمِ وقت) کافروں کے ساتھ جزیہ پر صلح کرنا چاہے تو کچھ شرائط کو ضبط تحریر میں لے آئے'' بعدازاں ان شرائط کا ذکر کرنے کے بعد ایک شرط لکھتے ہیں۔

''اگر تم (اہلِ ذمہ) میں سے کسی نے محمد رسول اللہ ﷺ، قرآنِ مجید یا دینِ اسلام کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کیے تو اس سے اللہ تعالیٰ پھر امیر المؤمنین (حاکمِ وقت) کا ذمہ ختم ہو جائے گا، اور اسے دی ہوئی امان ٹوٹ جائے گی، اور اہلِ حرب اور تمام مسلمانوں کی طرح اس کا خون اور مال امیر المؤمنین کے لیے حلال ہو جائے گا۔''

اگر کسی ذمی نے مسلمان عورت سے زنا کیا یا نکاح کے نام پر اس سے مجامعت کی، یا راہ زنی کی یا کسی مسلمان کو دین سے برگشتہ کیا، یا دشمنانِ اسلام کی جنگ میں اعانت کی یا مسلمانوں کے راز بتائے یا ان کے جاسوسوں کو پناہ دی، تو عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا، اور اس ذمی کا خون اور مال مباح ہو جائے گا، اور اگر ذمی نے اس سے کم تر جرائم کا ارتکاب کیا تو جرم کی نوعیت کے مطابق شرعی حکم نافذ ہوگا۔

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا

''یہ لازمی شرائط ہیں اگر ذمی ان پر راضی ہو جائے تو ٹھیک ہے اگر ان سے اتفاق نہ کرے تو اس کے لیے کوئی معاہدہ نہیں، نہ جزیہ ہے۔

مزید فرمایا

''ان میں سے کسی نے کسی ایسے قول یا فعل کا ارتکاب کیا جو عہد شکنی کا باعث ہو اور ساتھ ہی اسلام بھی لے آیا تو عہد شکن قول کی وجہ سے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا یونہی اس کے ایسے فعل پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ اس کا فعل مسلمانوں کے دینی معاملات سے تعلق رکھتا ہو جس کی رو سے اسے بطور حد یا قصاص قتل کیا جائے گا، عہد شکنی کے باعث قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی قول یا فعل کا مرتکب ہو جو شرائطِ معاہدہ کی رو سے عہد شکنی کا باعث ہو پھر وہ اسلام بھی قبول نہ کرے بلکہ کہے یہ میں توبہ کرتا ہوں اور پہلے کی طرح جزیہ دیتا ہوں یا معاہدہ صلح کی تجدید کرتا ہوں'' تو اس صورت میں اس کو سزا دی جائے گی قتل نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ اس نے ایسا فعل بجالایا ہو جو موجب قصاص یا حد ہو، جہاں تک اس قول یا فعل کا تعلق ہے جو اس جرم سے کم درجے کا ہے تو اس پر سزا ہے، قتل کا حکم نہیں۔''

''اگر ذمی ایسے قول یا فعل کا ارتکاب کرے جن کی ممانعت معاہدہ میں مذکور ہو اور خلاف ورزی پر خون کے حلال ہونے کی شرط موجود ہو، پھر وہ قابو آ جائے اور یہ نہ کہے کہ ''میں اسلام قبول کرتا ہوں یا جزیہ دیتا ہوں'' تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مال مالِ فئے قرار دے کر چھین لیا جائے گا'' اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ ذمی اسلام قبول نہ کرے یا ذمہ کی طرف نہ لوٹے تو واجب القتل ہے۔

ابو الخطاب ''ہدایہ'' میں اور امام حلوانی اور بہت سے متاخرین حنابلہ نصوصِ امام احمد رحمہ اللہ کو اپنی حالت پر رکھنے میں متقدمین کے نقش قدم پر چلے ہیں، اور یہی صحیح ہے کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرنے والے ذمی کے قتل پر نص فرمائی حتیٰ کہ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی یہی حکم ہے اور اس جرم کو عہد شکنی کر کے دارِ حرب چلے جانے سے بڑا جرم قرار دیا، پھر یہاں یہ بھی

نص فرمائی کہ ایسے ذمی کا معاملہ حاکمِ وقت کی رائے پر مفوض ہے، جس طرح اسیر (قیدی) کا معاملہ ہے، وہ اس کو قتل کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن مذکورہ بالا نصوص میں غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ تخییر کا قول امام کی ان نصوص کے مخالف ہے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تعلق ہے ان کا اس اصول کے ساتھ اتفاق نہیں، ان کے نزدیک اہلِ ذمہ کا عہد اسی صورت میں ٹوٹتا ہے، جب وہ قوت وشوکت کے مالک ہوں، اور حاکمِ وقت کی فرمانبرداری سے انکار کردیں اوران پر اسلامی حکومت کے احکام کا نفاذ ممکن نہ ہو۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ ذمہ کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا، بجز اس کے وہ معاہدہ میں طے شدہ معاملات کی ادائیگی سے باز رہیں اور جزیہ نہ دیں یا دارِ حرب میں چلے جائیں، لیکن امام مالک گستاخِ رسول (ﷺ) کو واجب القتل قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ذمی جب مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کرے تو واجب القتل ہے، بشرطیکہ مسلمان عورت آزاد عورت ہو، اگر لونڈی ہو تو اس ذمی کو سخت سزا دی جائے گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے کہ وہ ان ذمیوں کو واجب القتل قرار دیتے ہیں جن کے افعال مسلمانوں کے لیے باعثِ ضرر ہوں اس لیے جس نے یہ کہا کہ اس ذمی کو مامن (جائے امن) کی طرف لوٹا دیا جائے کیونکہ اس کو دارالسلام میں امان حاصل ہو چکی اور اس بناء پر اس کو قتل کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو مامن (جائے امن) کی طرف لوٹا دیا جائے" تو اس کا نکتۂ نگاہ بہت کمزور ہے، کیونکہ اس معاملہ میں صریح نص کتاب ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

اگر وہ معاہدہ کے بعد عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر معترض ہوں تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑائی کرو ان کا کوئی عہد نہیں، شاید وہ باز آ جائیں کیا تم عہد شکن لوگوں سے نہیں لڑو گے؟

(التوبۃ: ۱۲، ۱۳)

یہ آیتِ کریمہ اگرچہ اہلِ ہدنہ کے حق میں نازل ہوئی مگر اس کا لفظی اور معنوی عموم ہر ذی عہد کو شامل ہے (جیسا کہ پوشیدہ نہیں) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ جہاں یہ لوگ ہاتھ آئیں ان سے قتال کیا جائے تو یہ مامن اور غیر مامن دونوں کے لیے عام ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے قتال کیا جائے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے پر آمادہ ہوں پھر جب (اس کی برعکس صورت ہو یعنی) وہ جزیہ نہ دیں یا ذلیل اور پست نہ ہوں تو مفہوم آیت کی روشنی میں ان سے بلاشرط قتال کرنا جائز ہے، خود نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جنہوں نے کعب بن اشرف کے قتل کی صبح آپ کو دیکھا تھا حالانکہ وہ معاہدین تھے" آپ ﷺ نے ان کو ان کے مامن (جائے امن یعنی دارِ حرب) کی طرف واپس نہیں کیا۔

یونہی جب بنوقریظہ نے عہد شکنی کی تو آپ ﷺ نے ان سے قتال کیا، انہیں قیدی بنایا اور مامن کی طرف نہیں لوٹایا۔

کعب بن اشرف کو بھی منصوبہ بندی کے ساتھ قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے محسوس نہیں ہونے دیا کہ آپ اس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں، چہ جائیکہ اس کو مامن کی طرف لوٹا دیں، اسی طرح بنونضیر کو اس شرط پر جلاوطن کیا کہ وہ کوئی چیز لے کر نہ جائیں سوائے

اس کے کہ جوان کے اونٹ اٹھا سکیں یہ ان کو ان کے مأمن تک پہنچانے کے مترادف نہیں، کیونکہ مأمن تک پہنچنے کا یہ مطلب ہے کہ وہاں اس کی جان اور اہل و مال محفوظ ہو جائیں۔

سلام بن ابی الحقیق اور دیگر یہودیوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ جب انہوں نے عہد شکنی کی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں خیبر کے مقام پر قتل کیا اور جائے امن تک پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ (اصحاب رسول اللہ ﷺ) نے اس عیسائی کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا جس نے ایک مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کی کوشش کی تھی، اور کسی صحابی نے اس طرز عمل پر نکیر نہ کی، اس طرح یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا، کیونکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عیسائی کو مأمن (جائے امن) کی طرف واپس نہ کیا۔

اس نکتۂ نگاہ کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طے پانے والی شرائط میں ایک شق یہ تھی۔

''اگر ہم نے کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد ذمہ برقرار نہیں رہے گا اور تمہارے لیے وہ کچھ جائز ہو جائے گا جو اہل عناد اور اہل خلاف کے خلاف تمہارے لیے حلال و جائز ہے۔''

اس روایت کو حرب نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا، اور اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام مثل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید وغیرہم رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے گزر چکا کہ انہوں نے عہد شکنوں کو قتل کیا یا قتل کرنے کا حکم دیا، اور ان کو مأمن (دار حرب) نہیں پہنچایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد شکن کا خون مباح ہے، جو عہد ذمہ کے باعث معصوم ہوتا ہے پھر جب عہد ذمہ اٹھ جاتا ہے تو وہ اباحت کی حالت پر آ جاتا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ کافر جب دار السلام میں بغیر امان کے داخل ہو اور ہمارے ہتھے چڑھے تو دار السلام میں اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

جہاں تک اس کافر کا تعلق ہے جو چھوٹے بچے کی امان کے ساتھ دار اسلام میں آیا تو اس کو بھی امان حاصل ہو گئی وجہ یہ ہے کہ وہ بچے کی امان کے ساتھ اپنے آپ کو مستأمن سمجھنے لگتا ہے تو یہ شبہ امان کی صورت ہوئی، اور اس سے اسے قتل کرنا ممنوع ٹھہرا، اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شرم گاہ کو حلال سمجھتے ہوئے وطی کر لے تو اس پر حد لاگو نہیں ہوگی۔ یونہی اس کا دار السلام میں داخل ہونا تفریط کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

جہاں تک عہد شکن کا معاملہ ہے اس کو امان حاصل نہ رہی نہ ہی شبہ امان کی صورت بنی، کیونکہ مجرد دار السلام میں آ جانا شبہ امان کا باعث نہیں بلکہ ایسے عمل پر اقدام کرنے والا ہے جو کہ عہد شکنی کا باعث ہو اور یہ جانتا بھی ہے کہ ہم نے اس کے ساتھ اس معاملہ پر صلح و مصالحت نہیں کی، پھر اس کے لیے کیا عذر ہے کہ اس کا خون محفوظ رکھا جائے اور اسے حفاظت کے ساتھ دار حرب میں پہنچایا جائے؟ ہاں اگر وہ عہد شکنی کا کوئی ایسا کام کرے جس کو ہمارے لیے باعث ضرر نہ سمجھتا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ، قرآن حکیم یا نبی اکرم ﷺ کو ایسے الفاظ سے یاد کرے جو اس کے گمان میں ہمارے نزدیک جائز ہیں تو اس کو معذور قرار دیا جائے گا، اس سے عہد شکنی لازم نہیں آئے گی اس طرح کا طرز عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسطنطین کے ایک عیسائی کے ساتھ اختیار فرمایا۔

جہاں تک ان فقہائے اسلام کا تعلق ہے جو عہد شکن ذمی کو اسیر حربی کی مانند قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کافر حلال الدم ہے جو ہمارے ہاتھ آ گیا اور جس شخص کی ایسی صورت ہو، وہ قیدی ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کو قتل کریں گے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا، ہم اس پر احسان بھی کر سکتے ہیں جس طرح نبی اکرم ﷺ نے ثمامہ بن اثال حنفی اور ابوعزہ جحمی کے ساتھ کیا ہم اس سے فدیہ لے کر اس کو چھوڑ بھی سکتے ہیں جس طرح نبی اکرم ﷺ نے عقیل وغیرہ سے فدیہ لیا، ہمارے پاس اس کو غلام بنانے کا بھی اختیار ہے جس طرح مسلمانوں نے بہت سے قیدیوں کو غلام بنایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلؤہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ممالیک (غلام) اس دعویٰ کی مثال ہیں۔

جہاں تک قیدی کو اسیر بنانے اور غلام بنا لینے کا معاملہ ہے میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ احسان کر کے یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہے؟ مگر عہد شکن ذمی کا حکم جدا ہے، کیونکہ جب وہ عہد شکنی کا مرتکب ہوگا تو اپنی پہلی حالت (یعنی کافر حربی ہونے) پر آ جائے گا۔ اور حربی کافر جو عہد ذمہ میں نہ ہو، اور قابو میں آ جائے تو اس کو قتل کرنا اور غلام بنانا جائز ہے، وجہ یہ ہے کہ اس نے عہد شکنی کی تو اس کو قتل کرنا اور غلام بنانا جائز ٹھہرا در اصل وہ اس ذمی کی مانند ہو گیا جو عہد شکنی کر کے دار حرب چلا گیا ہو، یا اس محارب کی طرح جو گرفتار ہو جائے، بلکہ عہد شکن کو قتل کرنا یا غلام بنانا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا، جس پر سب علماء کا اتفاق ہے، اس اعتبار سے یہ سخت جرم قرار پایا۔ پھر جب اسیر میں ایسا حکم جاری کرنا جائز ہے تو عہد شکن پر لاگو کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے، ہاں جب وہ کسی ایسے فعل سے عہد شکنی کا مرتکب ہوتا ہے جس کی مخصوص سزا ہے مثلاً وہ کسی مسلمان کو قتل کر دے، یا راہزنی کرے تو اس پر اس جرم کی حد جاری کی جائے گی، خواہ قتل کی حد ہو یا کوڑوں کی پھر اگر حد کے نفاذ کے بعد زندہ رہے تو اس حربی کی طرح ہو گیا جس پر حد لاگو نہیں ہوتی۔

جو علماء نبی اکرم ﷺ کی توہین اور دیگر عہد شکنیوں کے درمیان فرق کرتے ہیں تو ان کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اس معاملہ سے نبی اکرم ﷺ کا حق متعلق ہے اور آپ ﷺ نے (بوجہ وصال) گستاخ کو معاف نہیں کیا اس لیے گستاخ کو صرف غلام بنا لینے یا اس کی طرف سے توبہ کر لینے سے حق رسول ﷺ ساقط کرنا جائز نہیں، جیسا کہ دوسروں کا حق ان کے ساقط کر دینے سے ساقط ہو جاتا ہے۔

جن علماء کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ عہد شکن ذمی کا قتل لازم ہے جب اس کی عہد شکنی سے مسلمانوں کو نقصان ہو، نہ کہ مجرد دار حرب میں چلے جانا اور وظیفۂ ذمہ سے باز رہنا (اس سے مسلمانوں کا ذاتی نقصان کچھ نہیں) اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (توبہ: ۱۲، ۱۳)

اور اگر وہ معاہدہ کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر اعتراض کریں تو کفر کے ان سرغنوں سے لڑو ان کے کوئی پیمان نہیں شاید وہ ان بدعہدیوں سے باز آ جائیں، کیا تم اس گروہ سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو (شہر مکہ) سے نکالنے کا ارادہ کیا اور وہ اس سلسلہ میں پہل بھی کر چکے ہیں۔

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ:۱۴) ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور اہلِ ایمان کے سینوں کو شفا دے گا۔

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عہد شکنی کرنے والے اور دینِ اسلام پر اعتراض کرنے والے ذمیوں کے ساتھ لڑائی واجب قرار دی، اور یہ معلوم ہے کہ صرف عہد شکنی سے لڑائی لازم ہو جاتی ہے جو عہدِ ذمہ سے پہلے واجب اور زیادہ مؤکد تھی پس ضروری ہے کہ عہد شکنی اور دین پر اعتراض کے باعث اس تاکید میں اور شدت پیدا ہو جائے، یہ اس لیے کہ جب مصلحت کا تقاضا ہو تو کافر غیر معاہد سے جنگ نہ کرنا جائز ہے تو اسے غلام بنانا بھی جائز ہے، بخلاف اس صورت کے کہ وہ عہد شکنی کرے اور دینِ اسلام پر معترض ہو تو اس جرم پر اس کے ساتھ توبہ کا مطالبہ کئے بغیر جنگ کرنا واجب ہے اور اصول یہ ہے کہ جس گروہ کے خلاف بلا استثناء قتل جنگ کرنا واجب ہو اور اس کے افراد کا خون مباح ہو تو اس کے کسی شخص کو ایسے جرم کی پاداش میں قتل کرنا واجب ہے، جو ہمارے قابو میں ہو مثلاً وہ ارتداد، قتال اور زنا وغیرہ کا ارتکاب کرے تو واجب القتل ہے بخلاف جرم بغاوت کے کہ اس سے پورے گروہ کا قتل جائز نہیں بجز اس کے کہ وہ سر اطاعت خم کرنے سے باز رہے، یہی حکم ہے اس کفر کا جو عہدِ ذمہ سے خالی ہو اور ایسے کفار کا قتل جائز ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ ۔(توبہ:۱۴) اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے کر انہیں رسوا کرے گا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اس کی صورت نہیں بنتی جب تک ان کو قتل نہ کیا جائے، اور یہ انتقام احسان، فدیہ اور استرقاق (غلام بنانے) سے پورا نہیں ہوتا، ہاں آیتِ کریمہ میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ عہد شکن اور سرتاب گروہ کو سزا دینے اور رسوا کرنے کے بعد ان کی توبہ قبول کرے کیونکہ ان کی سزا اور رسوائی آئندہ ان کو عہد شکنی اور دین پر اعتراض سے روک دے گی، جہاں تک فردِ واحد کا تعلق ہے جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے وہ ایسے جرم کے ارتکاب سے باز نہیں آئے گا۔

ہمارے اس نکتۂ نگاہ کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بنی قریظہ کو قیدی بنایا تو جنگ کرنے والوں کو قتل کیا اور بچوں کو غلام بنا لیا، سوائے ایک عورت کے جس نے قلعہ کے اوپر سے ایک مسلمان پر چکی ڈال کر اس کو شہید کر دیا، اس عورت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گفتگو بہت مشہور ہے، اس لحاظ سے نبی اکرم ﷺ نے عہد شکنوں اور مسلمانوں کو اذیت دینے والوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو جس ذمی معاہد کی اطلاع ملتی کہ اس نے مسلمانوں کو اذیت دی تو اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے، حالانکہ آپ نے عہد شکنوں میں سے بہت سوں کو جلا وطن کیا اور بکثرت عہد شکنوں پر احسان کیا۔

اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ نے شامی کافروں کے ساتھ معاہدہ کیا تو انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا جس کے باعث صحابہ کرام نے ان سے جنگ کی پھر ان سے دو یا تین بار معاہدہ کیا اہلِ مصر کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا، اس کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کو اذیت دینے والے ذمی کافر پر قابو پا کر اسے قتل کیا اور اس طرح کے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس سے معلوم

ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں طرح کے لوگوں کے درمیان فرق کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقیس بن حبابہ اور عبداللہ بن اخطل اور ان جیسے مرتدین کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کے جرمِ ارتداد کے ساتھ مسلمان کو قتل کرنے اور دیگر اذیتوں کے جرائم کو جمع فرمایا مع ہذا عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بہت سے لوگوں نے ارتداد کیا اور مسلمانوں کو قتل کیا مثلاً طلیحہ اسدی نے عکاشہ بن محصن وغیرہ کو قتل کیا مگر ان میں سے کسی سے قصاص نہیں لیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مرتد سے قبل از امتناع کے جرائم پر گرفت ہوتی ہے اور بعد از امتناع کے جرائم پر گرفت نہیں کی جاتی۔'' یہی حکم عہد شکن ذمی کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد اور عہد شکن دونوں اس ضمانت سے نکل جاتے ہیں جس کی بدولت ان کا خون معصوم ٹھہرایا گیا، مرتد نے ایمان شکنی کی اور ناقضِ عہد نے پیمان شکنی، اس مسئلہ پر علماء کا اگرچہ اختلاف ہے مگر ہم نے اس اصول پر قیاس کیا جو سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مرتد جب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کا خون معصوم ہو جاتا ہے سوائے حد کے کہ وہ مسلمان کے قتل سے واجب القتل ہوگا، اور ذمی معاہد مسلمانوں کے لیے ضرر رساں جرائم کی پاداش میں قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ عہد شکنی کے باعث مباح الدم ہو جاتا ہے اور کوئی چیز اسے دوبارہ معصوم الدم نہیں بناتی، اور وہ حربی کافر کی مانند ہو جاتا ہے جسے بشدت قتل کرنا ضروری ہے اس کی وضاحت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں حربی کافر جب مسلمانوں کو اذیت دیتا اور ضرر پہنچاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بطورِ سزا قتل کر دیتے اور اس پر قابو پانے کے بعد من واحسان سے کام نہ لیتے تو یہ ذمی کافر جس نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو اذیت دی اس سزا کا زیادہ حق دار ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعزہ جمحی پر احسان کیا (اور اسے چھوڑ دیا) تو اس نے معاہدہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدد نہیں کرے گا بعد ازاں عہد شکنی پر اتر آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قدرت پا کر اس کو گرفت میں لے لیا، اس نے من واحسان کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا

لا تمسح سبلاتك بمكة — اب یہ نہیں ہوگا کہ تو مکہ میں مونچھوں کو تاؤ دے۔

اور کہے

''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوبار مذاق کیا۔''

پھر فرمایا

''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جب ابوعزہ جمحی نے عہد شکنی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر من واحسان کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ اس نے معاہدہ کے بعد ضرر رسانی اختیار کی، اسی طرح جب ذمی مسلمانوں کو اذیت نہ دینے کا عہد کرے پھر ان کو اذیت دے اور مسلمان اس کو کھلا چھوڑ دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبار ڈسے جائیں گے اور مشرک ان سے کہے گا کہ ''میں نے ان سے دوبار تمسخر کیا ہے۔''

ذمی جب عہد شکنی کر کے دارِ حرب چلا جائے مگر مسلمانوں کے ضرر سے باز رہے تو اس صورت میں اس نے صرف عہد ذمہ کو

توڑا اور حربی اصلی کافر کی مانند ہوگیا، اگر وہ ایسے افعال کا ارتکاب کرے جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہوں مثلاً وہ مسلمانوں سے لڑائی کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یا رہزنی کرے یا کسی کو گرفتار کرے یا اس قسم کا کوئی اور کام کرے تو اس کا قتل متعین ہوگیا، کیونکہ اگر اس کو قتل کی سزا نہ ملی تو اس قسم کے مفاسد سزا سے خالی رہ جائیں گے اور حدود میں تعطل آ جائے گا، اور ایسے جرائم سے درگزر کرنا مسلمان کے حق میں جائز نہیں تو کافر ذمی کے حق میں تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں، اور اس پر صرف حد قائم کرنا جس طرح دیگر اہلِ ذمہ پر قائم کی جاتی ہے، جائز نہیں کیونکہ یہ اس جرم سے حربی ہوگیا، اور حربی پر سوائے قتل کے اور کوئی حد قائم نہیں کی جاتی، اس طرح اس کا واجب القتل ہونا ثابت ہوگیا اس معاملہ میں وہ اس قیدی کی طرح ہوگیا جس کو قتل کرنا تقاضائے مصلحت ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر وہ ہاتھوں سے نکل گیا تو اس کا مسلمانوں کے لیے ضرر اس کے قتل سے بڑھ کر ضرر ہوگا اس صورت میں اس پر من و احسان کرنا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا بالاتفاق جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہاں چار ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، قتل کرنا، من و احسان کر کے چھوڑ دینا، غلام بنالینا یا فدیہ لے کر آزاد کر دینا۔

غلام بنانے سے یہ مراد ہے کہ اس سے پہلے کی طرح جزیہ لے کر اسے عہدِ ذمہ پر باقی رکھا جائے، اور اس کی حیثیت بمنزلہ غلام کے ہوگی اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مسلمان کے معاملہ میں کہا، جس نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا، کہ

''کیا آپ اپنے ایک بھائی سے اپنے ایک غلام کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔''

بلکہ بسا اوقات اس کو ذمی بنانے سے غلام بنانا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے جبکہ اس جیسے ذمی کو غلام بنانے سے اس کے انجام کار کا بھروسہ نہیں ہوتا۔

جہاں تک من و احسان اور فدیہ کا تعلق ہے تو اس میں مفسدہ اور خرابی زیادہ ہے، اور اس عہد شکن کو عہدِ ذمہ کی طرف لوٹانا سزا کو کلی طور پر چھوڑ دینے کے برابر ہے اس سے ثابت ہوا کہ ایسے مجرم کو قتل کرنا ہی اس کی اصلی سزا ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اس تقدیر پر ہم اس کو سزا نہیں دیں گے جب وہ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹ جائے گا سوائے ان سزاؤں کے جو بطورِ حد مسلمان یا دیگر اہلِ ذمہ کے لیے ہیں، تو حقیقت میں ہم اس عہد شکن کو ان علماء کے قول کی طرف پھیر دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ان چیزوں سے عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے ان باتوں کو عہد شکنی کا سبب قرار دینے اور عہد شکنوں کو عہد کی طرف لوٹانے کا کوئی معنی نہیں، (کیونکہ ان کو اس پر سزا نہیں ملے گی)۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ایسے جرائم فسخ عہد کا باعث بنیں تو ان کا ابتداء سے ممنوع ہونا بطریق اولیٰ صحیح ہے کیونکہ کسی امر کا دوام اس کی ابتداء سے قوی تر ہوتا ہے تم نہیں دیکھتے کہ عدت اور ارتداد دونوں عقدِ نکاح کی ابتداء سے مانع ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان مضرات (نقصان دہ باتوں) کا وجود دوامِ عقد سے مانع ہے تو اس کی ابتداء سے مانع ہونا تو زیادہ مناسب اور صحیح ہے پھر جب عقدِ ذمہ ابتداء ہی سے جائز نہ ہو تو من و احسان کا عدمِ جواز زیادہ قرینِ صواب ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں کے قتل کا حکم دیا، سوائے ان مشرکوں کے جن کو قیدی بنالیا گیا، ان کا معاملہ ہمارے اختیار میں دے دیا، اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص عہدِ ذمہ سے باہر ہے وہ اس شخص کی طرح نہیں جو عہدِ ذمہ میں داخل ہے جیسے دین سے نکلنے والا اس شخص کی مانند ہے جو

دین میں داخل نہیں، کیونکہ جو ایمان یا امان میں داخل نہیں ہوا وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور جو ایمان یا امان سے نکل گیا اس نے فساد پیدا کیا، اس لیے کہ باقی رہنے والے احتمالِ فساد سے وہ احتمالِ فساد لازم نہیں آتا جو نیا پیدا ہو کیونکہ دوام و بقاء ابتداء سے قوی تر ہے۔

اس بات کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ ہر اسیر جو مسلمانوں کو اپنے کفر کے ساتھ اذیت دیتا تھا نبی اکرم ﷺ اس کو قتل کر دیتے تھے، مثلاً آپ ﷺ نے نضر بن حارث عقبہ بن ابی معیط اور ابوعزہ جمحی کو قتل کیا۔

جب کسی گروہ یا دارِ حرب سے بچاؤ کی تدبیر کی جائے تو اس سے مراد ان کے ایسے ضرر سے بچنا ہے جو ان کی قوت و شوکت سے متعلق ہو، جیسے کافر حربی کا معاملہ ہے، پھر جب اس کی ..... قوت و شوکت زائل ہو جائے گی تو وہ صرف ایک کافر کی حیثیت سے رہ جائے گا، اس صورت میں اس کے اور دوسرے کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا، البتہ جب وہ مسلمانوں کو ضرر اور اذیت پہنچائے گا یا عہدِ ذمہ کی شرائط کو بالائے طاق رکھ کر سرکشی کرے گا تو اس کا نقصان خود اس کی ذات کو ہوگا اس کے حامی گروہ کو نہ ہوگا، اس لحاظ سے اس کی جان نکالنا ضروری ہے کیونکہ اب اس جان کو عصمت حاصل نہیں رہی اور وہ جان مسلمانوں کے لیے اذیت اور ضرر کا سرچشمہ ہے، کیا تمہارا مشاہدہ نہیں کہ شرائطِ ذمہ سے گریز کرنے والا ایسی حرکت شوکت و قوت والے لوگوں کو اکسانے کے لیے کرتا ہے؟ تاکہ شر و فساد کا دروازہ کھلے، پس اگر اس کو سزا نہ دی جائے تو دوسروں کو بھی شہ ملے گی اور ایسے بے عہد کافروں کی سزا تلوار ہے۔

ہمیں حکم ہے کہ صلح سے باز رہنے والوں کو قتل کر دیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم ان کے خلاف صف آراء ہوں پھر خوب خونریزی کے بعد ان کے بقیہ افراد کو قید کریں، پس ہر آیت جس میں قتال کا ذکر ہے، اس میں عہد شکن ذمی بھی شامل ہے اور یہ حکم دیگر ممتنعین یعنی معاہدہ نہ کرنے والے کفار کے لیے بھی ہے، عہد شکنوں سے دوسرا معاہدہ صلح کرنا اور ان کو غلام بنانا اور اس طرح کے دوسرے راستے اختیار کرنا جائز ہے البتہ عہدِ ذمہ کے بعد جو شرائطِ ذمہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے جرائم کا ارتکاب کرے تو اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور ہمارے قبضہ و اختیار میں ہونے کے باعث ذمہ، استرقاق وغیرہما کے عمومات میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے ساتھ قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قتل کیا جائے گا، وجہ یہ ہے کہ قتال صلح پر آمادہ نہ ہونے والے کافروں کے ساتھ ہوتا ہے اور جب جزیہ لینا، احسان کرنا یا فدیہ لے کر رہا کرنا ان کافروں کے لیے ہے جن کے ساتھ قتال کیا جاتا ہے تو عہد شکن ذمی اس دائرہ میں نہیں آتا کیونکہ اس کے ساتھ قتال نہیں کیا جاتا، تو اس طرح وہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ (مشرکوں کو قتل کرو) کے حکم میں داخل رہتا ہے آیتِ جزیہ و فدیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔

شرائطِ ذمہ سے گریزاں شخص حربی کافر کی طرح ہو جاتا ہے اور حربی تمام امور میں حراب یعنی نیزوں کے نیچے ہوتا ہے اس طرح کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو کسی ضمان میں ماخوذ نہ ہوگا۔ بخلاف اس ذمی کے جو ہمارے زیرِ دست ہو وہ جب تک ہمارے ذمہ میں رہے گا اس کے لیے مسلمانوں کے ضرر اور اذیت کی گنجائش نہیں۔

جہاں تک دارِ حرب چلے جانے کا معاملہ ہے تو اس عہد شکن کے دین میں شبہ ہوتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ جب بھاگ جانے پر

قادر ہوگا تو بھاگ جائے گا۔ ہمارے بعض فقہاء اس کے لیے اس فعل کو مباح قرار دیتے ہیں پس جب وہ تاویل سے ایسا کرے گا تو اس چیز کے بمنزلہ ہوگا جسے باغی اور اہلِ عدل جنگ کے دوران نقصان پہنچاتے ہیں تو اس میں ضمان (چٹی) نہیں ہوتی، اور جس کو حالتِ جنگ کے علاوہ کسی وقت تلف کریں تو ہر گروہ دوسرے کو تاوان دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے پس جو تاویل سے عہد شکنی کرے وہ غیر تاویل سے عہد شکنی کرنے والے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

ذمی مسلمانوں کو ایسا ضرر دے جس سے عہد شکنی لازم آئے تو اس کے لیے سزا ضروری ہے، کیونکہ ایسے جرائم پر سزا نہ دینا جو طبعاً اور شرعاً لائقِ سزا ہوں، جائز نہیں، پھر یہ سزا اس سزا کی جنس سے ہوگی جو وہ مسلمان کو ضرر دے کر پانے کا مستحق ہوگا یا ذمی ذمی عورت کو اذیت دے کر حقدار ہوگا یا اس سے کم ہوگی یا اس سے زیادہ ہوگی، سزا کی پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ معصوم اور مباح کی سزا برابر ہو، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عہد شکن اپنے کفر کے باعث مستحقِ عقوبت ہوتا ہے نیز اس ضرر کے باعث جو عہد شکنی کی وجہ سے مسلمانوں کو دیتا ہے اور کفر کی سزا تو عہدِ ذمہ کی وجہ سے مؤخر ہو جاتی ہے پھر جب عہدِ ذمہ اٹھ جاتا ہے تو ذمی عہد شکن دونوں باتوں کی وجہ سے مستحقِ سزا ہوتا ہے اس سے اس عہد شکن ذمی اور اس شخص کے درمیان جو معصوم الدم ہوکر ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور اس مباح الدم کے درمیان جو ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کرتا، فرق واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب مسلمان کرے تو مسلمانوں کی نصرت وحمایت کی وجہ سے ان کی تلافی ہو جاتی ہے اس لحاظ سے وہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس میں منفعت ومضرت اور خیر وشر جمع ہوتے ہیں، بخلاف ذمی کے، کہ وہ مسلمانوں کے لیے ضررِ محض ہوتا ہے، کیونکہ عہدِ ذمہ کے زائل ہونے سے نفع کا امکان جاتا رہتا ہے اور پھر جب اس کو وہ سزا نہیں دی جاسکتی جو مسلمان کو دی جاتی ہے تو اس سے کم تر سزا دینا بھی جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اسے مسلمان کی سزا سے زیادہ سزا دی جائے، اور مسلمان جب ایسے فعل کا مرتکب ہو تو اسے قتل کرنا ضروری ہے پھر عہد شکن، ذمی کو تو بدرجہ اولیٰ قتل کرنا ضروری ہے۔ لیکن جنسِ سزا میں مسلمان اور ذمی کا فرق ہے ذمی کے قتل کی سزا حتمی ہے، مسلمان کی سزا کبھی قتل کبھی قطع اور کبھی رجم یا کوڑے ہے۔

فصل: شاتمِ رسول ﷺ کے حکم کا خلاصہ

جب عہد شکن ذمیوں کے بارے میں علی العموم اس ضابطے کا خلاصہ کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ شاتمِ رسول کی سزا قتل متعین ہے جیسا کہ ائمہ اسلام نے اس پر نص فرمائی ہے۔

جہاں تک اس شخص کے نکتۂ نگاہ کا تعلق ہے جو کہتا ہے کہ ہمارے زیر دست ہر عہد شکن ذمی کا قتل متعین ہے یا اس عہد شکن کا قتل متعین ہے جو عہد شکنی کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ضرر اور اذیت کا موجب ہو جیسا کہ ہم نے امام احمد کا مذہب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا اور جیسا کہ ہمارے نقل کردہ امام شافعی کے کلام سے ظاہر ہے۔

یا ہم کہتے ہیں،

اس ذمی کا قتل متعین ہے جو صرف گستاخی رسول ﷺ کے باعث عہد شکنی کا مرتکب ہو جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ نے ذکر کیا اور ائمہ

شوافع میں سے ایک گروہ نے بیان کیا، نیز عام علماء کا یہ نکتۂ نگاہ ہے جنہوں نے اسے نواقضِ عہد میں ذکر کیا، انہوں نے بطور اجمال نقل کیا کہ عہد شکنی کی صورت میں امام کو اختیار حاصل ہے (کہ اسے قتل کرے یا کوئی اور سزا دے) انہوں نے دیگر مقامات پر صراحت کے ساتھ لکھا کہ امامِ وقت اس کو بلاتخییر قتل کرے گا۔

جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلق ہے جو کہتے ہیں کہ ہر عہد شکن کے معاملہ میں امامِ وقت کو اختیار ہے کہ وہ قیدی کی طرح اس کو حسبِ مرضی سزا دے، وہ کہتے ہیں کہ امام اس سے قتل، حد اور تعزیر جیسے حقوق کا تقاضا کرے گا، کیونکہ عقدِ ذمہ کے معاملہ میں اہلِ اسلام کے احکام جاری ہوتے ہیں اور یہ (قتل، حد اور تعزیر کے) ہمارے احکام ہیں پھر جب ہم اس ذمی سے ان حقوق کا مطالبہ کریں گے تو امامِ وقت کو قیدی کی طرح اس کے معاملہ میں اختیار ہوگا، اس قول پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی موجبِ قتل حد ہے جیسے ذمی زنا یا رہزنی کے باعث عہد شکنی کرنے والا، اس پر بطورِ حد قتل کی سزا نافذ کی جائے گی، بلکہ بعض اوقات عہد شکنی نہ بھی کرے تو کسی جرم کی پاداش میں قتل کیا جاسکتا ہے مثلاً وہ دوسرے ذمی کو قتل کردے یا ذمی عورت سے زنا کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور زانی کی حد لگائی جائے گی مگر اس کے باوجود اس کا عہدِ ذمہ باقی رہے گا۔

بالجملہ امامِ وقت کی صوابدید کے قول یا اطلاق پر بعض فقہاء کا کلام دلالت کرتا ہے اسی طرح یہ قول ہے کہ ذمی کو اس کے مامن (یعنی دارِ حرب) میں بھیج دیا جائے لیکن مذاہب فقہاء سے اسے مطلق رکھنا قبیح نکتۂ نگاہ کی طرف لے جاتا ہے اور یہ کمزور نکتۂ نگاہ ہے جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور اس کی توجیہ عنقریب بیان کرنے والے ہیں۔

عہد شکن ذمی کے قتل کی تعین پر دلیل

عہد شکن ذمی کا قتل متعین ہے اس کو غلام بنانا، احسان کرنا یا فدیہ لے کر آزاد کرنا جائز نہیں اور اس کی دلیل دو طریق سے ہے۔

<u>طریقِ اول:</u>

عہد شکن ذمی کے قتل کے وجوب پر دلائل گزر چکے کہ اس کی عہد شکنی سے مسلمانوں کو مطلقاً نقصان پہنچتا ہے۔

<u>طریقِ دوم:</u>

دوسرا طریق سزائے قتل کو متعین اور خاص کرتا ہے جس کی کئی وجوہ ہیں۔

<u>پہلی وجہ:</u>

دینی معاملات میں اعتراض اور طعن کرنے والے کے قتل کے وجوب پر آیاتِ قرآنیہ دال ہیں۔

<u>دوسری وجہ:</u>

اس کی دلیل اس شخص کا قصہ ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک یہودی عورت کو قتل کیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا، یہ واقعہ حدیثِ علی اور حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکا ہے اگر نبی اکرم ﷺ کی اہانت سے صرف عہد ذمہ ختم ہوتا اور سزائے قتل لازم نہ آتی تو اس عورت کی حیثیت ایک کافر قیدی عورت کی ہوتی، یا ایسی کافر عورت کی جو بغیر عہد ذمہ

کے دارالسلام میں آ گئی ہو، اور یہ بات واضح ہے کہ اس صورت میں اس کا قتل جائز نہیں، وہ قید سے مسلمانوں کی باندی بن جاتی ہے اور یہ قتل ہونے والی عورت باندی ہی تھی، اور اصول یہ ہے کہ ایک مسلمان کی کافر حربی باندی ہو تو اس مسلمان کو یا کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کو حربی ہونے کی بناء پر قتل کرے، بلکہ اپنے مالک کی ملک میں رہے گی اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے پر اپنے مالک کی طرف لوٹائی جائے گی۔ ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ پر ہرگز کوئی اختلاف نہیں کہ ایک غیر معاہد عورت کو مجرد کفر کی بناء پر قتل کرنا جائز نہیں، جیسا کہ اس وجہ سے کافر مرد کو قتل کیا جاسکتا ہے اسی طرح ہمارے علم میں نہیں کہ اس پر اختلاف ہو کہ ایک عورت کے حق میں عہد شکنی کا حکم ثابت ہو جائے تو وہ اہلِ صلح کی مانند ہو وہ معاہدہ صلح توڑ بھی دیں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کے غلام بن جائیں گے، یہی حکم ہے ان اہلِ ذمہ کا جو دارِ حرب میں شرائطِ ذمہ کو پورا کرنے سے انکار کر دیں۔ فقہائے اسلام میں سے بعض کہتے ہیں کہ عہدِ ذمہ ذمی عہد شکنوں کی اولاد اور عورتوں میں باقی رہتا ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے معروف و مشہور ہے اکثر فقہاء کا قول ہے کہ بچوں اور عورتوں کا عہدِ ذمہ بھی ٹوٹ جاتا ہے مگر اس کے باوجود علماء کے مابین اختلاف نہیں کہ عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ پاک ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (البقرہ:۱۹۰)

اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان کافروں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں سے لڑنے کا حکم دیا جو مسلمانوں کے خلاف صف آراء رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ لڑنے کی شرط یہ ہے کہ مدِ مقابل لڑنے پر آمادہ اور کاربند ہو۔

عورتوں کے قتل سے ممانعت

صحیحین میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں مقتول عورت نظر آئی تو نبی اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

رباح بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی معیت میں ایک غزوہ کے لیے نکلے، مقدمہ پر خالد بن ولید تھے، اصحابِ رسول ﷺ ایک مقتول عورت کے پاس سے گزرے جسے مقدمہ کے سپاہیوں نے قتل کر دیا تھا۔ تو انہوں نے رک کر بڑے تعجب سے اس کو دیکھا یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کی سواری آ گئی تو صحابہ کرام کا جمگھٹا منتشر ہو گیا آپ ﷺ نے اس کے پاس رک کر فرمایا:

مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ ۔ یہ لڑنے والی نہ تھی۔

پھر ایک سپاہی سے فرمایا جا کر خالد سے کہو

لَا تَقْتُلُوْا ذُرِّیَّةً وَّلَا عَسِیْفًا ۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) بچوں کو قتل نہ کرو نہ ہی کسی خدمت گار مزدور کو۔

ابنِ کعب بن مالک اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جب انہیں خیبر میں ابنِ ابی حقیق یہودی کے قتل کے لیے بھیجا تو ''عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا'' (احمد)

اس موضوع پر مشہور حدیثیں ہیں، اور یہ ایسا عام علم ہے جسے امت نے خلفاً عن سلف نقل کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قتال سے مقصود کلمۃ اللہ کی بلندی ہے تاکہ دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور فتنہ باقی نہ رہے یعنی کوئی کسی کو دینِ حق سے برگشتہ نہ کر سکے ہماری جنگ اس سے ہے جو دینِ حق کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور جو ہم سے اس معاملہ میں معرکہ آرائی نہیں کرتا اس سے لڑنے اور اس کو قتل کرنے کی کوئی صورت نہیں، مثلاً عورت، بوڑھا اور راہب وغیرہ۔

عورت تو (اہلِ قتال کے ساتھ لڑائی میں) مسلمانوں کے لیے باندی اور مال کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اس کو قتل کرنا بلاضرورت مسلمانوں کا حق ضائع کرنا اور ان کا مال تلف کرنا ہے ہاں جب عورت قتال کرے تو اس کو قتل کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس میں وہ معنی متحقق ہے جس کی عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کا قتل منع فرمایا تھا، حضور کا ارشاد ہے:

مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ ۔ یہ لڑنے والی نہ تھی۔

پہلے گزر چکا کہ نبی اکرم ﷺ گستاخ کو قتل کرنے کا حکم دیتے جبکہ غیر گستاخ کافر کے قتل سے ہاتھ روکتے' اور جو گستاخ کو قتل کرنے کی طرف لپکتا' آپ ﷺ اس کی تحسین فرماتے تھے۔ مرفوع احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل ہو چکا کہ جو کسی نبی کو گالی دے وہ واجب القتل ہے اور جو غیر نبی کو گالی دے اُسے کوڑوں کی سزا دی جائے۔

یہاں واجب الملحاظ خاص بات یہ ہے کہ اگر جرمِ گستاخی کی سزا کی تین صورتیں فرض کی جائیں کہ

۱- اس جرم کے مرتکب کو بالتعیین قتل کیا جائے۔

۲- اسے کوڑے مارے جائیں۔

۳- یا اسے کوئی سزا نہ دی جائے بلکہ اسے کافر اور حربی ہی شمار کیا جائے۔

تو دوسری اور تیسری شق کا ابطال مندرجہ ذیل کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔

وجہ اوّل

اگر ایسا ہوتا تو ذمی کافر جرمِ گستاخی کے باعث عہد شکن قرار پاتا' پس اُسے کوڑے مارنے مناسب ہوتے تو یہ حقِ آدمی ہے (اور اس کی سزا کوڑے ہی ہیں) پھر اگر وہ حربی کافر کی طرح ہوتا تو اسے قتل کیا جاتا حالانکہ یہ واضح ہے کہ یہ سنتِ رسول اللہ اور اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام کا گستاخ کے قتل پر اتفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جرموں کی سزا قتل ہے اور قتل ایسی سزا ہے جس کا تعدد ممکن نہیں۔

اسی طرح ضروری تھا کہ مرتد کو نبی اکرم ﷺ کے حق کی وجہ سے کوڑے مارے جاتے پھر جرمِ ارتداد میں قتل کیا جاتا۔ جیسے کوئی مرتد کسی مسلمان کو گالی دے تو اس کو گالی کی سزا دی جائے گی پھر اُسے قتل کر دیا جائے گا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ چور کو سرقہ کی سزا دی جاتی ہے کہ یہ حقِ خداوندی ہے اور چوری کا مال اگر باقی ہو تو مالک کو لوٹایا جاتا ہے اور اگر مال تلف ہو جائے تو اکثر فقہاء کے

نزدیک اس کا تاوان دینا پڑتا ہے اور حقِ خداوندی حقِ آدمی میں داخل نہیں ہوتا' باوجودیکہ اس کا سبب متحد ہوتا ہے۔

وجہ ثانی

اگر جرمِ گستاخی کی سزا قتل نہ ہوتی بلکہ جرمِ ارتداد ہی باعثِ قتل ہوتا' تو جائز نہ ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ اس مجرم کو معاف کرتے۔ کیونکہ مرتد پر سزا قائم کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ اس سے درگزر کرنا جائز نہیں۔ پھر جب نبی اکرم ﷺ نے درگزر فرمایا تو معلوم ہوا کہ گستاخی کا جرم بذاتِ خود موجبِ قتل ہے' اور یہ نبی اکرم ﷺ کا حق ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی داخل ہے' اس مسئلہ میں نبی کا دشنام دہندہ اور بہتان طراز اور غیر نبی کو گالیاں دینے والا اور بہتان لگانے والا یکساں ہیں' کیونکہ اس میں دو حق اکٹھے ہو گئے ایک حقِ خداوندی اور دوسرا حقِ آدمی' اگر وہ لوگ جن کو گالی دی گئی اور بہتان لگایا گیا اپنا حق معاف کر دیں تو دشنام دہندہ اور قاذف کو حقِ خداوندی کی وجہ سے تعزیر نہ کی جائے گی یونہی جب نبی علیہ السلام دشنام دہندہ کو معاف کر دیں تو اس معافی میں حقِ خداوندی بھی شامل ہوگا اور گالی دینے والے کو کفر کی بناء پر قتل نہ کیا جائے گا۔ جیسے غیر نبی کے گستاخ کو معافی کے بعد حقِ خداوندی میں ماخوذ نہ کیا جائے گا حالانکہ جو معصیت حقِ آدمی سے خالی ہو اس میں تعزیر لازم ہوتی ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ گستاخ کی سزائے قتل نبی اکرم ﷺ کا حق ہے' جیسا کہ حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ میں ہے ایک اور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے دروغ باف کو قتل کرنے کا حکم دیا' شعبی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خارجی گستاخ کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا' گزشتہ اوراق میں نقل شدہ بہت سی احادیث بھی اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے کہ گستاخ کو معاف کرنا حضور کا حق ہے جس پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ' ابوسعید اور جابر وغیرہ سے مروی احادیث دال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گستاخِ نبی کا جرم سزائے قتل کو واجب ٹھہراتا ہے جب کہ غیر نبی کا دشنام دہندہ کوڑوں کی سزا کا مستحق ہے اگر جرمِ اہانت کفر باللہ کو متضمن ہو جیسے غیر اللہ کی گستاخی میں کوئی معصیت بھی شامل ہو' اس صورت میں کفر و حراب کی حسبِ ذیل دو صورتیں ہوں گی۔

۱- وہ کفر و حراب جس میں اللہ تعالیٰ کا خالص حق کارفرما ہو۔

۲- وہ کفر و حراب جس میں حقِ خداوندی بھی ہو اور حقِ آدمی بھی ہو۔

اسی طرح معصیت کی دو قسمیں ہیں:

۱- جس میں خالص حقِ خداوندی ہو۔

۲- جس میں دونوں حق ہوں۔

کفر و حراب کی یہ نوع دیگر انواعِ کفر کی طرح ہیں' جس میں مجرم سزاوارِ قتل ٹھہرتا ہے۔ مگر اس سزا کے قیام کا حق آدمی کے پاس ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی پر واجب حق کبھی محض حقِ خداوندی ہوتا ہے' اس کی صورت یہ ہے کہ کبھی وہ اس انداز سے کفر و معصیت کا مرتکب ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو اذیت نہیں دیتا' ایسی صورت میں حق کا وجوب اس طرح ہوگا کہ واجب حد

معاف نہ ہوگی' بعض اوقات ایسا حق صرف حق آدمی ہوتا ہے جیسے واجب الذمہ قرض ہے۔ یا کسی چیز کی قیمت یا بدل قرض ہے' ان معاملات میں سزا نہیں' البتہ جب آدمی قرض کی ادائیگی سے انکار کرے' تو اس کو سزا دی جائے گی' کیونکہ انکار کرنا معصیت ہے۔

کبھی حق میں حقِ خداوندی اور حقِ آدمی شامل ہوتا ہے مثلاً قذف اور قود کی حد اور گستاخی کی سزا' ان تمام صورتوں میں حد و تعزیر ہے۔ اور ان میں حد و تعزیر کا نفاذ آدمی کے اختیار میں ہے۔ اگر چاہے تو معاف کر دے چاہے تو سزا دے لے۔

پس نبی اکرم ﷺ کی شان میں اہانت کا جرم اگر دوسری قسم میں ہوتا تو اس میں سزا نہ دی جا سکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جرمِ اہانتِ رسول ﷺ تیسری قسم ہے جس کی سزا قتل ہے۔ اس سے یہ بھی اظہر ہوا کہ یہ ایک مستقل جرم ہے اور حقِ آدمی ہونے کی وجہ سے سزائے قتل کا تقاضا کرتا ہے جیسے عام آدمی کی توہین کی جائے تو کوڑوں کی سزا اس پر لازم ہوتی ہے خواہ بطور حد ہو یا بطور تعزیر یہ مفہوم بالکل واضح اور صحیح ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ جب دو حق اکٹھے ہو جائیں تو سزا کا نفاذ لازمی ہو جاتا ہے کیونکہ خدا کی نافرمانی دنیا میں یا آخرت میں سزا کی موجب ہے۔ پھر جب سزا کا قیام انسان کو مفوض ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکاء سے پاک ہے) تو جس نے کوئی عمل ایسا کیا جس میں غیر اللہ کو شریک کیا ہو تو اس کا اختیار اسی کو ہے جس کے لئے کیا' یونہی جس نے کوئی ایسا کام کیا جس میں سزا لازم ہو تو اس سزا کا نفاذ بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے تصرف میں دے دیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جرمِ اہانت کی سزا قتل متعین ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی طرف سے مطالبہ سزا یا معافی ممکن نہیں جیسے کوئی کسی وفات یافتہ شخص کو گالی دے تو اس جرم پر تعزیر مرتب ہوگی' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اگر یہ گالی گلوچ اس کی زندگی میں ہوتی تو وہ سزا کا مطالبہ کرتا اور اس مطالبہ کے بغیر حق کی ادائیگی نہ ہوتی۔

وجہِ ثالث

یہ درست نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا' گستاخی ہونے کے لحاظ سے' عام مسلمان کو گالی دینے کے برابر ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ عام حقوق میں دیگر تمام اہلِ ایمان سے مختلف اور ممیّز ہیں۔ مثلاً

سب لوگوں پر آپ کی طاعت' محبت اور تقدیم محبت واجب ہے اور آپ کی تعظیم و توقیر اس طرح لازم ہے کہ کوئی اس میں برابری کا تصور نہیں کر سکتا اور آپ پر درود و سلام پڑھنا واجب ہے' ان کے علاوہ اور بے شمار خصائص ہیں۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا دراصل اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور تمام اہلِ ایمان بندوں کو اذیت دینا ہے۔ اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ حضور کو گالی دینا کفر اور محاربہ ہے جبکہ دوسروں کو گالی دینا گناہ اور معصیت ہے اور یہ معلوم ہے کہ سزائیں جرموں کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ اگر حضور کی گستاخی اور عام آدمی کی گستاخی یکساں ہوتی تو یہ دو متباین گستاخیوں میں برابری ہوتی' اور یہ جائز نہیں' پس جب عام آدمی کی گستاخی معصیت ہونے کے اعتبار سے موجب جلد (کوڑوں کی سزا) ہے تو رسول اللہ ﷺ کی اہانت کفر ہونے کی وجہ سے موجب قتل ہے۔ یہ ایک لحاظ سے کفر کی ایک قسم ہے۔ اور دوسری طرف سے گستاخی کی ایک نوع ہے پس یہ کفر کی جنس ہونے کی وجہ سے موجب قتل ہے اور جنس گستاخی کی حیثیت سے حقِ آدمی ہے۔

وجہ رابع

نبی اکرم ﷺ نے کسی گستاخ کو سزائے قتل کے علاوہ کوئی سزا نہیں دی۔ اگر یہ جرم علیحدہ حیثیت سے موجب قتل نہ ہوتا جب کہ اس سے کم درجہ کے جرم میں سزائے قتل واجب ہے اور کم درجہ کے جرم میں حضور نے سزائے قتل معاف بھی فرمائی ہے اور مجرموں کو امان کی دولت بھی دی ہے تو جرم اہانت کے مرتکب کو قتل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا دین جو اس کے ساتھ مختص ہے قتل کا تقاضا نہیں کرتا۔

ایک سوال: اس کا قتل تو دو جرموں کے جمع ہونے سے واجب ہوا۔

جواب: یہی تو (ثابت کرنا) مقصود ہے کیونکہ گستاخی مستلزم کفر ہے۔ اس کے ساتھ عہد ذمہ قائم نہیں رہ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی گستاخی بدترین ارتداد ہے

دلیل نہم

نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کفر اور حراب کی جنس ہونے کے لحاظ سے خالی ارتداد سے کہیں بڑا ارتداد ہے کیونکہ یہ مسلمان کے ارتداد سے بڑھ کر ہے جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی پس جب مرتد کے کفر میں سنگینی پیدا ہوگئی تو وہ دین میں داخل ہونے کے بعد دین سے نکل گیا' تو اس جرم نے قتل عین واجب کر دیا۔ پس گستاخ کے کفر' جس نے اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور تمام اہل ایمان کو اذیت دی' میں سنگینی پیدا ہو جائے اور وہ قتل عین کو لازم کر دے۔

لِاَنَّ مَفْسَدَ ۃ السبت فِیْ اَنْوَاعِ الْکُفْرِ اَعْظَمُ مِنْ مَفْسَدَۃِ مُجَرَّدِ الرِّدَۃِ

کیونکہ انواع کفر میں گستاخی کا مفسدہ مجرد ارتداد کے مفسدہ سے بڑا ہے۔

علماء کا مرتد عورت کے قتل میں اختلاف ہے اگرچہ مختار مذہب اس کا قتل ہے ہم قبل ازیں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصوص گستاخ ذمی اور غیر ذمی عورت کے قتل میں نقل کر چکے ہیں' پھر مرتد سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ جرم ارتداد سے توبہ کرے جبکہ نبی اکرم ﷺ اور اصحاب رسول نے گستاخ کو قتل کیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گستاخ کا کفر زیادہ سخت ہے پس اس کا بالتعیین قتل ہونا زیادہ مناسب ہے۔

زمین کو جرم اہانت سے پاک کرنا بقدر استطاعت واجب ہے

دلیل دہم

زمین کو نبی اکرم ﷺ کی گستاخی سے ممکنہ حد تک پاک کرنا واجب ہے کیونکہ اس سے دینی غلبہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تکمیل ہوتی ہے جہاں گستاخی کا ظہور ہو اور کوئی بدلہ لینے والا نہ ہو تو وہاں دین کا غلبہ نہیں نہ ہی اللہ کا کلمہ بلند ہے' جس طرح زمین کو بدکاروں' چوروں اور راہزنوں سے مقدور بھر پاک کرنا ضروری ہے اسی طرح اس جرم (اہانت) سے صاف کرنا واجب ہے' بخلاف اصلی کفر

کے کہ اس کو مٹانا واجب نہیں۔ اور اہلِ کتاب کو جو عہدِ ذمہ پر قائم رہیں' ان کے دین پر باقی رکھنا جائز ہے اور یہ غلبۂ دین اور بلندی کلمہ کے منافی نہیں' کافر کے ساتھ بحالتِ عجز و مصلحت صلح کرنا اور اس کو امان دینا جائز ہے۔ اور ہر جرم جس سے زمین کو بحسب قدرت صاف کرنا واجب ہے اس کے مرتکب پر شرعی حد قائم کرنا متعین ہے جبکہ اس سزا کا طالب معین نہ ہو' پس ایسے مجرم کو قتل کرنا ایک طے شدہ امر ہے کیونکہ اس جرم کا معین حقدار کوئی نہیں' اور یہ جرم اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور تمام مؤمنین کے حق کی وجہ سے متعین ہے۔ اس سے ایک کافر اور ایک گستاخ کے درمیان فرق ظاہر ہو جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کو اس کے کفر پر رہنے دینا جائز ہے جب وہ اس کفر کا اظہار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم سے وابستہ رہے (یعنی عہدِ ذمہ کو پورا کرے) گستاخی کا اظہار کرنے والے کا معاملہ اس کے برعکس ہے)

گستاخِ رسول کی سزا ایک شرعی حد ہے

دلیلِ یازدہم

گستاخ رسول کو قتل کرنا اگرچہ ایک کافر ہی کو قتل کرنا ہے مگر اس کی یہ سزا ایک شرعی حد ہے یہ مجرد کفر اور حراب کی بنا پر قتل نہیں' جیسا کہ پہلے ان احادیث کی روشنی میں گزرا کہ گستاخی مجرد کفر اور محاربہ سے زائد ایک جرم ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ اور اصحابِ رسول نے گستاخ کے معاملہ میں قتل کا حکم دیا' یہ کفر و محاربہ کی سزا نہیں' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گستاخ عورت کے قصہ میں یہ ارشاد گزرا کہ انبیاء کرام سے متعلق حدود دیگر حدود سے مشابہت نہیں رکھتیں' اور یہ واضح ہے کہ لڑائی کرنے والے کافروں اور جنگی قیدیوں کو قتل کرنا ''شرعی حد'' نہیں کہلاتا' گستاخ کا مسلمانوں کے ملک میں گستاخی کا اظہار ایک بہت بڑا فساد ہے جو بہت سے جرائم سے بڑھ کر ہے اس لئے ایک شرعی حد (سزا) کا ہونا ضروری ہے جو گستاخ کو اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھے شارع ایسے مفاسد کو نظرانداز نہیں کر سکتا نہ ان مفاسد کا راستہ کھلا رہنے دیتا ہے' ثابت ہوا کہ سنت اور اجماعِ امت میں گستاخ کی سزا قتل ہے یہ غیر معین مستحق کا حق ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور ہر مؤمن کا حق ہے اور نبی اکرم ﷺ وصال فرما چکے ہیں (لہٰذا با قاعدہ اپنے حق کا مطالبہ نہیں کر سکتے) اور جو جرم اس نوعیت کا ہو اس کی متعین سزا قائم کرنا بالاتفاق ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و نصرت واجب ہے

دلیلِ دوازدہم

نبی اکرم ﷺ کی نصرت تعظیم اور توقیر واجب ہے جبکہ گستاخ کی سزائے قتل مشروع ہے۔ اگر گستاخ کو قتل نہ کیا جائے تو نبی اکرم ﷺ کی نصرت نہ ہو گی نہ تعظیم و توقیر ہو گی' کیونکہ گستاخ ہماری گرفت میں ہو اور ہم اس کی اہانتِ رسول کا بدلہ لینے پر قادر ہوتے ہوئے اس کو قتل نہ کریں اور اس کا قتل شرعاً جائز بھی ہو تو یہ انتہائی ذلت اور رسول کی بے قدری ہو گی' بالکل واضح بات ہے۔

یاد رکھیے! کہ اس مسئلہ کے ثبوت کے کئی طریقے ہیں مگر ہم نے یہاں کلام کو طویل نہیں کیا کیونکہ اس کے عام دلائل پہلے مسئلہ

میں مذکور ہو چکے جو گستاخِ رسول کے واجب القتل ہونے پر دلالت کرتے ہیں ہم نے یہاں اسی پر اکتفاء کیا ہے' پہلے مسئلہ میں قتلِ گستاخ کے مطلق جواز کا بیان تھا اور یہاں وجوبِ قتل کی بحث' وہاں ہم نے ان گستاخوں کے بارے میں جواب دیا جن (کتابی اور مشرک کافروں) کو نبی اکرم ﷺ نے قتل نہیں کیا' اور یہ وضاحت کی کہ یہ ابتدائے اسلام کی بات تھی جب آپ کو عفوو درگزر کا حکم تھا اور اہلِ کتاب سے قتال اور کافروں' منافقوں کے خلاف جہاد کا حکم نہیں آیا تھا' اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ گستاخ کو معاف کرنے کا حق رکھتے تھے کیونکہ اس جرم میں غالب حق آپ ﷺ کا ہے مگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد گستاخ کو معاف کر دینے کی گنجائش نہ رہی۔

تیسرا مسئلہ

گستاخِ رسول ﷺ مسلمان ہو یا کافر، واجب القتل ہے

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''جو شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے، خواہ مسلمان ہو یا کافر، واجب القتل ہے میری رائے میں اس گستاخ کو قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے''۔

''جو معاہد عہد شکنی کرے اور اسلام میں گستاخی جیسا کوئی فتنہ پیدا کرے وہ واجب القتل ہے، کیونکہ مسلمانوں نے اس فتنہ انگیزی کی رخصت پر عہدِ ذمہ نہیں دیا''۔

امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والدِ گرامی امام احمد سے پوچھا ''جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے کیا اس سے توبہ کرنے کو نہیں کہا جائے گا''۔

(اس کی دلیل یہ ہے کہ) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک گستاخِ رسول ﷺ کو قتل کیا مگر اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا ایسا شخص اگر مسلمانوں سے ہو تو نص سے ثابت ہے کہ وہ مرتد ہو گیا اگر ذمی تھا تو اس نے عہد شکنی کی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام جوابوں میں مطلقاً سزائے قتل کا فتوی دیا اور مطالبہ توبہ کا حکم نہیں اس سے ان کے اس نکتۂ نگاہ کے ساتھ اختلاف نہ ہوا کہ مرتدِ محض سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا الا یہ کہ وہ مرتد فطرت پر پیدا ہوا ہو، اس صورت میں اس کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کیا جائے گا یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت ہے۔ جبکہ ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تمام مرتدین سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اس نکتۂ نگاہ میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی موسیٰ، وغیر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بصحت ثابت ہونے والے حکم کی پیروی کی کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے متعدد فیصلوں میں مرتدوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توبہ کے لیے تین دن کی مدت ٹھہرائی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ پاک کہ ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرلے اس کو قتل کرو'' کی تفسیر اس طرح کی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس تبدیلی دین پر ڈٹ جائے۔ اگر وہ توبہ کرے تو دین تبدیل کرنے والا نہ ہو گا بلکہ دین کی طرف رجوع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ وہ توبہ کے

وقت کہتا ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔

ایک سوال: کیا مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟

اس سوال سے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔

امام خرقی نے علی الاطلاق کہا کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ پر بہتان باندھے تو اس کو قتل کیا جائے خواہ مسلمان ہو یا کافر امام ابوبکر نے بھی نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے باوجود وہ مجرد مرتد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل نہ کیا جائے، اگر وہ توبہ کرے بایں طور کہ اسلام قبول کرلے یا ذمی عہد شکن ہو پھر عہد ذمہ کی طرف رجوع کرلے یا مسلمان ہو تو اسلام کی طرف لوٹ آئے اور اپنے گستاخانہ طرز عمل سے کلیتاً باز آجائے۔

قاضی وغیرہ حنبلی علماء فرماتے ہیں:

''ارتداد توحید ورسالت کے انکار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے سے ہوتا ہے۔ البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ کہ حضور ﷺ کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس سے دامنِ رسالت ﷺ پر داغ آتا ہے اسی طرح امام ابن عقیل فرماتے ہیں:

ہمارے علماء نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور گالی گلوچ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس جرم کی توبہ قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس سے حضور ﷺ کی ذات پاک پر عیب لگتا ہے اور یہ حقِ آدمی ہے جس کا ساقط کرنا جائز نہیں۔

بلا مطالبہ توبہ گستاخ کے قتل پر نصوص

قاضی اپنی کتاب خلاف میں اور ان کے صاحبزادے ابوالحسین فرماتے ہیں ''جب گستاخ نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو واجب القتل ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور یہ جرم عہد شکنی کا سبب قرار دیا جائے گا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص فرمائی ہے۔

یہاں قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام نصوص ذکر فرمائیں جو ہم پہلے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرچکے ہیں۔ کہ گستاخ کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ واجب القتل ہے۔ قاضی لکھتے ہیں۔

گستاخ کے واجب القتل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ دو حق متعلق ہیں۔ حقِ خداوندی اور حقِ آدمی اور سزا سے جب اللہ تعالیٰ اور آدمی کے حقوق متعلق ہوں تو سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ جیسے محاربہ کی سزا ہے، اس معاملہ میں اگر مجرم قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرے تو قصاص سے متعلق آدمی کا حق ساقط نہ ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا حق ساقط ہوجائے گا۔

ابوالمواہب عکبری فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ پر بہتان باندھنے سے حدِ مغلظ یعنی قتل کی سزا لازم آتی ہے۔ خواہ بہتان طراز توبہ کرے یا نہ کرے اور خواہ وہ ذمی ہو یا مسلمان اسی طرح ہمارے دوسرے علماء نے بیان کیا گستاخ رسول ﷺ کو بلا تفریق مذہب قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ

قبول نہیں کی جائے گی اور توبہ قبول نہ ہونے سے ان علماء کی مراد یہ ہے کہ توبہ سے سزائے قتل ساقط نہ ہوگی۔ توبہ ایک جامع لفظ ہے مجرم خواہ اسلام لاکر گستاخی سے باز آئے یا کسی اور عمل سے اسی لیے علماء نے وضاحت کی ہے کہ گستاخ اسلام کے ذریعے گستاخی کا ازالہ کرے یا عہدِ ذمہ کی طرف لوٹے۔ اس کی سزا ساقط نہ ہوگی، عام علماء کا یہی مذہب ہے البتہ ان کے بقول امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر گستاخ مسلمان ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ مرتد کی طرح تہ تیغ کیا جائے گا، اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کا اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان علماء کی توبہ سے مراد ارتداد سے توبہ ہے۔ انہوں نے تصریح کی ہے کہ مرتد کی توبہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور یہ بالکل واضح ہے کیونکہ جو شخص کسی قول کے ذریعے ارتداد کرے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ قولِ ارتداد سے تائب ہو کر اسلام کی طرف رجوع کرے، جہاں تک ذمی کا معاملہ ہے اس کی توبہ کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ گستاخانہ کلمات سے کلیتاً باز آ جائے اور کہے کہ آئندہ ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کروں گا، نیز اقرار کرے کہ میں عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس کی تمام شرائط کا پابند ہوں۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام قبول کرلے اور یہ توبہ کے مترادف ہوگا۔

توبہ کی دونوں صورتیں ان علماء کے کلام میں موجود ہیں جو مسلمان یا کافر گستاخ کی قبول نہ ہونے کے قائل ہیں اگرچہ توبہ کی دوسری صورت پہلی صورت سے زیادہ ان کے کلام میں آئی ہے مگر جب اسلام لانے سے قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی تو عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے سے بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگی، اس کی علت یہ ہے کہ ان علماء نے مسلمان اور ذمی کی توبہ کو ایک ہی لفظ سے ذکر کیا توبہ اس لیے بھی لائق قبول نہیں کہ اس کے ساتھ آدمی کا حق متعلق ہے اور گستاخ کو محارب پر قیاس کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی سزا اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگی، ان علماء نے کئی مقامات پر صراحت سے لکھا ہے کہ کافر کی توبہ سے مراد اسلام لانا ہے۔

اس حقیقت کی تصریح علماء کے ایک اور گروہ نے بھی کی ہے، قاضی شریف ابوعلی بن ابی موسیٰ جو کہ نقلِ مذاہب میں قابلِ اعتماد ہیں اپنی کتاب ''ارشاد'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور جو ذمی اس اہانت کا مرتکب ہو وہ بھی واجب القتل ہے۔ خواہ وہ اسلام لے آئے۔

ابوعلی بن البناء ''الخصال والاقسام'' میں رقم طراز ہیں

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ واجب القتل ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اگر گستاخ کافر ہو پھر اسلام لے آئے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا''

انہوں نے مزید فرمایا

اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہی نکتۂ نگاہ ہے جو ہمارا ہے'' عام علماء نے مسلمان اور کافر گستاخ کے واجب القتل ہونے کی بابت خلاف ذکر نہیں کیا یہ سزا قبول کر لینے سے یا کسی اور وجہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

قاضی کا اپنی بعد کی کتاب ''التعلیق الجدید'' میں اس سزا کو ثابت کرنے کا یہی طریقہ رہا ہے ان کے ہم نوا علماء بھی یہی کہتے ہیں ،قاضی ''التعلیق القدیم'' اور ''الجامع الصغیر'' میں فرماتے ہیں:

''مسلمان شاتم کو قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جہاں تک کافر گستاخ کا تعلق ہے، وہ اسلام لے آئے تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

قاضی رحمۃ اللہ علیہ جامع صغیر جو کہ تعلیقِ قدیم کے مسائل پر مشتمل ہے، میں لکھتے ہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ کی والدہ مقدسہ کو گالی دے، اس کی توبہ قبول کئے بغیر اس کو قتل کیا جائے، اگر کافر ہو پھر اسلام قبول کرلے۔ تو اس کے متعلق دو روایات ہیں۔

1- ایک یہ کہ اس کو قتل کیا جائے۔

2- دوسری یہ کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جادوگر کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے ، جادوگر کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو تو اس کو قتل کیا جائے۔ جن علماء نے التعلیق القدیم سے نقل کیا جیسے شریف ابی جعفر ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور ذمی جب اہانت کا مرتکب ہو تو اس کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کو قتل کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔

قاضی فرماتے ہیں:

''امام مالک اسی تفصیل کے قائل ہیں مگر اکثر مالکی کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں گستاخ کی توبہ قبول کی جائے گی''۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ سزا ایک حد ہے جو قذف کی طرح واجب ہو جائے تو توبہ سے ساقط نہ ہوگی جبکہ کافر گستاخ کے متعلق دو روایتیں ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اس کی توبہ دونوں حالتوں میں قبول کی جائے گی ، ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ حد ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

میں نے ان علماء کی عبارت اس لیے ذکر کی کہ واضح ہو جائے کہ یہاں توبہ سے یہ مراد ہے کہ کافر کا دائرہ اسلام میں آنا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء کا مسئلہ زیرِ بحث میں وہی نکتۂ نگاہ ہے جو ابن البناء کا ہے کہ مسلمان گستاخ کی توبہ قبول نہیں اور ذمی جب گستاخی کرنے کے بعد اسلام قبول کرلے تو صحیح مذہب کی رو سے واجب القتل ہے۔

ایک سوال:

اگر یہ کہا جائے کہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خلاف'' میں فرمایا

''اگر معترض یہ کہے تم تو کہتے ہو کہ ذمی بلا گستاخی اہانت عہد شکنی کا مرتکب ہو مثلاً جزیہ نہ دے یا مسلمانوں سے جنگ کرے یا ان کو تنگ کرے اور پھر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور حکامِ وقت کو اس کے معاملہ میں چار باتوں کا اختیار ہے جیسا کہ حربی قیدی کے متعلق چار باتوں کا اختیار ہے پھر تم گستاخِ رسول کے متعلق ایسا نکتۂ نگاہ کیوں نہیں اپناتے جب وہ توبہ کرلے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی گستاخی ایک وصال یافتہ شخصیت پر بہتان ہے اس لیے گستاخ کی توبہ سے یہ سزا ساقط نہ ہوگی۔

قاضی کا یہ کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں توبہ قبولِ اسلام سے الگ فعل ہے۔ کیونکہ ذمی اگر گستاخی کے علاوہ کسی اور بات سے عہد شکنی کرے پھر اسلام لے آئے تو حاکمِ وقت کو اس کے معاملہ میں اختیار نہ ہوگا۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "پختہ توبہ (یعنی جرمِ گستاخی سے مکمل اجتناب) سے پہلے اور اس کے بعد چار باتوں کی تخییر میں کوئی فرق نہیں، دراصل اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس کو ایسی صورت پر قیاس کرتے ہیں جو اختلافی نزاعی صورتوں کے مشابہ ہے اور یہ صورت توبہ کے بعد کی ہے اگر توبہ سے پہلے ہو تو ایسے جرم کے قتل کا جواز ثابت ہے۔

ذمی کی توبہ کی دو صورتیں

عہد شکن ذمی کی توبہ کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ایک یہ کہ وہ اسلام قبول کرلے کیونکہ قبولِ اسلام کفر اور اس کے تابع باتوں سے توبہ کرنے ہی کا نام ہے۔

2۔دوسری یہ کہ ذمی جرم سے تائب ہو کر عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کرے،

یہ عہد شکنی سے توبہ ہے، جب وہ ایسی توبہ کرلے تو حاکمِ وقت کے لیے جائز ہے کہ اس کی توبہ تسلیم کرے کیونکہ اس حالت میں قیدی کے حکم میں ہے اور قیدی جب عہدِ ذمہ کا مطالبہ کرے تو جائز ہے کہ اس کا مطالبہ مان لیا جائے۔

اس صورت میں مخالفانہ نکتۂ نگاہ رکھنے والے علماء نے قاضی کے طریقہ پر لازم قرار دیا ہے کہ عہد شکن عہد شکنی سے توبہ کرے اور اس کے معاملے میں امام کو اختیار ہو تو توبہ کے بعد تخییر ممکن ہونی چاہیے پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے گستاخ کے معاملہ میں حاکمِ وقت کو کیوں اختیار نہ دیا؟ اس طرح کہ وہ جرمِ گستاخی سے باز آجاتا اور دوبارہ عقدِ ذمہ کا طالب ہو جاتا۔ اسی لیے تو اس صورت کے متعلق کہا گیا۔

هَلَّا خُيِّرَ الْإِمَامُ فِيْهِ بَعْدَ التَّوْبَةِ توبہ کے بعد گستاخ کے مسئلہ میں حاکمِ وقت کو کیوں اختیار نہ دیا گیا؟

اور اگر دوسری صورت ہو تو توبہ کے بعد تخییر ممکن نہیں (اور لازماً سزائے قتل دی جائے گی۔ اس مسئلہ پر بحث گزر چکی ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحیح مذہب پر عہد شکن کا وہ جرم، جس میں مسلمانوں کا ضرر ہو، حاکمِ وقت کے اختیار میں نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دوسری روایت جو فقہائے اسلام نے مسلمان اور کافر گستاخ کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے ذکر ہے۔ وہ مسلمان جادوگر اور کافر جادوگر کے درمیان فرق کے لیے بطورِ نص لائی گئی، اور وہ نص یہ ہے کہ جادوگر ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اس سے بڑے جرم یعنی کفر کا مرتکب ہے۔ اس مسئلہ پر استدلال نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل سے کیا گیا کہ حضور ﷺ نے لبید بن عاصم یہودی، جس نے جادو کا مکروہ عمل کیا تھا، کو قتل نہیں کیا جبکہ اس کے برعکس مسلمان جادوگر واجب القتل ہے اس سلسلہ میں حضور انور ﷺ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایات آئی ہیں۔ وجہِ ترجیح یہ ہے کہ کافر کا جرمِ شرک اس کے جرمِ اہانت اور جرمِ جادو سے بڑا اجرم ہے۔ اس لیے اس کی طرف اہانت اور جادو کی نسبت یکساں ہے بخلاف مسلمان کے پھر جب مسلمان جادوگر کو قتل کیا جائے گا اور ذمی جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا تو گستاخ ذمی اپنے جرم کی پاداش میں واجب القتل

ہوگا اور اس کے برعکس مسلمان گستاخ واجب القتل قرار نہ پائے گا۔لیکن جرمِ اہانت، گستاخی ایسا جرم ہے جس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے عہد شکن ذمی کو قتل کرنا جائز ہے پھر جب وہ اسلام لے آئے تو اس کی سزا ممنوع ہوگی اور وہ خاص جرمِ اہانت کے باعث قتل نہیں کیا جائے گا۔جس طرح خاص جادو کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کا خون معصوم رہے گا اس روایت کو امام خطابی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا پھر کہا کہ امام مالک بن انس نے فرمایا۔

مَنْ شَتَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى قُتِلَ اِلَّا اَنْ يُّسْلِمَ

جو یہودی یا عیسائی نبی اکرم ﷺ کو گالی دے وہ واجب القتل ہے بجز اس کے کہ اسلام لے آئے

امام احمد بن حنبل کا ارشاد بھی اس طرح ہے ہمارے دیگر حنبلی علماء امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ مسلمان گستاخ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسلام کی تجدید کرے اور اپنے جرم سے رجوع کرے، ابوالخطاب نے ہدایہ میں اور ان کے ہم نوا حنبلی علماء نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اہانت کرنے والے مسلمان کے بارے میں ایسا ہی ذکر کیا، کہ کیا اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا؟ اس مسئلہ میں انہوں نے دو طرح کی روایات نقل کی ہیں۔

گستاخ توبہ کرے تو اس کا حکم

ہمارے علماء نے گستاخ کے تائب ہونے کی صورت میں تین اور روایتیں بیان کی ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے، اس روایت کی تمام علماء نے تائید کی ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے اور اکثر حنبلی محققین نے اسی روایت پر اقتصار کیا ہے۔

2- دوسری روایت ہے کہ اس کی توبہ مطلقاً قبول کی جائے گی۔

گستاخ کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور کافر ذمی کی توبہ یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ اگر وہ گستاخانہ عمل چھوڑ کر دوبارہ عقدِ ذمہ کا مطالبہ کرے تو ایک روایت کے مطابق اس کا خون محفوظ قرار نہ دیا جائے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابوعبداللہ سامری نے سوال نقل کیا کہ کیا مسلمان گستاخ کی توبہ قبول ہوگی؟ پھر اس مسئلہ میں دو روایتیں ذکر کیں (یعنی ایک روایت پر اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور دوسری روایت پر قبول نہیں کی جائے گی) آگے چل کر لکھا۔

اہلِ ذمہ سے جو شخص اہانتِ رسول ﷺ کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے۔خواہ دائرہ اسلام میں آجائے۔اس حوالہ سے ابنِ ابی موسیٰ نے نقل کیا۔پس امام سامری کے ظاہری کلام پر اصل اختلاف مسلمان کے بارے میں ہے نہ کہ ذمی کے معاملہ میں۔

یہ نکتۂ نگاہ اس روایت کے خلاف ہے جس کو ایک جماعتِ علماء نے ذکر کیا حالانکہ یہ اس طرح نہیں کیونکہ ابنِ ابی موسیٰ کا ارشاد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا گستاخ واجب القتل ہے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا اور ذمی گستاخ کو قتل کی سزا دی جائے گی خواہ اسلام قبول کرلے۔اس کلام میں امام ابنِ موسیٰ نے کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا۔جیسا کہ امام احمد سے منقول کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ امام ابوعبداللہ سامری کی کتاب امام ابوالخطاب اور امام ابنِ ابی موسیٰ کی روایات ونقول

پر مشتمل ہے جیسا کہ کتاب کے شروع میں انہوں نے شرط تحریر کر دی ہے کہ ان کی کتاب بہت سی چھوٹی کتابوں کی منقولات پر مشتمل ہوگی۔

پس جب امام سامری نے امام ابوالخطاب کی بیان کردہ مسلمان گستاخ کے متعلق دونوں روایات اور امام ابن ابی موسیٰ کی ذمی گستاخ کے متعلق روایت ذکر کی تو ایک نوع کا خلل ظاہر ہوا۔ ورنہ ہم بغیر کسی شک وارتیاب کے مسلمان کی توبہ بالاسلام کو قبول کرتے ہیں تو ذمی کی اسلام کے ذریعے توبہ کو تو بدرجہ اولیٰ قبول کرنا چاہیے کیونکہ کافر کے جرم اہانت کی شدت کا جس قدر تصور ہوسکتا ہے ایک مسلمان کا جرم گستاخی اس سے کہیں بڑھ کر ہے یہ دونوں گستاخ نبی اکرم ﷺ کو ایذا دینے میں شریک ہیں مگر مسلمان اس گستاخی میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ جرم اس کے زندقہ پر دلالت کرتا ہے اگر منافق اس جرم کا ارتکاب کرے تو یہ اس کے اندرونی نفاق کا اظہار ہے بخلاف ذمی کے کہ وہ اس جرم اہانت کا ارتکاب اپنے عقیدہ کفر کے مطابق جائز جان کر کرتا ہے۔ اور اس کا یہ عقیدہ اسلام لانے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے۔

ہاں امام سامری کے بیان کردہ نکتۂ نگاہ کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ جرم اہانت ایک مسلمان سے کبھی غلطی کی وجہ سے ہو جاتا ہے ارادہ اور اعتقاد سے نہیں، پس توبہ کرنے کی صورت میں اس کی توبہ قبول کی جائے گی، کیونکہ اس کا جرم گستاخی اذیت کے لیے ہوتا ہے اس لیے جب اس پر حد واجب ہوگی تو اسلام لانے کے باعث ساقط نہ ہوگی، جس طرح دوسری حدود ہیں۔

بعض اوقات اس قول کو اس شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو کہتا ہے کہ گستاخی حقیقت میں اس وقت تک کفر نہیں جب تک کہ گستاخ شخص اس کو حلال اور جائز نہ مانے مگر یہ قول پسندیدہ نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آ رہا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حنبلی علماء نے گستاخ کی توبہ قبول نہ ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ امام احمد کا ارشاد ہے: ''گستاخ سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے'' ان کا اصول ہے کہ جس شخص کی توبہ قبول کرنے کے لائق ہے اس سے اسی طرح توبہ کا مطالبہ اور تقاضا کیا جائے گا جس طرح مرتد سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام احمد سے زندیق، جادوگر، کاہن اور دست شناس نیز مرتد کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا نہیں؟ یہاں دو صورتیں ہیں۔

1- اگر یہ کہیں کہ توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا تو وہ ہر صورت میں واجب القتل ہوں گے خواہ توبہ کر لیں۔

امام عبداللہ کی روایت میں تصریح ہے کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ کو گالی دے، وہ واجب القتل ہے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا اس سے ثابت ہوا کہ جرم اہانت سزائے قتل کو واجب کرتا ہے اور جب سزائے قتل واجب ہو جائے تو کسی صورت ساقط نہیں ہوتی۔ اس دعویٰ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کسی مسلمان عورت سے بدکاری کرنے والے ذمی کے متعلق فرمایا کہ اس کو قتل کیا جائے، عرض کیا گیا اگر وہ اسلام قبول کرے تو؟ فرمایا، اس صورت میں بھی واجب القتل ہے اس سے واضح ہوا کہ اسلام واجب ہونے والی سزائے قتل کو ساقط نہیں کرتا۔ اسی بناء پر آپ نے گستاخ کے متعلق فرمایا کہ وہ واجب القتل ہے۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ امام نے اس زانی (ذمی) کو سزاوار قتل ٹھہرایا جس نے اسلام لانے کے بعد مسلمان عورت سے زنا کیا۔ آپ کے نزدیک وہ واجب القتل ہے خواہ آزاد ہو یا غلام، شادی شدہ ہو، یا غیر شادی شدہ اور اس کو کئی مقامات پر بطور نص

ذکر کیا اور قبولِ اسلام کو سقوطِ سزا کا سبب قرار نہیں دیا بلکہ مجرد فعلِ زنا سے اس کو واجب ٹھہرایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زانی نے اہلِ اسلام کو ایسے نقصان اور عیب سے دوچار کیا جس کے باعث وہ واجب القتل ہوا اس جرم سے اس کا عہدِ ذمہ بھی ٹوٹ گیا پھر اگر اسلام بھی قبول کر لے تو اس نے جو ضرر پہنچایا اس کی سزا ساقط نہ ہوگی جیسے رہزنی کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ اور یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ اسلام لانے کے بعد اس کی وہی حیثیت ہے جو اصلی مسلمان کی ہوتی ہے اور اس طرح کے مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مسلمان مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے کیونکہ اسلام ابتدائے عقوبت (شروع ہی سے سزا کو روکتا ہے دوامِ عقوبت کو نہیں کیونکہ دوام زیادہ قوی ہے جیسے کوئی ذمی دوسرے ذمی کو قتل کر دے پھر اسلام لے آئے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی، البتہ مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے تو اس کو واجب القتل نہ قرار دیا جائے گا اس لیے ذمی کافر کا عہدِ ذمہ مندرجہ ذیل صورتوں میں ٹوٹ جائے گا۔

1- کسی مسلمان عورت سے زنا کرے، خواہ وہ مجرم غیر شادی شدہ ہو۔

2- کسی مسلمان کو قتل کرے۔

3- وہ کفار کے لیے جاسوسی کرے۔

4- مسلمانوں سے جنگ کرے۔

5- (دار السلام چھوڑ کر) دار الحرب چلا جائے۔

اصلی مسلمان ان جرائم کے ارتکاب سے مطلقاً واجب القتل نہ ہوگا۔ پس جب ذمی ہی ان جرائم میں واجب القتل ہو، پھر اسلام لے آئے تو اس کی قانونی صورت وہی ہوگی جو قتل کے جرم کے بعد اسلام قبول کرنے والے ذمی قاتل کی ہے کیونکہ اس میں فرق نہیں کہ وہ اس مسئلہ میں واجب الحد ہے۔ جس میں مسلمان پر حد واجب نہیں ہوتی۔ یا وہ ایسے مسئلہ میں واجب القصاص ہے جس میں مسلمان سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ اسلام لانے کے باعث قصاص کا ٹلنا حدود کی طرح ہے جو شبہ سے ٹل جاتا ہے جیسا کہ اسلام شروع میں سزا کو روکتا ہے مگر دوامِ سزا کو منع نہیں کرتا۔ یہی حکم ہے کہ ان سزاؤں کا جو ذمی معاہد پر واجب ہوتی ہیں ہمارے قول کی روشنی میں اس ذمی کا قتل متعین ہو جاتا ہے جو مذکورہ بالا کا ارتکاب کرے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان جرائم کا اس کی سزائے قتل میں اثر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے ذمی گستاخ کا قتل ان حدود میں شامل ہو جو دار السلام کے مسلمانوں اور معاہد باشندوں پر لاگو ہوتی ہیں وہ دار الحرب کے اس کافر کی مانند نہیں جس کو گرفتار کر لیا گیا ہو کیونکہ اس سزائے قتل کا مقصد یہ ہے کہ دار السلام کو اس قسم کے جرائم سے پاک کیا جائے اور معاہدین کی شرارتوں کا سدِ باب کیا جائے پھر جب نص موجود ہے کہ مسلمان عورت سے زنا کی وجہ سے مسلمانوں کو جو ضرر پہنچا ہے۔ اس کی سزا ٹل نہیں سکتی۔ تو نبی اکرم ﷺ کی شانِ مقدسہ میں گستاخی سے ضرر رسانی کی سزا کا نہ ٹلنا بدرجہ اولیٰ صحیح اور معقول ہے اہانتِ رسول ﷺ کے باعث مسلمانوں کے دین کو اتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

جو مسلمان عورت سے زنا کے نقصان سے کہیں بڑھ کر ہے جبکہ زانی پر حد بھی لگائی جاتی ہے یہ نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ذمی جب نبی اکرم ﷺ پر بہتان لگائے یا آپ ﷺ کو گالی دے پھر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو اس صورت میں بھی واجب القتل ہوگا۔ اس پر صرف ایک عام آدمی پر قذف کی سزا (اسی کوڑے) نہ لگائی جائے گی اور نہ ہی عام آدمی کو گالی دینے کی تعزیز دی

جائے گی بلکہ اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کا قتل واجب ہے دوسری روایت (جس کو قاضی نے اپنی قدیم کتابوں میں اوران کے شاگردوں نے نقل کیا) کے مطابق ذمی گستاخ سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح مسلمان گستاخ کو زندیق اور ساحر کی مانند توبہ کرنے کو کہا جائے گا اس روایت کو امام ابوالخطاب وغیرہ علماء نے ذکر کیا مگر یہ روایت امام احمد رحمہ اللہ کے کلام میں ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔ جہاں تک مسلمان سے توبہ کے تقاضا کا معاملہ ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ جیسے زبانی ارتداد کے مرتکبین سے مطالبہ توبہ کا مسئلہ ہے، رہا ذمی سے توبہ کا تقاضا، تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے صرف عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کرنا کافی نہیں جیسا کہ صحیح مذہب ہے کیونکہ ایسے مجرم کا قتل متعین ہے۔

رہی وہ مضطرب صورت جس میں کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں حاکمِ وقت کو (فیصلہ کرنے کا) اختیار ہے اس کے مطابق ذمی عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کر کے تائب ہو جائے تو جائز ومشروع ہے کیونکہ توبہ کے بعد عہدِ ذمہ پر قائم رہنا جائز ہے لیکن صرف ایک روایت کی بناء پر ایسی توبہ کا مطالبہ جائز نہیں، اگرچہ ہم نے ایک روایت پر استتابۃ بالاسلام کو واجب قرار دیا۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو امام خطابی نے ذکر کی۔ کہ ذمی جب اسلام لے آئے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا جیسے حربی اور غیر حربی کافر قیدیوں کو استتابت (توبہ کا مطالبہ کرنے) سے قتل کیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی اور یہ ان علماء کا صحیح قول ہے جو مطالبہ توبہ کے قائل ہیں کیونکہ ذمی جب عہد شکنی کا مرتکب ہو تو اس کا قتل جائز ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محارب کافر ہے اور ایسے مجرم سے بالاتفاق توبہ کا مطالبہ کرنا ضروری نہیں۔ البتہ اس نکتۂ نگاہ میں ان لوگوں کے قول کا استثناء ہے جو ہر کافر کو قتل سے پہلے دعوتِ حق دینے کے قائل ہیں۔ پھر جب وہ اسلام قبول کرلے تو اس کے عصمت خون کا قول درست ہے جیسے حربی اصلی (کافر) کا معاملہ ہے بخلاف مسلمان کے کہ جب اس کی توبہ قبول کی جائے گی تو توبہ کا مطالبہ بھی جائز ہوگا مع ہذا جس کی توبہ قبول کی جائے گی اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا جائز وروا ہے۔ جیسا کہ قیدی سے توبہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے کیونکہ یہ قتل سے پہلے کافر کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی قبیل سے ہے لیکن یہ ضروری نہیں ادھر اس قول کے قائل علماء کی نص یہ ہے کہ اس مجرم کو اسلام لانے یا نہ لانے کے لیے نہیں کہا جائے گا پھر جب بذاتِ خود اسلام قبول کرلے تو اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی، اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان گستاخ اور ذمی گستاخ سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ مشہور منصوص روایت ہے کہ اور اگر وہ توبہ کرلیں گے تو مشہور قول پر ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

قاضی ہی سے ذمی کے معاملہ میں روایت ہے کہ اس کے اسلام لانے سے اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔ اگرچہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا ان سے دوسری روایت ہے کہ مسلمان گستاخ سے توبہ کا تقاضا کیا جائے گا اور توبہ کرنے پر اس کو توبہ قبول کی جائے گی۔

قذف کے ذریعے گستاخی کرنے یا کسی اور وجہ سے گالی دینے میں فرق نہیں

نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں بہتان کے ذریعے گستاخی کرنے یا کسی اور وجہ سے گالی دینے میں فرق نہیں جیسا کہ امام

احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگردوں اور دیگر عام علماء نے اس مسئلہ پر نص فرمائی ہے مگر شیخ ابو محمد فارسی نے بہتان اور گالی کے درمیان فرق کیا انہوں نے مسلمان کی بابت دو روایتیں ذکر کیں اور کافر کے بارے میں صرف قذف کی روایت کی۔

قذف (بہتان) کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا یہی حکم رکھتا ہے فرق یہ ہے کہ غیر قذف کے ساتھ گالی کا جرم اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ مقدسہ میں گالی کے ذریعے جرم قبولِ اسلام سے ساقط ہو جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اہانت کا جرم تو اسلام سے بدرجہ اولیٰ ساقط ہونا چاہیے اس کی تفصیلی بحث ان شاء اللہ گالی کی اقسام میں آئے گی یہ ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب،

جہاں تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نکتۂ نگاہ کا تعلق ہے ابن القاسم کی روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

جو بدبخت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے یا تنقیص شان کرے وہ قتل کیا جائے جس طرح زندیق قتل کیا جاتا ہے ابو معصب اور ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا آپ پر عیب لگائے یا تنقیص شان کرے اس کو توبہ کا موقع نہ دیا جائے اور قتل کر دیا جائے ایسا مجرم خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

محمد بن عبدالحکم کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے خبر دی کہ امام نے فرمایا۔

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے مسلمان ہو یا کافر اس سے توبہ کا تقاضا نہیں کیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اس بات کا استثناء ہے کہ کافر حلقۂ بگوشِ اسلام ہو جائے (تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی)۔

اشہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں جو مسلمان یا کافر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، وہ واجب القتل ہے اور اس سے توبہ کا تقاضا نہ کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ نصوص امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نصوص سے مطابقت رکھتی ہیں جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مسلمان گستاخ کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اس کا وہی حکم ہے جو زندیق کا ہے اس کو بطور حد شرعی قتل کیا جائے گا نہ کہ جرم کفر کے سبب، جبکہ وہ علانیہ توبہ کا اظہار کرے۔

ولید بن مسلم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ارتداد قرار دیا۔ ان کے شاگرد کہتے ہیں اسی بناء پر گستاخ سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کرے تو لائق تعزیر ہوگا اور توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہوگا اور اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا جہاں تک ذمی کافر کا تعلق ہے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے پھر اسلام قبول کرے تو سوال یہ ہے کہ کیا اسلام لانے سے اس کی سزا ٹل جائے گی اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں جن کو قاضی عبدالوہاب وغیرہ علماء نے نقل کیا پہلی روایت یہ ہے کہ اسلام سے اس کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

علماء کی ایک جماعت جن میں امام ابوالقاسم بھی ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو ذمی ہمارے نبی اکرم ﷺ یا کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کرے تو قتل کیا جائے گا الا یہ کہ اسلام قبول کر لے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ گستاخ کو اسلام قبول کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ نہ اسلام قبول کرنے سے منع کیا جائے گا وہ خود اسلام قبول کر لے تو یہ اس کی توبہ تصور کی جائے گی۔

ایک روایت میں حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی بد بخت نبی اکرم ﷺ یا کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کرے یا اہانت کا مرتکب ہو تو واجب القتل ہے اسی طرح یہود و نصاریٰ میں سے کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے تو واجب القتل ہوگا اس کو توبہ کے لیے نہ کہا جائے گا البتہ سزائے قتل سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس کا استثناء ہے۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ یہ کلمات میں نے ابن ماجشون کی زبان سے سنے ابن عبدالحکم اور اصبغ نے بحوالہ ابن القاسم یہی کلمات ذکر کیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اگر نصرانی نبی اکرم ﷺ کی شان میں ایسے کلمات سے سب وشتم کرے جو لوگوں میں گالی کے طور پر پہچانے جاتے ہوں، تو وہ واجب القتل ہے الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار اس کا اظہار کیا مگر یہ نہیں فرمایا کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے"۔

ابن القاسم اور محمد ارشاد کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے یہ مراد ہے کہ وہ برضا و رغبت اسلام لائے اگر وہ گرفتاری کے بعد مسلمان ہو جائے اور اس پر جرم اہانت ثابت ہو اور اُسے معلوم ہو کہ اس جرم کی سزا قتل ہے تو اس صورت میں اس کی سزا ساقط نہ ہوگی کیونکہ وہ اس صورت میں (اسلام لانے میں) مجبور اور مکرہ ہوگا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ

اسلام لانے سے گستاخ کی سزا موقوف نہ ہوگی

محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ اس کو قذف کی سزا دی جائے گی، اور اس کو حقوق العباد کے مشابہ قرار دیا جائے گا۔ جو ذمی کے اسلام لانے سے بھی نہیں ٹلے گی کیونکہ اسلام لانے سے صرف حدودِ خداوندی ساقط ہوتی ہیں جہاں تک حدِ قذف کا تعلق ہے یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب حق نبی ہو یا غیر نبی ہو (سب یکساں ہیں)

مسئلہ زیر بحث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

گستاخِ رسول ﷺ کے مسئلہ پر شوافع کے دو نکتہ ہائے نظر ہیں:

1۔ ایک یہ کہ گستاخ مرتد کی طرح ہے جب وہ توبہ کر لے تو اس کی سزائے قتل ٹل جائے گی، یہ ایک گروہ علماء کا قول ہے اور یہ وہی قول ہے جس کو اہلِ خلاف مذہبِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

2۔ دوسرا یہ کہ

گستاخ کو حد لگائی جائے گی تو جس طرح توبہ سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوتی اسی طرح جرمِ گستاخی واہانت کی سزا توبہ سے

ساقط نہیں ہوتی'' علماء کہتے ہیں کہ اس نقطۂ نظر کو امام ابوبکر فارسی نے ذکر کیا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا شیخ ابوبکر قفال نے اس مسئلہ میں ابوبکر فارسی کی موافقت کی۔ البتہ صیدلانی ایک تیسرے قول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ

''جو شخص بہتان باندھ کر گستاخی کا مرتکب ہو وہ مرتد کی سزا کا حق دار ہے نہ کہ سب و شتم کی سزا کا، اس لیے توبہ کرنے پر اس کی سزائل جائے گی۔ اس صورت میں صرف حدِ قذف لگائی جائے گی اس نکتۂ نگاہ کے مطابق اگر جرمِ گستاخی بہتان کے ساتھ نہ ہو بلکہ کسی اور طریقے سے ہو تو اس جرم کی شدت کے مطابق تعزیری اقدام کیا جائے گا۔

بعض شافعی علماء نے تجدیدِ اسلام کرنے والے گستاخ کے متعلق اختلاف کا ذکر کیا۔ اسلام قبول کرنے والے ذمی گستاخ کے متعلق کلام سے تعرض نہیں کیا۔

کچھ علماء نے اس مسئلہ پر بھی اختلاف نقل کیا ہے کچھ کہتے ہیں کہ گستاخ ذمی اسلام لے آئے تو اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی اور یہ وہی نکتۂ نظر ہے جو اصحابِ خلاف نے مذہبِ شافعی سے نقل کیا۔

کتاب آلام میں امام شافعی کا عمومی کلام اسی پر دلالت کرتا ہے وہ عہد شکنی کی باتوں جن میں گستاخی رسول ﷺ کا بھی ذکر ہے، کی وضاحت کے بعد فرماتے ہیں:

اہلِ ذمہ میں سے جو شخص عہد شکنی کرتے ہوئے قول سے یا فعل سے ان جرم کا ارتکاب کرے پھر مسلمان ہو جائے تو قتل کی سزا کو بطورِ حد یا قصاص قتل کیا جائے گا، صرف عہد شکنی کی بناء پر نہیں، اور اگر وہ ان باتوں کا ارتکاب کرے جن کا عہدِ ذمہ میں ناقضِ عہد ہونا طے ہو۔ پھر اسلام بھی نہ لائے صرف یہ ہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور پہلے کی طرح جزیہ ادا کرنے کو تیار ہوں یا صلح کی تجدید کرتا ہوں۔ تو اس ذمی کو معمولی سزا دی جائے گی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا ہاں اس کا جرم قصاص یا دیت کا موجب ہو تو اس کو سزا دی جائے گی۔ اس کم تر قولی یا فعلی جرم میں قتل سے کم سزا دی جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں

اگر ذمی کسی ایسے قول یا فعل کا مرتکب ہو جس کا تعلق عہد شکنی سے ہو اور شرائط میں طے ہو کہ اس کی سزا قتل ہے پھر وہ مسلمانوں کی گرفت میں بھی آ جائے لیکن اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے سے انکاری ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مال بطورِ فئے ضبط کر لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد شکن ذمی کی توبہ دو صورتوں میں قبول ہو سکتی ہے

1۔ وہ مسلمان ہو جائے۔

2۔ وہ عہد ذمہ کی طرف لوٹ آئے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ''یہود و نصاریٰ میں سے کوئی حضور انور ﷺ کو گالی دے تو وہ واجب القتل ہے بجز اس کے کہ اسلام قبول کر لے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ کے گستاخ کو قتل کیا جائے گا اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ اس مسئلہ میں انہوں نے کعب

بن اشرف یہودی کا واقعہ بطورِ دلیل پیش کیا۔اس استدلال پر مبنی سزائے قتل کا تقاضا یہ ہے کہ اظہارِ توبہ کے باوجود ایسے مجرم کو قتل کیا جائے، کیونکہ اس ضمن میں امام شافعی رحمۃ اللہ کا دیگر قول منقول نہیں اس استدلال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کعب بن اشرف عہدِ ذمہ کا کھلے عام اظہار کرتا تھا اور اگر اس کی توبہ قبول کر لی جاتی تو وہ توبہ کرنے کے لیے بھی تیار تھا۔

قبول توبہ میں علماء کے اقوال

گستاخ کی توبہ قبول ہونے کے متعلق کلام دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

1۔ مسلمان گستاخ سے توبہ کا مطالبہ کرنا اور پھر توبہ کا قبول ہونا۔

ہم ضبطِ تحریر میں لا چکے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ اور امام احمد رحمۃ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سزائے قتل ساقط نہ ہوگی۔ یہ لیث بن سعد کا قول ہے قاضی عیاض نے فرمایا کہ سلف صالحین اور جمہور علماء کا مشہور نکتۂ نگاہ یہی ہے اصحابِ شافعی رحمۃ اللہ کے دو نکتہ ہائے نگاہ میں سے ایک یہ ہے امام مالک رحمۃ اللہ اور امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ گستاخ کی توبہ قبول کی جائے گی اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور اصحابِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے کہ مرتد کی توبہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کی توبہ قبول کی جائے گی، (یہ آئمہ اربعہ اور ان کے اصحاب کے مشہور اقوال ہیں) اس لیے ہم پہلے مرتد کی توبہ کے قبول ہونے پر کلام کرتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے عام اہلِ علم اسی نکتۂ نگاہ کے حامل ہیں کہ مرتد کی توبہ قبول کی جائے گی البتہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ مرتد واجب القتل ہے خواہ اسلام قبول کر لے۔ان کے نزدیک مرتد زانی اور چور کی مانند مجرم ہے اہلِ ظاہر سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ مرتد کو توبہ کا فائدہ آخرت میں اللہ کے حضور ملے گا۔لیکن دنیا میں اس سے سزائے قتل نہ ٹلے گی۔

امام احمد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں پیدا ہو (پھر جرمِ ارتداد کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور جو شخص مشرک ہو پھر دائرہ اسلام میں آ جائے تو جرمِ ارتداد پر اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا عطا سے اسی طرح مروی ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے عطاء اور امام احمد سے منقول مشہور مذہب یہ ہے کہ گستاخ سے علی الاطلاق توبہ کا تقاضا کیا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے عدمِ قبول توبہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (بخاری)

جو اپنے دین کو بدل ڈالے تو اس کو قتل کرو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم میں توبہ کا استثناء نہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهٖ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ

کسی کلمہ گو مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین میں سے ایک بات کے 1۔وہ شادی شدہ زانی ہو 2۔کسی کو قتل کر دے تو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا 3۔دین کو چھوڑ کر جماعت

(متفق علیہ) سے الگ ہونے والا

پس جب قاتل اور زانی کی سزائے قتل توبہ سے ساقط نہیں ہوتی تو تارکِ دین اور مفارقِ جماعت کی سزا کس طرح ساقط ہوگی؟

حکیم بن جماعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

لَایَقْبَلُ اللّٰهُ تَوْبَةَ عَبْدٍ کَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ (احمد) — اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کرتا جو اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے

اس کی وجہ یہ ہے کہ مجرد کفر اور جنگ کی وجہ سے گستاخ کو قتل نہیں کیا جاتا، اگر ایسا ہوتا تو راہبوں، بوڑھوں، اندھوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی گنجائش نہ ہوتی پس ان مجرموں کو قتل کی سزا دی گئی تو معلوم ہوا کہ ارتداد ایک شرعی حد ہے اور حدِ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

مگر صحیح نکتۂ نگاہ وہی ہے جو علماء کا ہے اللہ تعالیٰ کلامِ مجید میں فرماتا ہے:

کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(آلِ عمران 89-86)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے حالانکہ اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آگئیں اللہ تعالیٰ بے انصاف اور ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی رہے وہ اس پھٹکار میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے اس عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سلسلۂ کلام کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ارتداد کے بعد توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر مہربانی کرنے والا ہے اس ارشاد کا تقاضا ہے کہ توبہ کرنے والوں کی بخشش دنیا میں بھی ہے۔ اور آخرت میں بھی اور جس شخص کا یہ حال ہو اس کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔

اس کی وضاحت و تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد نے بحوالہ علی بن عاصم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ انصار میں سے ایک شخص مرتد ہو کر مشرکوں سے جاملا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ (الی اخر الآیہ)

اس کے قبیلہ کے لوگوں نے یہ آیتِ کریمہ اس کے پاس بھیجی تو وہ تائب ہو کر واپس آ گیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس کی توبہ قبول

فرمائی اور اسے سزا دی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بروایتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ ابو عامر بن نعمان وحوح بن اسلت اور حارث بن سوید وغیرہ بارہ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے برگشتہ ہو کر مشرکوں کے پاس چلے گئے۔ بعدازاں انہوں نے اپنے گھر والوں کو لکھ بھیجا کہ کیا ہماری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس وقت یہ آیتِ کریمہ حارث بن سوید کے حق میں اتری۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ عبدالرزاق ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ حارث بن سوید نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر اسلام قبول کیا بعدازاں مرتد ہو کر اپنی قوم کے پاس چلا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ نازل فرمائی، اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیتِ کریمہ اس کے سامنے تلاوت کی، تو اس نے کہا بخدا میرے علم کے مطابق تو سچا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ چنانچہ واپس آ کر تجدیدِ اسلام کی اور اس کی اسلام میں حسن پیدا ہو گیا۔

بعض دیگر اربابِ علم نے اسی طرح بیان کیا کہ یہ آیتِ کریمہ حارث بن سوید اور ان لوگوں کے معاملہ میں نازل ہوئی جو اسلام سے برگشتہ ہو کر حالتِ کفر پر لوٹ گئے اور مدینہ منورہ سے نکل کر کفارِ مکہ سے جا ملے تھے، اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حارث کو ندامت ہوئی تو اس نے اپنی قوم کو کہلا بھیجا کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اس کی قوم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات نازل فرمائے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (آل عمران:۸۹)	ہاں جنہوں نے جرمِ ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور سنور گئے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے ارتداد کیا پھر تجدیدِ اسلام کے بعد جب حضور کی خدمتِ اقدس میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل نہ کیا اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کے متعلق ارشاد فرما چکا تھا۔

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً (توبہ:۶۶)	(اے منافقو!) کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم (اظہار) ایمان کے بعد کافر ہو چکے اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کو ایمان لانے کے بعد کبھی معاف کر دیا جاتا ہے اور کبھی سزا دی جاتی ہے اور معاف اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ توبہ کا اظہار کرتا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو مقبول التوبہ ہے۔

علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ یہ مرتدین کا ایک گروہ تھا اور ان میں سے جس شخص نے توبہ کی تھی اس کا نام مخشی بن حمیر نامی تھا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ شخص اپنے ساتھیوں کی کفریہ باتیں سن کر ان کا رد کرتا تھا اور ان کا ہم نوا نہ ہوتا تھا جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس نے منافقانہ طرزِ عمل سے کنارہ کشی اور بے زاری کا اعلان کیا وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک آیتِ کریمہ کی تلاوت مسلسل سنی جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی، حالت یہ تھی کہ میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور دل کے ٹکڑے ہونے لگے۔ میں نے

دعا مانگی۔

''اے اللہ! میری موت کو شہادت کا درجہ عطا فرما''

علماءِ تفسیر نے اس مقام پر تفصیلی واقعہ تحریر کیا ہے۔

استدراک:

اس واقعہ کو بطورِ دلیل پیش کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

(توبہ: 74-72)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی سے کام لو، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا بے شک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا اور ایسے کام کا قصد کیا جس کو پا نہ سکے ان کو صرف اس بات کی ناگواری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں دکھ کا عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین نہیں کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص ارتداد سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس صورت میں توبہ کرنے والے کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ استدلال مفہوم شرط جہت تعلیل اور سیاقِ کلام کی رو سے ہے اور قتل ایک دردناک سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جرمِ ارتداد سے توبہ کر لے تو اس کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے مگر وہ جو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جو دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہی لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی یہی غافل لوگ ہیں اور بلاشبہ

الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں پھر جن لوگوں نے ایذاء کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر واستقامت سے کام لیا بے شک تمہارا پروردگار ان آزمائشوں کے بعد بہت بخشنے والا مہربان ہے

(النحل .110-106)

اس سے ظاہر ہوا کہ جن لوگوں نے دینی آزمائش کے بعد دارالسلام کی طرف ہجرت کی پھر ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کیا اللہ تعالیٰ ان کو بخشش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور جس شخص کے گناہ معاف کردیئے گئے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت میں سزا نہیں دے گا۔

سفیان بن عیینہ بحوالہ عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ہجرت کے لیے نکلے تو مشرکوں نے ان کو آلیا۔ اور سخت اذیت وآزمائش میں ڈالا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (عنکبوت:10)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اذیت کو خدا کے عذاب کی طرح قرار دیتے ہیں

نیز یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ (النحل)

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے۔

بعدازاں مدینہ منورہ لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا اِلٰى اٰخرِ الاٰية (النحل:110)

جن لوگوں کو مشکلات میں ڈالا گیا اس کے بعد انہوں نے گھربار چھوڑ دیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرہ:217)

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے اور کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں اکارت جائیں گے

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حالتِ ارتداد (سے تائب ہو کر اس) پر نہ مرے تو اس کو جہنم کی دائمی سزا نہیں ملے گی اور یہ صورت قبولِ توبہ اور صحتِ اسلام کی دلیل ہے اس لیے ایسا شخص تارکِ دین نہ سمجھا جائے گا اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا اس مسئلہ کی تائید حسبِ ذیل آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ

پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو ان کو پکڑو ان کا محاصرہ کرو اور ان کے لیے

كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ:5)

ہر گھات میں بیٹھو پس اگر وہ توبہ کریں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

یہ خطاب ہر مشرک کے ساتھ جنگ کرنے کے معاملہ میں عام ہے اور جب وہ شرک سے توبہ کر کے نماز قائم کرنے والا اور زکوٰۃ دینے والا بن جائے۔ خواہ مشرک اصلی ہو یا مشرک مرتد، تو اس کا راستہ چھوڑ دینے کا حکم ہے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے دورِ رسالت ﷺ میں ارتداد کیا اور مکہ مکرمہ چلا گیا اور جا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء پردازی کرنے لگا۔ بعدازاں اس نے توبہ کر لی تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی بیعت قبول فرمائی اور اس کا خون محفوظ قرار دیا ایسا ہی حارث بن سوید کا واقعہ ہے اسی طرح مکہ کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا اور پھر اسلام سے برگشتہ ہو گئے بعدازاں تائب ہو کر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ان کے خون محفوظ قرار دیئے گئے ان لوگوں کے قصے اربابِ حدیث اور علمائے سیرت کے ہاں بہت مشہور ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس مسئلہ پر اتفاق واجماع ہے نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو مکہ مدینہ اور طائف کے باشندوں کو چھوڑ کر اکثر اہلِ عرب اسلام سے منحرف ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ نبوت کے جھوٹے مدعیوں مثلاً مسیلمہ، عنسی اور طلحہ اسدی کی پیروی کرنے لگا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف مسلح جہاد کیا جس کی برکت سے اکثر مرتدین دامنِ اسلام میں لوٹ آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اسلام پر مقرر رکھتے ہوئے کسی کو قتل نہ کیا ان مرتدین کے سردار طلحہ اسدی اور اشعث بن قیس تھے۔ یہ ایسا واقعہ ہے جو بالکل واضح ہے اور کسی پر مخفی نہیں البتہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت محلِ نظر ہے کیونکہ ایسی بات کسی پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد جرمِ ارتداد کی کوئی اور قسم ہو جیسے زندقہ وغیرہ کا ظہور یا انہوں نے اس مرتد کے متعلق کہا ہو جو مسلمان پیدا ہوا۔ اس قسم کے مسائل میں علماء کا اختلاف شائع ذائع ہے۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ پاک کا تعلق ہے کہ

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ

جو شخص دین (اسلام کو دوسرے دین سے) بدل لے تو اس کو قتل کرو

ہمارا قول بھی اس ارشادِ پاک کے مطابق ہے کیونکہ دین بدلنے والے شخص سے مراد وہ شخص ہے جو تبدیل شدہ حالت پر ڈٹ جائے۔ اور جو شخص دینِ حق کی طرف لوٹ آئے وہ دین بدلنے والا قرار نہیں پائے گا یونہی جو اہلِ اسلام کی طرف آ جائے وہ جماعت سے الگ ہونے والا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ دینِ حق سے وابستہ اور جماعت سے پیوستہ ہوتا ہے یہ صورت قتل اور زنا کے جرم کے خلاف ہے کیونکہ قتل اور زنا کے افعال جو مجرم سے صادر ہوتے ہیں ان افعال پر قائم رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے جب مجرم ان جرائم سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ تو اس کو زانی اور قاتل نہیں کہا جاتا۔ پس جب اس سے ایسے افعال کا صدور ہو گا تو اس پر حد لاگو ہو گی خواہ اس عزم کا اظہار کرے کہ آئندہ اس قسم کے جرائم کا مرتکب نہیں ہو گا۔ کیونکہ آئندہ جرم نہ کرنے کا عزم گزشتہ فعل کے مفسدہ کو ختم نہیں

کرتا۔ تارکِ دین اور مفارقِ جماعت کی تفسیر کبھی محارب رہزن سے کی جاتی ہے امام ابوداؤد نے سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح تفسیر نقل کی۔

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهٗ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهٗ يُقْتَلُ اَوْ يُصْلَبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْ يَقْتُلُ نَفْسًا بِهَا

ایک مسلمان کلمہ کا خون حلال نہیں سوائے تین باتوں میں سے ایک کے 1۔کوئی شخص شادی کے بعد زنا کا مرتکب ہو، اس کو سنگسار کیا جائے۔ 2۔کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کیلئے نکلے تو اس کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا جلاوطن کیا جائے 3۔ یا کوئی کسی کو قتل کردے تو اس جرم میں قتل کیا جائے۔

یہاں تارکِ دین مفارقِ جماعت کے استثناء کی تفسیر محاربہ (جنگ) سے کی ہے۔

اس استدلال کی تائید دونوں احادیث کے کلمات کہ کلمہ گو شخص کا خون حلال نہیں'' سے ہوتی ہے کیونکہ مرتد اس عموم میں داخل نہیں، لہٰذا اس کے استثناء کی ضرورت نہیں اس تفسیر پر ترکِ دین کا معنی ہوگا، موجب دین سے نکلنا اور ترکِ دین اور تبدیلِ دین میں فرق کرنا ہوگا یا اس کا مفہوم ہوگا کہ جو شخص مرتد ہو جائے اور جنگ آزمائی پر اتر آئے جیسے قبیلہ عرینہ کے لوگوں اور مقیس بن حبابہ نے کیا کہ انہوں نے مرتد ہو کر قتل و غارت کی اس قسم کے مجرموں کو ہر حالت میں قتل کیا جائے گا، خواہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرلیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے لوگوں کا استثناء کیا جن کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا اگرچہ قابو میں آنے کے بعد توبہ کا اظہار کریں اگر اس ارشاد میں مجرد مرتد مراد ہوتا، تو مفارقِ جماعت فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ صرف دین سے نکلنا ہی موجب قتل ہے خواہ نکلنے والا جماعت سے الگ نہ ہو پس یہ ایک وجہ ہے جس کا احتمال حدیث میں ہے اور یہی مقصودِ حدیث ہے واللہ اعلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی جس کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول نہیں فرماتا جو اسلام لانے کے بعد شرک کا ارتکاب کرے، اس کے الفاظ اس طرح مروی ہیں۔

لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْ مُّشْرِكٍ اَشْرَكَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ عَمَلًا حَتّٰى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ

اللہ تعالیٰ ایسے مشرک کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو اسلام لانے کے بعد شرک کرے یہاں تک کہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں سے آملے

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب وہ مسلمانوں کی طرف لوٹ آئے تو اس کا اسلام لانا قابلِ قبول ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ مشرکین کی جماعت میں رہ کر ان کی تعداد میں اضافہ اور کثرت کا ذریعہ بنا رہے جیسے ان لوگوں کا حال ہے جو بدر کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

اس حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرے پھر فتنہ میں مبتلا ہو کر مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، یہاں تک

کہ وہ مسلمانوں کی طرف آجائے ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (النساء:97)

یہ ترکِ دین تبدیلِ دین اور فراقِ جماعت کی صورتیں ایسی ہیں جن پر دائمی طور پر رہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اعتقاد کے تابع ہیں اور اعتقاد ایک دائمی حالت ہے پس جب آدمی اس اعتقاد کو توڑ کر اور چھوڑ کر پہلی حالت پر آجاتا ہے اور گزشتہ عارضی عمل کا اثر و حکم باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی اس میں فساد باقی رہتا ہے تو اس پر مبدل دین اور تارکِ دین کا قول راست نہیں آتا جیسا کہ زانی اور قاتل پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ یہ زانی ہے یہ قاتل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کو اسلام لانے کے بعد مطلقاً کافر نہیں کہا جا سکتا تبدیل و ترکِ دین موجبِ قتل ہونے میں کفرِ اصل اور قتل و غارت کے مشابہ ہے پس جب اسلام کے ذریعے زوالِ کفر ہوگا یا عہدِ ذمہ کے باعث محاربہ کا خاتمہ ہوگا تو کفر کا حکم قطع ہو جائے گا اسی طرح دین کی طرف رجوع سے ترک و تبدیلِ دین کا حکم ختم ہو جائے گا۔

استتابتِ مرتد کا شرعی حکم اور علماء کی آراء

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا مذہب ہے کہ مرتد کو توبہ کا حکم دے کر تین دن کی مہلت دی جائے گی، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا مطالبہ کرنا واجب ہے، یا مستحب؟ ان دونوں آئمہ سے دو طرح کی روایات آئی ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے اسحاق بن راھویہ کا یہی مذہب ہے مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں وجوب و استحباب کے متعلق دو قول ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قول پر توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر فوراً توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کیا جائے گا۔

یہی قول ابنِ منذر رحمۃ اللہ علیہ اور مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کے دوسرے قول پر مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا جیسا کہ امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔ امام زہری اور ابنِ قاسم ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین بار توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نکتۂ نگاہ ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا احناف کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ توبہ کا مطالبہ کرنا مستحب ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ آئمہ احناف سے نقل کرتے ہیں کہ مرتد کو قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کر لیا جائے ان کے نزدیک مرتد پر اسلام پیش کیا جائے۔ اگر اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ اس میں استثنائی صورت ہے کہ اگر وہ توبہ کی مہلت مانگے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے۔

امام ثوری فرماتے ہیں کہ جب تک مرتد سے توبہ کی امید ہو اس کو مہلت دی جائے یہی مفہوم ہے امام نخعی کے ارشاد کا۔

عبید بن عمیر اور طاؤس کا مذہب ہے کہ مرتد کو فوراً قتل کر دیا جائے اور توبہ کا موقع نہ دیا جائے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین بدلنے والے اور جماعت چھوڑنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ جبکہ اس میں توبہ کا استثناء نہیں فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بلا استتابت قتل کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ توبہ کرنے پر ہم اس کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مرتد کافرِ اصلی سے زیادہ سخت کافر ہوتا ہے پس جب حربی قیدی کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کرنے کا جواز ہے تو مرتد کو قتل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

قتلِ مرتد میں راز یہ ہے کہ ہم کافر کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید اس کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو کیونکہ جس کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو اس کو قتل کرنا جائز نہیں جبکہ مرتد کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی اس لئے اس کو اصلی کافر کی طرح قتل کرنا جائز ہے یہ ہے علت ان لوگوں کی جو مطالبۂ توبہ کو مستحب قرار دیتے ہیں۔اس لیے مستحب ہے کہ ہم جنگ کے آغاز میں کفار کو اسلام کی دعوت دیں، ان کو پہلے ہی سے دعوتِ اسلام پہنچ چکی یہی حکم ہے کہ مرتد کا مگر دونوں کے معاملہ میں توبہ کا مطالبہ واجب نہیں۔ہاں فرض کریں کہ مرتد ایسا ہے جس پر اسلام کی طرف لوٹنے کا جواز مخفی ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔اس بات پر واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے روز عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مقیس بن حبابہ اور عبداللہ بن اخطل کا خون رائیگاں قرار دیا۔یہ لوگ مرتد تھے نبی اکرم ﷺ نے ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا بلکہ مقیس اور عبداللہ بن اخطل کو قتل کر دیا حضور نے ابن ابی سرح کی بیعت سے توقف کیا کہ شاید کوئی مسلمان اس کو قتل کر دے اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کا قتل جائز ہے جب تک کہ وہ اسلام نہ لائے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے مرتدوں کو موت کی سزا دی اور ان کو توبہ کا حکم نہ دیا کیونکہ ان کا جرم ان اسباب میں سے تھا جو خون مباح کر دیتے ہیں جیسے اصلی کافر، زانی اور رہزن وغیرہ مجرموں کے جرائم ہیں پس یہ تمام مجرم جن کی توبہ قبول ہو یا نہ ہو، توبہ کا مطالبہ کرنے سے پہلے قتل کر دیئے جائیں۔مرتد اگر توبہ سے گریز کرے اس طرح کہ دارالحرب بھاگ جائے یا مرتدوں کا گروہ ہو جو طاقتور اور باشوکت ہو اور حکم اسلام ماننے سے انکار کرتا ہو تو ایسے گروہ کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جائے۔یہی حکم ہے کہ ان مرتدوں کا جو ہمارے قابو میں ہوں۔

جو لوگ توبہ کے مطالبہ کو واجب یا مستحب سمجھتے ہیں ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (انفال:۳۸)

کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ جرائم معاف کر دیئے جائیں گے

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام کافروں کو بتادیں کہ اگر وہ کافرانہ طرزِ عمل سے باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ جرائم معاف کر دیئے جائیں گے استتابت کا یہی مفہوم ہے مرتد بھی ایک نوع کا کافر ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مرتد سے توبہ کا تقاضا واجب ہے۔یہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو عام دعوتِ اسلام پہنچی ہے کیونکہ یہ کفرِ ارتداد اس کفر سے خاص ہے کیونکہ اس کفر کا مرتکب واجب القتل ہے اور اس کو زندہ رہنے کا حق دینا جائز نہیں، جبکہ اصلی کفر سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

وجوبِ استتابت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آیت توبہ کے نزول کے بعد اس کا حکم حارث بن سوید اور اس کے ساتھی مرتدین کے پاس مکہ مکرمہ بھیجا۔اس لحاظ سے توبہ کا مطالبہ کرنا ایک شرعی کام ہے۔پھر حضور ﷺ سے اس فعل کا صدور دعوتِ اسلام اور ابلاغِ دین کی تعمیل کے ضمن میں ہوا پس یہ واجب ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام مروان نامی عورت مرتد ہوگئی تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس پر اسلام پیش کیا جائے

اگر رجوع کرلے تو ٹھیک، ورنہ اس کا سر قلم کردیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت احد کے دن دین حق سے برگشتہ ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر توبہ کرلے تو تعرض نہ کیا جائے۔ ورنہ قتل کردی جائے (بشرطیکہ درجہ صحت کو پہنچے) اور اصولِ فقہ میں امر وجوب کے لیے ہے اس معاملہ میں عمدہ نکتۂ نگاہ وہ ہے۔ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری کا بیان ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف سے ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے لوگوں کے حالات پوچھے تو اس نے تمام احوال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کوئی تازہ خبر ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں ایک شخص نے اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا، فرمایا تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ عرض کیا ہم نے اس کو قتل کردیا تو آپ نے (غصے میں) فرمایا تم نے اس کو تین دن تک قید کیوں نہ رکھا؟ کہ اس کو روزانہ کھلاتے اور توبہ کا مطالبہ کرتے؟ شائد وہ تائب ہوکر حکمِ خداوندی کی طرف لوٹ آتا۔ بعدازاں بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اٹھا کر استغاثہ کیا اے اللہ! میں اس کے قتل کے وقت موجود نہ تھا۔ میں نے اس قتل کا حکم بھی نہیں دیا اور نہ ہی اس کے قتل کی خبر سن کر راضی ہوا۔ اس واقعہ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا امام احمد نے فرمایا میں اس حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ کو بطورِ مذہب اختیار کرتا ہوں"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کا مطالبہ واجب ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ فرماتے کہ میں اس قتل سے راضی نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

''جب ہم نے تستر فتح کیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا وہاں پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا بکریوں (یعنی بنوبکر بن وائل کے لوگوں) نے کیا کیا؟ جب میں نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں تو عرض کیا اے امیر المومنین! ان بدبختوں نے لوٹ مار کی پھر مشرکوں کے ساتھ جاملے اور دینِ حق سے برگشتہ ہوکر مشرکوں کے شانہ بشانہ لڑے۔ یہاں تک کہ قتل ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں ان کو زندہ گرفتار کرلیتا تو میرے نزدیک یہ کام دنیا کی دھن دولت سے زیادہ پسندیدہ ہوتا، میں نے عرض کیا، اگر آپ ان کو زندہ پکڑ لیتے ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے؟ فرمایا میں ان کے سامنے وہ دروازہ رکھتا جس سے وہ باہر نکلے تھے۔ (یعنی اسلام) اور اگر وہ انکار کرتے تو ان کو قید میں ڈال دیتا۔

عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عراق کے ایک مرتد گروہ کو گرفتار کیا پھر ان کے معاملہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ مرتدین کے سامنے دینِ حق اور شہادتِ توحید رکھو۔ اگر قبول کرلیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ نہ مانیں تو ان کو تہ تیغ کردو۔ چنانچہ بعض نے دینِ حق قبول کرلیا اور کچھ نے انکار کیا پس حضرت عبداللہ نے انکار کرنے والوں کو قتل کردیا، اس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا۔

علامہ ابومحمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عیسائیت اختیار کرنے والے ایک بکری شخص کو گرفتار کیا اور ایک ماہ تک توبہ کا مطالبہ کیا۔ مگر اس نے ماننے سے انکار کیا پھر جب اس کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے پکار کر کہا۔ ہائے بنوبکر

کی ہلاکت! اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنو بکر تجھے جہنم ہی میں ملیں گے (یعنی تیری مدد کو نہیں آئیں گے) اس واقعہ کو ہلاک اوران کے شاگرد ابو بکر نے روایت کیا۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مرتد کو بیس راتوں تک توبہ کی مہلت دی، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے اسی بات کا تقاضا کیا مگر اس نے انکار کیا جس کی وجہ سے اس کی گردن ماردی گئی۔

ایک اور سلسلہ سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک ماہ کا عرصہ دے کر توبہ کا مطالبہ کیا، اس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ

یُسْتَابُ الْمُرْتَدُّ ثَلاثًا — مرتد کو تین دن تک توبہ کرنے کی مہلت دی جائے گی

ابو معین سعدی کہتے ہیں۔

''میں سحر کے وقت بنوحنیفہ قبیلے کی مسجد سے گزرا وہ کہہ رہے تھے اَنَّ مُسَیْلِمَةَ رسول الله میں نے آکر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خبر دی جنہوں نے پولیس بھیج کر ان کو گرفتار کیا اور پھر ان سے توبہ کا تقاضا کیا انہوں نے توبہ کی تو ان کو رہا کر دیا، البتہ عبداللہ نواحہ کو قتل کیا پھر فرمایا یہ لوگ دین میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اس لیے بعض کو قتل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنا کہ جب عبداللہ بن نواحہ اور ابنِ آثال کو حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان سے پوچھا کیا تم دونوں گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو انہوں نے جواباً دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کے سچے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ اگر میں کسی وفد کو قتل کرنا جائز سمجھتا تو، تو تم دونوں کو ضرور قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن نواحہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کے پیشِ نظر قتل کیا اس روایت کو عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد فیصلے ہیں جن کا کسی نے انکار نہیں کیا اس اعتبار سے یہ مسئلہ اجماعی اور اتفاقی ہو گیا۔

کافرِ اصلی اور مرتد کے درمیان فرق

مرتد اور کافرِ اصلی کے درمیان فرق کئی وجوہ سے ہے۔

وجہِ اول:

مرتد کی توبہ آسان اور زیادہ قریب ہے کیونکہ اس سے مطالبہ محض اسلام کی طرف رجوع کا ہوتا ہے جبکہ کافرِ اصلی سے مطالبہ ابتداءً اسلام لانے کا ہوتا ہے اور کسی چیز کی طرف رجوع ابتداءً اس چیز کو اختیار کرنے سے زیادہ آسان ہے اس لیے جب کافر سے توبہ کا مطالبہ دشوار ہوا اور اس وجہ سے ساقط ہو جائے تو لازم نہیں کہ مرتد سے توبہ کرانے کی ذمہ داری بھی ساقط ہو جائے۔

دوجہ دوم:

مرتد کوارتداد کی وجہ سے قتل کرنا واجب ہے اگر اہلِ قتال سے نہ ہو، جبکہ کافرِ اصلی کو قتل کرنا جائز نہیں بجز اس کے کہ اہلِ قتال سے ہو۔ اوراس کوامان صلح ذمہ، غلامی، احسان اور فدیہ کے مسائل میں قتل نہ کرنا جائز ہے پس جب مرتد کی سزا زیادہ سخت ہے تو اس پر مطالبہ توبہ کے عذر کے بعد ہی اقدام کیا جاسکتا ہے بخلاف ایسے مجرم کے جس کی سزا اس جرم سے ہلکی ہو۔

وجہ سوم:

کافرِ اصلی کو کبھی دینِ حق کی دعوت پہنچ چکی ہوتی ہے اور یہ دعوت ہر کفر سے مطالبہ توبہ کی عمومی صورت ہوتی ہے جبکہ مرتد کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ادھر کافرِ اصلی سے ہم صراحت کے ساتھ توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے۔ نہ ہی اسے دینِ حق قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

جہاں تک عبداللہ ابنِ سرح ابنِ اخطل اور مقیس بن حبابہ کا تعلق ہے ان کے جرائم ارتداد سے زیادہ سنگین تھے یہی معاملہ بنوعرینہ کا تھا۔ انہوں نے ارتداد کے ساتھ لوٹ مار کے جرائم بھی کیے تھے۔ اس لحاظ سے وہ رہزن اور محارب تھے ان میں سے کچھ ایسے تھے جو زبانی اذیت کے مرتکب ہوتے تھے اور یہ محاربہ کی قسم ہے اس لیے ان سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس مجرم سے توبہ کرانا ممکن نہ ہو اس سے توبہ کا مطالبہ فضول ہے توبہ کا مطالبہ اسی شخص سے کیا جاتا ہے جو زیرِ قدرت ہو شاید یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض کو توبہ کا حکم دیا گیا اور توبہ نہ کرنے پر ان کو سزا دی گئی۔

گستاخ اور مرتد

ہم نے مرتد کا حکم اس لیے علیحدہ ذکر کیا کہ گستاخ سے متعلق بحث کا مرتد کے ساتھ گہرا تعلق ہے پس جس عالم نے یہ کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے نام نہاد مسلمان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اس نے جرمِ گستاخی کو کفر کی ایک قسم قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کی گستاخی کی یا نبوت کا انکار کیا یا کتاب اللہ کی کسی آیت کو جھٹلایا یا یہودیت یا کسی اور مذہب کو اختیار کیا تو اس قسم کے لوگوں نے اپنا دین بدل لیا اور دینِ حق کو چھوڑ کر مسلمانوں سے الگ ہو گئے اس لیے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور دوسرے کفار کی طرح ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔

اس کی تائید اس خط سے ہوتی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مہاجر مسلمان کو ایک گستاخ عورت کے معاملہ میں لکھا اس میں آپ نے فرمایا

اَنَّ حَدَّ الْاَنْبِیَاءِ لَیْسَ یَشْبَہُ الْحُدُوْدَ فَمَنْ تَعَاطٰی ذٰلِکَ مِنْ مُسْلِمٍ فَهُوَ مُرْتَدٌّ اَوْ مُعَاهِدٍ فَهُوَ مُحَارِبٌ غَادِرٌ

بے شک انبیائے کرام کی حد عام انسانوں کی حدود کی طرح نہیں اس لیے جو مسلمان اس کا مرتکب ہو وہ مرتد ہے اگر معاہد ہو تو محارب عہد شکن ہے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اَیُّمَا مُسْلِمٍ سَبَّ اللّٰہَ اَوْ سَبَّ اَحَدًا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ فَقَدْ کَذَّبَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھِیَ رِدَّۃٌ یُسْتَتَابُ مِنْھَا فَاِنْ رَجَعَ وَاِلَّا قُتِلَ

جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے یا کسی نبی کو سب وشتم کرے تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی یہ دین سے انحراف و ارتداد ہے اور ایسا جرم کرنے والے سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا ، دینِ حق کی طرف رجوع کرے تو ٹھیک ، ورنہ قتل کیا جائے گا۔

ایک نابینا صحابی کا واقعہ گزر چکا اس کی اُم وُلد نبی اکرم ﷺ کو گالی دیتی تھی اور وہ اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس صحابی کی ڈانٹ ڈپٹ کا اس پر مطلقاً اثر نہ ہوتا تھا ، آخر تنگ آ کر اس صحابی نے اس گستاخ عورت کو قتل کر دیا۔ یہاں اس قتل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو نابینا صحابی نے اس کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل نہیں کیا اور اگر وہ ذمیہ تھی تو اس سے بھی توبہ کا مطالبہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ مسلمان سے توبہ کا مطالبہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔

یہاں گستاخ کو سزا دینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا اور دوسری یہ کہ اس کو گستاخی کی پاداش میں سزا ملی ، مگر دوسری توجیہ صحیح نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا بِاِحْدَی ثَلَاثٍ کُفْرٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْ زِنًی بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْ قَتْلِ نَفْسٍ فَیُقْتَلُ بِھَا

کسی مسلمان کلمہ گو کا خون مباح نہیں سوائے تین میں سے ایک بات کے ایک یہ کہ اسلام لانے کے بعد کفر کرے دوسری یہ کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تیسری یہ کہ کسی شخص کو قتل کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا

یہ ارشادِ گرامی متعدد وجوہ سے پایہ صحت کو پہنچا ہوا ہے اور زیرِ نظر (گستاخ) شخص نے نہ تو زنا کیا نہ کسی کو قتل کیا اس لیے اس کا قتل بوجہ ارتداد نہ ہو تو اس کو ایسی سزا دینا ناجائز اور ممتنع ہو اس سے ثابت ہوا کہ اس گستاخ کو بوجہِ ارتداد قتل کرنا ضروری ہے اور جو شخص دینِ حق سے پھر جائے اس کی توبہ قبول کی جائے گی اس کی دلیل سورۂ آلِ عمران کی آیات نمبر 86-89 ہیں۔

مرتد کی توبہ قبول ہونے پر دلائل گزشتہ صفحات کی زینت بن چکے ہیں آیتِ ذیل کا مفہوم بھی اس پر دال ہے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّاقَدْ سَلَفَ

اے رسول کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلْاِسْلَامُ یُجُبُّ مَا قَبْلَہٗ وَالْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ مُسْلِمٌ

اسلام پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو شخص اسلام قبول کرے تو اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

سورۂ توبہ کی حسبِ ذیل آیات نبی اکرم ﷺ کو زبان اور ہاتھ سے اذیت دینے والے منافقوں کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئیں۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (توبہ:٦١)

اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (توبہ:٦٦)

ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی اکرم ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کانوں کے کچے ہیں تو کہہ کہ کانوں کا کچا ہونا تمہارے لیے بہتر ہے (کہ ہر ایک کی سنتے ہیں) وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان کی باتیں مانتے ہیں اور تم میں سے جو اہلِ ایمان ہیں ان کیلئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے تم بہانے نہ بناؤ بے شک تم ایمان لانے کے بعد کفر کر چکے۔

اس سلسلۂ کلام کے آخر میں فرمایا:

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (توبہ آیت:66-16)

اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو (بوجہ توبہ) معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو عذاب کے وجہ یہ ہے کہ وہ مجرم ہیں

اِن منافقوں نے نبی اکرم ﷺ کو زبانوں اور ہاتھوں سے اذیت دی اس کے باوجود ان کو معافی کی امید توبہ ہی سے ممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ مقبول ہے اور جس کو معافی کی سند مل جائے اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

توبہ کے ساتھ معافی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ پاک بھی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (توبہ:73)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے

مزید فرمایا:

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (توبہ:74-73)

پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک عذاب دے گا

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافق جب اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے پھر توبہ کرے تو اس کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب نہیں دیا جائے گا اور قتل بھی دردناک عذاب ہے اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد اس منافق کو قتل نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ بعض منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ان میں سے ایک منافق حضور ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے پوچھا تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟'' تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے آیا اور سب نے قسم کھا کر کہا ہم نے گالیاں نہیں دیں'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی ضحاک سے روایت ہے کہ کچھ منافق نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تبوک کی طرف نکلے دورانِ سفر جب تنہا ہوتے تو حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو گالیاں

دیتے، اور دینِ حق پر طعن کرتے، حضرت خدیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

یَااَھْلَ النِّفَاقِ مَاھٰذَا الَّذِیْ بَلَغَنِیْ عَنْکُمْ — اے اہلِ نفاق! یہ کیا حرکت ہے جو تمہاری طرف سے مجھ تک پہنچی ہے؟

تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لیے مذکورہ بالا آیت کو نازل فرمایا۔

شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی اور عام لوگوں کی توہین میں فرق

حقوق اللہ میں منافقوں کی توبہ (خواہ اس میں حقوق العباد سے توبہ بھی شامل ہو) کئی وجوہ پر ہے

وجہِ اوّل:

ایک قول یہ ہے کہ غیبت کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی جائے جس کی غیبت کی گئی ہو، علماء کی بہت بڑی تعداد کا یہی نکتۂ نگاہ ہے اس لیے جائز ہے کہ منافق کا حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر طرح طرح کی ثناء تعظیم والا ایمان اس کے جرمِ اہانت (کی تلافی) کا موجب ہو۔

وجہِ دوم:

انبیائے کرام علیہم السلام کا حق اللہ تعالیٰ کے حق کے تابع ہے چونکہ شانِ انبیاء میں گستاخی کفر کو متضمن ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور کتاب و رسالت ﷺ پر اعتراض ہے۔ اس لیے جب یہ جرمِ اہانت وجوب میں حقِ خداوندی سے بڑا نہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ کافر کی حقوق خداوندی میں توبہ صحیح ہے لہٰذا نبوت سے متعلق حقوق انبیائے کرام میں توبہ صحیح ہے بخلاف عام لوگوں کے حقوق کے جو ایک دوسرے پر واجب ہوتے ہیں۔

وجہِ سوم:

یہ بھی مسلّم ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی پیروی اور تقلید کی دعوت دیتے تھے اور لوگوں کو بتاتے تھے کہ جو شخص آپ کی پیروی کرے گا اس کے زمانۂ کفر کے تمام گناہ بخشش دیئے جائیں گے اس لیے امکان ہے کہ حضور نے اس شخص کو بھی معاف کر دیا ہو جس نے اہانت کے بعد توبہ کر لی ہو اور اسلام کی تجدید کر لی ہو۔

ان وجوہ سے شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی اور عام لوگوں کی توہین کے درمیان فرق واضح ہو گیا کیونکہ جب عام شخص کو گالی دے گا تو اس کے بعد اس فعل کا مرتکب نہ ہوگا جو جرمِ اہانت کی سزا کے مناقض ہے کہ یہ محض حقِ آدمی ہے جو اس کی معافی کے بغیر معاف ہوگا جبکہ گستاخی کا مقتضی توبہ کے بعد موجود ہوتا ہے۔ اور اسلام تو ان دونوں سے بھی پہلے موجود ہوتا ہے خواہ وہ سزا سے باز نہ آئے یہاں اس جرم (گستاخی) کا داعیہ کفر ہے جو ایمان لانے سے زائل ہو گیا اور جب ثابت ہو لیا کہ گستاخ کی توبہ اور ایمان مقبول ہے تو ضروری ہے کہ ان کے ظاہر کرنے کو تسلیم کیا جائے۔ اس کی دلیل ذوالخویصرہ تمیمی کا واقعہ ہے جس نے مال کی تقسیم

میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر اعتراض کیا۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ! اجازت عطا فرمائیے۔ اس کی گردن ماردوں فرمایا نہیں۔ شاید وہ نماز پڑھتا ہو عرض کیا: یارسول اللہ! بے شمار نمازی ایسے ہیں جو زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ مجھے حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر اور انہیں چیر کر حقیقتِ حال معلوم کروں"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد قتل کیا تو حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

''تو نے اس کو کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد کیوں قتل کیا؟ عرض کیا حضور ﷺ اس نے بچاؤ کی خاطر کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے اس جواب پر فرمایا:

فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ — تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا

حدیثِ مقداد میں بھی اس بیان کی تصدیق کرتی ہے اور ذیل کی آیتِ کریمہ اس واقعہ کا شانِ نزول ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (نساء:94) — جو تم کو سلام کے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو

اس مسئلہ پر مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں کہ حربی کافر جب تلوار دیکھ کر اسلام قبول کرلے۔ وہ قید میں ہو یا کھلا دونوں صورتوں میں اس کا اسلام صحیح ہے اور اس کی توبہ قبول ہے اگرچہ اس کی حالت یہ ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔ (یعنی اس نے دل میں کفر چھپا رکھا ہو۔)

نبی اکرم ﷺ کافروں کی ظاہری حالت کو تسلیم کرتے تھے اور باطنی حالات کو (ٹٹولنے کی بجائے) اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی) کوئی بات نہیں کی حالانکہ وہ کفریہ کلمہ بک کر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بظاہر اسلام کا اظہار کرے اور کفر سے بیزاری کا اعلان کرے تو اس کا اسلام اور فعلِ توبہ قبول ہے یہ ان علماء کا نکتۂ نگاہ ہے جو گستاخ کی توبہ قبول ہونے کے قائل ہیں عنقریب دوسرے نکتۂ نگاہ (کہ گستاخ کو بلا مطالبہ توبہ قتل کرنا متعین ہے) کے دلائل اور ان کے جوابات زینتِ قرطاس بن رہے ہیں۔

فصلِ دوم

ذمی جب گستاخی کرے پھر تائب ہو جائے تو اس کا حکم

اس مسئلہ میں ہم نے تین قول ذکر کیے ہیں

قولِ اوّل

ایسے گستاخ ذمی کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا یہ امام احمد کا مشہور مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ جب وہ

گرفتاری کے بعد توبہ کرلے تو واجب القتل ہے۔(یعنی گرفتاری سے پہلے توبہ کرے تو قتل نہ کیا جائے گا) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی ایک رائے یہی ہے۔

قولِ دوم

گستاخ ذمی واجب القتل ہے الا یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور توبہ کرلے یہ امام مالک اور امام احمد سے مروی ایک اور ظاہر الروایہ ہے۔

نوٹ: آج 20 جنوری 2005ء بمطابق 9 ذوالحجہ 1425ء ہے اور آج راقم الحروف کی بڑی بیٹی میمونہ اعجاز کی چوبیسویں سالگرہ کا دن ہے، اب تک عربی کتاب کے 330 صفحات کا ترجمہ مسودہ سے مبیضہ کی صورت میں منتقل ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کی فوری تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔(مترجم پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ غفرلہ)

قولِ سوم

اس کو قتل کیا جائے البتہ اسلام لاکر توبہ کرلے یا پہلے عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کا ظاہری عموم اس پر دال ہے۔

اس کلام کی تاویل یہ ہے کہ جب وہ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے قتل نہ کیا جائے۔

جو علمائے کرام کہتے ہیں۔کہ اسلام لانے سے اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی ان کی دلیل وہی ہے جو ہم نے مسلمان کے معاملہ میں ذکر کی۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جب اسلام قبول کرلے تو اس سے گستاخی کی سزا ساقط ہو جائے گی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نکتۂ نگاہ یہی ہے کہ وہ گستاخ ذمی کو عہد شکن اور محارب قرار دیتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ محارب اور عہد شکن جب اسلام قبول کرلے تو اس کا خون اور مال معصوم ہو جاتے ہیں دیکھئے! بہت سے مشرکین مثلاً ابن الزبعری کعب بن زہیر اور ابوسفیان بن حارث وغیرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طرح طرح سے گستاخی کرتے تھے۔پھر جب دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تو ان کے خون اور مال معصوم قرار دیئے گئے۔یہ لوگ اگرچہ محاربین تھے، معاہد نہ تھے۔یہ صورت اس پر دال ہے کہ آدمیوں کے وہ حقوق جن کو کافر پامال کرتے ہیں وہ ان کے اسلام لانے سے اسی طرح ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا کتاب وسنت کی روشنی میں اجماع قائم ہے حربی کافر مسلمان ہو جائے تو اس سے اہلِ اسلام کے خون و مال اور عزت و آبرو کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔اور ذمی پر قرار نہیں دیا اس لیے جب وہ اسلام لے آئے تو اس جرم پر اس کی گرفت نہیں کی جائے گی بخلاف اس کے کہ وہ اہلِ اسلام کے مال و جان کو نقصان پہنچائے، عقدِ ذمہ اس پر ہمارے خون اور مال کی حرمت لازم قرار دیتا ہے جس طرح اس عہد کی رو سے ذمی کی جان اور مال کی حرمت ہم پر لازم ہے اور اس کے دین کو برا بھلا کہنا ممنوع ہے مذکورہ بالا مشرکوں کے قصوں سے استدلال مسئلہ زیرِ بحث کے زیادہ قریب ہے مگر خطاء سے خالی نہیں۔

ذمی گستاخ کو کس جرم میں قتل کیا جائے گا

(سوال یہ ہے کہ کیا) ذمی کو یا تو حربی گستاخ کی طرح جرمِ گستاخی یا جرمِ حراب (لڑائی) میں قتل کیا جائے گا یا اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا جیسے اس کو ذمی عورت کے ساتھ غلط کاری اور رہزنی کے جرم میں قتل کیا جائے۔ (اس کا جواب یہ ہے کہ) سزا کی دوسری صورت باطل ہے اس لیے پہلی صورت متعین ہوگئی، یہ اس لیے کہ گستاخی بحیثیت گستاخی زیادہ سے زیادہ ہتکِ عزت کا جرم ہے جرم کی ایسی صورت صرف کوڑوں کی سزا کو ضروری قرار دیتی ہے۔ بلکہ ذمی تو اس سزا کا بھی مستحق نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس جرم کا ارتکاب اپنے عقیدے کے مطابق حلال جان کر کرتا ہے، ہاں اس کے ساتھ شرائطِ صلح میں یہ شق موجود ہوتی ہے کہ وہ گستاخی کے ارتکاب پر عہدِ ذمہ ختم ہو جائے گا اور وہ حربی بن جائے گا۔ جرمِ گستاخی کا موجبِ قتل حد ہونا ایک شرعی حکم ہے جس کے ثبوت کے لیے دلیل کی ضرورت ہے جب کہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کیونکہ جو دلائل ذکر کیے جاتے ہیں ان سے صرف سزائے قتل دیئے جانے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ سزا ذیل کی تین صورتوں کے درمیان متردد ہے۔

1۔ یہ سزائے قتل کفر کے باعث ہے

2۔ یہ محاربہ کی وجہ سے ہے

3۔ یہ خاص جرمِ گستاخی کا صلہ ہے

مجرد استحسان اور اس استصلاح سے احکام ثابت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ رائے سے شریعت گھڑنے کے مترادف ہے اور یہ حرام ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (شوریٰ 21)	کیا ان کے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کیلئے دین گھڑ دیا جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی

اور قیاس اس مسئلہ میں دو وجہ سے متعذر (دشوار) ہے۔

مسئلہ گستاخی میں قیاس کے متعلق علماء کی آراء

وجہِ اوّل

بہت سے اہلِ نظر علماء اسباب، شروط اور موانع میں قیاس کے اجراء سے منع کرتے ہیں کیونکہ قیاس حکمت کی نوع وقدر جاننے کا محتاج ہے اور یہ دشوار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قیاس تو جرمِ گستاخی کو گستاخی ہی سے خارج کر دیتا ہے جبکہ قیاس کی شرط یہ ہے کہ اس میں اصل کا حکم باقی رہے پھر قتل سزا واجب ٹھہرانے والے جرائم کی فہرست میں ایسی کوئی حد نہیں جس کے ساتھ جرمِ گستاخی کو لاحق کیا جائے کیونکہ ان دونوں کے درمیان نوع اور قدر کا اختلاف ہے۔ ادھر عمومِ مفسدہ میں دونوں کا اشتراک بالاتفاق الحاق کا موجب نہیں اور عقل سے شریعت گھڑنا ہوا اس طرح دین کی گرہیں کھل جائیں گی شریعت کے بندھن ٹوٹ جائیں گے اور یہ گلے سے اسلام کا پٹا اتار پھینکنے کے مترادف ہوگا اس صورت میں مخلوق کی سیاست طبعی اور عقلی آراء پر قائم ہوگی جو یقیناً حرام ہے اس سے

ثابت ہوا کہ گستاخ کی سزائے قتل اس کے کفر اور حراب (لڑائی) کے باعث ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام کفر وحراب سے ثابت ہونے والی سزائے قتل کو ساقط کر دیتا ہے۔

ذمی کافر اگر نبی اکرم ﷺ کو ان معاملات میں سب وشتم کرے جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کے درمیان ہیں اور اس سب وشتم کو قبیح حرکت تسلیم نہ کرے بعد ازاں اسلام قبول کر لے اور دل وجان سے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت ﷺ پر ایمان لے آئے تو اس کا جرمِ گستاخی مٹ کر رہ جائے گا اور یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ اس جرمِ گستاخی پر اس سے دنیا وآخرت میں سزا کا تقاضا کریں گے۔

جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ غلطی پر ہے کیونکہ یہ بات قطعاً ثابت ہے کہ کفار نبی اکرم ﷺ کے متعلق انتہائی گفتگو کرتے تھے مثلاً وہ آپ ﷺ کو ساحر کاہن مجنون اور مفتر قرار دیتے تھے یہودیوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھا اور ان کو بدکاری کی طرف منسوب کیا انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گمراہی کا الزام لگایا اور یہ صریح کذب بیانی اور بہتان ہے پھر اگر یہودی اسلام قبول کرے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرے انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ﷺ جانے اور یہودیوں کے الزامات سے بیزاری کا اعلان کرے تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعض کافر نبی اکرم ﷺ کی اُمی عربوں کی طرف نبوت کے قائل ہیں ان میں سے کچھ مطلق نبوت کو مانتے ہیں لیکن اپنے قدیم دین سے لگاؤ اپنی عادات واغراض کے باعث دینِ اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض منہ موڑ قسم کے عرب دینِ حق میں غور نہیں کرتے۔ یہ لوگ جرمِ اہانت کے مرتکب ہوتے ہیں بعض کافر نبی اکرم ﷺ کے متعلق گھٹیا نظریات رکھتے ہیں۔ البتہ کھلی اہانت کا ارتکاب نہیں کرتے۔ یا کفری عقائد کے مطابق دبی زبان میں سب وشتم کرتے ہیں کچھ بدبخت علانیہ مسلمانوں کے سامنے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں بعض بہتان طرازی کرتے ہیں لیکن جب وہ دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو ان کے زمانہ کفر کے جرائم نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ کتاب وسنت میں کہیں مذکور نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر کا کوئی الزام باقی رہے گا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اسلام دورِ کفر کے تمام جرموں اور گناہوں کو ختم کر دیتا ہے پھر جب زمانہ کفر کے جرائم نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں تو اسلام لانے کے بعد سزا دینا درست نہیں۔

اگر کافر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے پھر اسلام قبول کر لے تو اس جرم پر اس کی گرفت نہ ہوگی، حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ابنِ آدم نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا تھا اس نے الزام لگایا کہ میں نے بیٹا بنایا حالانکہ میں یکتا اور (اولاد سے) بے نیاز ہوں"

اسی طرح عیسائی یا اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والے دوسرے کافر جب توبہ کر لیں تو دنیا وآخرت میں ان کو اس جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ

اِلٰـہٍ اِلَّآ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهُوۡا عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ اَفَلَا یَتُوۡبُوۡنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ○ (مائدہ73-73)

تین (خداؤں) کا تیسرا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اگر وہ ایسے کفری قول سے باز نہ آئے تو ان کافروں کو دردناک عذاب پہنچے گا وہ بارگاہِ خداوندی کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے اور گناہوں کی معافی کیوں نہیں مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

پس نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اللہ تعالیٰ کی گستاخی سے بڑا جرم نہیں۔ کیونکہ اس جرم کا سنگین اور موجب قتل ہونا اللہ تعالیٰ کے حق کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے اور جب اسلام لانے سے متبوع کی توہین کرنے والے کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ تو تابع کی اہانت کرنے والے کی سزا بدرجہ اولی ساقط ہونی چاہیے۔

اس سے انبیائے اکرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی اور دوسرے عام مسلمانوں کی گستاخی کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا اس لیے کہ عام لوگوں میں سے کسی کی گستاخی اور توہین خواہ اسلام لانے سے پہلے ہو یا بعد اس میں کوئی فرق نہیں اور گستاخ کی طرف سے کسی شخص کو ملنے والی اذیت اور تکلیف اسلام لانے سے پہلے ہو یا بعد ہو یکساں ہے۔ بخلاف نبی اکرم ﷺ کی شان میں اہانت اور تنقیص کے، کیونکہ اس کا اثر اسلام لانے کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور حضور ﷺ کی عزت وتوقیر اور تعریف وثناء کے باعث اس کی شکل بدل جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان میں بیہودہ گوئی اس پر ایمان لانے اسے یکتا جاننے اس کی تقدیس وتحمید بجالانے اور اس کی عبادت کرنے سے بدل جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دو شانیں

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دو شانیں ہیں

شانِ بشریت اور شانِ رسالت ﷺ

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام میں آیا۔

سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (اسراء:93) پاک ہے میرا رب میں تو ایک بشر رسول ہوں

بشری لحاظ سے آپ ﷺ بشری احکام سے متصف اور رسولی ﷺ جہت سے آپ ﷺ کو امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے اس لیے بحیثیت بشر آپ ﷺ کی شان میں گستاخی موجب سزا ہے جس طرح مسلمانوں کی اہانت لائق سزا ہے اور بحیثیت رسول ﷺ یہ سزا ان خصائص اور امتیازات کی وجہ سے ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے آپ کو عطا ہوئے ہیں لیکن گستاخ کی سزا صرف رسالت ﷺ کی جہت سے ہے کیونکہ بشریت کی نسبت سے گستاخی موجب قتل نہیں اور رسول ﷺ ہونے کے لحاظ سے گستاخی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے جب گستاخ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا تو رسالت ﷺ سے متعلق گستاخی کا حکم کالعدم ہو جائے گا جیسے شانِ الوہیت میں گستاخی کا حکم ختم ہو جاتا ہے پس گستاخی کے باعث واجب ہونے والی سزا ساقط ہو جائے گی البتہ حق بشریت باقی

رہے گا جس کی وجہ سے گستاخ کو اسی کوڑوں کی سزا ملے گی۔

اس دلیل کی اساس پر بعض ائمہ کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ گستاخ اگر بہتان تراشی کرے تو اسلام لانے کے بعد اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر سب وشتم کرے تو اس کو قذف کی سزا کے علاوہ تعزیر بھی کی جائے گی یہ ائمہ دین فرماتے ہیں:

اسلام حق الوہیت اور حقِ رسالت ﷺ کو (اسلام لانے پر) ساقط قرار دیتا ہے البتہ دوسرے انسانوں کی طرح رسول ﷺ کا حقِ بشریت برقرار رکھتا ہے اس لیے گستاخ کو بطور تادیب سزا دی جائے گی"۔

اور جو علماء کہتے ہیں کہ گستاخ کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول ﷺ کا حقِ بشریت حقِ رسالت ﷺ ونبوت میں ضم ہو گیا اس لیے جب کوئی جرم سزائے قتل کو واجب کرے گا تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس سزا کے ساتھ دوسری سزا واجب نہ ہوگی، اسی بناء پر قتل سے متعلق حقِ خداوندی قذف سے متعلق حقِ آدمی سے لاحق ہو گیا۔ پس جب مجرم کو قصاص اور حدِ قذف میں چھوٹ مل گئی تو ہتکِ عزت کے جرم میں اس کو سزا نہ دی جائے گی۔ یہی قیاس ہے حقِ بشریت کا حقِ رسالت ﷺ کے ساتھ، واضح رہے کہ ان دونوں قیاسی اصولوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ امام مالک کا مذہب ہے کہ اگر مقتول کا وارث قاتل کو معاف کر دے تو حاکمِ وقت اس کو تعزیری سزا دے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدِ قذف معاف بھی کر دی جائے تو ساقط نہیں ہوتی یونہی جو علماء سزائے قتل اسلام لانے سے ساقط ہونے میں متردد ہیں وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا واجب القتل شخص کو حد یا تعزیر سزا دی جائے گی؟ خصوصاً قذف اور گستاخی کے معاملہ میں؟ جو لوگ اس قول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے خلاف یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گستاخِ رسول کو قتل کیا یا اس کے قتل کا حکم دیا یا انہوں نے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کافر کو جرمِ گستاخی پر توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کیا جائے گا اس کو کفر اصلی کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جس طرح حربی قیدی کو قتل کیا جاتا ہے۔ اس جیسے مجرم سے کو توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ جس طرح مرتد سے مطالبہ کیا جاتا ہے ہاں اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذمی گستاخ کے متعلق یہی حکم دیتے ہیں وہ واجب القتل ہے اس کو توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا گویا وہ حربی کافر ہے جس نے مسلمانوں کو اذیت دی ہماری گرفت میں آ جائے تو اس کو قتل کریں گے البتہ اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما آئمہ سے زیادہ نصوص اسی طرح مروی ہیں کہ گستاخ واجب القتل ہے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا یہی حکم ذمی گستاخ کا ہے۔ جو علماء ذمی سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ شائد ذمی کو اس حقیقت کا علم نہ ہو کہ اسلام قبول کر لینے سے اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی اس لیے مرتد کی طرح اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس سے مطالبہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔ کیونکہ اتمامِ حجت اور تبلیغِ رسالت ﷺ سے پہلے کافروں کو قتل کرنا جائز نہیں۔

جن علماء کا نظریہ یہ ہے کہ گستاخ سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا وہ کہتے ہیں کہ یہ قیاس ہے کیونکہ قرآنِ حکیم میں ہر کافرِ اصلی

قیدی کے قتل کا حکم آیا ہے اور یہ نا قابلِ انکار ثبوت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بہت سے کافر قیدی کو قتل کیا اوران پر اسلام پیش نہیں کیا یہ معاملہ بنو قریظہ اور اہلِ خیبر کے قصوں میں بالکل ظاہر ہے علمائے سیرت کا اس میں مطلقاً اختلاف نہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کو عہد شکنی کے بعد گرفتار کیا اوران پر اسلام پیش کیے بغیر ان کو قتل کیا اسی طرح کعب بن اشرف کے قتل کا حکم دیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دی اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔

جن علماء نے یہ فرمایا کہ ذمی گستاخ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹ آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا حاکمِ وقت کو اس کو معاملہ کا اختیار ہوگا ان کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ اس حالت میں وہ معاہد حربی کافر کی مانند ہوگا ان کا نکتۂ نظر کہ جزیہ ادا کرنے کی شرط پوری کردی تو اس سے ہاتھ روکنا لازم ہے۔

حربی کافر قید میں آنے کے بعد مسلمان ہوجائے تو اس کا حکم

یہاں ایک بات پر بہتان پر تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ وہ قیدی جو حربی کافر ہو اگر مسلمان ہوجائے تو اس کا اسلام لانا حکمِ قید کو زائل نہ کرے گا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی غلامی میں آئے گا جس طرح قیدی عورتوں اور بچوں کا حکم ہے یا اس کے بارے حاکمِ وقت کو اختیار ہوگا۔ (البتہ اس کو قتل کیا جائے گا)

اس کی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے جو عمران بن حصین سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بنو ثقیف بنو عقیل کے حلیف تھے، انہوں نے دو صحابیوں کو پکڑ لیا اِدھر اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے بنو عقیل کا ایک آدمی گرفتار کرلیا، اس کے ساتھ اس کی اونٹنی (عضباء) بھی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زنجیروں میں جکڑ کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیا تو اس نے دریافت کیا اے محمد ﷺ مجھ کو اور میری اونٹنی کو کیوں پکڑا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے قبیلے کے حلیف قبیلے بنو ثقیف کے جرم کے باعث پھر روئے اقدس پھیر لیا، اس نے پھر پکارا یا محمد! یا محمد! نبی اکرم ﷺ چونکہ بہت مہربان اور نرم دل تھے اس لیے (اس کی غم انگیز آواز پر) اس کی طرف التفات کیا اور پوچھا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں مسلمان ہو چکا ہوں فرمایا اگر تو اس وقت کہتا جب آزاد تھا تو پوری فلاح اور مراد حاصل کرتا اس کے بعد حضور لوٹنے لگے تو اس نے چلا کر کہا یا محمد! آپ ﷺ نے قریب آکر پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دیجئے۔ میں پیاسا ہوں مجھے پانی دیجیے تو آپ ﷺ نے کھانا اور پانی مہیا فرمایا بعد ازاں اس کو دونوں گرفتار صحابیوں کے فدیہ میں آزاد کردیا وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور نے فرمایا کہ حربی جب گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہوجائے تو مکمل فلاح نہیں پاتا۔ جیسے قید سے پہلے اسلام لے آئے اور یہ کہ اس طرح اسلام لانا اس کی خلاصی کا باعث نہیں ہوتا۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے قیدی بننے کے بعد اسلام قبول کیا ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گرفتاری سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کو رہا نہیں کیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنا فدیہ ادا کیا اور قیاس بھی اسی بات کا تقاضا کرتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اسلام قبول کرے تو اس کا یہ فعل دائمی غلامی سے مانع نہ ہوگا حربی قیدی کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ یہ بھی ایک نوع کی غلامی ہے جو قیدی غلام بنانے کا جواز پیدا کرتی ہے اسی طرح اس کا مسلمان ہونا اس کے چھینے ہوئے مال کو لوٹانے

کا موجب نہیں۔ پھر مقامِ غور ہے کہ جب حربی قیدی کے اسلام لانے پر اس کی یہ حالت ہے تو عہد شکن معاہد کا حال تو بلاشبہ زیادہ سخت ہونا چاہیے پس جب عہد شکنی کے بعد دائرہ اسلام میں آ جائے اور ہمارے قابو میں بھی ہو تو اس وقت یہ کہنا درست نہیں کہ اس کو آزاد کر دیا جائے بلکہ اس کا خون معصوم و محفوظ قرار دینے سے یہ مراد ہے (کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ) وہ غلام بن جائے گا اور حاکمِ وقت کو اختیار ہوگا کہ اسے بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دے گا۔ یا اس کے متعلق جو چاہے فیصلہ کرے، یہ ان لوگوں کا قیاس ہے جو عہد شکن کو غلام بنانا جائز سمجھتے ہیں اور جو علماء اس کے قائل نہیں وہ اس کو مرتد قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسلام کی طرف رجوع کی صورت میں اس کو قیدی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا۔

جہاں تک حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کا تعلق ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اس حالت میں ایمان لائے کہ اپنے معاملات کا اختیار نہ رکھتا ہو وہ اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا۔ جو اپنے اختیار کے ساتھ اسلام لائے۔

اس لیے دونوں کو ایک جیسا قرار دینا صحیح نہیں اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جب وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو تو اس کو آزاد کرنا ضروری نہیں کیونکہ جب اسلام لانے سے اس کا آزاد ہونا ممکن نہیں تو جزیہ دینے سے بدرجہ اولیٰ آزاد کرنا درست نہ ہوگا لیکن حدیث میں اس کو غلام بنانے کی نفی نہیں۔

فصل

مسلمان گستاخ کو بلا استتابہ قتل کیا جائے گا

مسلمان گستاخ کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا خواہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کا اظہار کرے جیسا کہ جمہور علمائے دین کا مذہب ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ○ (احزاب:58)	بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی اور ان کیلئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے

پہلے گزر چکا کہ اس آیتِ کریمہ کا تقاضا اور مفاد یہ ہے کہ گستاخ کی حتمی سزا قتل ہے خواہ گرفتاری کے بعد توبہ کا اظہار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والوں اور اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کو اذیت دینے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پس جب اہلِ ایمان کو ستانے والوں کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت والوں کی سزا تو بدرجہ اولیٰ ساقط نہیں ہونی چاہیے کیونکہ دونوں طرح کے مجرموں کی سزا زبانی اذیت کی بنیاد پر ہے مجرد کفر کی وجہ سے نہیں۔

دوسری دلیل

اس دعویٰ کی دوسری دلیل سورۂ احزاب کی آیتِ ذیل ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا○ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○

(احزاب: 60-61)

اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو شہر (نبی ﷺ) میں بری بری خبریں اڑایا کرتے ہیں، باز نہ آئے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن پھٹکارے ہوئے جہاں پائے جائیں چن چن کر قتل کیے جائیں

اس آیت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جو منافقین اس تکلیف دہ طرزِ عمل سے باز نہ آئیں ان کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ انتہائے عاصم (یعنی اذیت رسانی سے باز رہنے کی ایسی صورت جو سزائے قتل سے بچالے) وہی صحیح ہے جو گرفتاری سے پہلے ہو۔

تیسری دلیل:

اللہ تعالیٰ نے سزائے قتل کو لعنت کی تفسیر قرار دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ملعون شخص جب قابو میں آجائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا (بشرطیکہ گرفتاری سے پہلے اپنے عملِ اذیت سے باز نہ آچکا ہو) مسلمان گستاخ بھی ملعون ہے۔ اس لیے اس آیتِ کریمہ کے حکم میں داخل ہے۔ اس کی تائید ہم سورہ نور کی آیت نمبر 23 کی وضاحت میں حبر الامت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کر چکے ہیں ان کا ارشاد ہے۔ کہ یہ آیتِ کریمہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان میں نازل ہوئی۔ جس میں توبہ کا ذکر نہیں اس کے بعد انہوں نے آیتِ ذیل کی تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(نور: 4,5)

اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی درے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو، یہی بدکردار لوگ ہیں ہاں جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بہتان طرازوں کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی جبکہ پہلے گروہ کے لیے توبہ کی گنجائش نہیں جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر بیان کی تو ایک صاحبِ علم نے اٹھ کر ان کا ماتھا چومنا چاہا۔ دیکھیے یہ حبر الامت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اذیت اور بہتان تراشی کے لعنتی عمل کا ارتکاب کرے اس کی کوئی توبہ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اور اذیت کا جرم اس سے کہیں زیادہ سنگین جرم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امہات المؤمنین پر بہتان باندھنے والا لعنت کا اس لیے حق دار ہے کہ امہات المؤمنین کی نسبت اور تعلق نبی اکرم ﷺ سے ہے اور نبی اکرم ﷺ کو ستانے کی توبہ ہرگز مقبول نہیں۔

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(مائدہ:33)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد انگیزی کیلئے سرگرم ہوں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا ان کے مخالف اطراف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا ان کو جلاوطن کردیا جائے یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قابو آنے سے پہلے توبہ کرلی تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

گستاخ شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہے اور محاربہ صلح کی ضد ہے اور صلح جو وہ شخص ہے جس سے سلامتی اور امن حاصل ہوا جبکہ اذیت دینے والے سے سلامتی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے وہ صلح جو نہیں بلکہ محارب ہے ایک اور حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے شخص کو اپنا دشمن قرار دیا اور جو آپ ﷺ سے دشمنی کرے وہ آپ کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے اور اس میں زمین میں سب سے بڑھ کر فساد کے لیے کوشاں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے فرمایا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ:11-12)

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں سن لو کہ یہی لوگ فسادی ہیں لیکن (اس حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے

اور قرآن حکیم میں جہاں کہیں فساد کا ذکر آیا مثلاً

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

اور زمین فساد نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد،

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا

(اعراف:85)

اور جب زمین میں اقتدار پاتا ہے تو اس میں فساد کی کوشش کرتا ہے

اور دیگر آیات ہیں جن میں فساد کا ذکر جرم گستاخی کو بھی متضمن ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جرمِ گستاخی سے نظامِ نبوت میں خلل آتا ہے حالانکہ نبوت دنیوی اور اُخروی اصلاح کی ضامن ہے۔

جب گستاخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہوتا ہے اور زمین میں فساد کی کوشش کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ آیتِ محاربہ کی سزاؤں میں سے ایک سزا اس کو دی جائے البتہ قابو آنے سے پہلے توبہ کرلے تو حکم اور ہے ہم قبل ازیں دلائل دے چکے ہیں کہ اس کی سزا قتل متعین و مقرر ہے جس طرح رہزن کی سزا متعین ہے اسی بناء پر اسی سزا کا اجراء و نفاذ لازم ہے۔

جہاں تک اس گستاخ کا تعلق ہے جس پر دلیل قائم ہو چکی (یعنی مقدمہ کی کارروائی ہو چکی) تو اس سے سزا ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس نے گرفت میں آنے کے بعد توبہ کی اسی طرح حربی کافر گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس کی سزا مطلقاً ساقط نہ ہوگی

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے عقیلی سے فرمایا کہ اگر گرفتاری سے پہلے (اپنے اختیار سے) یہ کلمہ کہتا تو مکمل کامیابی اور مراد پاتا۔ اس کو غلام بنایا جائے گا یا دوسری سزائیں دی جائیں گی لیکن اس کے برعکس مسلمان گستاخ مرتد محارب ہے اس کو غلام بنانا جائز نہ ہوگا جیسے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کا معاملہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے محاربہ (لڑائی) ہاتھ سے محاربہ کی طرح ہے اس لیے اس کی سزائے قتل بھی متعین ہے۔

سنتِ رسول ﷺ سے دلائل

1- نبی اکرم ﷺ کی سنت بھی کئی طرح سے گستاخی کے واجب القتل ہونے پر دلالت کرتی ہے آپ نے افتراء پرداز شخص کے قتل کا حکم دیا اور اس کو توبہ کو موقع نہ دیا ہم ذکر کر چکے کہ یہ حدیث قتلِ گستاخ کا تقاضا کرتی ہے خواہ ہم اس کے ظاہر پر حکم کریں یا اس بات پر محمول کریں کہ اس شخص نے جھوٹ باندھ کر آپ پر عیب لگایا تھا اسی طرح حدیثِ شعبی میں ہے کہ حضور ﷺ نے مالِ عزیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے بدبخت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

2- حدیث ابوبکر ؓ میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر ؓ کو گالی دی تو حضرت ابو برزہ ؓ نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا نہیں حضور ﷺ کے بعد کسی شخص کا یہ مقام نہیں کہ اس کے گستاخ کو قتل کی سزا دی جائے اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا شاتم و گستاخ واجب القتل ہے۔

3- حضرت عمر ؓ نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ ماننے سے انکار کیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو توبہ کا موقع نہ دیا۔ تو آپ کی تائید میں قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ نازل ہوئی حالانکہ فیصلہ تسلیم نہ کرنا ادنیٰ گستاخی ہے پھر اعلیٰ گستاخی کی شدت کا اندازہ کیجیے۔

4- عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے جب اسلام لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر اعتراض کیا اور افتراء باندھا تو حضور ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا اور اس کی بیعت سے انکار کیا۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن سعد تائب ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کے مسلمان ہونے کا علم بھی تھا اس کے باوجود آپ نے اس انتظار میں بیعت سے گریز کیا کہ کوئی شخص اٹھ کر اس کو قتل کر دے۔

یہ اس مسئلہ میں نص ہے کہ اس طرح کے مرتد کی توبہ قبول کرنا لازم نہیں بلکہ اس کا قتل کرنا جائز ہے خواہ تائب ہو کر آئے۔

یہاں کچھ اور وجوہ بھی ہیں کہ جس شخص کا خون معصوم قرار دیا گیا تھا اس کو خود نبی اکرم ﷺ نے معاف کیا تھا۔ اس کا مجرد اسلام لانا حفاظتِ خون کا باعث نہ تھا۔ اسلام لانے اور توبہ کرنے سے اس کے گناہ ختم ہوئے جبکہ حضور ﷺ کی طرف سے معاف کر دینے سے اس کی جان بخشی ہوئی۔ اب حضور ﷺ کے وصال سے اس معافی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ امت کے پاس یہ اختیار نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا حق معاف کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ معاملہ جوازِ قتل کی نص ہے۔ اس کی جان بخشی اس بات کی دلیل نہیں کہ ہم گستاخ شخص کا خون معصوم قرار دیں کیونکہ ہم بارہا واضح کر چکے کہ ایک واجب القتل شخص کو معاف کرنا نبی اکرم ﷺ کا ذاتی منصب ہے اور یہ معافی حضور کے وصال کے بعد ممکن نہیں رہی۔ ہم نے عبداللہ بن اخطل کے واقعے کا حوالہ بھی

دیا جس کی رو سے گستاخ واجب القتل ہے یہ بدبخت مسلمان تھا پھر مرتد ہو کر حضور ﷺ کی ہجو گوئی کرنے لگا۔ تو اس کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا گیا۔

قبل ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اثر گزر چکا کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملے میں اذیت دے اس کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جائے اور اس کی وجہ آپ کی اذیت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام ٹھہرایا یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ سب وشتم (گالی گلوچ) شدید ترین فعل اذیت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سب وشتم آپ کو ہو یا کسی اور کو، ہر حال میں حرام ہے اور ازواجِ مطہرات کی حرمت وعظمت آپ کے ساتھ رشتہ نکاح کی وجہ سے ہے ،اس سلسلہ میں جو چیز بھی آپ کے لیے اذیت کا سبب بنے وہ حرام ہے اور آپ کو اذیت دینے والا واجب القتل ہے خواہ کسی قسم کی اذیت دے۔

نبی اکرم ﷺ نے ہجو گوئی کر کے اذیت دینے والی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حالانکہ عام اہلِ بلد کو امان حاصل تھی اور قانون کے مطابق عورت کو قتل کرنے کی اجازت بھی نہیں سوائے ایسے جرم کے جس کی وجہ سے سزائے قتل لازم ہو۔ حضور ﷺ نے ان عورتوں سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا حالانکہ کافر حربی عورت جنگ میں شریک نہ ہو تو اس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ،اور مرتد عورت کو مطالبہ توبہ کے بغیر قتل نہیں کیا جاتا۔ ادھر ان گستاخ عورتوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ نہ ہی ان سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ ایسے مجرم کو بغیر استتابت قتل کرنا جائز ہے اور کسی مسلمان یا معاہد عورت سے جرمِ گستاخی ارتکاب حربی عورت کے جرم سے بڑا جرم ہے۔

ہم نے یہ دلائل بہت شرح وبسط کے ساتھ قلم بند کر دیئے ہیں کہ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہم نے سنت سے یہ بات بھی ثابت کی کہ سب وشتم عام کفر سے الگ جرم ہے یہ محاربہ کی قبیل سے ہے اور توبہ جو مرتد کے خون کی حفاظت کرتی ہے وہ کفر سے توبہ ہے پھر مرتد اگر محاربہ کا بھی ارتکاب کرے مثلاً قتل وغارت کرے جیسا کہ قبیلہ عرینہ کے لوگوں نے کیا یا مقیس بن حبابہ کا جرم ہے کہ اس نے ارتداد کے بعد انصاری کو قتل کیا اور اس کا مال چھین کر لے گیا تو ایسے مجرم کی سزا قتل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے کیا ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے متعلق حکمِ خداوندی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ ... اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا — ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے

اسی لیے علمائے اسلام میں سے جس نے محادہ (مخالفت) اور محاربہ (لڑائی) کو زیر بحث لایا اس نے ان جرائم کو ارتداد کے قائم مقام قرار نہیں دیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ نے گستاخ اور مرتد کے درمیان فرق کیا انہوں نے گستاخ کو توبہ کے مطالبہ کے بغیر ہی قتل کر دیا جبکہ مرتد کو توبہ کی مہلت دی ا (اس کا کچھ ذکر گزر چکا) اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گستاخ مسلمان کی توبہ قبول نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس کو قبول کرنے کا معمول ہوتا تو مرتد کی طرح اس کی توبہ بھی مشروع ہوتی۔ اور گستاخ مرتدین کی ایک قسم قرار ہوتا ہے۔ جو علماء اس نکتۂ نگاہ کو مسلمان گستاخ کے ساتھ مختص کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل

نہیں کہ کافر گستاخ قبولِ اسلام اس کی سزائے قتل کو ساقط نہیں کرتا۔ کیونکہ حربی کافر کو توبہ کے مطالبہ کے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے۔ ہاں مسلمان ہو جائے تو اس کی سزا ساقط ہو جائے گی کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے گستاخ سے مطالبہ توبہ کا حکم دیا ہو صرف ایک روایت حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے مگر اس کے سلسلہ سند پر اعتراض ہے۔

اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

اَيُّمَا مُسْلِمٍ سَبَّ اللّٰهَ اَوْ سَبَّ اَحَدًا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَذَّبَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَهِيَ رِدَّةٌ يُسْتَتَابُ فَاِنْ رَّجَعَ وَاِلَّا قُتِلَ

جس مسلمان نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی یا کسی پیغمبر کو گالی دی اس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی یہ ارتداد ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا رجوع کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کیا جائے گا

مگر یہ ارشاد ان لوگوں کے بارے ہے جو کسی نبی کی تکذیب کریں یا اس بنیاد پر گالی دیں کہ وہ نبی نہیں حدیث کے الفاظ قابلِ غور ہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی۔

بلاشبہ جو کسی نبی کی نبوت کی تکذیب کرے یا گالی دے پھر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ گویا اس نے بعض آیاتِ قرآنی کی تکذیب کی اور وہ مرتد ہے ہاں جو شخص نبوتِ پیغمبر کا اقرار کر کے گالی دے تو اس کا مسئلہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے ہمارے اس دعویٰ کی تائید حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ

''ازواجِ مطہرات پر بہتان باندھنے والے کی کوئی توبہ نہیں جبکہ دوسری عام عورتوں پر الزام تراشنے والوں کی توبہ ہے۔''

اور یہ معلوم ہے کہ اس میں حقِ رسول ﷺ کی پاسداری ہے اس سے پتہ چلا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ گستاخِ رسول کی توبہ قابلِ قبول نہیں ان کی دوسری روایت کی توجیہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کی بشرطیکہ وہ پایہ صحت کو پہنچے۔

یہ واضح ہے کہ جو شخص اقرارِ نبوت کے بعد سب وشتم کا مرتکب ہو تو یہ اس کے فسادِ عقیدہ اور کھلے کفر کی دلیل ہے بلکہ اس میں رسول ﷺ کی توہین اور ہتکِ عزت ہے کیونکہ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرہ برابر قدر و قیمت ہے اس سے ایسی گستاخی اور اہانت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ایمان اکرام و اجلالِ پیغمبر کا موجب ہے اور بدترین منافق وہ ہے جو اس گستاخی اور اہانت کا مرتکب ہو۔ جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ ایک زوجہ محترمہ کے حجرہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص تمہارے پاس آئے گا اور شیطانی آنکھ سے دیکھے گا اس سے بات نہ کیجئے کچھ ہی دیر کے بعد نیلی آنکھوں والا ایک شخص آیا تو آپ نے اس سے پوچھا تم اور تمہارے فلاں فلاں ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ یہ سن کر وہ اپنے ساتھیوں کو بلا لایا پھر سب قسمیں کھا کھا کر بہانے بنانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (توبہ:94)

وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

اس روایت کو ابو مسعود بن فرات نے نقل کیا حاکم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ (مجادلہ:18)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے حضور قسمیں کھائیں گے

پس جب پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ گستاخ رسول ﷺ مرتد اور کافر ہے اس نے نبی اکرم ﷺ کی توہین کی اس کے بعد اس کا رسالت کو ماننا اس کے کفر اور جرم اہانت کو زائل کرنے کی دلیل نہ ہوگا کیونکہ ظاہری دلیل اسی وقت صحیح اور قابل اعتماد ہوگی جب باطنی حالت کی مخالفت ثابت نہ ہو پھر جب باطن پر دلیل قائم ہو جائے کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے تو ظاہری حالت کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔

حاکم اپنے علم و یقین کے خلاف فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں

اسی حقیقت کے پیش نظر علماء کا اتفاق ہے کہ حاکم کا اپنے علم و یقین کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں خواہ اس کے سامنے عادل گواہ شہادت دیں ہاں جب اس کو قطعی علم حاصل نہ ہو تو ان گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اقرار کرے اور حاکم کو علم ہو کہ وہ اس اقرار میں جھوٹا ہے تو اس اقرار پر فیصلہ نہ کرے گا مثلاً کوئی شخص کسی شخص کے متعلق دعویٰ کرے کہ میرا بیٹا ہے حالانکہ وہ شخص عمر میں اس سے بڑا ہو تو اس اقرار سے اس کا نسب اور حق میراث ثابت نہ ہوگا اس مسئلہ پر علماء کا اجماع ہے۔

شرعی دلائل مثلاً خبر واحد امر و نہی اور عموم و قیاس کا یہی حکم ہے اور ان دلائل کا ماننا ضروری ہے الا یہ کہ ان دلائل سے زیادہ قوی دلیل اس امر پر قائم ہو جائے کہ ان کا باطنی حکم ظاہری حکم کے خلاف ہے اس مسئلہ کے نظائر بہت ہیں۔

جب یہ حقیقت ذہن نشین ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ گستاخ شخص کے فساد عقیدہ پر دلیل قائم ہو چکی کیونکہ اس نے رسالت ﷺ کی تکذیب اور رسول ﷺ کی توہین کی، اب اس کا اقرار رسالت پہلے اقرار کے برابر نہیں اس لیے اب یہ اس پر اعتماد جائز نہیں۔

یہ نکتۂ نگاہ ان علماء کا ہے جو زندیق کی توبہ قبول ہونے کے قائل نہیں، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے امام مالک اور لیث بن سعد کا مذہب ہے ایک روایت کی رو سے امام ابوحنیفہ کا مذہب منصور یہی ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اسی طرح کی منقول ہے جس کی بکثرت حنبلی علماء نے تائید کی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ آئی ہے کہ گستاخ سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مشہور مذہب ہے۔

امام ابو یوسف ایک اور نکتۂ نظر رکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں اس گستاخ کو بلا مطالبہ توبہ قتل کر دوں گا ہاں اگر وہ خود ہی توبہ کرے قبل اس کے کہ میں اس کو قتل کروں تو اس کی توبہ تسلیم کروں گا ایسی ہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

"اس نکتۂ نگاہ کے مطابق اگر گستاخ بار بار اس جرم کا ارتکاب کرے جو کہ اس کے کفر کی صریح دلیل ہے اس جرم کی تائید دوسری دلالتوں (مثلاً زبانی حرمتوں کی توہین، فرائض کی اہانت اور دیگر علامات نفاق) سے ہوگی زندیق کے زندقہ اور کفر کا یہ بلیغ ثبوت ہے اس صورت میں اس سے مجرد اسلام کا اظہار قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے قتل میں ہرگز توقف نہ کیا جائے گا نیز اس کے اظہار اسلام سے سزائے قتل ساقط نہ ہوگی کیونکہ گرفتاری کے بعد کی توبہ اس کی حالت میں کوئی نئی صورت پیدا نہ کرے گی، اس لیے حدود خداوندی کو بغیر کسی سبب اور وجہ کے کیسے معطل کیا جا سکتا ہے؟

ہاں عدالت میں مقدمہ لے جانے سے پہلے اگر اس سے ایسے اقوال و افعال ظاہر ہوں جو حسن اسلام پر دلالت کریں تو اس

کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر اس نکتۂ نگاہ کے حاملین کے درمیان اختلاف ہے جس کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

آیات توبہ کو اس طرح کے جرم یا خفیف جرم کے مرتکب پر محمول کیا جائے گا۔ (جس سے کبھی نفاق کا ظہور نہ ہوا اور پہلی صورت میں ان آیات کو اقامت حد پر حل کیا جائے گا۔)

پھر جو علماء ذمی کافر کے مسلمان ہونے پر سزائے قتل کو ساقط قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مسلمان گستاخ اور کافر گستاخ کے درمیان فرق واضح ہوگیا کیونکہ دین کافر میں نبی اکرم ﷺ کا سب وشتم کا اظہار جائز ہے اب اس نے دین اسلام قبول کرلیا جس سے نبی اکرم ﷺ کی عزت وتوقیر اس پر لازم ہوگئی یہ بات تبدیل دین اور انتقال حالت کی صحت پر دال ہے اور اس کے معارض کوئی چیز نہیں اس لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہ طریقہ اس اصول پر مبنی ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں جیسا کہ ہم نے ظہور کفر اور عدم ظہور اسلام کے دلائل سے ثابت کیا اور یہ قیاس جلی ہے۔

منافق وزندیق کے جوازِ قتل پر دلیل

منافق اور زندیق کو مطالبہ توبہ کے بغیر قتل کرنے کے جواز پر ذیل کی آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

اور ان میں کوئی (منافق) تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے سن لو وہ فتنہ ہی میں پڑے ہیں اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝

اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کرلیا تھا، اور خوشیاں مناتے پھر جائیں

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝

تم فرماؤ ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے

تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا' اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ دیکھو ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں۔

(توبہ: 49 '52)

آئمہ کہتے ہیں کہ اَوْ بِاَيْدِيْنَا سے مراد سزائے قتل ہے مراد یہ ہے کہ تم نے دلی نفاق کا اظہار کیا تو ہم تم کو قتل کردیں گے اور مفسرین کا یہ ارشاد صحیح ہے اور جرم کی سزا ہاتھوں کے ذریعے سوائے قتل کے اور کیا ہوسکتی ہے اگر منافق نفاق وزندقہ کا اظہار کرے پھر قبولیت توبہ ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے یا ہمارے ہاتھوں سزا دیئے جانے کا موقعہ نہ رہے گا کیونکہ جب ہم جرم نفاق پر سزا دینا چاہیں گے تو منافق فوراً توبہ کا اظہار کرکے سزا سے بچ جائے گا۔

قتادہ وغیرہ آئمہ تفسیر مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ○ (توبہ: 101)

اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہوگئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبارہ عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے

دوبار سزا سے مراد دنیا میں قتل ہے اور برزخ میں عذاب قبر حسب ذیل آیاتِ مقدسہ بھی اسی حقیقت کی غماز ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (توبہ: 95)

تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں (منافق اس لیے کہ تمہیں راضی کریں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (توبہ: 95)

اب تمہارے آگے اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اس لیے کہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو (اور ملامت وعتاب نہ کرو) تو ہاں ان کا خیال چھوڑو وہ تو نرے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (توبہ: 96)

تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ گے اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (توبہ: 74)

اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آ کر کافر ہوگئے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○ (المنافقون: 1)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں (تو اپنے ضمیر کے خلاف) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (المنافقون: 2)

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرایا تو اللہ کی راہ سے روکا، بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی

يَعْلَمُوْنَ ○ (المجادلۃ:14)
قسم کھاتے ہیں

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (المجادلۃ:15)
اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں

اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (المجادلۃ:17 16)
انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تو انہوں نے (اس حیلہ سے) اللہ کی راہ سے روکا پس ان کیلئے خواری کا عذاب ہے، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دیں گے وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ (المجادلۃ:18)
جس دن اللہ سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا، سنتے ہو! بے شک وہی جھوٹے ہیں

یہ تمام آیات دلالت کرتی ہیں کہ منافقین اہلِ ایمان کو جھوٹی قسموں سے خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے کفر کا انکار کرتے تھے وہ قسموں سے یقین دہانی کراتے کہ انہوں نے کلمۂ کفر نہیں کہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ثبوتِ جرم پر ایسے مجرموں کو قتل کیا جائے گا اس کی چند وجوہ ہیں۔

1- اگر منافق اس سزا سے پہلے توبہ کا اظہار کر سکتے تو انہیں قسمیں اٹھانے اور انکار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ یہ کہنا ہی کافی تھا کہ کلمۂ کفر ہمارے منہ سے نکلا تھا اب ہم نے توبہ کر لی ہے اس سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو خوف تھا کہ کلمۂ کفر کہنے سے ان کو سزا ملے گی اور ان کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

2- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا'' اور قسم اس وقت ڈھال بنتی ہے جب دعویٰ کو جھٹلانے کے لیے سچی شہادت نہ ہو۔ جب سچی شہادت موجود ہو تو قسم کی ڈھال ٹوٹ جائے گی اس وقت منافق گستاخ کو قتل کرنا جائز ہوگا۔

3- یہ آیات اس حقیقت پر واضح ہیں کہ کذب بیانی اور انکارِ واقعہ کی وجہ سے منافقوں کا خون محفوظ رہا۔ کیونکہ ان کے خلاف شرعی ثبوت مہیا نہ ہو سکا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے قتل سے گریز کیا۔

اس دعویٰ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ○ (توبہ:74 73)
اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے (کلمۂ کفر) نہ کہا حالانکہ انہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے

ایک اور مقام پر حکمِ ربانی ہے

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ — کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو

امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں

مراد یہ ہے کہ ان پر شرعی حدود قائم کرو

ابنِ مسعود فرماتے ہیں

ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرو اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانو

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور ابنِ جریج کا ارشاد ہے کہ

''زبان سے جہاد کرو سخت کلامی سے کام لو اور نرمی چھوڑ دو

وجہِ استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو منافقوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا جس طرح کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اور ان سے جہاد اسی وقت ممکن ہے جب ان سے ایسا قولی یا فعلی جرم صادر ہو جو موجبِ سزا ہو پھر جب ان سے کلمۂ کفر صادر ہوگا تو ان کو قتل کرنا جہاد کے مترادف ہوگا جس کا تقاضا یہ ہے کہ تجدیدِ اسلام سے ان کی سزا ساقط ہو۔ کیونکہ اگر تجدیدِ اسلام سے سزا ساقط ہو جائے تو وہ اصلی کافروں کی مانند ہوں گے اور ان سے جہاد کفار کی حیثیت سے ہوگا اہلِ نفاق کی حیثیت سے نہیں، آیتِ کریمہ کا تقاضا ہے کہ وہ اصلی کافروں سے الگ ہوں خصوصاً آیتِ کریمہ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ کا مفاد یہ ہے کہ ان سے بحیثیت منافقین جہاد کیا جائے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اسمِ مشتق کے ساتھ حکم کو معلق کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اشتقاق ہی علت ہے اس لیے جس طرح کفر کے باعث کافر سے جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح منافق سے بوجہ نفاق جہاد کرنا ضروری ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ کافر جب حالتِ کفر سے توبہ کر لے تو بظاہر وہ کفر سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اس کنارہ کشی کے خلاف کوئی بات نہیں ہوتی لیکن منافق جب اسلام کا اظہار کرے تو حقیقت میں نفاق سے کنارہ کش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اظہارِ اسلام منافی نفاق نہیں پھر جب اس کے خلاف جہاد یہ ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے جیسے زانی پر قائم کی جاتی ہے تو بعد از گرفتاری توبہ کرنے پر اس کی حد ساقط نہ ہوگی۔

اگر منافق کی ظاہری صورت قبول کی جائے (اور نفاق اس کے دل میں موجود ہو) تو اس کے خلاف جہاد کا راستہ مسدود ہو جائے گا اور اگر وہ علانیہ کفر کا اظہار کرے پھر اسلام لے آئے تو اس کو اسلام لانے کا فائدہ ہوگا اس وقت اس پر آیتِ ذیل دلالت کرتی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن، پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن

قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب: 60`62)

گن کر قتل کیے جائیں اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے

اس آیتِ کریمہ میں دلالت ہے کہ منافق جب نفاق سے باز نہ آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کے خلاف اقدام پر شہ دے گا پھر چند افراد کے سوا کسی کو پناہ نہ ملے گی اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی وہ جہاں ہاتھ آئیں گے قیدی بنائے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب ان سے نفاق کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کیونکہ جب تک منافقت پوشیدہ رہے گی ان کو قتل کی اجازت نہ ہوگی۔

منافقوں کی خواہش تھی کہ اپنے دلی نفاق کو ظاہر کریں تو اس آیتِ کریمہ میں ان کے قتل کی وعید آ گئی جس کی وجہ سے انہوں نے نفاق چھپا لیا۔

قتادہ کہتے ہیں۔

ہمیں خبر دی گئی ہے کہ منافقین اپنا نفاق ظاہر کرنا چاہتے تھے جب اس آیت میں قتل کی وعید سنائی گئی تو انہوں نے اپنے نفاق کو دل ہی میں چھپا لیا اور اگر اظہار نفاق کے بعد توبہ کا اظہار قبولیت کے لائق ہوتا تو ان کو پکڑنا قیدی بنانا اور قتل کرنا ممکن ہوگا کیونکہ توبہ کا اظہار تو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی سزا قتل رکھی یہ نہیں کہ ان سے لڑائی کی جائے اور یہاں توبہ کا استثناء بھی نہیں کیا جس طرح محاربین اور مشرکین کے معاملہ میں توبہ کا استثناء کیا اللہ تعالیٰ نے مشرکوں اور محاربوں کے متعلق فرمایا:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ: 5)

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں گے مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ (مائدہ: 33)

اور کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا جلاوطن کیے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب مگر وہ جو توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کیا جائے گا اور ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اس نکتۂ نگاہ کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائے نافع (یعنی منافقت سے احتساب) اغراء (جنگ پر برانگیختگی) اور گرفتاری قتل سے پہلے ٹھہرائی اور یہاں توبہ کا ذکر محاصرہ گرفتاری اور قتل کے ذکر کے بعد کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اغراء کے بعد منافقت سے باز آنا مفید نہیں جس طرح محارب کے قابو آنے کے بعد اس کو توبہ کا فائدہ نہیں ہوتا اگرچہ مشرک مرتد اور کافرِ اصلی کو اس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نفاق سے تائب نہ ہونے والوں کے متعلق اس کی سنت یہ ہے کہ قابو آنے کے بعد ان کو پکڑ کر قتل کیا جائے اور اس سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں انتہاء کا مفہوم ہے صحیح توبہ کے ذریعے نفاق سے باز آنا یا کافر شیطانوں اور مسلمانوں کے سامنے اظہارِ نفاق سے گریز کرنا یہاں دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کچھ منافق ایسے تھے جو نفاق چھپانے سے باز نہ آئے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا مگر اس کا اظہار نہ کر پائے ہاں ''انتہاء'' دونوں صورتوں کو عام ہو سکتی ہے اس لیے جو نفاق کے اظہار یا اسرار (پوشیدہ رکھنے) سے باز آ گیا وہ اس آیت کی وعید سے خارج ہو گیا اور جس نے اس کا اظہار کیا وہ اس وعید کے دائرے میں آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشادات اسی قبیل کے ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (توبہ:74)	اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کیا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔
فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (توبہ:74)	تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کرے گا دنیا اور آخرت میں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق کو عدمِ توبہ پر دنیا و آخرت میں سخت عذاب دے گا ایک اور آیتِ کریمہ ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ۝ (توبہ:10)	اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبارہ عذاب کریں گے۔

جہاں تک آیاتِ انتہاء (احزاب:60) کا تعلق ہے ابو رزین کہتے ہیں کہ اس میں جن گروہوں کا ذکر ہے وہ سب منافق ہیں یہی قول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اس لحاظ سے یہ خاص کا عام پر عطف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے کلماتِ طیبات ہیں۔

جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ (بقرۃ:98)

آیتِ کریمہ میں دل کے روگیوں سے مراد زانی بدکار لوگ ہیں اور یہ معلوم ہے کہ جو آدمی فحاشی اور بدکاری کا علانیہ ارتکاب کرے اس پر حد قائم کی جائے گی یہی حکم علانیہ منافقوں کا۔

زندیق منافق کے قتل کی دلیل

منافق زندیق کو بے استتابت قتل کرنے کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور مسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ

کے واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حاطب منافق نہیں) وہ بدر کی لڑائی میں اہلِ ایمان کی طرف سے شریک ہو چکا ہے تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر نظرِ کرم فرمائی اور اعلان فرمایا اے اہلِ بدر! اب تم جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر چکا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منافق سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس کو قتل کرنا جائز و مشروع ہے وجہِ استدلال یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب کو قتل کرنا جائز سمجھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ حاطب منافق نہیں نیز یہ فرمایا کہ وہ اہلِ بدر میں سے ہے۔ اور اس کی بخشش ہو چکی اس لیے جب کوئی نفاق کا اظہار کرے گا تو اس کا خون مباح ہوگا۔

واقعہ افک بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو عبداللہ بن ابی سلول منافق کے شرارت آمیز رویئے سے محفوظ رکھنے کا مطالبہ کیا اور فرمایا کون ہے جو مجھے اس شخص کی شرارت سے بچائے جس نے مجھے میرے اہلِ خانہ کے معاملہ میں اذیت دی؟ اللہ کی قسم! میں اپنے اہلِ خانہ کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ ان منافقوں نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو میرے علم کے مطابق اچھا انسان ہے اور میرے ساتھ میرے گھر آتا ہے۔ یہ سن کر بنی عبدالاشہل کے ایک بزرگ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس بدبخت سے نپٹنے کی ذمہ داری لیتا ہوں اگر اس کا تعلق بنی اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے اور اگر وہ ہمارے بھائیوں (بنو خزرج) سے ہے تو ہم حضور کے حکم کے منتظر ہیں۔ قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک نیک فطرت آدمی تھے مگر حضرت حسان کی ماں کے چچیرے بھائی ہونے کے ناطے حمیت اور عصبیت میں آکر حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگے بخدا تم نے غلط کیا۔ تم ہرگز اس کو قتل نہیں کر سکتے' ایسا کرنا تمہارے بس میں نہیں' یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر اٹھے اور سعد سے مخاطب ہو کر بولے: بخدا! تم نے غلط کہا' ہم اس منافق کو ضرور قتل کریں گے تم منافق ہو اور اہلِ نفاق کے حق میں جھگڑتے ہو اس طرح اوس اور خزرج کے قبائل میں آتشِ فتنہ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ لڑنے پر اتر آئے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر جلوہ گر ہو کر ان کو خاموش کرانے کی کوشش کی یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔

صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم حضور کے ہم رکاب تھے مہاجرین کی بڑی تعداد ساتھ تھی ان میں ایک شخص ظریف طبع تھا۔ اس نے ایک انصاری سے بر امذاق کیا تو اس انصاری نے شدید غصے کا اظہار کیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا، انصاری نے مدد کیلئے قبیلہ انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی تو باہر نکل کر فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟

ان لوگوں کو کیا ہو گیا؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حالات سے آگاہ کیا گیا راوی کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا یہ خبیث نعرہ ہے اس سے اجتناب کرو عبداللہ بن ابی (منافق) نے کہا کہ ہمارے خلاف (لڑنے کیلئے) لوگوں کو پکارا جائے اور ہم خاموش رہیں؟ مدینہ لوٹیں گے تو عزت مند ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال باہر کریں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس منافق کی بیہودہ گوئی کا علم ہوا تو عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کردیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں لوگ پروپیگنڈا کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

آئمہ تفسیر اور علمائے سیرت بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق کا ہے، ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان جھگڑا ہوا جس سے عبداللہ بن اُبی کو بہت غصہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے لوگ تھے جن میں حضرت زید بن ارقم بھی تھے وہ کم عمر تھے عبداللہ بن ابی نے کہا۔

کیا ان لوگوں (مسلمانوں) نے ایسی حرکت کی انہوں نے ہمارے درمیان منافرت پیدا کر کے ہمارے ملک میں ہم پر برتری بالادستی چاہی ہے اللہ کی قسم ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا۔

سَمِّنْ كَلْبَكَ يَاكُلْكَ　　　　اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ تجھے ہڑپ کر جائے

اللہ کی قسم! ہم مدینہ لوٹیں گے تو عزت مند لوگ ذلیلوں کمینوں کو نکال باہر کریں گے۔ ان کلمات سے عزت مند اپنے آپ کو قرار دیا اور دوسرے الفاظ (معاذ اللہ) نبی اکرم ﷺ کے لیے استعمال کیے۔

پھر اس نے اپنی قوم کی طرف رخ کر کے کہا "یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے" تم نے ان کو اپنے شہر میں لا بٹھایا۔ اپنے مال بانٹ کے ان کے حوالے کیے اللہ کی قسم! اگر تم ان سے کنارہ کشی کرلو تو تمہاری گردن پر سوار نہ ہوں بلکہ یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ کا رخ کریں اور اپنے قبیلوں اور حامیوں کے پاس چلے جائیں تم ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ محمد ﷺ کے پاس سے تتر بتر ہو جائیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اُس بدبخت کی تقریر سنی تو تڑپ کر کہا اے بدبخت! خدا کی قسم تو ذلیل کمینہ ہے اپنی قوم کے اندر بغض وعداوت کی آگ بھڑکانے والا ہے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عزت دی مسلمان ان سے محبت کرتے ہیں اللہ کی قسم میں اس کے بعد تجھ سے محبت نہ کروں گا۔

عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ خاموش رہ! میں تو ہنسی مذاق کر رہا تھا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو اس منافق کی تقریر سے آگاہ کیا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ غضب ناک ہو کر بولے یا رسول اللہ! اجازت عطا فرمایئے اس منافق کا سر قلم کروں فرمایا اگر اس کو قتل کرو گے تو یثرب میں بہت سی ناکیں اس کی حمایت میں لرزنے لگیں گی۔ عرض کیا حضور اگر کسی مہاجر کے ہاتھوں اس کا قتل پسند نہیں تو سعد بن معاذ محمد بن مسلمہ یا عباد بن بشیر انصاری کو حکم دیجئے۔ وہ اس کو ٹھکانے لگا دیں فرمایا عمر! یہ کیسے ممکن ہے لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کوچ کا اعلان کرو حالانکہ اس وقت سفر کرنا حضور کا معمول نہ تھا۔ بعد ازاں عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو نے اس طرح کی گستاخانہ گفتگو کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے قرآن حق کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل فرمایا میں نے ہرگز ایسی گفتگو نہیں کی زید نے غلط بیانی سے کام لیا ہے ایک انصاری لڑکے کی بات تسلیم نہ کیجئے ممکن ہے اس کو کچھ وہم ہوا ہو یا اسے بات یاد نہ رہی ہو ساتھ ہی اس نے معذرت کی ادھر قبیلہ انصار میں زید کو برا بھلا کہا جانے لگا۔

جب اس واقعہ کی اطلاع عبداللہ منافق کے بیٹے عبداللہ کو ہوئی وہ ایک فاضل صحابی تھے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے والد کو گستاخانہ گفتگو کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہیں اگر آپ ﷺ فی الواقع اس کا فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں اس کا سر کاٹ کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کرتا ہوں بخدا قبیلہ

خزرج اچھی طرح جانتا ہے کہ اس قبیلے میں مجھ سے زیادہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا کوئی نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ ﷺ کسی اور کو میرے والد کے قتل کا حکم دیں گے تو میرا نفس گوارا نہ کرے گا کہ میرے والد کا قاتل زندہ رہے میں اس کو قتل کر ڈالوں گا یوں ایک مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل کر کے جہنم کا حق دار ہو جاؤں گا یہ سن کر حضور نے فرمایا نہیں ہم اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے اور لوگوں کو موقع نہ دیں گے کہ پروپیگنڈہ کر سکیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کی بھی جان بخشی نہیں کرتے۔ تم اپنے والد کے ساتھ نیکی کرو اور اچھا برتاؤ کرو مفسرین نے اس واقعہ کو بالتفصیل ذکر کیا اور کہا کہ سورۃ منافقین اسی واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں ہم ایک سفر میں حضور کے ہمرکاب تھے، اس سفر میں لوگوں کو خوراک کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر تم اصحابِ محمد ﷺ پر خرچ نہ کرو تو یہ لوگ ان کو چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں اس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت مند ہو گا وہ ذلیل کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا میں نے اس کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے عبداللہ کو طلب فرمایا اور حقیقتِ حال دریافت کی اس نے قسم کھا کر انکار کیا اس کے ساتھیوں نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا کہ زید نے اس مسئلہ میں غلط بیانی کی ہے اس سے مجھے شدید ذہنی اذیت ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ نازل فرما کر میری تصدیق فرمائی پھر حضور نے ان منافقوں کو بلایا تا کہ ان کی بخشش کی دعا کریں مگر انہوں نے حقارت سے سر جھٹک دیئے۔

منافق کا قتل جائز ہے

اس قصہ میں تصریح ہے کہ منافق کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کرنا جائز ہے خواہ گستاخانہ کلام سے انکار کرے اور بیزاری کا اظہار کرے اور یہ تاثر دے کہ وہ مسلمان ہے جہاں تک عبداللہ بن ابی کے قتل سے باز رہنے کا تعلق ہے حضور سید عالم ﷺ نے اس کی علت بیان فرما دی کہ لوگ یہ نہ کہیں محمد ﷺ اپنے اصحاب کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے، اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ابنِ ابی کا نفاق شرعی شہادت سے ثابت نہ ہوا تھا نیز اس نے قسم کھا کر گستاخی کا انکار بھی کیا اس کا نفاق وحی اور خبر زید سے معلوم ہوا تھا اس میں ایک اور حکمت بھی تھی کہ مدینہ میں شورش نہ پھیل جائے اور لوگ مرتد نہ ہو جائیں۔

بعض مفسرین نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان منافقوں کا شمار کیا جنہوں نے غزوۂ تبوک میں گھاٹی پر گھات لگا کر حضور کو اچک لے جانے کی سازش کی تھی تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کیلئے آدمی کیوں نہیں بھیجے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے پسند نہیں کہ عرب والے پروپیگنڈہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں پر قابو پا کر ان کو قتل کرنے لگے ہیں اللہ تعالیٰ بذریعہ رسالت ہماری کفایت کرے گا۔

بعض مفسرین نے یہ واقعہ بھی نقل کیا کہ ایک منافق نے یہودی کے ساتھ نزاع کا مقدمہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیا تو حضور نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا، باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ اب فیصلہ کے لیے عمر بن خطاب کے پاس چلتے ہیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر یہودی نے کہا ہمارا مقدمہ محمد ﷺ کے حضور پیش ہوا اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ کیا۔ اب

یہ (نام نہاد) مسلمان ان کے فیصلہ پر خوش نہیں اور کہتا ہے کہ آپ فیصلہ کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ اسی طرح ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں فرمایا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں پھر تلوار لے کر نکلے اور اس منافق کی گردن اڑا دی یہاں تک کہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا اس کے بعد فرمایا۔

هٰذَا اَقْضِیْ بَیْنَ مَنْ لَّمْ یَرْضِ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ — میں اسی طرح اس شخص کا فیصلہ کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے راضی نہیں ہوتا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ (نساء:60) — کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے۔

اس فیصلہ پر جبریل امین نے فرمایا

عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان نشانِ امتیاز قائم کر دیا اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق رضی اللہ عنہ پڑا اور یہ قصہ پہلے دو وجہ سے منقول ہو چکا۔

ان احادیث میں دلالت ہے کہ منافق کو قتل کرنا جائز ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے مطالبہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے جس نے قتلِ منافق کی اجازت طلب کی تھی یونہی فعلِ عمر رضی اللہ عنہ پر ناگواری کا اظہار کرتے اور عبداللہ بن ابی کو قتل نہ کرنے کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کی بجائے یہ کہہ دینا ہی کافی کہ آدمی کا خون اسلام لانے سے معصوم ہو جاتا ہے پھر جب خون معصوم ہو جائے تو اس کی عصمت وحفاظت میں اس وصف کا اثر نہیں ہونا چاہیے نہ ہی اس وصف کے ساتھ تعلیلِ حکم جائز ہے جس کا اثر نہ ہو یہاں علت کو اس وصف کے ساتھ لایا گیا جو حکم کا مناط ہے گویا وہ جوازِ قتل پر دلیل ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ منافق کو مطالبہ توبہ کے بغیر قتل کرنا جائز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ایک سوال:

حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان (منافقین) کے نفاق کا علم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (اظہارِ نفاق) سے پہلے قتل کیوں نہ کیا؟

وجہِ اوّل:

عام منافق ایسا کفری کلام نہیں بکتے تھے جس پر شرعی شہادت قائم ہو سکے بلکہ وہ بظاہر اسلام کا اظہار کرتے ان کے نفاق سے آگاہی کی صرف یہ صورت ہوتی کہ کوئی مسلمان ان کی زبان سے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا مگر وہ اکثر قسمیں کھا کر مکر جاتے یا نماز اور جہاد میں تساہل سے کام لیتے یا زکوٰۃ کی ادائیگی کو بوجھ سمجھتے اور احکامِ خداوندی پر منہ بناتے۔ اس طرح ان کے نفاق کا پتہ چل جاتا۔ زیادہ تر اسلوبِ کلام سے ان کے نفاق کی پہچان ہوتی جس طرح حسبِ ذیل ارشادِ ربانی میں اس کی نشاندہی ہے۔ فرمایا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ — کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے اس گھمنڈ میں ہیں کہ اللہ ان کے چھپے بیر ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھائیں کہ تم ان کی صورت پہچان لو اور ضرور تم انہیں اسلوب

اَعْمَالَكُمْ ﴿محمد:۲۹،۳۰﴾ بات میں پہچان لوگے اور اللہ تمہارے عمل جانتا ہے

اس آیت کریمہ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو اپنے رسول ﷺ کو منافقوں کی پہچان ان کے چہروں کی نشانیوں سے کرا دیتا۔ پھر فرمایا: لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ یعنی قسم ہے کہ تم اس کے اسلوبِ کلام سے ان کو پہچان لوگے پھر ان میں ایسے بھی ہیں جن کے قول یا فعل سے منافقت کا رنگ جھلکتا ہے پس قرآن اکثر ان کی منافقت کو بے نقاب کر دیتا ہے جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے بعض منافقین ایسے ہیں جن کو مسلمان واضح دلائل اور قوی قرائن سے بخوبی پہچان لیتے ہیں کچھ انتہائی گہرے منافق ہیں جن کی پہچان آسان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴿توبہ:101﴾ تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے، ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں

اس نفاق کے باوجود منافقین اسلام کا دم بھرتے تھے اور مسلمان ہونے کی قسمیں کھاتے تھے ان بدبختوں نے قسموں کو (مفاد کی خاطر) ڈھال بنا رکھا تھا اس صورتِ حال کے باوجود نبی اکرم ﷺ اپنے یقینی علم دوسروں کی اطلاع یا مجرد وحی یا قرآئن وشواہد کی بناء پر ان پر شرعی حدود قائم نہیں فرماتے تھے جب تک کہ واضح شہادت یا اقرار کے ذریعے جرم نفاق ثابت نہ جاتا دیکھئے آپ ﷺ نے لعان کرنے والی عورت کے متعلق خبر دی۔ کہ اگر اس نے فلاں صفات کا حامل بچہ جنم دیا۔ تو وہ بچہ فلاں شخص کا ہوگا جس پر اس عورت کے ساتھ غلط کاری کا الزام ہے پھر اس عورت نے ایسی نشانیوں والا بچہ جنم دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

لَوْ لَا الْأَيْمَانَ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَانٌ اگر قسمیں رکاوٹ نہ بنتیں تو میں اس عورت پر حد قائم کرتا

ایک عورت مدینہ شریف میں علانیہ بدکاری کا دھندا کرتی تھی حضورِ انور ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا اگر میں واضح شرعی ثبوت کے بغیر کسی کو سنگسار کرتا تو اس عورت کو ضرور سنگسار کرتا۔

اسی اصول کی بناء پر آپ ﷺ نے مقدمہ باز لوگوں سے فرمایا

تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص قانونی بحث کے دوران تیز زبان اور طرار ہو میں اس کے ظاہری دلائل پر فیصلہ کر دوں یاد رکھو اگر میں کسی کا حق اس کے سپرد کروں تو وہ ہرگز نہ لے کیونکہ میں آگ کا ٹکڑا اس کے حوالے کروں گا۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ان منافقوں کے عدمِ قتل کی وجہ یہ تھی کہ ان کے کفری کلمات شرعی دلائل سے ثابت نہ ہوئے تھے جس پر یہ حقیقت بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے تعین کے ساتھ توبہ کا مطالبہ نہ کیا تھا اور یہ معلوم ہے کہ اس منافق کا حال اس منافق سے بہتر ہے جس کا نفاق و زندقہ دلائل سے ثابت ہو اس سے مرتد کی طرح توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہوگا اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس شخص سے کفر و نفاق کا جرم واضح ثبوت کے ساتھ ثابت نہ ہو اس کو مرتد کی طرح سزا نہ دی جائے گی یہی وجہ ہے کہ ہم عدمِ ثبوت والے منافقوں کی ظاہری حالت قبول کر لیتے ہیں اور ان کے باطنی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے

حوالے کرتے ہیں۔

پس یہ حال ہے اس شخص کا جس کا نفاق ظاہر ہے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے پیٹ پھاڑ کر اور دل چیر کر حقیقتِ حال معلوم کروں۔

یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ سے ذوالخویصرہ منافق کے قتل کی اجازت طلب کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

کیا وہ لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا الـلّٰـــہُ کی گواہی نہیں دیتا؟ عرض کیا گیا ہاں یارسول اللہ! وہ اس کی گواہی دیتا ہے فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ عرض کیا گیا ہاں! نماز پڑھتا ہے فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں جن کے قتل سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو ان لوگوں کے قتل سے منع کیا گیا جو شہادتین کے ساتھ اسلام کا اظہار کریں اور نماز پڑھیں خواہ نفاق میں شہرت رکھتے ہوں اور بظاہر نفاق کا نشان بھی ملتا ہو پھر جب شرعی دلیل سے اس کا ثبوت نہ ہوگا تو قتل کا حکم نہیں دیا جائے گا ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے برسرِ پیکار رہو یہاں تک کہ وہ توحید و رسالت ﷺ کی گواہی دیں پھر جب وہ اس کی گواہی دیں تو ان کے خون اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرنے اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ زندیق و منافق کو اس وقت قتل کیا جائے گا جب وہ کلمۂ کفر کہے گا اور اس کلمۂ کفر پر شرعی دلیل قائم ہو جائے یہ ظاہر کا حکم ہے باطن کا نہیں اس جواب سے مسئلہ زیرِ بحث کی فقاہت بھی ظاہر ہوگئی۔

وجہ دوم:

نبی اکرم ﷺ کو خوف یہ تھا کہ ایسے شرارت پسند منافقوں کو قتل کرنے سے نقصان اور فساد بہت زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ ان کو قتل نہ کر کے زندہ رہنے دیا جائے جس کی وضاحت آپ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات سے ہوتی ہے؟

کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور یہ کہ ان کے قتل سے مدینہ میں بہت سی ناکیں لرزنے لگیں گی۔

اگر ان کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا جاتا کہ ان کے کفر کی اطلاع وحی کے ذریعے ہوئی تو شکی مزاج لوگ گمان کرتے کہ نبی اکرم ﷺ نے اندرونی دشمنی اور خاص (اغراض کے تحت ان کو قتل کیا، آپ ﷺ ان کے توسط سے حکومت پر قبضہ حاصل کرنا چاہتے تھے (مگر انہوں نے ساتھ نہیں دیا) جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

مجھے پسند نہیں کہ اہلِ عرب کہنے لگیں کہ محمد ﷺ جب اپنے ساتھیوں کی مدد سے کامیاب ہوگئے تو انہیں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔

حضور ﷺ کو اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ دائرہ اسلام میں آنے کے خواہش مند خوفزدہ ہو جائینگے اور سمجھیں گے کہ اسلام لانے کے باوجود قتل سے نہیں بچ سکتے۔

بعض سرکردہ منافقین کے قتل سے ان کے قبائل کی آتشِ غضب بھڑک سکتی تھی اور فتنہ پیدا ہو سکتا تھا اس سلسلہ میں عبداللہ بن ابی کی مثال سامنے تھی کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی تجویز پیش کی تو بہت سے نیکو کار لوگ ان سے الجھ پڑے اور قبیلہ کی حمیت کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ بچاؤ کرایا اور ان کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابنِ ابی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی تو حضور نے ان کو قتل سے باز رہنے کی یہی توجیہ بیان فرمائی۔

علمائے حنابلہ فرماتے ہیں:

اب بھی ایسی ہی صورتِ حال درپیش ہو تو ہم ایسے افراد کے قتل سے اجتناب کریں گے اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق پر بالتعین حد قائم نہیں کی کیونکہ ان کے خلاف کوئی ایسی شرعی دلیل ثابت نہ ہوئی جو خاص و عام کے علم میں ہو یا ایسی حد جاری کرنا ممکن نہ تھا جس کی وجہ سے لوگ دائرہ اسلام میں آنے سے متنفر ہوں یا دوسرے مسلمان آمادہ ارتداد ہو جائیں یا کوئی گروہ جنگ اور فتنہ انگیزی کے ذریعے ایسا فساد پیدا کرے جو قتل کے ترک سے بڑا فساد ہو اور یہ حکم آج تک باقی ہے سوائے ایک چیز کے جو اس زمانے میں ناپید ہے یعنی اس بات کا اندیشہ کہ گمان کرنے والے یہ گمان کریں کہ حضور اپنے ساتھیوں کو خاص اغراض کے تحت قتل کر دیتے ہیں جب کہ ہر زمانے کے بادشاہوں کا طرزِ عمل رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ اندیشہ باقی نہیں۔

جوابِ دوم کی حقیقت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قیامِ مکہ کے دوران حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (عددی اور مادی) کمزوری کی وجہ سے جہاد کی پوزیشن میں نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد سے کنارہ کش رہنے اور مشرکوں کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا پھر ہجرت کے بعد ان کو محفوظ اور باوقار مقام مل گیا تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت عطا کی البتہ یہاں بھی صلح و امن پسند لوگوں سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا اگر ہر منافق پر حدودِ شرعیہ کے قیام کا حکم دیتا تو اکثر اہلِ عرب اس وجہ سے اسلام سے متنفر ہو جاتے کہ یہاں اسلام میں داخل ہونے والوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح کی صورتِ حال کے متعلق ذیل کی آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (احزاب: 48)

اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو اور ان کی اذیت سے درگزر کرو اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی کارساز ہے

سورۂ احزاب غزوۂ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس وقت صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کافروں اور منافقوں کی جفا کاریوں کو برداشت کریں اور ان کے خلاف جوابی کاروائی نہ کریں کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا۔

اور یہ صورتِ حال برقرار رہی یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور پورا عرب دینِ اسلام کے دائرے میں آ گیا بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے خلاف پیکار کا آغاز کیا تو اسی زمانے میں سورہ براءت نازل ہوئی اور جہاد حج اور امر بالمعروف کے شرعی احکام تکمیل پذیر ہوئے۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف سے چند ماہ پہلے آیت تکمیلِ دین اتری اور دین اوجِ کمال کو پہنچا اس سورۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے معاہدے ان کی طرف پھینک دینے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ — اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر

(توبہ :73)

یہ آیتِ کریمہ آیت لاتطع الکافرین ودع اذاھُم کی ناسخ ہے اب وہ زمانہ آچکا تھا جب شرعی حدود کے نفاذ کی وجہ سے کسی منافق کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا تھا اور مدینہ شریف کے آس پاس ایسے کافروں کا وجود نہ تھا جو محمد رسول ﷺ پر اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے کا الزام لگا سکیں اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان بچے کھچے کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی سے کام لیجئے علماء نے بیان کیا کہ آیۂ احزاب اس جیسی آیات سے منسوخ ہے۔

سورۂ احزاب میں فرمایا

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ (احزاب :60-61)

اگر باز نہ آئے منافق اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایسی حرکات تھیں کہ اگر ان کو ان حرکتوں سے منع نہ کیا جاتا تو وہ غلبہ دین کے وقت بھی ان کا اعادہ کرتے۔ اس لیے جہاں منافق قوت میں ہوں اور ان پر حد قائم کرنے سے ایسے فتنے کا خوف ہو جو ان کی زندگی سے بڑا فتنہ ہو تو آیت دَعْ وَصَفَحْ (اقدام سے باز رہنے اور درگزر کرنے) پر عمل کرنے کا حکم ہے اور جہاں قوت حاصل ہو گی وہاں آیت جَاهِدِ الْكُفَّارَ پر عمل کیا جائے گا۔

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوگئی کہ اہلِ نفاق سے تعرض نہ کرنا بحکمِ کتاب عہدِ رسول ﷺ میں تھا کیونکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد نسخِ حکم کی کوئی صورت نہیں نہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مصلحت میں تبدیلی سے حکم بدل گیا کیونکہ یہ شریعت میں بے جا تصرف اور رائے سے احکام دین بدلنا ہے۔

یہ دعویٰ کرنا بھی درست نہیں کہ مطلق حکم ایک خاص مقصد کے لیے تھا اور وہ مقصد اب ختم ہوگیا جیسا کہ اس کی نسبت ان علماء کی طرف کی گئی جو کہتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب کا حکم منقطع ہوگیا ہے حالانکہ ان کے پاس اس کے انقطاع پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس دعویٰ کے کہ مصلحت بدل گئی ہے۔

اس مسئلہ پر ابوادریس سے منقول روایت دلالت کرتی ہے کہ اسلام سے پھر جانے والے زندیقوں کی ایک جماعت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی آپ نے ان سے ارتداد کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے انکار کیا پس عادل گواہوں کی شہادت پیش کی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا توبہ کا موقع نہ دیا اور ان کے قتل کر دیا۔

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اس نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا بعد ازاں مرتد ہوگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے مرتد ہونے کا سوال کیا اس نے اقرار کیا آپ نے توبہ کا مطالبہ کیا اور اس کے توبہ کرنے پر اس کو چھوڑ دیا۔

اس پر آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے اس مرتد سے تو توبہ کا مطالبہ کیا جبکہ ان زندیقوں کو اس کا موقع نہ دیا، ایسا کیوں ہے؟ فرمایا اس نے اپنے ارتداد کا اقرار کیا جبکہ انہوں نے انکار کیا یہاں تک کہ مقدمہ میں ان کے خلاف بذریعہ شہادت ثبوت مہیا ہو گیا اس لیے توبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ نے نقل کیا۔

یہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کی جانب سے وضاحت ہے کہ جو زندیق اپنا زندقہ چھپائے اور اس جرم کا انکار کرے مگر دلیل سے اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سزا موت ہے، اس کو توبہ کا موقع نہ دیا جائے گا نبی اکرم ﷺ نے بھی ان منافقوں کو قتل کیا جنہوں نے زندقہ کا انکار کیا اور ان کے خلاف شرعی شہادت قائم ہوئی حسب ذیل آیت کریمہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ (توبہ: 101'102)

تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبار عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرائے جائیں گے اور کچھ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اچھے برے کاموں کا خلط کیا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے جرم نفاق کا اعتراف نہ کرے وہ منافق ہے مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس شخص کے خلاف جرم بدعت ثابت ہو جائے اور اس کا انکار کرے تو اس کی کوئی توبہ نہیں توبہ تو اس کی ہے جو اپنے جرم کا اعتراف کرے۔

قاضی ابو یعلیٰ وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ زندیق زندقہ کا اعتراف کرے پھر تائب ہو تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اعتراف جرم ہے وہ حد زندقہ سے خارج ہو جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ زندیق اپنا کفر چھپاتا ہے وہ اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے جب اعتراف جرم کرے گا تو تعریف زندقہ سے نکل جائے گا یہی وجہ ہے کہ ہم اس کی توبہ قبول کرتے ہیں اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زنادقہ کی توبہ قبول نہ کی جب انہوں نے جرم سے انکار کیا اس مسئلہ پر ذیل کی آیت کریمہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝ (نساء: 18)

اور توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ ابو العالیہ سے آیت ذیل کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل پر لازم کیا وہ

ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ (نساء:17)

نہیں لی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں۔سو ان پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

کہ یہ آیتِ کریمہ اہلِ ایمان کے حق میں نازل ہوئی اور دوسری آیت اہلِ نفاق کے بارے میں ہے اور وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ کے الفاظ مشرکوں کے متعلق ہیں ابو العالیہ اس روایت کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جو کوئی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ سے جاہل ہوتا ہے اور جو کوئی موت سے پہلے توبہ کرلیتا ہے وہ ارتکابِ گناہ کے بعد قریب کے زمانے میں توبہ کرنے والا ہوتا ہے ان کی اس تفسیر کی دلیل یہ ہے کہ منافق جب قتل کیلئے پکڑا جائے اور وہ تلوار دیکھ لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو موت آ گئی وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (البقرہ:۱۸۰) — تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (المائدہ:۱۸) — تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے۔

اور وہ موت کو دیکھ کر کہے

اب میں نے توبہ کی ''تو اس کی کوئی توبہ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اگر وہ صحیح طریقہ سے توبہ کرے تو ان لوگوں میں شمار نہ ہوگا جو دم احتضار کہتے ہیں اب ہم نے توبہ کی بلکہ ان لوگوں میں معدود ہوگا جو گناہ کے فوراً بعد توبہ کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی نفی کی ہے جو مرتے وقت توبہ کریں اور وہ ان کی زبانی توبہ ہو۔اس لیے پہلی آیت کے الفاظ ہیں۔

ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ (النساء:۱۷) — پھر وہ گناہ سے فوری توبہ کر لیتے ہیں

جبکہ اس آیت میں فرمایا (وہ مرتے وقت کہے)

اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ (النساء:۱۸) — اب میں نے توبہ کی

پس جو شخص سکراتِ موت سے پہلے توبہ کرلے یا اسبابِ موت کے بعد تائب ہو جائے تو اس کی توبہ صحیح ہے۔

بعض علماء حسبِ ذیل آیاتِ کریمہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۞ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ (غافر:85-84)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کا شریک بناتے تھے اس کا انکار کیا لیکن عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا، یہ خدا کی عادت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آتی ہے اور یہاں کافر گھاٹے میں رہے

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ — اور ہم نبی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

(یونس: 91)

لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا تو (فرعون) بولا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر نبی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب (ایمان لایا) حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فسادی تھا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِیْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ۝

(یونس: 98)

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ہاں یونس علیہ السلام کی قوم، کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک ان کو بہرہ مند رکھا۔

ان آیات سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال اس طرح ہے کہ گزشتہ امتوں کی سزا اسی نوعیت کی ہے جس طرح منافقوں کے لیے سزائے قتل ہے پھر عذاب دیکھ کر کی جانے والی توبہ اہلِ توبہ کے کچھ کام نہ آئی یہی حکم ہے اہلِ نفاق کا جو علماء منافق اور کافر حربی کے درمیان فرق کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم حربی کافروں سے اس لیے لڑتے ہیں کہ وہ دائرہ اسلام میں آ جائیں نہ اس لیے کہ ان کو کفر پر رہنے کی سزا دیں۔ اس لیے اسلام قبول کرنے سے ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے (لہٰذا ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی) جبکہ منافقوں سے لڑائی کی غرض وغایت یہ ہے کہ ان کو ان کے جرائم کی سزا دی جائے نہ اس لیے کہ وہ اسلام لے آئیں کیونکہ اسلام کا اظہار تو وہ پہلے ہی کر چکے اور اصول یہ ہے کہ۔

اَلْعُقُوْبَاتُ لَا تَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ بَعْدَ مجیِٔ الْبَاْسِ

عذاب آجائے تو اس کے بعد توبہ سے سزائیں ساقط نہیں ہوتیں

تمام گناہ گاروں کی توبہ کا یہی حکم ہے کہ یہ ان علماء کا نکتۂ نگاہ ہے جو گستاخِ رسول ﷺ کے قتل کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ کے ثبوت کا ایک اور طریقہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی بذاتِ خود موجبِ قتل جرم ہے قطعِ نظر اس کے کہ وہ صرف ارتداد ہی ہو ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ کفر سے الگ ایک موجبِ قتل جرم ہے کیونکہ اگر صرف ارتداد تبدیلِ دین یا ترکِ دین کا جرم ہوتا تب بھی نبی اکرم ﷺ کے اذیت رسانوں کو معاف کر دینے کا جواز نہ ہوتا جیسا کہ مرتد کو معاف کرنے کا جواز نہیں اور خود نبی اکرم ﷺ گستاخوں کو قتل نہ کرتے حالانکہ آپ نے قتال ومحاربہ کے مجرموں کو معاف کیا اس کے دیگر دلائل قبل ازیں ضبطِ تحریر میں لائے جا چکے ہیں۔

شانِ رسالت ﷺ میں اہانت اور گستاخی کا ارتکاب کرنے والا بعض اوقات نبوت ورسالت کو ماننے والا ہوتا ہے چونکہ نبی اکرم ﷺ کی عزت وتوقیر ہر لحاظ سے فرض ہے اس لیے ہتکِ عزت کے مرتکب کو سخت ترین سزا (یعنی سزائے قتل) دی جائے گی اور اس کی یہ سزا ایک شرعی حد ہوگی کیونکہ اس کا جرم اہانت زمین میں فساد کا باعث ہے جس طرح معرکہ آرائی کرنا صرف یہی نہیں کہ

اس نے ارتداد کیا اور اہلِ اسلام سے علیحدگی اختیار کی۔ اس لیے اس کی سزا توبہ سے ساقط نہ ہوگی جس طرح دوسری حدیں ساقط نہیں ہوتیں سوائے کفر اور ارتداد کے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(مائدہ: 33,34)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں اور زمین میں فساد کی کوشش کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا ان کو پھانسی دی جائے یا مختلف اطراف سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے ان کیلئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جو گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں پس جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

اس آیت سے ثابت ہوا کہ محارب فسادی گرفت میں آنے کے بعد تائب ہو جائے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ چور کی سزا بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے (ترجمہ) ''اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو یہ ان کے کئے کا بدلہ ہے اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔ (مائدہ: 38)

تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر سے اس پر رجوع فرمائے گا (اور عذابِ آخرت سے اس کو نجات دے گا) بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (مائدہ: 39)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجرم کو گزشتہ جرم کی سزا دینے اور آئندہ اس کو عبرت بنا دینے کا حکم دیا ساتھ ہی خبر دی کہ جو توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا مگر اس سے سزا نہ ٹلے گی کیونکہ اس سزا میں دو حکمتیں ہیں۔

(1) سزا (2) عبرت اس کے مقابل توبہ سے سزا ساقط ہوتی ہے عبرت نہیں ہوتی وجہ یہ ہے کہ جب مجرموں کو یقین ہوگا کہ توبہ سے سزا نہ ہوگی تو وہ غلط کاری سے باز نہ آئیں گے۔

توبہ کے اظہار اور اصلاح کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت میں آسانی پیدا ہو ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف نہیں کہ چور یا زانی عدالت میں واجب الحد جرم کے ثبوت کے بعد توبہ کرلے تو اس کی شرعی حد نہ ہوگی نبی اکرم ﷺ نے ماعز اسلمی اور غامدیہ کو سنگسار کیا لیکن ان کے حسنِ توبہ اور حسنِ انجام کی بھی خبر دی۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اہانتِ رسول ﷺ کی سزا توبہ اور تجدیدِ اسلام سے ساقط ہو جاتی ہے تو حرج یہ ہوگا کہ زبانیں ہتکِ عزتِ رسول ﷺ اور دل پامالیِ حرمتِ نبوت سے بے خوف ہو جائیں گے بلکہ کوئی بد بخت جی بھر کر حضور ﷺ کو اذیت دے گا اور توہین کرے گا۔ پھر از سرِ نو اسلام قبول کر کے مومن بن بیٹھے گا۔ کبھی زبان یا عمل سے اہانت و استہزاء کا مرتکب ہوگا اس کے باوجود دینِ اسلام سے خارج نہ کیا جا سکے گا کیونکہ اس کے لیے انتہائی آسان ہوگا کہ جب چاہے گا ہتکِ عزت اور اہانت کر کے تجدیدِ اسلام کرلے گا۔

دوسری طرف مرتدین ہیں کہ تجدیدِ اسلام سے ان کی سزائے قتل کا سقوط لوگوں کو دینِ حق سے برگشتہ ہونے کا باعث نہ ہوگا اس لیے کہ مرتد کی توبہ قبول کر لینے سے ارتداد کی تحریک نہیں ملتی کیونکہ دین سے برگشتگی دراصل اس شبہ کا نتیجہ ہے جو دل میں قدحِ دین سے جنم لیتا ہے یا عقل کو ماؤف کر دینے والی شہوت اس کا سبب بنتی ہے پھر مرتد کے اظہارِ توبہ سے اس کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس گستاخِ رسول ﷺ کے دل میں استخفاف، جسارت یا حماقت کے باعث اہانتِ رسول ﷺ اور طعن کی بیماری جڑ پکڑ چکی ہوتی ہے۔ جس کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی جائے تو ہر بار سب وشتم کرنے پر اس کے لیے تجدیدِ اسلام اور اظہارِ توبہ کی ضرورت ہوگی اس سے ثابت ہوا کہ اہانتِ رسول ﷺ سے زمین میں اتنے بڑے فساد کا ظہور ہوتا ہے۔ جو زنا، رہزنی چوری اور شراب نوشی کی طرح شرعی حد کو ضروری قرار دیتا ہے اور اگر ان جرائم کے مرتکبین کو یقین ہو کہ توبہ سے ان کی سزا ساقط ہو جائے گی تو وہ جب چاہیں گے ان جرائم کا ارتکاب کریں گے اسی طرح جب کوئی کم عقل بے دین شخص توہینِ رسول ﷺ کا داعیہ پائے گا تو اس فعلِ شنیع کا مرتکب ہوگا اور زانیوں، رہزنوں اور شرابیوں کی طرح اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا بخلاف مرتد کے کہ اس کا مقصد حاصل نہ ہوگا کیونکہ عدمِ رجوع کی صورت میں اس کی سزا موت ہوگی اور سزائے قتل کے خوف سے وہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہے گا۔ مگر یہ صورت جرمِ اہانت کو دائرہ ارتداد سے خارج نہیں کرتی۔

بلکہ حقیقت میں وہ ارتداد ہی کی ایک شکل ہے جو سنگین جرم کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جس طرح جرمِ ارتداد کے ساتھ قتل بھی شامل ہو جائے تو سزائے قتل لازم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر گستاخ مرتد اسلام کی طرف رجوع کر لے تو اس کا ارتداد تو ختم ہو جاتا ہے لیکن جرمِ گستاخی باقی رہتا ہے اور اس کو سزا دینا ضروری ہے۔ جس طرح رہزن گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ البتہ اولیائے مقتول کا حق (قتل ودیت) باقی رہتا ہے اور یہ ظاہری مناسبت ہے اس مفہوم کے قیاس پر شارع علیہ السلام کی تنبیہ اور نص گزر چکی ہے۔

ایک سوال:

صحتِ اعتقاد کے باوجود ایسے جرائم (گناہوں) کا طبعی داعیہ موجود رہتا ہے اگر انسدادِ جرائم کا ضابطہ نہ ہوتا تو انسانی طبیعتیں ان کی طرف لپک کر جاتیں۔ بخلاف گستاخیِ رسول ﷺ کے کہ طبیعت اس گناہ کی طرف اس وقت تقاضا کرتی ہے جب ارتداد سے زیادہ عقیدے میں خرابی ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ گستاخی کا سرچشمہ منبعِ کفر سے بڑھ کر ہے اس لیے اس کی سزا گستاخ کو قتل ضروری ہے اور یہ سزا عدمِ توبہ کے ساتھ مشروط ہے پھر جب اس گناہ کا طبعی داعیہ نہ ہو تو انسدادی ضابطہ کی ضرورت نہیں رہتی خواہ کتاب اللہ اور دینِ حق میں استخفاف جیسا جرمِ فعل ہو۔

جواب:

کبھی اس گناہ کا طبعی داعیہ عقیدہ میں خرابی کے بغیر بھی ہوتا ہے مثلاً آدمی کے دل میں تکبر نبی اکرم ﷺ کے بعض احوال وافعال میں استخفاف کا موجب ہوتا ہے کبھی شرعی احکام کے ساتھ مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو انسانی غصہ اہانتِ رسول ﷺ کا باعث

ہوتا ہے کبھی شہوت خلاف غرض امر کی مذمت پر اکساتی ہے پس اس قسم کی باتیں انسان کو گستاخی اہانت اور فعل اذیت کی طرف دعوت دیتی ہیں اور ان کا صدور اس وقت ہوتا ہے جب ایمان بہت کمزور ہوتا ہے جیسا کہ زنا، رہزنی وغیرہ جرائم ضعف ایمان کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں۔ جب ایسی صورتِ حال ہو تو ایسے مجرموں کو توبہ کی مہلت دینا جرمِ گستاخی پر شہ دینے کے مترادف ہے اس طرح ناموسِ رسول ﷺ کی پامالی کی کھلی چھٹی ہو جائے گی بخلاف مرتد شخص کے کہ جب اس کو علم ہوگا کہ خدانخواستہ اس جرم کا ارتکاب کرے گا تو لازماً اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور انکار کی صورت میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اس طرح وہ کبھی اس جرم کی جسارت نہ کرے گا جرمِ اہانت کا معاملہ اس کے الٹ ہے کیونکہ اگر مجرم کو علم ہو کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوگی تو وہ اس جرم کے قریب بھی نہ جائے گا۔

اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی آدمی کے حق سے متعلق ہے جو حدِ قذف اور توہین غیر کی سزا کی طرح توبہ سے ساقط نہ ہوگی۔

پھر جو علماء مسلمان گستاخ اور ذمی گستاخ کے درمیان فرق روا رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عدم گستاخی کا التزام کرتا ہے کیونکہ اس کے عقیدے میں گستاخی کی مطلقاً گنجائش نہیں اور بشرط ارتکاب اہانت اس پر شراب نوش کی طرح حد قائم کی جائے گی چونکہ کافر اپنے عقیدے کے مطابق اس جرم کی حرمت کا التزام نہیں کرتا لہٰذا اس پر حد قائم کرنا ضروری نہیں ہاں ذمی اگر عہد شکنی کرے تو وہ حربی کافر کی مانند ہوگا پھر ہم اسے اس جرم کی بناء پر قتل کریں گے اس لیے نہیں کہ اس نے اپنے تئیں حرام جرم کا ارتکاب کیا پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آجائے گا تو اس کی زمانۂ کفر کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ اور صرف گستاخی کی سزا لاگو نہ ہوگی (اس کی علت یہ ہے کہ اس کے عقیدے میں یہ صورت جرم حرام نہ تھی)۔

حقیقت یہ ہے کہ شان رسول ﷺ میں گستاخی ایک سنگین جرم ہے اور عزت و حرمتِ رسول کا تقاضا ہے کہ گستاخ کو بطورِ سزا قتل کیا جائے حالانکہ اصول یہ ہے کہ کافر کو انہی جرائم کی سزا دی جائے جو اس کی نظر میں حرام ہیں۔ لیکن جب وہ ان باتوں کو حلال قرار دے جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں تو زجر و توبیخ کے طور پر اس کو سزا دی جائے گی مثلاً وہ علانیہ شراب پیئے یا خنزیر کا گوشت کھائے یہ جرمِ اہانت بھی ان جرائم سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یا وہ عہد شکنی کی طرح ہے جس طرح مسلمانوں سے جنگ کرنا دونوں صورتوں میں ذمی کی سزا ساقط ہوتی ہے بخلاف مسلمان کے کہ اسلام اس پر سزا کا نفاذ لازم قرار دیتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ارتداد (یعنی دین سے برگشتگی) کی دو قسمیں ہیں:

1 – مجرد ارتداد اور مغلظ ارتداد، مغلظ ارتداد وہ ہے جس پر سزائے موت مشروع ہے اور توبہ کے ذریعے سقوطِ سزا کے دلائل دونوں قسموں کو عام نہیں کیونکہ توبہ سے صرف مجرد ارتداد کی سزا ساقط ہوتی ہے دوسری قسم کے مرتد پر نفاذِ سزا کی دلیل قائم ہے مگر سزا ساقط ہونے کی نصی یا اجماعی دلیل نہیں۔ ان دونوں قسموں کے درمیان واضح فرق ہونے کے باعث قیاس متعذر ہے اس لیے اس قسم کو دوسری قسم کے ساتھ لاحق کرنا ممکن نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی ایسی نص نہیں جو قولی یا فعلی ارتداد کے مرتکب کی بعد از توبہ سزا کے ساقط ہونے پر دلالت کرے بلکہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت میں مرتدین کی اقسام میں واضح فرق ہے جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا بعض علماء (مرتدین کی) ان اقسام کو ایک ہی قسم قرار دیتے ہیں اور ان کو ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہیں پس جب تائید میں منطقی عموم نہیں جو تمام انواع کو عام ہو تو صرف قیاس کی صورت رہ گئی اور وہ فاسد ہے جب فرع کا موثر حکم وصف کی وجہ سے اصل کے ساتھ فرق اور اختلاف ہو یہاں شارع علیہ السلام کی نصِ تنبیہ اس تاثیر پر دلالت کرتی ہے اور مناسبت وہی صحیح ہے جو قابل اعتبار مصلحت پر مبنی ہو۔

مرتد کی توبہ کب قبول ہوتی ہے

اس کی وضاحت اور تقریر تین وجوہ سے ممکن ہے

وجہِ اوّل:

مرتد کی توبہ کے قبول ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آلِ عمران:86-89)

کیونکر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لاکر کافر ہوگئے اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور انہیں کھلی نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں کی ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو، نہ انہیں مہلت دی جائے مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ ۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل:106)

جو ایمان لاکر اللہ کا منکر ہوا سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب اور ان کو بڑا عذاب ہے

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے اور پھر توبہ کرنے کا ذکر ہے مگر اس کفر کے ساتھ اذیت اور تکلیف دینے کا فعل شامل نہیں کیا گیا۔

یہی حال ہے کہ سنتِ رسول ﷺ کا، کہ اس میں مجرد ارتداد سے توبہ کرنے کا بیان ہے خلفائے ارشدین کا بھی یہی نکتۂ نگاہ

تھا کہ مجرد مرتدین ومحاربین کی توبہ قبول ہے اس لیے جو ہر مرتد کی عمومی توبہ کے قائل ہیں وہ خطاء پر ہیں۔ کیونکہ گستاخِ رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے پر دلائل قائم ہیں ایسے مجرم کی سزائے قتل ساقط نہیں ہوسکتی اس لیے اس مجرم کو قتل کرنا اس دلیل کی رو سے ضروری ہے جو معاوضہ سے خالی ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ○

بے شک جو لوگ کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھے تو ان سے ہرگز توبہ قبول نہ کی جائے گی یہی لوگ گمراہ ہیں

(آل عمران: 90)

اس ارشادِ گرامی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی یہاں توبہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے کفرِ مجرد اور کفرِ مزید میں فرق کیا اس لیے جو شخص یہ خیال کرے کہ ہر کافر مرتد کی (بلا استثناء) توبہ مقبول ہے وہ نص قرآن کا مخالف ہے اس آیتِ کریمہ کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ کفر میں زیادتی سے مراد دم واپسیں تک کفر پر قائم رہنا ہے اور نفی توبہ سے مراد ایسی توبہ ہے۔ جو غرغرہ کے وقت ہو یا روزِ قیامت ہو اس لحاظ سے یہ آیت عام ہے۔

سنتِ رسول ﷺ بھی ارتداد کی دونوں قسموں کے درمیان فرق کرتی ہے حضورِ انور ﷺ نے مرتدین کی ایک جماعت کی توبہ قبول فرمائی۔ دوسری طرف مقیس بن حبابہ کو فتحِ مکہ کے روز مطالبہ توبہ کے بغیر قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے جرمِ ارتداد کے ساتھ قتل وغارت کا جرم بھی شامل کر لیا تھا۔ اور گرفتاری سے پہلے توبہ نہ کی تھی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے قبیلہ عرنیہ کے مرتدین کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور ابنِ اخطل اور عبداللہ بن ابی سرح کو واجب القتل ٹھہرایا۔ اس لیے جب کتاب وسنت میں مرتدین کی دونوں قسموں کا الگ الگ حکم ثابت ہے تو ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہوا کہ ارتداد کے ساتھ ضرر واذیت کا مرتکب واجب القتل ہے اور گرفتار ہونے پر اس کی سزا ساقط نہ ہوگی، خواہ توبہ کرے جیسا کہ ابنِ ابی سرح کے معاملہ میں سنت سے ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے لڑائی کی بہ نسبت گستاخانہ طرزِ عمل زیادہ اذیت ناک ہے جیسا کہ تقریر گزر چکی، اس لیے ایسے مجرم کی سزا حتمی ہے جہاں تک مجرد مرتد کو قتل کرنے کا تعلق ہے اس کی وجہ دین کی تبدیلی پر ڈٹ جانا ہے اور وہ دینِ حق کی طرف لوٹ آئے تو اباحتِ خون کا حکم زائل ہو جائے گا جس کافرِ اصلی کے اسلام لانے سے یہ حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف گستاخ کا معاملہ ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دے کر ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے حالانکہ معاہدہ کی رو سے اس کے لیے ایسا کرنا قطعاً ناجائز اور ممنوع ہوتا ہے اور عہد شکنی کی وجہ سے اس کو قتل کرنا محارب کافر کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس شخص کا ارتداد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ہاتھ یا زبان سے لڑائی کی صورت میں ہو تو اس کا یہ فعل کفرِ مزید ہے ایسے مجرم کی توبہ قبول نہیں کی جاسکتی۔

جرم ارتداد بعض اوقات فعلِ گستاخی سے خالی ہوتا ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ جرمِ ارتداد بعض اوقات سب وشتم اور اہانت کے بغیر ہوتا ہے، اس لیے اہانت اور گستاخی کو مستلزم نہیں ہوتا جیسے وہ قتل وغارت کے بغیر ہو، کیونکہ سب وشتم بہت زیادہ دشمنی اور عداوت کا مظہر ہوتا ہے اس میں مخالفت کی انتہا ہوتی ہے جس کا سرچشمہ دراصل کافر کی حماقت، دینِ حق میں خرابی پیدا کرنے کی شدید خواہش اور اہلِ ایمان کو نقصان پہنچانے کی تمنا ہے۔

بعض اوقات اس جرم کا ارتکاب ان لوگوں سے بھی ہوتا ہے جو نبوت ورسالت پر ایمان رکھتے ہیں مگر اپنے عقیدے کے موجب رسول اللہ ﷺ کی صحیح توقیر واطاعت بجا نہیں لاتے۔ اس طرح وہ ابلیس لعین سے مشابہت اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ ابلیس بھی ربوبیت خداوندی کا قائل تھا اس کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے حکم نہ مانا بلکہ تکبر اور عناد سے کام لیا۔

یہاں ان دو آدمیوں کے درمیان قطعاً کوئی فرق نہیں جن میں ایک کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا پھر حکم عدولی کرتا ہوا کہے کہ اس حکم کو نہیں مانتا۔ کیونکہ یہ حکم صحیح نہیں اور دوسرا شخص عقیدہ رکھتا ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں سچے ہیں ہر خبر وامر میں واجب الاتباع ہیں پھر گستاخی کا ارتکاب کرے یا آپ ﷺ کی کسی حالت یا حکم پر طعن کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان قول وفعل کا نام ہے اس لیے جو توحید ورسالت پر ایمان رکھے پھر اس اعتقاد کے موجب اجلال واکرام کا اظہار نہ کرے (جو کہ قلبی حال ہے اور اس کا اثر جوارح پر ظاہر ہوتا ہے) بلکہ قول سے یا فعل سے توہین اور گستاخی کا مرتکب ہو تو اس کا اعتقاد نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ فسادِ عقیدہ کا موجب اور منفعت وصلاح کو زائل کرنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی معتقدات دلوں کو پاک کرتے اور ان کو سنوارتے ہیں پھر جب تزکیہ نفس اور صلاح کی صورت نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ نے دل میں قرار نہیں پکڑا نہ یہ نفس کی صفت بن پایا اور جب ایمانی علم قلبِ انسانی کی لازمی صفت نہ بنے تو اس کو فائدہ نہیں دیتا۔ اس وقت وہ حدیثِ نفس اور خواطرِ قلب کی مانند ہوتا ہے اور نجات کا حصول صرف یقینِ قلب پر موقوف ہے خواہ یہ یقین ایک ذرہ کے برابر ہو۔ تنبیہ عقیدہ آدمی اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک مخفی معاملہ ہے جہاں تک ظاہر کا تعلق ہے شرعی احکام اس کے ظاہری اقوال وافعال ہی پر جاری ہوں گے اس تنبیہ سے غرض یہ ہے کہ قلبی استہزاء اور تنقیص اس ایمان کے منافی ہے جو خلوت خانہ دل کے اندر ہے جبکہ زبانی استہزاء ظاہری ایمان کے خلاف ہے لہٰذا جو گستاخی دل سے صادر ہوگی وہ ظاہری اور باطنی کفر کی موجب ہوگی یہ فقہائے اہلِ سنت کا مذہب ہے اس میں جہمیہ اور مرجیہ کا خلاف ہے ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور وہ قول جو قلبی فعل کے بغیر ہو وہ ظاہر میں اس کے منافی ہے لیکن باطن میں اس کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اس موضوع کی طرف ان شاء اللہ پھر رجوع کریں گے۔

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح ارتداد کبھی گستاخی سے خالی ہوتا اسی طرح کبھی تکذیب رسالت اور تبدیلِ دین کی نیت کے بغیر ہوتا ہے جیسے ابلیس کا کفر تکذیب ربوبیت کے ارادے سے نہ تھا اگرچہ اس قصد سے خالی ہونا فائدہ مند نہیں۔ جیسے اس شخص کے لیے مفید نہیں جو دعویٰ کرے کہ کفر ایسا فعل ہے جس میں ارادہ ہونا لازم نہیں یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس شخص کی توبہ قبول کرنے کا حکم صادر فرمایا جس نے تغیرِ دین کا ارادہ کیا تھا اور اپنے اعتقاد کو متغیر کر لیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ سزائے قتل کا مقتضی

اعتقاد طاری ہے اور اعتقادِ اول کی نفی ہے پھر جب اعتقادِ اوّل عود کر آیا تو اعتقادِ طاری زائل ہو گیا یہ اس پانی اور شیرہ کی مانند ہے جو تغیر سے پلید ہو جاتا ہے اور پھر جب تغیر زائل ہو جائے تو اس کی حلت وطہارت لوٹ آتی ہے کیونکہ حکم جب کسی علت سے ثابت ہو تو زوالِ علت سے حکم ختم ہو جاتا ہے۔ مگر گستاخِ رسول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس نے صرف تبدیلی اعتقاد کا اظہار نہیں کیا کہ بحالی اعتقاد سے اس کا خون معصوم ہو جائے اور یہ قول تبدیلی اعتقاد کے لوازم میں سے نہیں کہ اس کا حکم اس کے حکم جیسا ہو کیونکہ کبھی اعتقاد میں بہت بڑی تبدیلی آتی ہے لیکن وہ تبدیلی اذیتِ خداوندی اور اذیتِ رسول کا باعث نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کا ضرر تبدیلی اعتقاد سے بڑا جرم ہے

مسلمانوں کو ضرر دینا تبدیلی عقیدہ سے بڑا جرم ہے اور اس کا مرتکب وہی ہوتا ہے جو اپنے گمان فاسد میں عقیدہ کی سلامتی کا دعویدار ہو حالانکہ وہ اس دعویٰ میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے نزدیک جھوٹا ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس جرم کا مفسدہ مجرد تبدیلی عقیدہ کے جرم سے دو وجہ سے بڑا ہے ایک یہ کہ وہ (ضرر رسانی کا) زائد فعل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی گمان فاسد سے اس کے عقیدے کو خرابی سے سالم سمجھ لیا جاتا ہے اس لیے وہ ایسے شخص سے صادر ہوتا ہے جو ایک دین سے دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں چاہتا مگر اس کا فساد فسادِ انتقال سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ کبھی انتقالِ دین کا یقینی علم ہوتا ہے جبکہ جرمِ ضرر کو کفر نہیں سمجھا جاتا الا یہ کہ اس ضرر کو حلال سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کیا جائے بلکہ وہ گناہ ہے اور کفر کی بہت بڑی نوع، کیونکہ اس کا داعیہ مجرد ارتداد کے داعیہ سے الگ ہوتا ہے اور اس میں موجود مفسدہ مفسدہ ارتداد کے خلاف ہوتا ہے جو کہ اس سے زیادہ سنگین اور شدید ہے اس لیے اس مفسدہ سے توبہ کرنے والے کو ارتداد سے تائب شخص کے ساتھ ملحق کرنا جائز نہیں کیونکہ شرط قیاس یہ ہے کہ معنی کے لحاظ سے فرع اور اصل حکم میں یکساں ہوں پھر اصل میں کئی معانی مؤثر ہوں تو جائز ہے اس وجہ سے توبہ قبول ہے جبکہ یہ مفہوم فرع میں موجود نہیں اس لیے قبولیت توبہ جائز نہیں کیونکہ اس سے اس شخص کی توبہ کا قبول ہونا لازم نہیں جس کے جرم کا مفسدہ ہلکا ہو نہ اس شخص کے قبول توبہ کی نفی ہے جس کا مفسدہ شدید ہو یا مفسدہ دیرپا ہو۔

اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مرتد کی توبہ پر قیاس کرتے ہوئے گستاخ کو معصوم الدم قرار دینا متعذر اور دشوار ہے کیونکہ یہاں فرق مؤثر موجود ہے اس لیے دین بدل کر ارتداد کا جرم کرنے والے اور مسلمانوں کو زبان سے ضرر دینے والے اللہ و رسول ﷺ کو اذیت دینے والے دو طرح کے ہیں اور یہ دونوں مرتدین ایک زمرہ میں آتے ہیں مگر توبہ صرف پہلی صورت (مجرد ارتداد) کے حق میں مشروع ہے جس سے دوسری صورت (یعنی گستاخی واضرار) کے حق میں توبہ کا مشروع ہونا لازم نہیں، کیونکہ وجہ فارق جہتِ اضرار ہے جس کا مفسدہ قبول توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔

فصل

یہ استدلال اس حقیقت کو متضمن ہے کہ گستاخ واجب القتل ہے خواہ تائب ہو کر مسلمان ہو جائے، اس کا موجب ان علماء کا نکتۂ نگاہ ہے جو گستاخ مسلمان اور گستاخ ذمی (جو توبہ کر کے مسلمان ہو جائے) کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

اس استدلال میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ گستاخ ذمی اگر عہد ذمہ کی طرف لوٹ آئے تو اس کی سزائے موت بطریق اولیٰ

ساقط نہ ہوگی کیونکہ مرتد کا دینِ اسلام کی طرف لوٹنا ذمی کے عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کی نسبت اس کے خون کو زیادہ معصوم و محفوظ کرتا ہے۔اسی لیے عام علماء جو مرتدین یا اس طرح کے مجرموں کو اسلام کی طرف رجوع کے باعث محفوظ الدم قرار دیتے ہیں وہ ذمی کے عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کے سبب معصوم الدم ہونے کے قائل نہیں۔

سنتِ رسول ﷺ سے استدلال

جو شخص اس امر میں غور کرے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے بنی قریظہ کو عہد شکنی کے بعد قتل کی سزا دی۔اہلِ خیبر اور بنی نضیر کو تہ تیغ کیا بنی نضیر اور بنی قینقاع کے بعض افراد کو جلاوطن کیا حالانکہ وہ دوبارہ عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کی شدید خواہش رکھتے تھے مگر آپ ﷺ نے ان کا مطالبہ تسلیم نہ کیا بعدازاں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح کے موذیوں کے معاملہ میں یہی طرزِ عمل رہا، باوجود اس کے کہ حضور ﷺ عقدِ ذمہ کی طرف رجوع کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے تو اس کو قطعاً شبہ نہ رہے گا کہ عہدِ ذمہ کی طرف رجوع کا ایسے مجرم کو وجوبی حکم دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خیر القرون کے اجماع کے خلاف ہے اس مسئلہ پر تنبیہ مطلق عہد شکن کے حکم میں گزر چکی، اگر یہ مسئلہ انتہائی واضح نہ ہوتا تو ہم اس پر تفصیلی کلام کرتے۔اس لیے ہم نے اس کو سیرت رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے اہلِ علم کو اس طرف متوجہ کیا ہے اہلِ علم کو اس مسئلہ میں ہرگز شبہ نہیں ہوسکتا کہ نبی اکرم ﷺ اور یہودیوں کے درمیان ہونے والی صلح وقتی نہ تھی یہ دائمی عہد تھا اور یہودی دارالاسلام کے باشندے تھے اور ان پر جزیہ نافذ نہ کیا گیا نہ ان پر وہ ذلت لازم کی گئی جو سورہ برآت کے بعد لازم کی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ذلت (صغار) اس کے بعد مشروع نہ کی گئی۔

جہاں تک ان اہلِ علم کا تعلق ہے جو گستاخِ رسول ﷺ کو علی الاطلاق واجب القتل قرار دیتے ہیں خواہ وہ تائب ہو کر اسلام قبول کرلے، ان کی دلیل گزر چکی مسلمان گستاخ توبہ کے بعد بھی واجب القتل ہے یونہی ذمی گستاخ بھی اگرچہ عہدِ ذمہ کی طرف لوٹنے کا خواہاں ہو۔

ذمی اور مسلمان گستاخ کی حتمی سزا پر استدلال کے طریقے

ذمی جب جرمِ گستاخی پر واجب القتل ٹھہرے خواہ فیصلہ کے بعد اسلام قبول کرلے تو اس کی سزا پر کئی طریقے دلالت کرتے ہیں اور یہی طریقے مسلمان گستاخ کے حتمی قتل پر بھی دال ہیں۔

پہلا طریقہ

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور (جلا

عَظِیْمٌ ○ (مائدہ 33.34) وطن) کردیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب۔

ان آیات میں وجہ دلالت یہ ہے کہ گستاخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا محارب اور فسادی ہے اور وہ ہر لحاظ سے اس آیت کے عموم میں داخل ہے (خواہ مسلمان ہو یا معاہد) اور جو کوئی اس حکم میں داخل ہو۔ وہ گرفت میں آنے کے بعد حق دار سزا ہو گا خواہ گرفت میں آنے کے بعد توبہ کرے یا نہ کرے اور یہی حکم ہے ذمی مسلمان گستاخ کا، اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے۔

دلیل کے دو مقدمات

یہ دلیل دو مقدموں پر مبنی ہے

1۔ ایک یہ کہ گستاخ آیتِ محاربہ کے مصداق میں داخل ہے۔

2۔ جب وہ توبہ سے پہلے گرفت میں آ جائے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے جہاں تک دوسرے مقدمہ کا تعلق ہے یہ محتاجِ دلیل نہیں کیونکہ ہمارے علم کے مطابق کوئی عالم اس مسئلہ میں اختلاف نہیں رکھتا کہ محاربین توبہ سے پہلے گرفت میں آ جائیں تو ان پر حد قائم کرنا واجب ہے خواہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کر لیں یہ اس آیت کا واضح حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ایسے مجرموں کے لیے چار سزاؤں میں سے ایک سزا حتمی اور لازمی ہے۔

سوائے ان مجرموں کے جو گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائیں ان پر کوئی حد لاگو نہ ہو گی، جبکہ دوسروں مجرموں پر بحکم آیت سزا لازم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سزا جب زندہ آدمی کے حق سے متعلق نہ ہو بلکہ خدائی حد ہو تو باتفاق اہلِ اسلام لازماً نافذ کی جائے گی اللہ تعالیٰ نے آیت سرقہ (چوری) میں فرمایا۔

فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا (المائدہ:۳۸) ان کے ہاتھ کاٹ دو تا کہ ان کے کیے کی سزا پوری ہو

اس آیتِ کریمہ میں بطورِ سزا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے پس اگر یہ مشروع سزا جو کہ شرعی سزاؤں میں شامل ہے، واجب نہ ہوتی تو ہاتھ کاٹنے کا وجوب اس کے ساتھ معلل نہ ہوتا کیونکہ علت مطلوبہ کا حکم سے زیادہ بلیغ اور قوی ہونا ضروری ہے اور جزاء فعل کا اسم ہے اور اس چیز کا اسم بھی جس کے ساتھ بدلہ دیا جاتا ہے اس لیے اس کی ایک قرآت فجزاء مثل ما قتلٌ تنوین واضافت کے ساتھ ہے ثواب وعقاب وغیرہما کی بھی یہی صورت ہے پس قتل اور قطع (ہاتھ کاٹنا) کو بھی جزاء اور نکال (عبرت) کا نام دیا جاتا ہے اور کبھی فعل وجزاء کہا جاتا ہے اس لیے اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لیے دیا کہ چوروں کو سزا ہو اور دوسروں کے لیے مقام عبرت، ایک قول یہ ہے کہ یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اقطعوا کا معنی ہے ہاتھ کاٹ کر ان کو سزا دو اور اس کو نشان عبرت بنا دو۔

ایک اور قول یہ ہے کہ یہ منصوب علی الحال ہے یعنی ان کے ہاتھ کاٹ دو اس حال میں کہ یہ سزا بھی ہو اور نشان عبرت بھی۔

بہر حال آیتِ کریمہ میں لفظ جزاء مامور بہ یا مامور لاجلہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ شرعاً واجب الحصول ہے آیتِ محاربہ میں فرمایا کہ محاربین کی جزاء چار سزاؤں میں سے ایک سزا ہے جس کا نفاذ وحصول ضروری ہے کیونکہ یہاں جزاء میں فعل اور مجزی بہ

کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے کیونکہ قطع قتل اور سولی چڑھانا افعال ہیں اور یہ سزا کی صورتیں ہیں۔

اس کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ آیت سرقہ میں لفظ اقْطَعُوا ان احکام الٰہی کی خبر ہے جن کے کرنے کا امامِ وقت کو حکم ہے اس سے مراد وہ حکم نہیں جس کے فعل و ترک میں حاکمِ وقت کو اختیار ہوتا ہے کیونکہ گناہ گاروں (مجرموں) کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ایسے احکام نہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا امامِ وقت کو اختیار ہو۔

اس سزا کے واجب النفاذ ہونے کی دلیل آیہ کریمہ کا یہ حصہ بھی ہے۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا — یہ ان کے واسطے رسوائی ہے دنیا میں۔

اور خِزْيٌ (رسوائی) صرف سزاؤں کے نفاذ سے ممکن ہے ان کو معطل کرنے سے نہیں، اگر اس سزا کے نفاذ یا ترک کا اختیار (حسبِ مصلحت) امام کو حاصل ہوتا تو امام کے لیے معاف کر دینا مستحب ہوتا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ (النحل:126) — اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی اور اگر صبر کرو تو وہ بے شک صبر کرنے والوں کیلئے بہت بہتر ہے

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (مائدہ:75) — اور زخموں میں بدلہ ہے اور جو بخوشی بدلہ کرادے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا۔

وَدِيَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (نساء:92) — اور خون بہا مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

حدود کے نفاذ کی ذمہ داری حاکمِ وقت پر ہے اور اس کے وجوب کے دلائل سنتِ رسول ﷺ اور اجماعِ امت سے ظاہر ہیں محاربین کی شرعی سزا (جو نصِ قرآن سے ثابت ہے) کے وجوب میں کسی عالم کا اختلاف نہیں، البتہ ان حدود کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا امامِ وقت حسبِ مصلحت ان حدود کی متعین شرعی سزا میں کوئی اختیار رکھتا ہے یا نہیں یہاں اس سزا کے وجوب پر طویل کلام کی ضرورت نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ دلائل کی روشنی میں گستاخ رسول کی سزا متعین ہے اس میں حاکمِ وقت کو قطع ید یا انفاء (جلاوطنی) وغیرہ کا اختیار نہیں۔ پھر جب گستاخ کی سزائے قتل شرعی سزاؤں میں شمار ہے تو ایسے مجرم پر حد قائم کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ بلاشبہ محارب ہے۔

مقدمہ اوّل کی وضاحت:

اب ہم پہلے مقدمہ کی وضاحت کرتے ہیں گستاخ کا شمار اللہ و رسول کے محارب اور زمین میں فساد پھیلانے والے لوگوں میں ہوتا ہے۔

وجہِ اوّل:

عبداللہ بن صالح آیتِ محاربہ کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے نبی

اکرم ﷺ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا بعدازاں انہوں نے عہد شکنی کی اور زمین مین فساد انگیزی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اختیار دیا کہ ان کو قتل کردیں یا سولی چڑھادیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے کاٹ ڈالیں یا ان کو جلاوطن کردیں۔ جہاں تک جلاوطنی کا تعلق ہے کہ اگر جلاوطن شخص تائب ہوکر آجائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قبل از اسلام جرائم پر گرفت نہ کی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک اور مقام پر اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا جو شخص اسلامی قلمرو میں اسلحہ کی نمائش کرے، راستے پر خطر بنائے پھر قانونی گرفت میں آجائے تو مسلمان حکام کو اختیار ہے کہ اسے قتل کرے دار پر کھینچے یا مخالف اطراف سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر فرمایا۔

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (اس کو جلاوطن کردیا جائے) اس سے یہ مراد ہے کہ اس مجرم کو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف نکال دیا جائے۔

فَاِنْ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (مائدہ:۳۴)

پس اگر ایسے مجرم توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

محمد بن یزید واسطی نے بحوالہ جو یبر ضحاک سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی، ضحاک کہتے ہیں۔

جو مسلمان قتل کا مرتکب ہو یا کسی سزا کا مستحق ٹھہرے یا کسی مسلمان کا مال چھین کر مشرکوں سے جا ملے تو اس کی کوئی توبہ نہیں یہاں تک کہ لوٹ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرے پھر اپنے جرائم کا اقرار کرے تو اس پر حد نافذ کی جائے گی یا اس کو قید میں ڈالا جائے گا۔

ان دونوں روایات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ آیتِ کریمہ اہلِ کتاب معاہدین کے بارے میں ہے، ان معاہدین نے عہد شکنی اور فساد انگیزی کی۔ کلبی کی روایت میں ابوصالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ (اگرچہ کلبی اپنی منفرد روایات میں قابلِ اعتماد نہیں) کہ یہ آیت ایک معاہد قوم کے بارے میں نازل ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہلال بن عویمر یعنی ابوبردہ اسلمی سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ آپ کے حق میں یا آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اور جو مسلمان اس کے پاس آئے گا تو اس کو طعن وتشنیع اور ہجوگوئی سے امان حاصل ہوگی۔ اور ان میں سے جو مسلمانوں کے پاس آئے اس کو بھی امان حاصل ہوگی اور جو ہلال کے پاس سے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آئے گا وہ بھی طعن اور ہجو سے مامون ہوگا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ بنی کنانہ کا ایک گروہ اسلام لانے کے ارادے سے آرہا تھا اور ہلال قوم کے پاس سے گزرا۔ ہلال اس روز وہاں موجود نہ تھا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے بنی کنانہ کے اس گروہ پر حملہ کرکے ان کو تہ تیغ کیا اور ان کا مال لوٹ لیا جس کی اطلاع حضور کو ہوئی تو جبریل امین مذکوہ بالا آیتِ کریمہ کے ساتھ اترے۔

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہی امام حسن عسکری کا قول ہے کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے

میں اتری۔ شاید ان کی مراد عہد شکن مشرکین ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافرِ اصلی پر آیت کا حکم منطبق نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو ضرر دے کر عہد شکنی کا مرتکب ہو وہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی رو سے اس آیت کریمہ کے حکم میں داخل ہے حدیث عمر رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ذمی کافر لایا گیا جس نے ایک مسلمان عورت کے ساتھ شرارت کی جس کی وجہ سے وہ سواری سے گر گئی تھی اور اس خبیث نے اس عورت کا جامہ عصمت تار تار کر دیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ اس کو قتل کر کے سولی چڑھا دیا گیا وہ پہلا شخص تھا جس کو زمانہ اسلام میں سولی چڑھایا گیا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لوگو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ عہد ذمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو مگر جو شخص اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرے اس کا کوئی عہدِ ذمہ نہیں۔

اس روایت کو عوف بن مالک اشجعی وغیرہ نے روایت کیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

عبدالملک بن حبیب نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عیاض بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک عورت خچر پر سوار ہو کر گزری تو علج نامی شخص نے شرارت کر کے اس کو خچر سے گرایا جس کی وجہ سے اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ آپ نے حکم دیا کہ علج کو اسی جگہ سولی دی جائے اور فرمایا کہ ہم نے ان کو اس بات پر عہدِ ذمہ نہیں دیا (کہ وہ اس طرح کی حرکتیں کریں) بلکہ اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسلمان عورت سے زنا کرنے والے مجوسی کے بارے میں فتویٰ دیا کہ اس کو قتل کیا جائے کیونکہ اس کا فعل عہد شکنی ہے پوچھا گیا کہ کیا اس کو قتل کر کے سولی چڑھایا جائے تو فرمایا ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو اس کو قتل کے بعد سولی چڑھایا گیا گویا آپ نے اس سزا پر اعتراض نہیں کیا۔

حضرت عمر بن خطاب، ابوعبیدہ بن جراح اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہم (اصحابِ رسول میں) ان کے علاوہ دیگر سابقین نے بھی ایسے مجرم کے لیے سزائے قتل اور سزائے دار جائز رکھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی علت بھی واضح فرمائی کہ ہم نے ان کفار کو اس فساد انگیزی پر عہدِ ذمہ نہیں دیا۔ اور یہ کہ اس جرم کے ارتکاب سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک عہد شکنی کا جرم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور زمین میں فساد انگیزی ہے اور اس جرم پر قتل اور سولی کی سزا ہے۔

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، انس بن مالک مجاہد، سعید جبیر، عبدالرحمٰن بن جبیر مکحول اور قتادہ وغیرہم رحمہم اللہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ محاربہ قبیلہ عرینہ کے مرتدوں کے معاملہ میں نازل ہوئی یہ قصہ بہت مشہور ہے مذکورہ بالا دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ سببِ نزول کبھی متعدد ہوتا ہے جبکہ لفظ اپنے مدلول میں عام ہوتا ہے۔ اسی طرح عام علماء کے نزدیک یہ آیت مسلمان مرتد اور عہد شکن محارب کے باب میں عام ہے جیسا کہ امام اوزاعی نے اس کی تفسیر میں فرمایا یہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ پر لازم کیا کہ جو شخص اسلام پر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

جنگ کرے یا مرتد ہو جائے یا اہلِ ذمہ سے ہو اور عہد شکنی کرے تو وہ واجب القتل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ روایات مروی ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آیتِ محاربہ ان مسلمانوں کے حق میں ہے جو رہزنی کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے صحابہ وتابعین اور بعد کے فقہاء نے اس سے رہزنوں کی سزا پر استدلال کیا ہے۔

یہاں اس کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ عہد شکن معاہد اور مرتد اپنی ضرر رسانی کے باعث اس آیت کے عموم میں داخل ہیں جیسا کہ ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اس کے دلائل نقل کیے ہیں اگرچہ اس میں بعض وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسلمان ہوتے ہیں یہ گستاخ شخص بھی مسلمانوں کو ضرر دیتا ہے اس طرح وہ عہد شکن بھی ہے اور مرتد بھی اور وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

آیتِ محاربہ میں محاربین سے مراد ناقضینِ عہد لینے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقینقاع اور بنونضیر کو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے دارالحرب کی طرف جلاوطن کیا، جبکہ بنوقریظہ اور بعض اہلِ خیبر کو قتل کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی عہد شکنوں کو قتل کر کے دار پر کھینچا اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آیت کے بموجب عہد شکنوں کو سزا دی اس لیے ثابت ہوا کہ محاربین سے مراد ناقضینِ عہد ہی ہیں۔

وجہ دوم

مسلمانوں سے لڑنے والا عہد شکن دراصل اللہ تعالیٰ کا محارب ہے

عہد شکن ذمی اور موذی مرتد حقیقت میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محارب ہیں کیونکہ عہد شکنی دراصل مسلمانوں سے لڑنے کے مترادف ہے اور مسلمانوں سے لڑنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے ایسے مجرم رہزنوں اور دیگر مجرموں سے زیادہ اس نام (یعنی محارب) کے سزاوار ہیں کیونکہ مسلمان رہزن جب اسلام پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے دنیاوی معاملات میں لڑائی کرتا ہے تو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محارب ٹھہرتا ہے پھر جو دین کے معاملہ میں لڑے تو وہ محارب قرار دیئے جانے کے زیادہ لائق ہے پھر جو دین کے معاملہ میں لڑے تو وہ محارب قرار دیئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ پھر عہد شکن دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک یہ کہ وہ جب تک مسلمانوں سے لڑائی نہ کرے گا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محارب نہ ہوگا یا وہ اس وقت محارب قرار پائے گا جب ایسے ضرر رساں فعل کا مرتکب ہوگا جو عہد شکنی کا سبب ہو، خواہ بالفعل لڑائی نہ کرے، یہاں پہلی صورت صحیح نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ ذمی گستاخی کی وجہ سے عہد شکن ہوا اور محاربین میں سے ہو گیا اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد قابل توجہ ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَيُّمَا مُعَاهِدٍ تَعَاطٰى سَبَّ الْاَنْبِيَاءِ فَهُوَ مُحَارِبٌ غَادِرٌ	جو ذمی معاہد انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کرے وہ عہد شکن محارب ہے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ذمی کو محارب قرار دیا جس نے مسلمان عورت سے شرارت کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ محارب ہونے کے لیے لڑنا شرط نہیں بلکہ جو کوئی ضرر رساں اقوال وافعال کے ذریعے عہد شکنی کرے وہ بھی محارب ہے اور اس آیت کا مصداق ہے۔

ایک سوال:

اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو معاہد کسی ضرر رساں بات کی وجہ سے عہد شکنی کرے اور گرفت میں آنے کے بعد اسلام بھی قبول کرلے پھر بھی واجب القتل ہوگا۔

جواب: ہاں ہم اسی کے قائل ہیں اور ہم نے اس آیت کے شانِ نزول میں جو کچھ ذکر کیا وہ اس کی دلیل ہے کہ یہ آیت ان مجرموں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے فساد کے ذریعے عہد شکنی کی مگر اس آیت کے آخر میں یہ استثناء موجود ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ — سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تمہاری گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کرلی

اس سے معلوم ہوا کہ گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کرنے والا الحکم آیت پر باقی رہتا ہے

وجہ سوم:

عہد شکن ذمی کبھی عہد شکنی تک محدود رہتا ہے اور کبھی اس سے بڑھ کر جرم کرتا ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر عہد توڑنے والا ذمی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو واجب القتل قرار نہ پائے پھر وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

1- اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی مگر آیتِ محاربہ کے حکم میں داخل نہیں۔

2- اس نے لڑائی بھی کی اور زمین میں فساد انگیزی کی مثلاً کسی مسلمان کو قتل کیا رہزنی کی۔ کسی مسلمان عورت سے زنا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب رسول اور دینِ حق پر طعن کیا کسی مسلمان کو دینِ حق سے برگشتہ کیا تو ایسے شخص نے عہد شکنی بھی کی اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی بھی کی اور مسلمانوں کے دینی اور دنیوی معاملات میں بگاڑ پیدا کیا۔ ایسا شخص قطعاً آیتِ محاربہ کے حکم میں داخل ہے۔ اور واجب القتل ہے یا قتل کے ساتھ سولی کا بھی مستحق ہے یا عدم گرفتاری کی صورت میں جلاوطن کرکے دارالحرب بھجوا دینے کے لائق ہے مال لوٹا ہو تو اس کے ہاتھ اور پاؤں اطراف سے کاٹ ڈالے جائیں اس کی سزا ساقط نہ ہوگی اَلَّا یہ کہ قابو آنے سے پہلے توبہ کرلے اور یہی مطلوب ہے۔

وجہِ چہارم:

گستاخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن ہے

گستاخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محارب اور زمین میں فساد کوشی کرنے والا ہے اور آیتِ محاربہ کے مفہوم میں داخل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دشمنِ خدا اور سول ہے اور جو اللہ و رسول کا دشمن ہو وہ دراصل اللہ و رسول کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يَكْفِيْنِيْ عَدُوِّىْ — میری طرف سے کون میرے دشمن سے نبٹتا ہے

یہ آیت طرق متعددہ سے نقل ہو چکی اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا دشمن آپ کا محارب ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ لِيْ بِالْمُحَارَبَةِ — جس نے میرے ولی سے عداوت کی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج دیا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا

اَلْيَسِيْرُ مِنَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهُ بِالْمُحَارَبَةِ — معمولی ریاءکاری بھی شرک ہے جس نے اللہ کے دوستوں سے دشمنی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کو جنگ کا چیلنج دیا

پس جو شخص کسی ولی سے دشمنی کرے وہ خدا سے برسرِ پیکار ہے پھر اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور خلاصہ پیغمبراں محمد رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے خلاف بھرپور جنگ کا اعلان کیا پھر جب رسول اللہ ﷺ کی دشمنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا محارب ہے تو رسول اللہ ﷺ سے بالفعل لڑنے والا تو بطریقِ اولیٰ محارب ہے اس سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے برسرِ پیکار ہے۔

غیر انبیاء ئے لڑنے والا آیتِ محاربہ کے حکم میں داخل نہیں

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کوئی شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی ولی کو گالی دے تو وہ اللہ تعالیٰ کو لڑائی کا چیلنج دینے والا ہوگا کیونکہ اس گالی سے وہ دشمن قرار پائے گا جیسا کہ تم نے ذکر کیا اور جب عداوت کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کا اعلان کرنے والا ہوا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا، اس کے باوجود آیتِ محاربہ کا مصداق نہیں۔ اس طرح دلیل ٹوٹ گئی اور یہ محاربہ کو محاربہ بالید (ہاتھ سے لڑنے) کی طرف پھیرنے کا موجب ہے۔

جواب: یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔

وجہِ اوّل:

ضروری نہیں کہ ہر شخص جو انبیائے کرام کے علاوہ کسی کو گالی دے وہ اس کا دشمن ہو کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا

اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

(احزاب58)

یہ ارشاد حسب ذیل ارشاد کے بعد آیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو کبھی اپنے کیے پر اذیت ملتی ہے اور اس کی اذیت کسی حق کے سبب ہوتی ہے جیسے اقامتِ حدود اور انتقام سبّ وغیرہ کے حقوق ہیں۔ اس کے باوجود وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ پھر جب یہ اذیت بعض اوقات واجب یا جائز ہوتی ہے تو اذیت رساں ولی اللہ کا دشمن نہیں ہوتا کیونکہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے مومن سے موالات (دوستی) رکھے اور دشمنی نہ کرے، اگرچہ اس پر شرعی حد جاری کررہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

حقیقت میں تمہارے دوست ہیں اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور اہلِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

وجہِ دوم:

جو شخص نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کو گالی دے، اس کے باوجود وہ اس کا موالی (دوست) ہوسکتا ہے کیونکہ یہ گالی اگر کسی حق کے باعث نہ ہوگی تو فسوق کا سبب ہوگی، اور فاسق اہلِ ایمان کے ساتھ حقیقی عداوت نہیں رکھتا بلکہ موالات رکھتا ہے اور گالی کے باوجود مومن سے موالات کو ضروری خیال کرتا ہے۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بکواس ہے تو یہ نبوت پر اعتقاد کے منافی ہے اور یہ بات آپ ﷺ سے بیگانگی اور دشمنی کی دلیل ہے کیونکہ انکارِ نبوت حضور ﷺ سے شدید دشمنی ہے اور آپ کو نبی ماننا اور دیگر انبیائے کرام کی طرح سلوک کرنا ضروری ہے۔

وجہِ سوم:

فرض کریں کہ نبی کو گالی دینا اس کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے لیکن کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دوست ہے جس پر خون مباح کرنے والے احکام مرتب ہونے ضروری ہیں بخلاف نبی کی ولایت (دوستی کی شہادت کے کہ وہ نبی کی بالتعیین شہادت ہوتی ہے۔)

وجہ چہارم:

فرض کریں کہ شاتم نے کسی ولی کو ولی جانتے ہوئے اس کے ساتھ دشمنی کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو لڑائی کی دعوت دی، مگر اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاربہ کا ذکر نہیں اور آیت میں مذکورہ سزا اس شخص کے لیے جو اللہ و رسول سے لڑائی کرے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے وہ دشمنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے لڑائی ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی دلالت ہے پس وہ اللہ و رسول سے محارب قرار پائے گا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ صرف اللہ سے لڑنے سے زیادہ خاص ہے اور جو حکم اخص سے معلق ہو وہ معلق بالاعم پر دلالت نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ دراصل پیغام خداوندی سے مخالفت ہے جبکہ کسی ولی کی عداوت رسالت کے ساتھ مخالفت نہیں۔

وجہِ پنجم:

آیتِ محاربہ میں سزا ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محارب اور فساد کوشی کے مجرم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محارب ہے۔ جیسا کہ گزر چکا اور زمین میں فساد پھیلانے والا بھی جیسا کہ عنقریب اس کی بحث آ رہی ہے ولی کا گستاخ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لڑائی کا مرتکب ہوتا ہے مگر زمین میں بگاڑ کا باعث نہیں، کیونکہ زمین میں بگاڑ لوگوں کے دین یا دنیا میں خرابی پیدا کرنے کے مترادف نہیں۔ یہ خرابی صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں طعن کرنے سے مستحق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے لیے ولایت ولی پر ایمان لانا واجب نہیں۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر ایمان لانا لازم ہے۔

وجہِ ششم:

فرض کریں شانِ ولی میں گستاخی کرنے والا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محارب ہے اسی لیے کسی دلیل سے اس کا لفظ عام سے خارج ہونا اس بات کا موجب نہیں کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حکم سے خارج ہو، کیونکہ دونوں عداوتوں کے درمیان فرق ظاہر ہے اور اصول یہ ہے کہ قولِ عام کی کوئی صورت خاص کی جائے تو اس کے برابر کی دوسری صورت خاص نہ ہو گی بجز دوسری دلیل سے۔

وجہِ ہفتم:

اس کو حقِ ولی میں محاربہ بالید (ہاتھ سے لڑائی) پر محمول کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ جو ولی کے ساتھ لڑائی سے دشمنی کا اظہار کرے تو اس سے لازم نہیں آتا۔ کہ وہ آیتِ محاربہ کے مطلق حکم میں داخل ہے پھر اس کے حق میں ہاتھ اور زبان کے ذریعے دشمنی کے اظہار میں فرق نہیں بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہاتھ یا زبان کے ذریعے دشمنی کے، کیونکہ ان میں فرق بھی نہیں اور اس کو آیتِ محاربہ کے حکم میں داخل کرنا بھی ممکن ہے اور یہ دلیل سے ثابت ہے۔

جب یہ ثابت ہو لیا کہ گستاخ اللہ و رسول کا محارب ہے تو وہ زمین میں فساد پیدا کرنے والا ہوا۔ اور فساد کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے خلاف اقدام

2۔دین میں بگاڑ اور فساد

جو شخص شانِ رسالت میں گستاخی کرے اور ہتکِ عزت کا مرتکب ہو تو وہ لوگوں کے دین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر دنیوی معاملات میں بھی بگاڑ کا باعث ہوتا ہے ہمارے خیال میں وہ کسی کا دین بگاڑے یا نہ بگاڑے، یکساں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا — اور وہ زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں

ایک قول یہ ہے کہ فساد مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ وہ زمین میں کوشش کرتے ہیں کہ خرابی پیدا ہو، جیسا کہ آیتِ ذیل کا مفاد ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ:205) — اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں

سَعْيٌ عمل اور فعل کا نام ہے اس لیے جو امر کے لیے کوشاں ہو کہ دینی معاملات میں بگاڑ پیدا ہو تو وہ زمین میں فساد پیدا کرنے والا ہوا خواہ اس کی کوشش ناکام ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ مصدر یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے پھر تقدیرِ کلام یوں ہوگی سَعٰى فِي الْاَرْضِ مَفْسَدًا یعنی اس نے مفسدین کو زمین میں فساد کی کوشش کی جیسے ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (بقرہ:60) — اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو

یا جیسے کہا جاتا ہے

جَلَسَ قُعُوْدًا — وہ اچھی طرح بیٹھا

یہ ہر اس آدمی کے لیے ہے جو فساد انگیزی کرے خواہ وہ کام بے اثر ہو اور لوگ اس کو قبول نہ کریں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی رہزنی کی کوشش کرے اور قتل وغارت میں ناکام رہے مگر اس طرح کا جرم جانی فساد سے خالی نہیں ہوتا جب تک کہ ایسے مجرم پر سزا نافذ نہ کی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں طعن کرنا اور لوگوں کے سامنے نبی اکرم ﷺ کے احوال کو بگاڑ کر پیش کرنا اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے متنفر کرنا سب سے بڑا فساد ہے۔ جس طرح کہ ادب واحترام رسول ﷺ کی تحریک دینا ہی سب سے بڑی اصلاح ہے اور فساد اصلاح کی ضد ہے اور ہر قول یا فعل جو نگاہ خداوندی میں پسندیدہ ہو وہ صلاح کا آئینہ دار ہے اور وہ عمل یا فعل جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرے وہ فساد ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اعراف:56) — اور زمین میں فساد نہ ڈالو اس کی اصلاح کے بعد

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان واطاعت کے بعد کفر ومعصیت کا جرم نہ کرو۔

لیکن فساد متعدی، یہ اَفْسَدَ یُفْسِدُ سے اسم مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت نمبر 56 سورۃ بقرہ میں فرمایا اس میں فساد سے یہی متعدی فساد مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا	وہ زمین میں فساد ڈالتے ہیں

یہ اس کے لیے ہے جو دوسروں کے لیے فساد پیدا کرے اس لیے کہ یہ فساد اس کی ذات تک محدود ہوتا تو زمین میں فساد پھیلانا نہ فرمایا جاتا۔ زمین میں فساد پھیلانا اس وقت ہوتا ہے جب وہ فسادی شخص سے صادر ہو کر زمین تک پھیل جائے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ (الحدید:22)	نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت:52)	ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں (نشانیاں) دنیا بھر اور خود ان کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے
وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:21)	اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کیلئے اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں

گستاخ شخص (جو زیرِ بحث ہے اس) نے بارگاہِ رسالت میں ہتکِ عزت اور تنقیص شان کا ارتکاب کیا اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کو اذیت دی کافروں اور منافقوں کو اسلام کی بربادی پر برانگیختہ کیا، اہلِ ایمان کی ذلت چاہی، دینی غلبہ زائل کرنے اور خدائی کلمہ کو پست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ فساد اور خرابی کی بدترین کوشش ہے اس کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں یَسْعٰى فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَوْ فَسَادًا فِي الْاَرْضِ کے کلمات آئے وہاں دینی بگاڑ ہی مراد ہے اس سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا محارب ہے اور زمین میں خرابی کے لیے کوشاں، اس لیے وہ آیتِ محاربہ کے حکم میں داخل ہے۔

محاربہ کی دو قسمیں:

محاربہ باللسان اور محاربہ بالید

زبانی جنگ کبھی ہاتھ کی لڑائی سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے (جیسا کہ اس کی تقریر پہلے مسئلہ میں گزر چکی، اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے زبانی جنگ کرنے والوں کو قتل کیا جبکہ بعض محاربین بالید (ہاتھ سے لڑنے والوں) کے قتل سے گریز کیا۔ پھر اس جنگ میں اس وقت شدت پیدا ہو جاتی ہے جب یہ نبی اکرم ﷺ کے وصال شریف کے بعد ہو۔ اور بعدِ وصال جنگ زبان سے ممکن ہے یونہی فساد انگیزی کبھی ہاتھ سے ہوتی ہے اور کبھی زبان سے اور زبان سے ادیانِ عالم میں جو تباہیاں ہوئی ہیں وہ ہاتھ کی تباہیوں سے کہیں زیادہ ہیں جس طرح زبان کے ذریعے ادیان میں اصلاح کا عمل ہوتا ہے وہ ہاتھ کے عمل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ زبانی جنگ سنگین جرم ہے اور زبان سے دین میں بگاڑ پیدا کرنا اور زمین میں محارب

اور مفسد قرار دینا زیادہ سزاوار ہے۔

وجہ ششم:

محاربہ (یعنی جنگ) مسالمہ (صلح) کی ضد ہے، مسالمہ یہ ہے کہ اہلِ صلح ایک دوسرے کی اذیت سے سالم رہیں پس جس کے ہاتھ اور زبان سے حفاظت حاصل نہ ہو وہ مسالم (یعنی اہلِ صلح) نہیں بلکہ محارب ہے اور یہ معلوم ومحقق ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محاربہ (جنگ) دراصل اللہ ورسول ﷺ کی ذات سے بالفعل لڑائی محال ہے اس لیے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی سے کام لے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ مسالم نہیں، کیونکہ رسول ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اس کی شرارت اور ایذاء سے محفوظ نہ رہی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ پر طعن دراصل اللہ ورسول کے حکم کی شدید مخالفت ہے۔اس طرح گستاخِ رسول زمین میں بگاڑ پیدا کرنے والا ہوا۔اور آیتِ محاربہ کے منطوق میں داخل ہے۔

پہلے مسئلہ میں گزر چکا کہ گستاخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہے اور جو کوئی اللہ ورسول سے مخالفت کرے وہ ان کا محارب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ محاربہ (جنگ) اور مشاقہ ومحادۃ (یعنی مخالفت) کا ایک ہی مفہوم ہے کیونکہ حرب شق مخالفت ہی کو کہتے ہیں کہ اسی سے محراب کا نام محراب پڑا جہاں تک گستاخ کے مفسد فی الارض ہونے کا تعلق ہے وہ بالکل واضح ہے۔

یاد رکھیے کہ!

ساری دلیلیں جو جرمِ گستاخی کو عہد شکنی کا سبب ٹھہراتی ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عہد شکنی اللہ ورسول کے خلاف کھلی جنگ ہے اس لیے کہ عہد شکنی سے ذمی پھر محارب بن جاتا ہے پس اگر جرمِ گستاخی سے محارب نہ ٹھہرے تو عہد شکن قرار نہ پائے گا ہم قبل ازیں اس پر تفصیلی کلام کر چکے ہیں جس کا اعادہ طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے مذکورہ مقام کی طرف مراجعت کیجئے۔

اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ جرمِ گستاخی فساد کوشی ہے کہ نہیں؟

یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ محتاجِ دلیل نہیں، کیونکہ کلمۂ کفر کا اظہار انبیائے کرام پر طعن کتاب اللہ، دینِ حق اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں قدح پر فساد سے بڑا فساد ہے قرآنِ حکیم کی عام آیات جو زمین میں فساد انگیزی سے منع کرتی ہیں ان سے زیادہ تر مراد انبیائے کرام پر طعن ہی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ (البقرہ:11)	جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد انگیزی نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں

اس کے جواب میں فرمایا:

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (البقرہ:12)	سن لو یہی لوگ فسادی ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (اعراف:85)	زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا

ایک اور ارشاد ہے:

وَاَصۡلِحۡ وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِيۡلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (اعراف:142) اور اصلاح کر اور مفسدوں کے راستے پر نہ چل

پس گستاخ شخص اللہ ورسول کا محارب اور زمین میں فساد انگیزی کا مرتکب ہے اور آیتِ محاربہ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اس آیتِ محاربہ کی دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفسیر میں علماء کے دو گروہ ہو گئے ہیں ایک وہ جو آیت کو مرتدین اور عہد شکن کافرین کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور دوسرا گروہ جو عام مسلمانوں کو (جو محاربہ کے بعد اسلام پر قائم رہتے) اور دیگر اشخاص کو اس آیت کا مصداق قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اسے مسلمانوں کے ساتھ خاص کرنا اجماع کے خلاف ہے پھر جو اس آیت کے عام حکم کے قائل ہیں ان میں سے اکثر (جن میں امام قتادہ بھی شامل ہیں) کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کو کسی مشرک سے اذیت پہنچے تو وہ حرب ہے وہ مشرک مال چھینے یا قتل کرے پھر گرفتاری سے پہلے مرجائے تو اس کا خون رائیگاں ہے لیکن وہ مسلمان جو جرمِ اہانت کرے اور اسلام پر قائم رہے تو اس کی جنگ ہاتھ سے ہے (یعنی وہ قتل رہزنی وغیرہ کے جرائم میں ملوث ہوتا ہے) کیونکہ اس کی زبان مسلمانوں کے ہم آہنگ اور غیر محارب ہوتی ہے۔

جہاں تک مرتد اور عہد شکن کا معاملہ ہے تو اس کی جنگ کبھی ہاتھ سے ہوتی ہے اور کبھی زبان سے پس جو شخص اس خام خیالی میں مبتلا ہو کہ زبان سے محاربہ نہیں ہوتا تو مسئلہ اولیٰ کے شروع میں جو دلائل گزرے ہیں ان کی طرف رجوع کرے، وہ دلائل اس کے محاربہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں یہ کلام اس مسئلہ کے ثبوت کے بعد ہے کہ جرمِ گستاخی محاربہ اور عہد شکنی ہے۔

واضح رہے کہ یہ آیتِ محاربہ کئی طرح کے مفسدین کو جامع ہے اور اس کی دلالت یہاں بہت واضح ہے ہمارے علم میں کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کا رد کرے۔

ایک اعتراض

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محاربہ سے مراد صرف ہاتھ کی لڑائی ہے کیونکہ آیتِ کریمہ کے الفاظ ہیں:

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ اور یہ اس محارب کے حق میں ہے جو ممتنع ہو جبکہ گستاخ ممتنع نہیں۔

جواب: اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

1۔ مستثنیٰ جب ممتنع ہو تو لازم نہیں آتا کہ مُسۡتَثۡنیٰ (سزا سے بچ رہنے والا) بھی ممتنع ہو کیونکہ آیتِ کریمہ ہر محارب کو عام ہے خواہ ہاتھ سے جنگ کرے یا زبان سے پھر ان محاربین میں سے ممتنع کا استثناء کیا گیا جب وہ ممتنع قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لے تو مقدور علیہ مطلقاً باقی رہتا ہے اور وہ ممتنع جو قابو میں آنے کے بعد توبہ کرے۔

2۔ اور جو گرفتاری سے پہلے توبہ کر کے آئے تو وہ قابو میں آنے سے پہلے تائب ہوا۔

حضرت عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایسا شخص جو چوری کے الزام میں پکڑا جائے اور تائب ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور بطور دلیل آیتِ کریمہ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ کی تلاوت کی اور جو محارب گرفتار نہ

کیا جاسکے وہ ممتنع ہے بالخصوص جب ہاتھ نہ آئے اور اس پر مقدمہ نہ چلایا جاسکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا مجرم موجود ہو مگر چھپ جائے یا بھاگ جائے جس طرح کہ صحرانشین ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مجرم پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا بلکہ صحرانشین کو تلاش کرنا کسی آبادی کے مقیم شخص کو تلاش کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ صحرا میں چھپنے کے لیے درختوں کے جھنڈ یا اوٹ نہیں ہوتی اس کے برعکس آبادی میں مقیم شخص کے لیے کوئی کمین گاہ ہوسکتی ہے جو حد کے نفاذ میں رکاوٹ بن جائے اور جو شخص گرفتار ہونے اور مقدمہ مجاز عدالت تک لے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کی۔

3۔ محارب باللسان (زبان سے جنگ کرنے والا) محارب بالید (ہاتھ سے جنگ کرنے والے) کی مانند ہوتا ہے اور کبھی محارب بالید زیادہ لوگوں کے درمیان بہت کمزور اور ناتواں ہوتا ہے اور جس طرح کوئی بڑی جماعت کے ساتھ لڑنے کا ارادہ کرے حالانکہ ان کے مقابل بہت کمزور ہو یہی حکم ہے اس گستاخ کا، جو زیادہ تعداد کے مقابلہ میں کمزور ہو، عام طور پر تلوار سے وہی لڑتا ہے جو اپنے سے کمزوروں کے مد مقابل ہوتا ہے اسی طرح گستاخ بھی ایسی حرکتیں زیادہ تر چھپ کر کرتا ہے اور اس کو پکڑنا، عدالت میں اس کا مقدمہ لے جانا اور اس کے خلاف شہادت قائم کرنا آسان نہیں ہوتا۔

آیتِ محاربہ سے استدلال کی دو اور وجوہات

وجہِ اوّل:

آیتِ محاربہ بالاتفاق ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے معاہدہ صلح کے بعد کفر کیا اور معرکہ آرائی کی۔ یہ ان لوگوں کے متعلق بھی ہے جو مسلمان ہوتے ہوئے آمادہ پیکار ہوئے مثلاً رہزنی کی یا کسی مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کیا وغیر ذلک اس سے وہ محارب قرار پائے ایسے لوگ اگر گرفت میں آنے کے بعد توبہ کریں تو ان کی سزائے قتل ساقط نہ ہوگی اگر چہ اس مسئلہ میں معمولی سا اختلاف ہے تاہم مسئلہ زیرِ بحث کی شاندار دلیل ہے پس گستاخِ رسول ﷺ تو محارب قرار دیئے جانے کے زیادہ لائق ہے اور اس آیت کو لٹیروں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لٹیروں کے علاوہ مجرموں کو بھی اس کا مصداق قرار دیتے تھے ہم نے اس آیت کا جو سببِ نزول بیان کیا اس میں یہ نہیں کہ ان مجرموں نے مال لینے کی خاطر کسی کو قتل کیا اگر وہ اس جرم کے مرتکب ہوتے تو قاتل سے قود (یعنی قصاص) ساقط نہ ہوتا خواہ قابو میں آنے سے پہلے تائب ہو جاتے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں معاہد عہد کے باوجود جرمِ گستاخی کی وجہ سے واجب القتل ہے جیسے مسلمان اس جرم کی وجہ سے واجب القتل قرار پاتا ہے۔

یہاں پھر دو صورتیں ہیں کہ کافر ذمی کی رہزنی کی واردات یا تو عہد شکنی شمار ہوگی یا ایسا جرم قرار دی جائے گی جس کی وجہ سے مسلمان مجرم پر سزا نافذ کی جاتی ہے۔ اور اس کا عہدِ ذمہ بھی برقرار رہتا ہے اگر پہلی شق ہو تو رہزنی اور دیگر جرائم (جن میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہو) کے درمیان فرق نہیں اس صورت میں جو ذمی عہد شکنی کا مرتکب ہوگا اس سے قتل کی سزا ساقط نہ ہوگی اور اگر دوسری شق ہو تو رہزنی سے ذمی کا عہد ٹوٹے گا حالانکہ اس نکتۂ نگاہ کے فساد پر دلیل گزر چکی ہے یہاں کلام اسی پر متفرع ہے اس لیے تسلیم

کے بعد منع (نہ ماننا) صحیح نہیں۔

وجہِ دوم:

اللہ وسبحانہ وتعالیٰ نے توبہ قبل القدرت اور توبہ بعد القدرت کے درمیان فرق کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود کا مقدمہ جب حاکم تک لے جاتے ہیں تو شرعی سزا واجب ہو جاتی ہے اور معافی اور سفارش کی گنجائش نہیں رہتی۔ البتہ مقدمہ عدالت تک نہ پہنچے تو معافی ہو سکتی ہے اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ توبہ قبل قدرت اختیاری توبہ ہے اور بعد قدرت اضطراری توبہ، اس کی مثال فرعون کی توبہ ہے جو اس نے ڈوبتے وقت کی یا جھٹلانے والی قوموں نے عذاب دیکھ کر توبہ کی یا جیسے مرنے والے شخص کی سکرات موت کے وقت توبہ کہ اس وقت کہے میں اب توبہ کرتا ہوں اس سے توبہ کی صحت ثابت نہ ہوئی کہ شرعی سزا ساقط ہو جائے اگر توبہ بعد قدرت (یعنی مجرم کے پکڑے جانے کے بعد) سے سزا ساقط کر دی جائے تو شرعی سزائیں معطل ہو جائیں گی اور فساد کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ ہر مفسد کے لیے گرفتاری کے بعد توبہ کر لینا آسان ہو جائے بخلاف قبل قدرت توبہ کے۔

اس سے سزا کے بغیر ہی شر کی جڑ کٹ جاتی ہے یہ ایسے مناسب مفاہیم ہیں جن کی شارع نے شہادت دی۔ اس لیے یہ مفاہیم مؤثر یا ملائم اوصاف ہوں گے جن پر حکم کی علت دائر ہوگی اور یہ اوصاف بعینہا گستاخ میں موجود ہیں اس لیے ضروری ہے کہ گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی سزا ساقط ہو جائے کیونکہ دائرہ اسلام میں آنا توبہ کے مترادف ہے پس ہر کافر کی توبہ کا یہی حکم ہے اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 اور آیت نمبر 11 میں ان کی طرف سے توبہ کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے پر ان کا راستہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ جبکہ سزا رفع مقدمہ (عدالت میں کیس دائر ہونے) سے واجب ہو جاتی ہے اور اس وقت کی توبہ مجبوری کی توبہ ہے جس کو قبول کرنے سے حد (سزا) معطل ہو جائے گی (اور شرعی حدود کا تعطل جائز نہیں) البتہ یہاں کافر حربی کی توبہ سے ہمارے خلاف دلیل پیش کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس آیت کے منطوق میں داخل نہیں اس کی ایک اور توجیہ بھی ہے کہ کافر حربی جب گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کو قیدی یا غلام بنایا جائے گا اور یہ دونوں سزائیں اسلام سے پہلے رائج تھیں۔ اس کے برعکس گستاخ کی صرف ایک سزا ہے اور وہ رہزن کی سزا کی طرح ساقط نہ ہوگی مجرد مرتد جو فساد فی الارض کی کوشش نہ کرے وہ بھی اس آیتِ محاربہ کے حکم میں اور اس کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ ارتداد (تبدیلی دین) پر ڈٹ جاتا ہے پس جب اسلام کی طرف رجوع پر آمادہ ہو تو ہمارا مقصد حاصل ہو گیا اور وہ رکاوٹ دور ہو گئی جس کا ہم ازالہ کرنا چاہتے تھے اور یہ سزا اس وقت معطل ہو سکتی ہے جب مرتد کو ارتداد پر رہنے دیا جائے اور اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لایا جائے پھر یہ کوئی بری بات نہیں کہ اس کو حق کی طرف رجوع پر مجبور کیا جائے ہمارا اس سے صرف یہی مطالبہ ہے کہ خوشی رضا یا ناخوشی سے اسلام کی طرف لوٹ آئے جس طرح ہم اس کے ساتھ نماز یا زکوٰۃ کے معاملہ میں لڑیں اور طوعاً وکرھاً ان کو ادا کرنے لگے اس سے ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

گستاخ اور دوسرے ایذا رسانوں کو قتل کرنے کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اہلِ اسلام کو اذیت دی اور نقصان پہنچایا مجرد کفر قتل کی وجہ نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے تو ان کو عقیدہ کفر پر رہنے کی اجازت دے کر عہدِ ذمہ دیا پھر جب کافر گرفتار ہو جائے تو اس کا مجرد کفر زائل ہو جائے گا اور مجرد کفر پر یہ رہزنی کی طرح زمین میں بگاڑ کا باعث ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے سے لڑائی کی

جائے گی کہ وہ اسلام قبول کرلے یا طوعاً کرھاً جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر اس شرط پر جزیہ دے کہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائے گا پھر نقصان پہنچائے تو مستحقِ قتل ہے اور جب قابو میں آنے کے بعد توبہ کرے اور اسلام لے آئے تو اس کی توبہ اس محارب مفسد کی توبہ کی مانند ہے جو قابو میں آنے کے بعد توبہ کرے۔

ذمی عہد شکن جو دین پر اعتراض کرے، کفر کا سرغنہ ہے

طریقہ دوم:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ م بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○(توبہ:12)

اور اگر (یہ ذمی کافر) عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں

ابن عامر حسن عطاء ضحاک اصمعی وغیرہم تفسیر نے بروایت ابوعمر لا ایمان لھم میں ایمان کو ھمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ مشہور قرآت ہے یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان یا قسم معترض کے خون کو معصوم و محفوظ رکھنے کی ضمانت نہیں اکثر قراء کی قرآت پر لا ایمان لھم کا معنی لَاوَفَاءَ بِالْاَيْمَانِ ہے یعنی وہ اپنی قسم کو پورا نہیں کرتے یہ معلوم ہے۔ کہ اس سے مراد آئندہ دوسری قسم کو پورا نہ کرنا ہے کیونکہ آیتِ کریمہ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ سے ماضی میں عدم قسم کا تحقق ہو گیا جس کا مفاد یہ ہے کہ دین پر طعن کرنے والا ذمی عہد شکن کفر کا سرغنہ ہے اس کیساتھ دوبارہ کبھی معاہدہ نہیں کیا جائیگا۔

قرآت ابن عامر سے معلوم ہوا کہ کفر کے سرغنوں کی کوئی قسم نہیں اور اس قسم کو ان سرغنوں کے ساتھ جنگ کی علت کے طور پر نہیں لایا گیا کیونکہ حکمِ خداوندی فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ان سے ایمان کی نفی میں لَا اِیْمَانَ لَهُمْ سے زیادہ بلیغ اور علت حکم پر زیادہ دلیل ہے لیکن اس کو لانے سے مقصود یہ ہو سکتا ہے کہ عہد شکن طاعن (جو کفر کا سرغنہ ہو اس) کا اظہار ایمان قابلِ اعتماد نہیں جیسا کہ اس کا قسم والا معاہدہ لائق وثوق نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کے الفاظ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ میں لَا اِيْمَانَ نکرہ منفی ہے جو لائے نفی جنس کے ساتھ آیا ہے جو ان سے مطلقاً ایمان کی نفی کا تقاضا کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ دین پر اعتراض کرنے والا ذمی عہد شکن کفر کا سرغنہ ہے اس کی کوئی قسم نہیں نہ اس کا ایمان ہے وہ واجب القتل ہے خواہ ایمان کا زبانی دعویٰ کرے۔

اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ ہر کافر حالتِ کفر میں ایمان سے خالی ہوتا ہے پھر کفر کے سرداروں اور سرغنوں کی بے ایمانی کس قدر شدید ہوتی ہے؟ پس ایسے کافروں کے سلب ایمان کی تخصیص کا موجب ہونا ضروری ہے اور اس کا موجب نہیں سوائے مطلقاً نفی ایمان کے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ سرغنوں کے ایمان کی امید نہیں اس لیے ان کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا جائے گا اور وہ اگر ایمان کا اظہار بھی کریں تو صحیح نہ ہوگا اس کی مثال نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اُقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَبْقُوْا شَرْخَهُمْ بڑے مشرکوں کو قتل کردو اور ان کے نوجوان کو زندہ رہنے دو۔

اس حکم کی علت یہ ہے کہ عمر رسیدہ لوگ کفر میں پختہ ہو چکے اور ان کا اسلام کی طرف رجوع کرنا دشوار ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوجی سالاروں (حضرت شرجیل بن حسنہ یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص) کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا۔

عنقریب تم ایسے لوگوں سے ملوگے جن کے سر موٹے اور جوف دار ہیں پس تلواروں سے ان کی کھوپڑیوں کے ان مقامات پر ضرب لگاؤ جہاں شیطان نے گرہ لگا رکھی ہے میرے نزدیک ان کے ایسے شخص کو قتل کرنا دوسرے ستر آدمیوں کے قتل سے زیادہ اچھا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (توبہ: 12) ان کفر کے سرغنوں سے لڑو ان کی کوئی قسم نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عہد شکن سردارانِ کفر اور دین پر اعتراض کرنے والے کافر کا اسلام خوبی تک نہیں پہنچتا ان لوگوں کے جو عہد شکنی نہیں کرتے یا عہد تو توڑتے ہیں مگر دینِ حق پر اعتراض نہیں کرتے یا دین کے خلاف تو بولتے رہے ہیں لیکن عہد شکنی نہیں کرتے' اس کی وضاحت ان کلماتِ مقدسہ سے ہوتی ہے لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ یعنی شاید وہ عہد شکنی اور طعن سے باز آجائیں جیسا کہ عنقریب ہم اس کو ثابت کریں گے۔

دراصل عہد شکنی اور طعن سے باز آنے کا مرحلہ اس وقت آئے گا جب عہدِ ذمہ کی شرائط کی خلاف ورزی کرنیوالے گروہ سے لڑائی ہوگی اور اس کو مغلوب کر دیا جائے گا یا غیر ممتنع (دسترس سے باہر) مجرم کو پکڑ کر قتل کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے مجرم کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے گا تو دوسرے عہد شکن بھی زندہ رہنے کی توقع کریں گے اور سرکشی سے باز نہ آئیں گے۔ اس کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری اور عہد شکنی کی، انہوں نے قسمیں کھا کھا کر عہد دیئے تھے کہ وہ مشرکوں کی اعانت نہ کرینگے مگر اس عہد کو توڑ کر کافروں منافقوں کی مدد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ شریف سے نکالنے کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر کے ان کے خلاف لڑنے کا حکم دیا آیت کے اس شان نزول کو قاضی ابو یعلیٰ نے ذکر کیا جو ہمارے مسئلہ زیر بحث سے مطابقت رکھتا ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں اتری اور اس کو ایک گروہ علماء نے ذکر کیا علماء کا ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ سورہ برآت غزوہ تبوک اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس وقت مکہ میں کوئی مشرک نہ تھا جس سے لڑائی کا موقع میسر ہوتا پس ان آئمہ کفر سے مراد وہی طلقاء (فتح مکہ میں معافی پانے والے) ہیں جن کی تعداد کم تھی اور قلت تعداد کی وجہ سے منافقت پر اتر آئے تھے اور موقع پا کر کفر کا اظہار کرتے تھے۔ اس کی تائید امام مجاہد اور ضحاک کی قرآت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے نَكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ کو نَكَثُوْا اِيْمَانَهُمْ پڑھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص عہد شکنی کرے اور دینِ اسلام پر طعن کرے تو اس کے ساتھ

لڑائی کی جائے گی اس کا کوئی ایمان نہیں اور یہ حسب ذیل آیت کی نص سے ثابت ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ: 11)

پس اگر وہ توبہ کریں نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں

پھر فرمایا

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ○ (توبہ:12)

اور اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم ان کفر کے سرغنوں سے لڑو ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں شاید وہ اس جرم سے باز آ جائیں

اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکنی کا جرم توبہ کے بعد کا معاملہ ہے کیونکہ ان کی پہلی عہد شکنی کا ذکر حسب ذیل آیت کریمہ میں آ چکا ہے۔

كَیْفَ وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (توبہ:8)

ان کے وعہدوں کا کیا اعتبار یہ اگر تم پر غلبہ پالیں تو قرابت داری کا لحاظ رکھیں تو عہد و پیمان کا، اپنی زبانوں سے تم کو راضی رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں

پہلے گزر چکا کہ ایمان سے مراد عہود ہیں اس استدلال پر یہ آیت کریمہ عہد شکنوں کو شامل ہے اور جو عہد شکن دین پر اعتراض کرے تو اس سے جنگ کی جائے گی ایسے مجرموں کی قسموں کا اعتبار نہیں اس طرح یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی تنقیص شان کرے مسلمانوں کو گالیاں دے اور دین حق پر اعتراض کرے تو اس کی کوئی قسم نہیں۔

ایسے مجرموں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اعتراض

ایک قول ہے کہ آیت لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ کا معنی ہے لَآ اَمَانَ لَهُمْ یعنی ان کے لیے امان نہیں یہ مصدر ہے اور اضافہ (یعنی خوفزدہ کرنے) کی ضد ہے۔

جیسا کہ آیت میں ہے۔

وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش:4)

اللہ نے ان کو خوف سے امان دی

جواب: فرض کریں کہ یہ قول درجۂ صحت کو پہنچتا ہے پھر بھی زیر بحث موضوع مسئلہ کی دلیل ہے کیونکہ اس سے یہ مقصود نہیں کہ ان کے لیے صرف زمانہ حال میں امان نہیں کیونکہ اس بات کا علم ہے کہ انہوں نے عہد شکنی کی۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے کسی زمانے میں امان نہیں زمانہ حال ہو یا مستقبل اس لیے ان کو امان دنیا کسی صورت جائز نہیں بلکہ ہر حالت میں ان کے لیے سزائے موت ہے۔

ایک اور اعتراض

اس آیت میں مقاتلہ (لڑائی) کا حکم ہے قتل کا نہیں کیونکہ اس آیت کے بعد فرمایا وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ (اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول کرے اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکن کی توبہ قبول ہے جیسا کہ ممتنع گروہ کا ذکر گزرا اور اس کے ساتھ لڑائی کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کے خلاف مسلمانوں کی امداد کرے گا اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول کرے گا۔

یہ ان عہد شکن کے بارے میں ہے جو دینِ حق پر اعتراض نہیں کرتے پس جو دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کریں گے تو ان کی سزا ساقط ہو جائے گی اس کی توضیح اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ — اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا

یہ نیا کلام ہے جو جواب امر کی چیز میں داخل نہیں، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عہد شکنوں سے قتال کے ذریعے توبہ کرانا مقصود نہیں اور نہ قتال سے توبہ حاصل ہوتی ہے بلکہ لڑائی سے مقصود یہ ہے کہ وہ عہد شکنی اور طعن کے جرائم سے باز آجائیں اور ان کی سرکوبی اور رسوائی ہو نیز ان پر غلبہ حاصل کیا جائے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اظہارِ توبہ سے عہد توڑنے والے اور دین طعن کرنے والے ذمی کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔

اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ پاک سے ہوتی ہے:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (توبہ:11)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں مشرکوں کا کوئی عہد کیونکر (قابلِ لحاظ) ہوگا مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا تو جب تک تمہارے لیے عہد پر قائم رہیں تم ان کے لیے قائم رہو اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے

الی قولہ تعالیٰ

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (توبہ:11)

پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کے لیے

اس کے بعد فرمایا

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ (توبہ:12)

اور اگر عہد کر کے اپنی اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں

یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طرف سے عہد توڑنے اور دین پر اعتراض کرنے سے پہلے اس توبہ کا ذکر کیا جو دینی بھائی

چارے کی بنیاد ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے معاہد ذمی کے تین احوال ٹھہرائے ہیں۔

معاہد کے تین احوال

1- یہ کہ وہ ہمارے ساتھ معاہدہ پر قائم رہے تو ہم بھی معاہدہ پر قائم رہیں گے اس طرح اس کے خلاف کوئی اقدام نہ اٹھایا جائے گا لیکن اس کو دینی بھائی نہ قرار دیا جائے گا۔

2- یہ کہ وہ کفر سے توبہ کرے نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے تو رشتۂ اخوت میں جڑ جائے گا۔ اسی لیے یہاں اس کا راستہ چھوڑنے کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا کیونکہ یہاں کلام معاہد کی توبہ کے متعلق ہے جس کے خلاف کسی کاروائی کے نہ کرنے کا ذکر کیا اور اس کی توبہ دینی بھائی چارے کی موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (توبہ:۱۱)

اس کی تقریر یہ ہے کہ محارب جب تائب ہو جائے تو اس کا راستہ چھوڑنا ضروری ہے کیونکہ اس کی حاجت اس بات کا تقاضا کرتی ہے یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے تلوار کے خوف سے توبہ کی ہو اس صورت میں وہ بظاہر مسلمان ہوگا مگر مومن قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ ایمانی اخوت دلائلِ ایمان کے ظہور پر موقوف ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (حجرات:۱۴)

بدو بولے ہم ایمان لائے اے رسول کہہ دو (نہیں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم ظاہری مسلمان ہوئے

اور معاہد جب توبہ کرے تو اس کی ظاہری توبہ ہی جائے پناہ ہے کیونکہ ہماری طرف سے اس کو توبہ پر مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے مجبور کرنا جائز ہے۔

اس کی توبہ بخوشی تائب ہونے پر دلالت کرتی ہے اس صورت وہ مومن قرار پائے گا اور مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک ہو جائے گا۔

3- تیسری حالت یہ ہے کہ ذمی معاہد عہد کے بعد اپنی قسم توڑ دے اور ہمارے دین میں طعن کرے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف لڑنے کا حکم دیا اور واضح کیا کہ اس کی قسم کچھ نہیں نہ اس کا کوئی ایمان ہے اور اس سے لڑنے کی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ عہد شکنی اور طعن سے باز آ جائے۔ صرف کفر سے باز آنے کے لیے اس سے لڑائی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس کا کفر معاہدہ سے مانع نہ ہوتا بلکہ حالتِ کفر ہی میں اس نے معاہدہ کیا تھا اس وقت اس کے ساتھ لڑائی کرنا جائز نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ معاہد کے ساتھ لڑائی سے غرض نہیں کہ وہ کفر کرنا چھوڑ دے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عہد شکنی اور طعن فی الدین سے کنارہ کش ہو جائے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کو قابو پانے کے بعد قتل کر دیا جائے اور سرکش گروہ کے ساتھ ایسی جنگ لڑی جائے جس میں ان کو سزا ملے ان کی رسوائی ہو اور مسلمان ان پر غالب آئیں۔ کیونکہ توبہ کی کسی ایک حالت کے ساتھ تخصیص دوسری حالت سے نفی کی دلیل ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عہد شکن کافروں کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا جو ان کے لیے سزا اور رسوائی کا باعث ہو اور مسلمانوں کے سینوں کو اس سے شفا ملے اس کے بعد ایک مستقل جملے میں توبہ کا ذکر فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے مجرموں کو توبہ کے ساتھ ان کے کرتوتوں کی سزا دینا ضروری ہے بخلاف ان معاہدین کے جو اپنے عہد پر قائم ہوں پس اگر گرفتاری کے بعد مجرم کی توبہ اس کی سزا کو ساقط کر دیتی تو یہ توبہ انتقام سے خالی ہوتی۔ اس سے لازم آتا کہ ایسے مجرموں کو سزا نہیں ملی۔ ان کی رسوائی نہیں ہوئی۔ اور مسلمانوں کے سینے ٹھنڈے نہیں ہوئے اور یہ صورت حکم آیت کے خلاف ہے حالانکہ اس طرزِ عمل سے عہد شکن، طعن کرنے والے معاہدین خونریز مرتدین کی مانند ہو گئے البتہ اگر کوئی مجرم ایسا ہو جس کو قتل کرنا ضروری ہو تو اس کو قتل کیا جائے خواہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور اگر مجرمین مزاحم جتھوں کی صورت میں ہوں تو ان سے جنگ کی جائے پھر ان میں سے کوئی تائب ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے واللہ اعلم

<u>طریقہ سوم:</u>

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

(نساء:18)

اور توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا

(غافر:84,85)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور جس چیز کے ساتھ اللہ کے شریک بناتے تھے اس کے منکر ہوئے لیکن اس وقت ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اٰۗلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

(یونس:90-91)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اس کو غرق کے عذاب نے آ لیا تو کہنے لگا میں ایمان لایا اس پر کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اب فرمانبرداروں میں ہوں جواب دیا کہ اب ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے تو نافرمانی کرتا تھا اور فسادی بنا رہا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (یونس:98)

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا سوائے یونس کی قوم کے۔

منافق کے قتل کے بارے میں ان آیات سے دلالت کی تقریر گزر چکی، ہم حربی اور مجرد مرتد، منافق اور فسادی معاہد کی توبہ کے درمیان فرق واضح کر چکے، ہم عذاب ٹالنے والی توبہ اور بالآخر فائدہ دینے والی توبہ کے درمیان فرق کی بھی وضاحت کر چکے ہیں۔

طریقہ چہارم:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب:58-57)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

ہم گزشتہ صفحات میں ثابت کر چکے کہ یہ آیتِ کریمہ مسلمانوں کو ایذا دینے والے کی سزائے قتل پر دلالت کرتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ ذمہ میں سے جو اذیت دینے کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے کیونکہ آیت میں مذکورہ لعنت سزائے قتل کی موجب ہے جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی۔

ہم بیان کر چکے کہ آیت

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (نساء:53)

یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز اسکا کوئی یار نہ پائے گا

کعب بن اشرف یہودی کے حق میں نازل ہوئی اس نے دینِ حق پر طعن کیا حالانکہ اس نے حضور کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا اس طرح اس کا معاہدہ ٹوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اب اس کا کوئی حامی اور مددگار نہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس کا عہدِ ذمہ ختم ہو گیا جبکہ معاہدہ کی رو سے ذمی کی مدد کی جاتی ہے۔

نفاق کی اقسام

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

1۔ مسلمان کا نفاق جو دل میں کفر چھپائے

2۔ ذمی کا نفاق جو دل میں اہلِ ایمان کے خلاف آتشِ غضب و حرب پوشیدہ رکھے

مسلمان کو منہ سے کفری کلمات کہنا ایسا ہی ہے جیسے ذمی کا مسلمانوں کے خلاف جنگ کا ذکر کرنا، پس جو ہم سے اس بات پر معاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت نہ دے گا پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو وہ منافق معاہد ہے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے منافقوں کے خلاف معرکہ بپا کرنے کا حکم دیا ایسے معلون بچ کر نہیں جاسکتے' جہاں ملیں پکڑ کر قتل کیے جائیں۔

اس آیت میں دو دلالتیں ہیں۔

1- ایسا منافق ملعون ہے اور ملعون جہاں ملے پکڑ کر قتل کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل حتمی اور لازمی ہے اس کی

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی صورت اس کا مستثنیٰ نہیں کیا۔ جیسا کہ دیگر صورتوں میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ قُتِلُوْا فرما کر اپنے نبی کو یہ اشارہ دے دیا کہ اس میں اس کی نصرت اور مدد شامل ہے اور اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مجرموں کو پکڑ کر ضرور قتل کی سزا دی جائے۔ اگر صرف زبانی اظہارِ اسلام سے قتل کی سزا ساقط ہو تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ثابت اور محقق نہ ہو۔

2- اللہ تعالیٰ نے اس انتہاء (یعنی گستاخی کے عمل سے باز آنے) کو نافع قرار دیا جو دسترس سے پہلے ہو جیسا کہ اہلِ حرب کی وہ توبہ مفید قرار دی جو ان پر قدرت پائے جانے سے پہلے ہو اس سے واضح ہوا کہ اگر معاہدین اذیت رسانی کے ذریعے اظہارِ نفاق سے یونہی عہد اور نفاق دین سے کنارہ کش ہو جائیں تو ان کے خلاف کارروائی نہیں کی جائے گی ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف مسلمانوں کو آمادہ پیکار کرے گا پھر انہیں کہیں پناہ نہ ملے گی اور وہ راندہ درگاہ ہوں گے اور جہاں ہاتھ آئیں گے پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یونہی گستاخ شخص اگر گرفتاری سے پہلے اپنے طرزِ عمل سے تائب ہو کر باز نہ آیا تو واجب القتل ہوگا۔

اس آیت میں ایک تیسری دلالت بھی ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو اذیت دے خواہ مسلمان ہو یا معاہد اس کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ اس صورت میں توبہ سے اس کی سزا نہ ٹلے گی پھر اللہ و رسول ﷺ کو اذیت دینے والے کی سزا بطریق اولیٰ ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ آیتِ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اس کی حالت دنیا و آخرت میں زیادہ خراب اور قبیح ہے۔

طریق پنجم

حضور ﷺ کا گستاخ بطورِ حد قتل کیا جائے

نبی اکرم ﷺ کا گستاخ بطورِ حد قتل کیا جائے وہ مجرد کفر کی وجہ سے واجب القتل نہ ہوگا اور اصول یہ ہے کہ جو قتل کی سزا بصورتِ حد واجب ہو اور مجرد کفر کی وجہ سے نہ ہو تو اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگی۔

اس دلیل کی بنیاد دو مقدموں پر ہے۔

پہلا مقدمہ:

گستاخ کی سزائے قتل کی خاص وجہ نبی اکرم ﷺ کی گستاخی ہے اور یہ جرمِ ارتداد اور عہد شکنی کو بھی مستلزم ہے اگرچہ بعض مقامات پر مجرد ارتداد اور مجرد عہد شکنی کی صورتوں میں بھی قتل کی سزا کا عمومی حکم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس ذمی عورت کا خون رائیگاں قرار دیا جو ایک بوڑھے صحابی کے سامنے حضور کو سب و شتم کرتی تھی۔ اس کا حوالہ گزر چکا، مگر یہ درست نہیں کہ اس کا قتل مجرد عہد شکنی کی بناء پر ہوا کیونکہ عہد شکنی کی صورت میں اس کو کنیز بنایا جاتا۔ قتل کرنا جائز نہ تھا وجہ یہ ہے کہ عورت کو اصلی کفر پر قتل کرنا جائز نہیں ہاں وہ لڑنے پر آمادہ ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن مذکورہ بالا عورت لڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ نہ ہی لڑائی کے لیے کسی قسم کی مدد دینے والی تھی (جیسا کہ گزر چکا) اگر وہ لڑائی کرتی اور قید میں آتی تو لونڈی بن جاتی بہت سے فقہاء (جن میں امام شافعی بھی ہیں) کے نزدیک اس کو واجب القتل قرار نہ دیا جاتا۔ خصوصاً لونڈی بن جانے کے بعد اس کو قتل کرنا جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ

عورت ہونے کے ساتھ ایک مسلمان کی لونڈی تھی اس سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا۔ کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ جرم ان جرائم میں سے ہے جن کی وجہ سے سزائے موت لازم ٹھہرتی ہے۔ جیسے ذمی عورت زنا کی مرتکب ہو راہزنی کرے کسی شخص کو قتل کرے یا دینِ حق کو بدلنے کی کوشش کرے (یہ ان فقہاء کے نزدیک ہے جو عورت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں) بلکہ جرم اہانت ان جرائم سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ کتب احادیث میں مرتدہ عورت کے قتل کا کوئی خاص واقعہ منقول نہیں جبکہ گستاخ عورت کو قتل کرنے کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔

اس حکم کی وضاحت بنو قریظہ کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ بنو قریظہ نے عہد شکنی کی پھر فیصلہ کے لیے حضرت سعد بن معاذ ؓ کی ثالثی اختیار کی تو حضرت سعد ؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کے لڑائی میں شریک ہونے والے مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے، اس پر حضور ﷺ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

سعد! تو نے ان عہد شکنوں کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر پروردگار عالم کا فیصلہ ہے۔

پھر حضور ﷺ نے بحکم فیصلہ قریظی مردوں کو قتل کیا ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا اور ایک عورت کے سوا کسی عورت کو قتل نہ کیا اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں پر چکی کا پاٹ گرایا تھا پس حضور ﷺ نے مجرد عہد شکنی کرنے والوں اور عہد شکنی کے ساتھ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے مجرموں کے درمیان فرق کیا، اس عورت نے شرائط عہد سے انکار کر کے یا دار الحرب بھاگ کر عہد شکنی نہ کی بلکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر دیا اللہ و رسول کو اذیت دی راہ خدا میں رکاوٹ ڈالی اور زمین میں فساد پھیلایا اور دینِ حق پر طعن کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کو صرف عہد شکنی کی بناء پر قتل نہیں کیا گیا۔ نہ جرمِ ارتداد کے باعث دوسری طرف وہ جنگ میں قید بھی نہ ہوئی کہ اس کو لونڈی کا درجہ دیا جاتا اور قتل سے احتراز کیا جاتا، یا یہ کہا جاتا کہ اس کا قتل ایک مرد کے قتل کی طرح جائز تھا پھر جب اسلام لے آتی اس کا خون محفوظ ہو جاتا اور دو وجہ سے رقیقہ بن کر رہتی۔

1۔ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس کی گستاخی مشرکوں یا عام مسلمانوں کے گالی گلوچ سے مشابہت نہیں رکھتی تھی یہاں تک کہ یہ کہا جاتا کہ اس کا سب وشتم ہر لحاظ سے کافروں کی لڑائی میں اعانت سمجھا جاتا۔

2۔ وہ عورت اس گستاخی کے وقت ممتنعہ (یعنی مسلمانوں کی دسترس سے باہر اور مزاحم) نہ تھی بلکہ قابو اور بس میں تھی اور اس کی گستاخی سے پہلے اور بعد کی حالت یکساں تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سب وشتم اور جرمِ گستاخی اگرچہ لڑائی ہی ہے لیکن اس کا صدور ایسی عورت سے نہ ہوا جو ممتنعہ ہو اور بعد میں گرفتار ہوئی ہو۔ بلکہ ایک معاہد عورت سے صادر ہوا اور یہ معلوم ہے کہ سب وشتم ان امور سے ہے جو مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہے۔ اور زمین میں بہت بڑا بگاڑ، کیونکہ اس میں ایمان کی ذلت اور کفر کی عزت ہے، پھر جب ثابت ہوا کہ اس عورت کو بوجہ کفر قتل نہیں کیا گیا نہ عہد شکنی کے باعث نہ لڑائی کے سبب تہ تیغ کیا گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس کا قتل ایک شرعی سزا تھی اور سزا سے واجب ہونے والا قتل اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتا۔

یہ جرم اس طرح بھی ثابت ہوتا ہے کہ گستاخی محاربہ ہو یا فساد انگیز جرم ہو مگر محاربہ نہ ہو اور اگر محاربہ ہو تو وہ ذمی کا محاربہ ہے یا مسلمان کا اور زمین میں فساد انگیزی' اور ذمی جب لڑائی کرے اور فساد پھیلائے تو اس کا قتل واجب ہے خواہ بس میں آنے کے

بعد اسلام قبول کر لے، اس طرح یہ محاربہ موجب قتل ہے اس عورت کا محاربہ بھی موجب قتل تھا جیسا کہ احادیث میں آیا اور اگر یہ جرم مفسدہ ہو اور محاربہ نہ ہو تب بھی موجب قتل ہے اس صورت میں عورت مذکورہ کو دیگر موجب قتل جرائم کی طرح پکڑنے کے بعد قتل کرنا زیادہ مناسب تھا یہ کلام ثابت ہے اور اس کا مدار ایک لفظ گالی پر ہے اگرچہ یہ زبان کا عمل ہے مگر سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعضاء سے لڑنے کے مترادف ہے اور فساد ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ سخت صورت ہے اسی لیے تو اس گستاخ عورت کو قتل کیا گیا اس کی پوری بحث اس طرح ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ''گستاخ کی سزائے موت عہد شکنی کے سبب ہے تو اس کے مذہب کی رو سے اس عورت کا قتل جائز نہ تھا بلکہ اگر وہ ہاتھ اور زبان سے قتال کرتی پھر پکڑی جاتی تو اس عالم کے نزدیک اس کو قتل نہ کیا جاتا پس جب سنت اس قول کے فساد پر دال ہے تو دوسرا قول صحیح ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کے درمیان تیسرا کوئی قول نہیں۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ جرائم جن کے ارتکاب سے عہد ذمہ ٹوٹ جاتا ہے (مثلاً رہزنی مسلمان کو قتل کرنا، کافروں کے لیے جاسوسی کرنا مسلمان عورت سے بدکاری کرنا یا اس کو بدکاری پر مجبور کرنا) اگر ذمی شخص سے صادر ہوں عہد شکنی کی بناء پر اس کو قتل کرنے والا شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب وہ اسلام قبول کر لے تو میرے لیے اس کے خلاف کارروائی کا جواز نہ ہوگا سوائے اس کے کہ وہ ان جرائم کا ارتکاب کرے جن سے قتل واجب ہوتا ہے اس صورت میں اگر وہ اسلام پر قائم رہ کر ان جرائم کا ارتکاب کرے مثلاً ڈکیتی میں کسی کو قتل کرے تو اسے قید کروں گا کیونکہ اسلام لانے سے اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے اس لیے اب اسے کفر کے الزام میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور جو شخص دوسرا نکتۂ نگاہ رکھتا ہے وہ دعویٰ کرے گا۔

میرے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے اور زمین میں فساد انگیزی کے باعث واجب القتل ہے میں اسے قتل کروں گا خواہ مسلمان ہو جائے اور دسترس میں آنے کے بعد توبہ کرے۔ کیونکہ اسلام کسی صورت ان حدود کو ساقط نہیں کرتا۔ جو پہلے سے لازم ہوں خواہ ابتداء وجوب سے مانع ہو جیسے کوئی ذمی کسی دوسرے ذمی کو قتل کر دے یا بہتان باندھے پھر اسلام لے آئے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی اور اگر اس کو ابتداءً قتل کرے یا بہتان باندھے تو اس پر قصاص یا حد لاگو نہ ہوگی مگر شرعی حد ساقط نہ ہوگی جب وہ دسترس میں آنے کے بعد توبہ کرے مثلاً رہزنی کے دوران قتل کر دے تو اسلام لانے سے اس کی یہ سزا بالاتفاق ساقط نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ زنا کرے، پھر اسلام لے آئے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی سزائے قتل جو اسلام لانے سے پہلے واجب ہوئی تھی وہ مسلمان کی سزا کی طرح ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ گستاخی کی وہ سزا جو حق آدمی سے متعلق ہے اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی اور اگر وہ حق خداوندی ہے تو وہ سزا کفر طاری اور محاربہ اصلیہ کی حد نہیں جیسا کہ سنت اس پر دلالت کرتی ہے، نہ یہ سزا مجرد کفر اصلی پر ہے۔ اس لحاظ سے حد خداوندی محاربہ موجبہ پر ہوگی جیسے اس عورت کی سزائے قتل ہے اور ہر قتل جو ذمی محارب عورت پر بطور حد واجب ہو وہ اسلام لانے کے بعد ساقط نہ ہوگا اس پر علماء کا اتفاق ہے کیونکہ ذمی عورت جب جنگ میں قتل نہ کی جائے تو جو شخص ذمی محارب کو عہد شکنی کی بناء پر واجب القتل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک وہ عورت قتل کی مستحق نہیں اور جو فقہاء اس کو واجب القتل قرار دیتے ہیں (جیسا کہ

سنتِ نبویہ بھی دال ہے) ان کے نزدیک اس میں فرق نہیں کہ وہ دسترس میں آنے کے بعد اسلام قبول کرے یا نہ کرے وہ واجب القتل ہے اور جو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ذمی عورت واجب القتل ہے مگر اسلام قبول کرنے سے اس کی سزا ساقط ہو جائے گی ان کے نکتۂ نگاہ کی اصولِ دین میں نظر نہیں ملتی۔ نہ کوئی ضابطہ اس پر دلالت کرتا ہے اور حکم جب کسی قاعدہ یا نظیر سے ثابت نہ ہو تو من گھڑت ہے اور جو دعویٰ کرے کہ ذمی عورت گستاخی کے جرم میں واجب القتل ہے تو اس کی نظیر موجود ہے اور وہ نظیر محاربہ بالید اور زانیہ وغیرہ کی ہے۔

چھٹا طریقہ

بنتِ مروان کے قتل سے استدلال

اس کی نظیر سابقہ قصہ ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس عورت کا تعلق اہلِ ذمہ اور اہلِ صلح سے تھا اور اس کو صرف گستاخی کے جرم میں قتل کیا گیا اور اس کی تقریر وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

ساتواں طریقہ

جرمِ اہانت کے ساتھ امان منعقد نہیں ہوتی

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

کعب بن اشرف یہودی کو کون قتل کرتا ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی حالانکہ اس بدبخت نے معاہدہ کر رکھا تھا اس نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی تو حضور ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو قتل کر دیا اگر وہ صرف کافر محارب کی طرح ہوتا تو امان دینے کے بعد اس کو قتل کرنا جائز نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کر کے اہانت کا جرم کیا اور اللہ و رسول ﷺ کو اذیت دی، جس کے ساتھ امان کا انعقاد ممکن نہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا قتل ایک شرعی سزا کے تحت تھا جیسے رہزن کی سزا قتل ہے اس جرم کے ارتکاب پر آدمی واجب القتل قرار پاتا ہے خواہ اس کو امان حاصل ہو جیسے زانی اور مرتد لائقِ سزا ہوتے ہیں اور اصول یہ ہے کہ ہر وہ سزا جو ذمی پر واجب ہوتی ہے۔ وہ اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

آٹھواں طریقہ

نبی اکرم ﷺ کو ستانا وجوبِ قتل کی علت ہے

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذاء دینا وجوبِ قتل کی علت ہے اور یہ مجرد کفر اور ارتداد کے علاوہ علت ہے کیونکہ حرف ف کے ساتھ حکم کے بعد وصف کا ذکر کرنا اس کے علت ہونے کی دلیل ہے یہ عہد شکنی بھی ہے اور جرمِ ارتداد بھی۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جرم اذیت اگر مجرم کو کافر ہونے کی بناء پر واجب القتل قرار دیتا ہے اور اس میں قید نہ ہوتی تو وصف اعم کے ساتھ حکم کی علت واجب ہوتی، کیونکہ جب اعم مستقل حکم رکھتا ہے تو اخص کا حکم بے اثر ہوتا ہے۔

پھر جب کعب کے قتل کو وصف اخص کے ساتھ معلل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کے قتل کے حکم میں مؤثر ہے بالخصوص صاحب جوامع الکلم ﷺ کے کلام میں۔

پھر جب یہ حکم اس جرم کی سزا مؤثر ہے تو گستاخ کو قتل کرنا واجب ہے خواہ توبہ کر لے، جیسا کہ ہم نے یہ حکم گستاخ مسلمانوں کے مسئلہ میں ذکر کیا دونوں صورتوں میں یہ سزا واجب ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی حالانکہ اس نے مسلمانوں سے اس طرح کے جرائم سے کنارہ کش رہنے کا عہد کیا تھا اگر ذمی گستاخ کی سزا توبہ سے ساقط ہوتی تو غیر ذمی کافر اور مسلمان گستاخ دونوں کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (احزاب:51)

بے شک جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے

اور خاص طور پر گستاخوں کے متعلق فرمایا

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۝ (نساء:52)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جس کو اللہ تعالیٰ راندۂ درگاہ کرے تو تم اس کا مددگار نہ پاؤ گے

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ گستاخ کی گرفتاری کے بعد یہ خداوندی لعنت سزائے قتل کو واجب کرتی ہے اس کی دلیل ذیل کا ارشادِ پاک ہے کہ اللہ اور رسول کو اذیت دینے والوں کا ذکر کر کے فرمایا

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا

جو بدبخت مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ناحق ستاتے ہیں تو انہوں نے بہت بڑا بہتان اور گناہ اپنے سر لیا

ہمارے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جب ایماندار مردوں اور عورتوں کو ستانے والوں کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی تو اللہ اور رسول ﷺ کو اذیت دینے والوں کی سزا کب ساقط ہو سکتی ہے؟ اس کی تصریح قرآنِ حکیم میں ہے کہ ان لوگوں کا حال دنیا و آخرت میں (دوسرے مجرموں کی نسبت) زیادہ برا ہے۔ اگر ہم توبہ کی وجہ سے ان کی سزا ساقط قرار دیں تو ان کی حالت زیادہ بری نہ ہوگی بلکہ وہ عمدہ حالت والے قرار پائیں گے۔

یہاں اس مسئلہ میں جھگڑنے والوں کے پاس ایک ہی اعتراض ہے کہ قتل کی سزا دینے سے گستاخ کی سزا زیادہ سخت ہو گئی، کیونکہ وہ بھی ایک نوع کا مرتد ہی ہے جبکہ عہد شکن اور کافر اپنے جرم (کفر) سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور سزا ٹل جاتی ہے بخلاف اس شخص کے جو فسق کے ذریعے جرمِ اذیت کا ارتکاب کرے۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جب قتل کا موجب کفر ہو جبکہ یہاں موجب قتل جرم اذیت ہے جو عموم کفر سے اخص ہے جیسے زنا چوری شراب نوشی اور راہزنی کے جرائم عموم گناہ سے زیادہ خاص ہیں شارع علیہ السلام نے حکم قتل کو اس خاص وصف پر مبنی قرار دیا اور اس جرم کی دیگر انواعِ کفر سے وہ نسبت ہے جو اہلِ ایمان کو ستانے کے جرم کی دوسرے گناہوں سے نسبت ہے اس لیے اس نوع کو دیگر انواع سے لاحق کرنا دراصل ان معاملات کو خلط ملط کرنا ہے جن کے درمیان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرق کیا اور یہ قیاس فاسد ہے جیسے بیع کو سود کی مثل قرار دینے والوں کا قیاس فاسد تھا یہ ایک قانونی ذمہ داری ہے کہ مسئلہ کی ہر نوع کو حکم کا وہ حصہ دیا جائے جس کے ساتھ شارع نے اسماء اور صفات مؤثرہ کو معلق فرمایا اور (ضابطہ یہ ہے کہ) جو سزا شروع میں سختی کا حکم رکھتی ہے وہ انتہاء میں کمی کی موجب نہیں ہوتی بلکہ جرم جب بڑا ہوگا تو اس کی سزا بھی سخت ہوگی دوسرے کافروں کی سزا ابتداء میں سخت نہیں اس لیے انتہا میں بھی ان کی سزا سخت نہیں کیونکہ ان کو جزیہ کے ساتھ زندہ رہنے کا حق دینا اور غلام بنانا جائز ہے، نیز کسی مصلحت کی بناء پر قدرت کے باوجود ان سے ہاتھ روکنا جائز ہے اور یہ صورت مذکورہ اعتراض کے خلاف ہے۔

اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ گستاخ کی سزائے قتل کی بنیاد اذیت (خدا اور رسول ﷺ) ہے تو اذیت دینے والا شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا محارب اور زمین میں فساد کا داعی ہوا نبی اکرم ﷺ نے حدیث کعب میں اس کی طرف اشارہ فرمایا اور اس وصف پر جو سزا دی گئی وہ کفر کی کسی اور نوع پر مرتب نہیں ہوتی اس لیے ذمی گستاخ کی سزا حتمی ہے بجز اس کے کہ وہ دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کر لے۔

نواں طریقہ

نبی اکرم ﷺ نے گستاخ عورتوں کا خون رائیگاں ٹھہرایا

ہم قبل ازیں حدیثِ رسول ﷺ کے حوالے سے نقل کر چکے کہ آپ ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن بعض عورتوں کا خون رائیگاں قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورتیں اپنی بدزبانی سے حضور ﷺ کو ستاتی تھیں ان میں سے دو ابنِ اخطل کی لونڈیاں تھیں جو گا کر حضور کی ہجو کرتی تھیں اور ایک بنو عبد المطلب کی لونڈی تھی ہم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے کہ ان کو محاربہ (لڑائی) کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ مجرد گستاخی کے جرم پر ان کو سزا دی گئی ہے ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ ان کی بیہودہ گوئی لڑائی کے قائم مقام نہ تھی بلکہ ان کا جرم کہیں زیادہ سنگین تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر تمام مخالف کافروں کو امان عطا کر دی تھی سوائے اس شخص کے جس کا جرم خاص نوعیت کا تھا اور وہ واجب القتل تھا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان عورتوں کی گستاخی کا جرم فتح مکہ سے پہلے کا تھا اور یہ جائز نہیں کہ ایک عورت کو اس لیے قتل کر دیا جائے کہ وہ پہلے کسی جنگ میں شریک ہو چکی۔ حالانکہ اس جنگ میں بھی اس سے ہاتھ روکا جائے گا ہم نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ ان عورتوں کا قتلِ گستاخ عورت (خواہ مسلمان ہو یا ذمی) کے جوازِ قتل کی زبردست دلیل ہے۔ خواہ وہ توبہ کر لے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

1۔ اس کافر عورت کے قتل کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ مرتد تھی یا محاربہ تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا اب اس کے وجوب قتل کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ زمین میں فساد کی داعی اور اللہ و رسول ﷺ سے پیکار رکھتی ہوا ایسے مجرم کو توبہ کے بعد قتل کرنا جائز ہے جبکہ اس کی سزا کتاب و سنت اور اجماع امت سے پہلے ہی ثابت ہو چکی۔

2۔ مذکورہ بالا عورتوں کی گستاخی لڑائی کے مترادف ہوا ایسا جرم ہو جو لڑائی کے بغیر ہی موجب قتل ہو کیونکہ صرف کفر کی بناء پر قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر جب محاربہ کی صورت ہو اور ذمی اللہ و رسول سے لڑے اور زمین میں فساد کا داعی ہو تو اسے ہر صورت قتل کرنا لازم ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے اور اگر اس کا جرم دوسرا ہو جو اباحت خون کا متقاضی ہو تو اس کو قتل کرنا زیادہ مناسب ہے ہم پہلے بیان کر چکے کہ ان عورتوں کو اس لیے نہیں قتل کیا گیا کہ انہوں نے لڑائی میں شرکت کی بلکہ ان کو گزشتہ جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے مسلمان یا معاہد مجرم کو بطور حد قتل کیا جائے۔

ان عورتوں میں سے دو قتل ہوئیں جبکہ تیسری روپوش ہوگئی یہاں تک کہ حضور ﷺ سے اس کے لیے امان طلب کی گئی اور آپ ﷺ نے اس کو امان دے دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایسا جرم معاف کر دینا حضور ﷺ کا حق تھا اور فتح مکہ کے بعد ایسی سزا کے مستحق کسی فرد کو معاف نہیں کیا گیا سوائے ان کے جن کو حضور ﷺ نے امان عطا کی، اس سے معلوم ہوا کہ اس عورت کا خون اسلام لانے سے محفوظ نہ ہوا بلکہ حضور ﷺ نے اسے معاف کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ گستاخ عورتوں کو سزائے قتل دینا جرم اہانت رسول ﷺ کی سزائے موت کی قوی دلیل ہے حربی عورت کا قتل مباح نہیں الا یہ کہ وہ لڑائی میں بالفعل شریک ہو اگر وہ ایک لڑائی میں شریک ہو کر دوبارہ لڑائی سے باز رہے اور مطیع اور فرمانبردار بن جائے تو اس پہلی لڑائی کے جرم پر قتل کرنا جائز نہیں۔ حضور ﷺ کا ان عورتوں کو قتل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ عورتوں کو قتل کرنا ضروری ہے۔

اس حدیث کی دو وجہیں ہیں۔

1۔ نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا اور واضح ہے کہ اس میں زبانی اذیت سے باز رہنے کی شرط بھی تھی کیونکہ بہت سی احادیث میں اس کا مفہوم موجود ہے ان عورتوں نے ہجو گوئی کر کے عہد شکنی کی اس لیے حضور ﷺ کے لیے قطعاً جائز تھا کہ اس جرم کے ارتکاب پر ان عورتوں کو قتل کرتے۔

2۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا حق تھا کہ آپ ﷺ گستاخ کو قتل کرتے بشرطیکہ وہ دسترس میں آنے سے پہلے توبہ نہ کر لیتا۔ خواہ حربی کافر ہوتا لیکن حضور ﷺ کے وصال کے بعد معافی کا معاملہ ختم ہوگیا اور گستاخ کا قتل لازم ہوگیا۔ جس نے معاہدہ میں گستاخی نہ کرنے کا التزام کیا تھا البتہ حربی گستاخ جب توبہ کرے تو اس کا حکم دیگر حربیوں کی طرح ہے۔

مگر یہ وجہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں احتمال کے ساتھ حکم ثابت کرنا ہے جبکہ پہلی وجہ قیاس پر مبنی ہے اور جو شخص فتح مکہ کے موقع پر خون رائیگاں قرار دیئے جانے والے افراد کے معاملہ میں غور کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ اللہ و رسول ﷺ کے خلاف برسر پیکار تھے اور زمین میں فساد کے لیے کوشاں۔

دسواں طریقہ

حضور ﷺ نے گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا

نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر کچھ لوگوں کو جرم گستاخی میں قتل کرنے کا حکم دیا جبکہ بعض دیگر افراد کو جو کفر اور جانی مالی نقصان میں گستاخوں سے بڑھ کر تھے معاف کر دیا عقبہ بن ابی معیط کو باندھ کر قتل کیا یونہی نضر بن حارث کو جہنم رسید کیا کیونکہ وہ دونوں آپ ﷺ کو ستاتے تھے آپ ﷺ پر افتراء کرتے تھے اور دینِ حق پر منہ آتے تھے حالانکہ آپ ﷺ نے دوسرے عام قیدیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کی جان بخشی کی۔

یہ حوالہ گزر چکا کہ عقبہ بن ابن معیط نے زیرِ تیغ پکار کر کہا اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ تمام قیدیوں میں سے صرف مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو حضور ﷺ نے جواب دیا۔

بِكُفْرِكَ وَافْتِرَائِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ — جرمِ کفر اور نبی ﷺ پر افتراء باندھنے کی وجہ سے

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام پر افتراء عام کفر کی بہ نسبت زیادہ سنگین جرم ہے اور اس سے قتل کی سزا واجب ہو جاتی ہے اس لیے جہاں ایسا جرم پایا جائے گا۔ تو وہاں وجوبِ قتل کا حکم بھی ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر حویرث بن لقید، ابوسفیان بن حارث، ابن زبعری وغیرہم کافروں کا خون رائیگاں قرار دیا اس کے بعد کعب بن زہیر کا خون بھی اور مرتدین مفترین کا خون بھی رائیگاں قرار دیا حالانکہ ان تمام لوگوں کو امان حاصل تھی اس سے ثابت ہوا کہ اذیت رسانی اباحتِ خون کا علیحدہ سبب ہے اور کفر و محاربہ سے الگ فعل۔

یہ مسئلہ گزر چکا کہ نبی اکرم ﷺ گستاخ کو قتل کر دینے کا حکم اور ترغیب دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ گستاخ کو ان لوگوں کے ساتھ لاحق فرماتے جن کے کرتوت قتل کی سزا لازم کرتے تھے مثلاً رہزنی اور قتل کا جرم، یہ حکم اس شخص کے لیے بالکل ظاہر اور واضح ہے جو مذکورہ بالا احادیث میں تامل اور تدبر سے کام لیتا ہے اور اس کی رو سے گستاخ مسلمان اور گستاخ ذمی بھی واجب القتل ہے خواہ یہ لوگ گرفت میں آنے کے بعد توبہ کر لیں پھر اگر اس وجہ کو پہلی وجہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جرم اذیت وجوبِ قتل کا الگ اور مستقل سبب ہے نہ اس لیے کہ یہ قتال کی جنس سے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جانی و مالی لڑائی کرنے والوں کو اماں بخش دی تھی۔

پس اس عورت کو امان دینا زیادہ مناسب تھا کہ اس نے جو جرم کیا تھا وہ لڑائی سے مشابہت رکھتا تھا اور ان کو معلوم ہوا کہ اس عورت نے اس جنگ میں ہاتھ یا زبان سے حصہ نہیں لیا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں، جہاں تک مذکورہ بالا گستاخ عورتوں کا تعلق ہے وہ فتحِ مکہ سے پہلے حضور ﷺ کو اذیت دیتی تھیں اور وہ کسی جنگ میں شریک نہ ہوئی تھیں بلکہ سرکشی چھوڑ کر مطیع ہو چکی تھیں اگر ان کے علم میں ہوتا کہ اظہار اسلام سے خون محفوظ ہو سکتا ہے تو بلا تاخیر اس کا اظہار کر دیتیں کیا کوئی فقیہ اس بات کا قائل ہے کہ محارب ہونے کی وجہ سے اس عورت کو قتل کرنا جائز ہے؟ خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کیونکہ ان کی نص ہے کہ عورت اور بچے کا قتل لڑائی

میں شرکت کی وجہ سے ایسا ہی ہے جیسے کسی حملہ آور مسلمان کا قتل، کیونکہ اس سے مقصد دفاع ہے خواہ معاملہ قتل تک چلا جائے اگر قتل کے بغیر قید یا لڑائی سے بچنے کی کوئی تدبیر ہو تو ان کو قتل کرنا جائز نہیں جیسا کہ مسلمان حملہ آور کو (ممکنہ حد تک) قتل کرنا جائز نہیں۔

پس جب نبی اکرم ﷺ نے اذیت دینے والی بیہودہ گو عورتوں کے قتل کا حکم دیا حالانکہ بوقتِ قتل وہ عمل اذیت چھوڑ چکی تھیں اور (عظمت اسلام کے سامنے) جھک چکی تھیں بلکہ اظہارِ اسلام کی خواہش بھی رکھتی تھیں تو ان کو جان کی امان ملنی چاہیے تھی اور حضور ﷺ تمام اہلِ قتال کو امان دے بھی چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جرمِ گستاخی وجوبِ قتل کا مستقل سبب ہے جس سے ہر گستاخ کا خون مباح ہو جاتا ہے ایسی حالت میں گستاخ سے صرفِ نظر کرنا بذاتِ خود ذلت اور درماندگی ہے۔

اس کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مکہ کو امان بخشی سوائے چند افراد کے جن کے قتل کا آپ نے حکم دیا اور اس میں لڑنے یا نہ لڑنے کا لحاظ نہ رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ان عورتوں کو جرمِ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا نہ کہ جنگ میں میں حصہ لینے پر۔

<u>گیارہواں طریقہ</u>

عبداللہ بن ابی سرح کا قصہ

روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے جرمِ ارتداد کیا اور حضور ﷺ پر افتراء پردازی کی کہ آپ ﷺ اس کو وحی کی تعلیم دیتے اور اپنی طرف سے لکھوا دیتے تھے تو حضور ﷺ نے اس الزام پر اس کا خون مباح قرار دیا اور ایک مسلمان نے اس کو قتل کرنے کی نذر مانی اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو روپوش رکھا یہاں تک کہ اہلِ مکہ کا جوش ٹھنڈا ہوا تو اس نے تائب ہو کر بیعت کی خواہش کی، حضور ﷺ اس امید میں کافی دیر تک خاموش رہے کہ نذر ماننے والا اٹھ کر اس کو قتل کر دے اور اپنی نذر پوری کرے۔

اس واقعہ میں دلالت ہے کہ حضور ﷺ پر افتراء وطعن کرنے والا واجب القتل ہے خواہ کفر وافتراء سے توبہ کر لے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کا قتل ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ نذر ماننے والے سے نہ فرماتے تو نے اس کو قتل کر کے نذر پوری کیوں نہیں کی؟

ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف نہیں کہ کافر جب اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آئے تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں اور اس میں اصلی کافر اور مرتد کے درمیان فرق نہیں البتہ ہم نے شاذ نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی اور حدیث بالا اس اختلاف کی بھی تردید کرتی ہے بلکہ کافر اگر یہ مطالبہ کرے کہ اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اس کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو امان دینا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ)

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دو

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا

پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان

سَبِيلَهُمْ (توبہ:۵) کا راستہ چھوڑ دو

یہاں قابلِ توضیح یہ بات ہے کہ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اور نماز زکوٰۃ پر کاربند رہنے کا وعدہ کیا بلکہ اسلام کی تجدید کی اس کے باوجود حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس کے قتل کے لیے کیوں نہ اٹھا؟ اور تم نے اپنی نذر پوری کیوں نہ کی؟

اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر افتراء کرنے والے اور اذیت دینے والے کافروں کو قتل کرنا جائز تھا خواہ وہ اسلام لانے اور توبہ کرنے کا اظہار کرتے یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ جرم افترا وایذاء گستاخ کا قتل مباح کر دیتا ہے۔

ابوسفیان بن حارث اور ابنِ ابی امیہ سے اعراض کا واقعہ بھی مذکورہ بالا واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے وہ دونوں اسلام کے ارادے سے آئے تھے یا اسلام قبول کر چکے تھے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ دونوں آپ ﷺ کو اذیت دیتے تھے اور ہتکِ عزت کرتے تھے حالانکہ اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ حربی جب اسلام لانے کے ارادے سے آئے تو اس کا مطالبہ فوری طور پر قبول کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ استثناء کرنا جائز نہیں بعض علماء نے اس کو کفر قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ اسلام کا اظہار کرنے والوں کے اسلام کو فوراً قبول فرما لیتے تھے اور مال سے ان کی دلجوئی فرماتے تھے آپ ﷺ کا یہ معمول بہت مشہور تھا جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں مگر حضور ﷺ نے ابوسفیان اور ابنِ ابی اُمیہ کے قبولِ اسلام میں تردد اور تاخیر سے کام لیا اور ان کی طرف توجہ نہ فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ گستاخ کو سزا دینا نبی اکرم ﷺ کا ذاتی استحقاق تھا خواہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اور ہجرت کرتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخی ایک مستقل جرم ہے جس پر سزا کا نفاذ ضروری ہے اس کی وضاحت اہلِ مغازی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کے سامنے آ کر وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کہا تھا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ (یوسف:۹۱) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم ہی خطا کار ہیں۔

حضور کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ قول نہیں ہو سکتا' یہی وجہ ہے کہ جب ابوسفیان نے یہ کلمات کہے تو حضور نے فرمایا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف:۹۲) آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور اللہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

پس اس میں دلالت ہے کہ گستاخی پر سزا دینے یا معاف کر دینے کا استحقاق نبی اکرم ﷺ کا تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا حق تھا کہ آپ اپنے بھائیوں کو سزا دیتے جنہوں نے آپ کو کنویں میں پھینکا پھر اہلِ قافلہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی کریمانہ فطرت کی وجہ سے اس کو معاف کر دیا اگر اسلام اس حق کو کلی طور پر ساقط کر دیتا جس طرح حقوق اللہ کو ساقط کر دیتا ہے تو اس سے کوئی حکم لازم نہ آتا اس کی تقریر آغاز کتاب میں گزر چکی۔ اور ہم نے وضاحت سے بیان کر دیا کہ حضور کا یہ طرزِ عمل گستاخ مرتد کے تجدیدِ اسلام کے بعد بھی اس کے جوازِ قتل پر نص ہے اسی بناء پر معاہد گستاخ بھی واجب القتل ہے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہے۔

اہلِ اسلام کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ کافر حربی جب اسلام کا اظہار کرے تو اس کا قتل ممنوع ہو جاتا ہے سابقینِ اسلام مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ مسئلہ خصوصیت کے ساتھ ثابت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بخوبی واقف تھے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۔ جو شخص تم کو سلام کہے اس کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں

(النساء:۹۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسامہ بن زید کے واقعہ اور حدیثِ مقداد کو اچھی طرح جانتے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجرموں کا خون رائیگاں قرار دیا بعض کو قتل کیا اور کوئی ان میں سے روپوش ہو گیا تا آنکہ اہلِ مکہ کا جوشِ غضب ٹھنڈا ہوا تو اس روپوش شخص نے آ کر بیعت کی درخواست کی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان جانتے تھے کہ سعد بن ابی سرح اور اس جیسے دوسرے مجرموں کا اظہارِ اسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان دیئے بغیر ان کے خون محفوظ رکھنے کا باعث نہ تھا۔ ورنہ ممکن تھا کہ حضور ان کو اظہارِ اسلام کے ساتھ کفری حالت سے نکل آنے کا حکم دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اسلام لا چکے تھے پس بیعت کی دیر تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امان عطا فرما دی۔

یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو قتل کی سزا دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی استحقاق تھا کیونکہ وہ گستاخی کے مرتکب ہوئے تھے۔

عکرمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سرح نے فتحِ مکہ سے پہلے اسلام کی طرف رجوع کر لیا تھا دوسرے علماء نے بھی اسی طرح اس کے رجوع کا ذکر کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مر الظہران کے مقام پر خیمہ زن تھے۔

علمائے کرام کا یہ بیان مسئلہ زیرِ بحث میں نص ہے اور حق کے مشابہ، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مر الظہران کے مقام پر پڑاؤ کیا تو قریش کو اس کی خبر ہوئی ادھر عبداللہ بن ابی سرح کو بھی اپنے جرم کا احساس ہوا اس لیے امکان یہ ہے کہ اس نے اس وقت اسلام کی طرف رجوع کیا اور جب خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا تو روپوش ہو گیا یہاں تک کہ اس کے لیے امان کا سوال کیا گیا یہ حدیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کرنے یا اس کو امان دینے کا حق حاصل تھا اور یہ کہ اسلام لانے سے اس کا خون معصوم نہ ہوا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف نہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی سفارش لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور بے رخی کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر رخ سے سامنے آ کر سوال کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اعراض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ کوئی صحابی اٹھ کر اس کو قتل کر دے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جھک کر رخِ انور کو بوسہ دیا اور زور دے کر عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی سرح کی بیعت قبول فرمائی جائے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! امت کے آپ پر کچھ حقوق ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاء دامن گیر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور فرمالی۔ حالانکہ یہ صورت آپ کے لیے انتہائی ناگوار تھی اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ کو قتل کرنا آپ کا استحقاق تھا اور سفارش قبول کر کے معاف کرنا بھی آپ کے دائرہ اختیار میں تھا اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام لانے سے اس

کا خون معصوم ہو جاتا تو سفارش کی ضرورت نہ ہوتی اور سفارش رد کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔

حضرت عثمان ﷜ نے جب عرض کیا کہ حضور! وہ آپ سے احتراز و گریز کرتا ہے تو فرمایا کیا میں نے بیعت قبول کر کے اس کو امان نہیں بخش دی؟ عرض کیا ہاں مگر اس کو اپنا جرم یاد آتا ہے فرمایا اسلام پہلے کے گناہوں اور جرموں کو منہدم کر دیتا ہے یہاں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ عبداللہ کو قتل کا جو خوف دامن گیر تھا وہ بیعت و امان سے زائل ہو گیا وہ خوف مجرد اسلام سے ختم نہ ہوا اس سے پتہ چلا کہ اسلام لانے سے گستاخی کا گناہ مٹ جاتا ہے لیکن جہاں تک سزائے قتل ساقط ہونے کا معاملہ ہے تو وہ مجرد اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ حضور نے اس کا خوفِ قتل امان دے کر دور فرمایا جبکہ خوفِ گناہ اسلام سے زائل ہوا۔

قارون کا موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینا، اور اس کا انجام

یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے شایان شان تھا کہ وہ اذیت دینے والوں کو ہلاکت کی سزا دیتے خواہ اذیت دینے والے اپنے جرم سے تائب ہو کر ندامت کا اظہار کرتے۔ حماد بن سلمہ بحوالہ علی بن زید عبداللہ حارث سے روایت کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتا تھا وہ آپ کا چچا زاد تھا اور اذیت رسانی کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ اس نے ایک دن ایک بدکار عورت کو موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی جھوٹی تہمت لگانے کی ساز باز کی۔ مگر عورت نے دوسرے روز مجمع عام میں اس کا بھانڈا پھوڑ دیا اور کہا کہ قارون مجھے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگانے کی ترغیب دیتا ہے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی موسیٰ علیہ السلام اس وقت عبادت میں کھڑے تھے یہ خبر ملی تو سجدے میں گر گئے اور عرض کیا اے میرے پروردگار! قارون نے مجھے اذیت دی اور میرے ساتھ اس طرح کا برا سلوک کیا ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس نے مجھ پر بدکاری کی تہمت لگانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اے موسیٰ! میں نے زمین کو حکم دیا ہے کہ تمہاری اطاعت کرے۔

قارون کا ایک بالا خانہ تھا جس پر سونے کے پترے لگے ہوئے تھے موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے اس وقت وہ اپنے ہم نشینوں کے جھرمٹ میں تھا۔ آپ نے فرمایا قارون! تو نے مجھے بہت ستایا اور برے الزامات لگائے ہیں پھر زمین سے مخاطب ہو کر فرمایا اے زمین ان سب بدکاروں کو پکڑ لے چنانچہ زمین نے ان کو گھٹنوں تک اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ چلا کر بولا اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کریں کہ ہمیں اس عذاب سے بچائے ہم ایمان لاتے ہیں اور فرمانبرداری کا یقین دلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے زمین ان کو اپنی گرفت میں رکھ۔ اور دیر تک یہی کہتے رہے۔ تا آنکہ وہ زمین میں دھنس گئے اور اوپر سے زمین ان پر برابر ہو گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اے موسیٰ! تم کس قدر سخت ہو، اگر وہ مجھ کو پکارتے تو میں ان کو خلاصی عطا کرتا۔

عبدالرزاق نے جعفر بن سلیمان سے جو روایت نقل کی ہے وہ زیادہ مبسوط ہے اس روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا مجھے قارون نے بلا بھیجا اور کہا کیا تجھے مالدار نہ بنا دوں اور اپنے جرم میں نہ شامل کر لوں؟ پھر کہا تو بنی اسرائیل کے سرداروں کے سامنے صرف اتنی بات کہہ دے کہ قارون! آپ موسیٰ کو کیوں نہیں روکتے۔ وہ مجھے چھیڑتے ہیں مگر مجمع عام میں اس عورت نے کہا کہ میرے لیے آج اس توبہ سے بڑھ کر کوئی توبہ نہیں کہ میں اللہ کے دشمن کو جھوٹا ثابت کر دوں اور اللہ کے رسول کو اس الزام سے بری اور

پاک قرار دوں یہ سن کر قارون کا سر شرم سے جھک گیا اور وہ سمجھ گیا کہ اب اس کی ہلاکت یقینی ہے اس واقعے کا شہرہ عام ہوا یہاں تک کہ اب موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے وضو کیا اور سجدے میں رو کر عرض کیا۔ اے پروردگار! تیرے دشمن قارون نے مجھے ستایا ہے اس نے میرے متعلق غلط باتیں کر کے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی ہے اے اللہ! مجھے اس پر قابو عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی موسیٰ! زمین کو حکم دیجئے وہ تمہارا کہا مانے گی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام قارون کے پاس آئے قارون نے آپ کو غصے میں دیکھا تو کہا اے موسیٰ! رحم کر آپ نے فرمایا اے زمین! اس کو اپنی گرفت میں لے لے پس اس کا گھر لرزہ براندام ہو گیا اور اس کے ساتھیوں سمیت اس کو گھٹنوں تک دھنسا لیا وہ چلا کر کہنے لگا اے موسیٰ رحم کر اور موسیٰ علیہ السلام بار بار زمین کو حکم دیتے تھے کہ اس کو اپنی گرفت میں رکھ۔ (عبدالرزاق نے اس کو بالتفصیل لکھا ہے)

یہ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔

جب ایک گستاخ نے نبی اکرم ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں تو آپ ﷺ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا چھوڑو! موسیٰ کو اس سے زیادہ ستایا گیا اور انہوں نے صبر سے کام لیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جرمِ گستاخی میں انبیائے کرام کا اختیار ہے چاہیں تو گستاخوں کو سزا دیں اور چاہیں تو ان کو معاف کر دیں جیسا کہ ہتکِ عزت کے معاملہ میں عام لوگوں کا بھی حق ہے البتہ انبیائے کرام قتل و ہلاکت کی سزا دے سکتے ہیں لیکن عام ایسی سزا دینے کے مجاز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کو ستانے والوں کی سزا ایک شرعی حد ہے اور یہ سزا مجرد کفر پر نہیں دی جاتی کیونکہ کافر کی سزا توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے قارون نے اس وقت توبہ کر لی تھی جب توبہ کا نفع ہو سکتا تھا۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا ”اگر وہ مجھ سے خلاصی کی درخواست کرتا تو میں اس سے درگزر کرتا“ اس وقت اس کے چھٹکارے کی سبیل یہ تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو خوش کر لیتا جس طرح غصب شدہ اشیاء مالک کو لوٹا کر اور معاوضہ دے کر زیادتی کا ازالہ کر لیا جاتا ہے۔

بارہواں طریقہ

قبل ازیں انس بن زنیم دیلی کا واقعہ گزر چکا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی۔ بعد ازاں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور ایسا قصیدہ پڑھا جس میں اس کے اسلام لانے اور گستاخانہ طرزِ عمل سے بیزار ہونے کا ذکر تھا وہ معاہد تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کے معاملہ میں توقف فرمایا جبکہ وہ مسلسل درگذر کی درخواست کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، اگر گستاخ معاہد کی اسلام لانے کے بعد یہ سزا مشروع نہ ہوتی تو حضور اس کی جان بخشی میں توقف نہ فرماتے ادھر اس معاہد کو بھی درگذر کا مطالبہ کرنے کی صورت نہ ہوتی اور اگر یہ خاص حضور ﷺ کا حق نہ ہوتا تو حضور ﷺ اسے اسلام لانے کے بعد معاف نہ کرتے جیسے ان لوگوں کو معاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جو کسی جرم یا الزام کے بغیر دائرہ اسلام میں آ جاتے ہیں۔

جو شخص اس واقعہ میں غور کرے گا اس کے لیے گستاخ معاہدین کے جوازِ قتل کی واضح دلیل موجود ہے جیسے حدیث ابنِ ابی سرح میں گستاخ مرتد کے جوازِ قتل پر صریح دلیل ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس کی بدگوئی کی خبر ملی حالانکہ وہ معاہدہ صلح

کو تسلیم کر چکا تھا اور معاہدہ میں یہ شق شامل تھی کہ معاہدین ایذاء سے باز رہیں گے پھر اس کی ہجوگوئی کا واقعہ بنوبکر کا بنوخزاعہ کو قتل کرنے اور عہد شکنی سے پہلے کا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا پھر اس نے قصیدہ پڑھا جس میں اس کے مسلمان ہونے کا ذکر تھا اس نے ہجوگوئی کا انکار کیا اور کہا اگر اس نے ہجوگوئی کی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے اس نے گواہی دینے والوں کو جھوٹا قرار دیا۔ ادھر نبی اکرم ﷺ تک اس کا قصیدہ اور عذر خود اس کے آنے سے پہلے پہنچا اور اس کے قبیلے کے سردار نوفل بن معاویہ نے اس کی سفارش بھی کی، یہ نوفل خود بھی عہد شکنی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے کے سزاوار ہیں۔ ہم میں سے کون ہے، جس نے آپ کے ساتھ دشمنی نہیں کی اور آپ کو تنگ نہیں کیا ہم لوگ جاہلیت کی دلدل میں پھنسے تھے ہم کو پتہ نہ تھا کہ کس طرح کا طرزِ عمل اپنائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے طفیل ہدایت دی اور ہلاکت سے بچایا قافلے والوں کا ذکر چھوڑ دتہامہ میں خزاعہ سے بڑھ کر ہمارا کوئی قریبی یا دور کا رشتہ دار نہیں، اس طرح آپ نے نوفل کو خاموش کرا دیا۔ جب وہ چپ ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

قَدْ عَفَوْتُ عَنْهُ — میں نے اس کو معاف کر دیا ہے

اس پر نوفل بے ساختہ پکار اٹھا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہلے سے اسلام قبول کرنا اس کا خون معصوم کرتا تو اس کو معاف کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسے اس آدمی کو معاف کرنے کی ضرورت نہیں جو اس حال میں اسلام قبول کرے کہ اس پر کوئی الزام نہ ہو، اگر معافی کی ضرورت نہ ہوتی تو حضور ﷺ اتنا ہی فرما دیتے کہ اسلام لانے سے پہلے کی غلطی معاف ہو جاتی ہے۔

صاحبِ شریعت نے یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی کہ آپ ﷺ نے عَفَوْتُ عَنْهُ کے کلماتِ طیبات کے ذریعے اس کی سزائے قتل ساقط فرمائی یہاں گو عفوت عنہ کہنے سے دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ کہ یا تو اس سے اباحتِ خون کا حکم ساقط ہونے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یا اس سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر وہ دوسری شق مراد لی جائے تو ان کلمات کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا اور اگر انہی سے فائدہ حاصل ہو تو اباحتِ خون کا حکم ساقط ہو جاتا ہے یہ ایسی صورت ہے اگر کوئی مسلمان انس کے لانے کے بعد اور حضور ﷺ کے معاف کر دینے سے پہلے اس کو قتل کر دیتا تو یہ قتل جائز ہوتا کیونکہ اس سے قبل از معافی کا حکم اس کی معافی تک باقی رہا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈانٹ پلائی کہ انہوں نے معافی سے پہلے اس کو قتل کیوں نہ کیا؟ یہ ان احادیث کا صاف اور واضح مفہوم ہے۔

اگر اہلِ اسلام کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ معاہد ذمی ہجوگوئی کر کے اسلام قبول کرے تو اس کی سزائے قتل معاف ہو سکتی ہے تو نوفل وغیرہ مسلمان اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوتے۔ اور وہ اس ذمی سے وہی کچھ کہتے جو انہوں نے کعب بن زہیر وغیرہ ہجوگو حربیوں سے کہا تھا کہ جو حربی گستاخ مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو حضور ﷺ اس کو قتل نہیں کرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان مسلمانوں نے انس بن زنیم کو اس وقت تک پیش نہ کیا جب تک کہ آپ ﷺ نے اس کو معاف نہ فرمایا جیسا کہ ابن ابی سرح کو معافی سے پہلے حاضرِ خدمت نہ کیا بخلاف کعب بن زہیر اور ابنِ زبعری کو، کہ وہ از خود حاضر ہو گئے کیونکہ ان کو یقین

تھا کہ حربی جب مسلمان ہو کر آجائے تو اس کو قتل نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ذمی گستاخ اور مرتد گستاخ مسلمان ہونے پر بھی سزا سے نہیں بچ سکتے۔

انس نے اپنے قصیدے میں کہا۔

فَاِنِّیْ لَاعِرْضًا خَرَقْتُ وَلَا دمًا هَرَقْتُ فَفَكِّرْ عَالِمِ الْحَقِّ وَاقْصِدِ

میں نے کوئی ہتکِ عزت نہیں کی نہ خون بہایا اے حق آگاہ شخص غور کر اور نرمی سے کام لے

اس نے اس شعر میں آبروریزی اور خونریزی کا ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں صورتیں قابل مواخذہ جرائم ہیں خواہ آدمی دائرہ اسلام میں آجائے اور ان پر سزائے قتل مرتب نہ ہوتی تو انس کو انکار وعذر کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس مسئلہ کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو بکر کے عہد شکنوں میں سے صرف انس بن زنیم کا خون مباح ٹھہرایا۔ حالانکہ وہ سب عہد شکنی کا جرم کر چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ہتکِ عزت کا جرم لڑائی کے ذریعے عہد شکنی کے جرم سے بڑا ہے یہ حدیث تفصیل کے ساتھ گزر چکی، ہم نے یہاں اس کے اجمالی حوالہ سے تنبیہ کی۔

تیرہواں طریقہ

سزائے اہانت کی قصاص سے مشابہت

پہلے گزر چکا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا استحقاق تھا کہ آپ ﷺ اذیت دینے والوں کو قتل کی سزا یا اس کو معاف فرمادیتے اور اگر اذیت دینے والے کو صرف ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جاتا تو توبہ سے پہلے اس کو معاف کرنا جائز نہ تھا۔ یہ چونکہ نبی اکرم ﷺ کا استحقاق تھا اس لیے اس مسئلہ میں ذمی معاہد اور مسلمان گستاخ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اذیت دینے والے ذمی کا خون رائیگاں قرار دیا۔ یہ بھی پہلے بیان ہو چکا کہ یہ سزا مجرد عہد شکنی کی وجہ سے نہیں ثابت ہوا کہ اس سزا کا موجب ایذاء ہے۔

پھر جب حضور ﷺ کو مسلمان یا ذمی گستاخ کے قتل کا حق ہے۔ تو اس کو معاف کر دینے کا حق بھی حاصل ہے اس سے پتہ چلا کہ یہ سزا قصاص، حدِ قذف اور تعزیر کی طرح ہے جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر لوگوں کے معاملہ میں ہوتی ہے جب ایسی صورتِ حال ہو تو یہ سزا کسی مسلمان گستاخ یا ذمی گستاخ سے ساقط نہ ہوگی جس طرح توبہ سے حدود ساقط نہیں ہوتیں اور یہ قوی طریقہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا عمل آپ کے لیے مباح کیا تو اس مسئلہ میں ترجیح آپ کے حق کو ہے جو دوسرے لوگوں کے گالی گلوچ کے بمنزلہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آپ ﷺ کے گستاخ کی سزا قتل ہے اور دوسروں کے گالی گلوچ کی سزا تعزیر ہے پھر جب آپ کا حق راجح ہے تو آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں یہ اختیار اس لیے تھا کہ آپ معاف کر کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں اور کبھی حد قائم کر کے یہ درجات پائیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نبی رحمت نبی ملحمہ اور ضحوک (خوش طبع اور شمشیر زن) قتال ہیں۔

اور ذمی کے معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ آپ ﷺ کی ہتک عزت نہ کرے گا اور اگر کسی عام مسلمان یا معاہد کی حق تلفی کرے گا مثلاً خون بہائے گا مال لوٹے گا یا ہتکِ عزت کرے گا پھر اسلام لے آئے گا تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی اس شرط کی رو سے تو حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگی۔

ہم قبل ازیں ثابت کر چکے کہ گستاخ ذمی کا قتل مجرد عہد شکنی کے سبب نہیں بلکہ اس کا خاص سبب ہے پھر جب گستاخ اسلام قبول کر کے آجائے تو اس کو قتل کرنا یا معاف کرنا حضور ﷺ کا اختیار ہے لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد معاف کرنا ممکن نہیں، اس صورت میں یہ سزا محض حقِ خداوندی بن گئی اس لیے ضروری ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اگر حضور ﷺ کے وصال کے بعد حاکمِ وقت کے اختیار میں معاف کر دینے کا قول روا رکھا جائے تو ہمارے نزدیک اس کا کوئی قائل نہیں اور شریعت کے اصول وقواعد کے خلاف گزشتہ مباحث میں حضور ﷺ کے حالِ حیات اور حالِ وصال کے درمیان فرق کا بیان ہو چکا ہے۔

چودہواں طریقہ

پہلے ایک مرفوع حدیث گزر چکی (بشرطیکہ وہ درجہ ثبوت کو پہنچے)

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَهٗ جُلِدَ

جو شخص کسی نبی کی گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے اور جو اصحابِ رسول کی گستاخی کرے اس کو کوڑے مارے جائیں

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے گستاخِ رسول ﷺ کے مطلق قتل کا حکم دیا جس طرح کہ گستاخِ اصحاب کی سزا مطلقاً کوڑوں کی مار رکھی اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی گستاخی موجبِ قتل ہے جس طرح کہ اصحابِ رسول کی گستاخی موجبِ جلد ہے اور یہ گستاخی کی شرعی حد ہے جس طرح جلد (کوڑوں) کی سزا گرفت میں آنے کے بعد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح قتل کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

پندرہواں طریقہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ابی ربیعہ کو ہجو گو عورت کے متعلق لکھا۔

لَوْلَا مَا سَبَقْتَنِيْ فِيْهَا لَاَمَرْتُكَ بِقَتْلِهَا لِاَنَّ حَدَّ الْاَنْبِيَاءِ لَيْسَ يَشْبَهُ الْحُدُوْدَ فَمَنْ تَعَاطٰى ذٰلِكَ مِنْ مُسْلِمٍ فَهُوَ مُرْتَدٌّ اَوْ مُعَاهِدًا مُحَارِبٌ غَادِرٌ

اگر تم مجھ سے پہلے اس کے بارے میں فیصلہ نہ کر چکے ہوتے تو میں تم کو اس کے قتل کا حکم دیتا کیونکہ انبیاء کی حد عام لوگوں کی حد کے مشابہ نہیں تو جو کوئی مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے وہ مرتد ہے یا معاہد کرے تو وہ عہد ذمہ سے نکل کر محارب غادر ہے

اس ارشاد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح فرمایا کہ اگر موقع ہاتھ سے نہ نکلتا تو وہ اس عورت کو توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل

کرنے کا حکم دیتے اس سلسلہ میں مسلمان عورت یا ذمیہ کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ ذکر کیا کہ انبیائے کرام کے گستاخوں کی سزا قتل ہے اور یہ شرعی حد عام لوگوں کی حد کی طرح نہیں۔

یہ حوالہ اس مسئلہ میں نص ہے کہ گستاخ نبی کی سزا لازم ہے اور اس میں نبی کی صوابدید ہے کہ بعض احوال میں گستاخ کو معاف کر دے اور بعض صورتوں میں سزا کا حکم نافذ کرے جیسے غیر نبی کی توہین کرنے والے کی سزا ضروری ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ جو مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے وہ مرتد ہے جس کے تحت کئی نوعیں ہیں ان میں سے بعض میں توبہ قبول ہوتی ہے اور بعض میں نہیں جیسا کہ اس پر تنبیہ پہلے گزر چکی، شاید اس مسئلہ کی طرف پھر مراجعت ہو اس کی غرض یہ ہے کہ اس بنیادی قانون کی وضاحت ہو جائے جس کی رو سے گستاخ کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ **فَهُوَ مُحَارِبٌ غَادِرٌ** کہنے کا مفہوم یہی ہے کہ حرب وغدر ارتداد کی وہ نوع ہے جس سے قتل مباح ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود مجرموں کو قتل کیا جاتا ہے جیسے کوئی رہزنی کے ذریعے محاربہ کا مرتکب ہو یا کسی عورت کو زنا پر مجبور کرے۔ وغیر ذٰلِكَ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 33 میں ہے۔

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے''۔

امام مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا پھر فرمایا۔

مَنْ سَبَّ اللّٰهَ اَوْ سَبَّ اَحَدًا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوْهُ جو شخص اللہ تعالیٰ یا کسی نبی کو گالی دے تو اس کو قتل کر دو

حالانکہ مرتد کے معاملہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اس کو تین دن تک توبہ کرنے کی مہلت دیتے اور اس کو کھانا بھی کھلاتے کہ کہیں توبہ کرے، پس جب گستاخ کو مطالبہ توبہ کے بغیر ہی قتل کرنے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ گستاخ کا جرم مجرد مرتد کے جرم سے سنگین ہے اسی طرح ذمی گستاخ کا جرم جرم عہد شکنی سے زیادہ سنگین ہے خصوصاً جبکہ آپ نے بغیر استثناء کے مطلق قتل کا حکم دیا۔

ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا اور توبہ کا موقع نہ دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عورت اپنے جرم میں مجرد مرتدہ کی مانند نہ تھی۔

اسی طرح حضرت محمد بن مسلمہ کا واقعہ ہے جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ابن یامین کو قتل کریں گے کیونکہ ابن یامین نے کعب بن اشرف کے قتل پر احتجاج کیا اور اس کے قتل کو غدر قرار دیا محمد بن مسلمہ ایک عرصہ تک اس کے درپے رہے اور مسلمانوں نے ان پر نکیر نہ کی اگر اس کا قتل مجرد ارتداد کی وجہ سے ہوتا تو (اس کی گنجائش نہ رہی تھی کیونکہ) وہ اسلام کے بنیادی ارکان توحید ورسالت اور نماز پر عمل پیرا ہو چکا تھا اور اس صورت میں بھی توبہ کے بغیر قتل کا جواز نہ تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد بھی اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے انہوں نے امہات المؤمنین پر بہتان باندھنے والے ذمی کے متعلق فرمایا کہ ''اس کی کوئی توبہ نہیں''۔

یہ اس مفہوم میں نص ہے یہ تمام واقعات درجہ شہرت پر ہیں، ہمیں خبر نہیں کہ کسی نے ان پر نکیر کی ہو، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرتد کے قتل پر نکیر فرمائی جس کو توبہ کا موقع نہیں دیا گیا اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زندیقوں کو جلانے پر نکیر کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ ان کی سزا قتل ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ بات مشہور و معروف تھی کہ گستاخ کی سزا قتل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت منقول ہے انہوں نے فرمایا جو شخص کسی نبی کو گالی دے تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور یہ ارتداد ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کیا جائے گا آپ کا یہ فرمان اس گستاخی اور سب وشتم کے متعلق ہے جو انکار نبوت کو متضمن ہو کیونکہ اس سے تکذیبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے اور اسی بناء پر گالی دے تو یہ مجرد ارتداد ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اسی پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ اس روایت کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف ثابت ہو کیونکہ آپ فرما چکے ہیں کہ امہات المؤمنین پر تہمت باندھنے والے کی توبہ نہیں پھر امہات المؤمنین کی حرمت کس قدر زیادہ ہوگی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی قرآن میں مذکورہ کسی بھی نبی کی گستاخی کی حرمت سے زیادہ سنگین ہے۔

سولھواں طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق مجرد تصدیقِ نبوت سے زائد ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی دل زبان اور جوارح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق مجرد تصدیق سے زائد ٹھہرائے ہیں جس طرح اس نے مخلوق پر مجرد تصدیق الوہیت سے زائد عبادات دل زبان اور جوارح پر فرض کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حرمت وعظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر وہ چیزیں حرام کی ہیں جو دوسروں کے حق میں مباح ہیں یہ مجرد تکذیب نبوت سے زائد امور ہیں۔

ان باتوں میں سے ایک بات یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا اور اس سے پہلے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں یہ درود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثناء وتحسین ہے اور فرشتوں کی طرف سے دعائے خیر قربت اور رحمت ہے جبکہ سلام ہر آفت سے سلامتی کو شامل ہے اس لحاظ سے درود وسلام تمام بھلائیوں کو جامع ہے پھر اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس بار درود بھیجتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجتا ہے اس میں ترغیب ہے کہ لوگ حضور کی ذات پر درود بھیجیں تاکہ وہ سعادت مندی سے سرفراز ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار بنیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب اور مالک ہیں۔

اس لیے آپ کا حق ہے کہ لوگ آپ کی ذات کو اس طرح ترجیح وتقدیم دیں جس طرح پیاسا پانی کو اور بھوکا روٹی کو ترجیح دیتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ — اہلِ مدینہ اور آس پاس کے دیہاتیوں کو سزاوار نہ تھا کہ وہ

يَتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (توبہ:120)
رسول اللہ سے پیچھے رہتے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی نبی اکرم ﷺ کی مشقت پر اپنی جان کو ترجیح دے تو یہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ان کی حضر اور جہاد کی مشقتوں پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (احزاب:21)
بیشک تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہے

آپ کے حقوق میں سے ہے کہ آپ ﷺ ایک مومن کے نزدیک اس کی جان اولاد اور سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہوں جیسا کہ ذیل کی آیاتِ کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ:24)
کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

اس کے ساتھ بکثرت صحیح احادیث بھی اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد موجود ہے انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے تو آپ نے فرمایا نہیں عمر! (کمالِ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا) یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے زیادہ تم کو محبوب ہو جاؤں تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں' فرمایا: ہاں اب تم کمالِ ایمان کو پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کی اولاد والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

عزت وتوقیر کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آپ ﷺ کی عزت وتوقیر اور نصرت و مدد کا حکم دیا فرمایا

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (فتح:9)
اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو

تعزیر اسم ہے جو نبی اکرم ﷺ کی نصرت تائید اور حفاظت کو جامع ہے اور توقیر ہر اس چیز کو شامل ہے جس میں سکینت طمانیت اور اجلال واکرام ہو، نیز تشریف وتکریم وتعظیم کا معاملہ ہو اور ہر اس چیز سے حفاظت کا سامان ہو جو انسان کو حدِ وقار سے خارج کرتی

ہے۔

خطاب سے اختصاص

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کے شایان شان خطاب سے مختص فرمایا اس لیے فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (نور:63)
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو

اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یا محمد، یا احمد یا ابالقاسم پکارنے سے منع فرمایا اور خطاب میں یارسول اللہ یا نبی اللہ کہنے کی تلقین کی اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسے القابات سے یاد فرمایا جن سے کسی اور پیغمبر کو خطاب نہیں کیا قرآنِ حکیم میں کہیں آپ ﷺ کو نام لے کر نہیں پکارا بلکہ یاایھا النبی یاایھا الرسول یاایھا المدثر یاایھا المزمل کہہ کر خطاب کیا۔ دیکھیے ذیل کی آیات۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا (احزاب:28)
اے نبی ﷺ اپنی بیبیوں سے فرمادے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (احزاب:59)
اے نبی اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمایا دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ (احزاب:50)
اے نبی ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں جن کو تم مہر دو

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (احزاب:1)
اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب:45)
اے نبی (مکرم) بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق:1)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم:1)

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ:67)

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (المزمل:1`2)

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر:1`2)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (الانفال:63)

جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسرے انبیائے کرام کو نام لے کر خطاب فرمایا

ملاحظہ فرمائیے

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا (البقرہ:35)

يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (البقرہ:33)

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ھود:46)

يٰمُوْسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ (اعراف:144)

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (ص:23)

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ (المائدہ:110)

آپ ﷺ کے حضور کلام میں تقدم اور بلند آوازی حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے کلام میں پہل کرنے کو حرام ٹھہرایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف سے اذن کلام مل جائے اسی طرح آپ کی آواز پر آواز کو بلند کرنے سے منع فرمایا نیز عام لوگوں کی طرح چلا کر پکارنے کو ممنوع قرار دیا اور اعلان فرما دیا کہ اس طرح کی گفتگو سے سرمایۂ عمل برباد ہو جاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اس عمل سے کافر ہو جاتا ہے کیونکہ عمل کی بربادی صرف کفر سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امر کی بھی خبر دی کہ جو خوش نصیب آپ کے حضور ﷺ اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور جو آپ ﷺ کے کاشانہ اقدس کے باہر بلند آواز میں پکارتے ہیں وہ عقل سے محروم ہیں ان بے وقوفوں سے اتنا نہ ہو سکا کہ صبر سے کام لے کر آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر لیتے۔

ایذاء کی حرمت وممانعت

اللہ تعالیٰ نے افرادِ امت پر حرام قرار دیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو اس معاملہ میں ایذا دیں جو عام افرادِ امت کے درمیان مباح ہو مثلاً آپ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا

اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

(احزاب:53)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسبت سے ازواجِ مطہرات کا احترام لازم ٹھہرایا اور ان کو تعظیم واحترام میں مائیں قرار دیا۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ

(احزاب:6)

اتباع واطاعت کا وجوب ولزوم

جہاں تک آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری نیز افعال کی پیروی کے لازم وواجب ہونے کا تعلق ہے یہ باب بہت وسیع ہے لیکن بالاجمال یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتباع واطاعت لوازم رسالت میں سے ہے یہاں ہماری غرض یہ ہے کہ ہم بعض ان حقوق واجبہ کی طرف توجہ دلائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے لازم ٹھہرائے ہیں اور جو لوازمات رسالت سے زائد ہیں۔

قول سے متعلق آپ ﷺ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اذیت اور عام لوگوں کی اذیت میں فرق کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

بے شک لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار رکھا ہے اور وہ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ناحق اذیت دیتے ہیں تو انہوں نے بہت بہتان اور صاف گناہ کا بوجھ اپنے سر لیا

قبل ازیں گزر چکا کہ اس آیت میں دلالت ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے جیسا کہ غیر نبی کی توہین کرنے والے کی سزا کوڑے ہے۔

رفعتِ ذکر

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا اس لیے ذکرِ خداوندی کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر ضروری ہے اور اُمتِ محمدیہ کا کوئی خطبہ اور تشہد ذکرِ مصطفےٰ کے بغیر صحیح نہیں' اللہ تعالیٰ نے ہر خطبہ میں آپ ﷺ کا ذکر واجب ٹھہرایا اسی طرح شہادتین میں جو کہ اسلام کی بنیادیں ہیں یونہی اذان میں جو کہ شعارِ اسلام ہے۔

اسی طرح نماز میں جو کہ دین کا ستون ہے ان گنت اور مقامات ہیں جہاں آپ کا ذکر لازم ہے یہ سلسلہ دیگر فضائل وخصائص کے ساتھ بہت دراز ہے جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

جب صورتِ حال ایسی ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی اہانت کرنے والا اپنے ایمان کی نفی کرتا ہے وہ عزت وتوقیر کا ناقض ہے رفعت ذکر درودوسلام اور دعا وخطاب میں آپ کے شرف کا منکر ہے بلکہ اس نے افضل الخلق ذات کا اس چیز سے موازنہ کیا جو کسی بری مخلوق کے بھی شایانِ شان نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مجرد ایمان بالرسالت سے اعراض کے باعث آدمی کا خون مباح ہو جاتا ہے اور حقوقِ واجبہ سے روگردانی سزا کو جائز قرار دے دیتی ہے یہ تو آپ کی تشریف وتکریم اور تعظیم سے خاموش رہنے کی سزا ہے اس کے برعکس اگر آدمی مذمت گالی گلوچ اور تنقیصِ شان کا مرتکب ہے تو ضروری ہے کہ اس کے لیے قتل سے بڑھ کر سزا ہو کیونکہ سزاؤں کی مقدار جرائم کی مقدار پر مبنی ہوتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ایک شخص کسی کو ظلماً قتل کر دے تو اس کی سزا قود ہوگی۔ یعنی اس کو مقتول کے ولی کے حوالے کیا جائے گا

اور اگر قاتل قتل کے ساتھ مال بھی چھینے تو اس کی سزائے قتل حتمی ہو جائے گی اور اس کو قتل کے ساتھ سولی بھی چڑھایا جائے گا بعض علماء کے نزدیک اس کا ہاتھ اور پاؤں بھی حتماً کاٹا جائے گا حالانکہ مال چھیننا چوری کے مترادف ہے جس پر صرف قطع ید کی سزا لازم آتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی کسی غلام ذمی یا فاجر پر تہمت لگائے تو اس پر صرف تعزیر لازم آئے گی لیکن آزاد مسلمان کسی پاکدامن مسلمان پر بہتان باندھے تو اس پر پوری سزا واجب ہوگی۔

ایک اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں ایسے گستاخ کی وہی سزا ہوگی جو حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے والے یا ترکِ عہد کرنے والے کی ہے تو اس مسئلہ میں حضور ﷺ کی مذمت اور سب وشتم سے خاموش رہنے والا اور اس جرم میں مبالغہ کرنے والا دونوں برابر ہو گئے۔

مگر یہ جائز نہیں جیسے مدح وستائش سے خاموش رہنے والا اور بہت زیادہ مدح کرنے والا آپس میں برابر نہیں اس سے لازم آتا ہے کہ گستاخی مذمت اور اذیت کی سزا نہ ہو باوجودیکہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ قتل سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں اس پر صرف یہ اضافہ ہو سکتا ہے کہ سزائے قتل کو حتمی اور قطعی طور پر نافذ کیا جائے خواہ قاتل توبہ کرے یا نہ کرے جیسے رہزن کی سزا ہے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کوڑے مارنا خاص گستاخی کی سزا میں واجب ہوا ہو پھر گستاخ کو کفر کی بناء پر قتل کیا جائے جبکہ یہ سزا صرف گستاخی کی ہے اور شرعی سزاؤں میں سے ایک سزا ہے یہ مناسبت بالکل ظاہر ہے جس کی صحت پر گزشتہ نصوص دلالت کرتی ہیں۔ کہ جرمِ گستاخی سے سزائے قتل واجب ہوتی ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جب علت نص یا ایماء سے ثابت ہو تو پھر کسی اصل کی ضرورت نہیں رہتی جس پر فرع کو قیاس کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے گستاخی کی سزا کو کتاب وسنت اور آثارِ سلف سے ثابت کیا ہے مجرد استحسان یا استصلاح سے نہیں جیسا کہ مآخذ احکام کے علم سے محروم شخص کا دعویٰ ہے اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جس اصل پر اس فرع کو قیاس کیا جاتا ہے وہ بھی ثابت ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

سترھواں طریقہ

ہمارے پاس کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے ایسے اصول وضوابط ہیں جو مرتد اور عہد شکن ذمی کے معاملے میں دو حکم رکھتے ہیں۔

1۔ جو شخص مجرد ارتداد یا مجرد عہد شکنی کا مرتکب ہو پھر اسلام قبول کرے تو اس کا خون محفوظ ہو جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (توبہ: 27)

نبی اکرم ﷺ نے بنو بکر کے ان عہد شکنوں کا اسلام قبول کیا جنہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے ان کو قتل کیا تھا اسی طرح ان قریشیوں کا اسلام قبول کیا جنہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد کی تھی نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ دال ہے کہ ان مجرموں کا مجرد قبولِ اسلام ہی ان کے خون محفوظ ہونے کا ذریعہ بن گیا اسی طرح قریظہ اور نضیر کے محاصرہ میں اعلان کیا گیا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کے خلاف کارروائی نہ کی جائے گی چنانچہ ان میں سے چند افراد نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی

جانوں اور مالوں کو محفوظ قرار دیا گیا ان میں ثعلبہ بن سعبہ اسد بن سعبہ اور اسد بن عبید شامل تھے یہ لوگ اسی رات دائرہ اسلام میں آ گئے جس رات بنو قریظہ حضور کے حکم پر اترے۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔

2۔ جس شخص کا جرمِ ارتداد سنگین ہو یا اس کی عہد شکنی مسلمانوں کے لیے موجب ضرر ہو تو اس کا اسلام کی طرف رجوع کرنا مطلقاً سزائے قتل کو ساقط نہیں کرتا۔ بلکہ اس صورت میں اس کو لازماً قتل کیا جائے گا اور اگر اس سے ہلکا جرم ہے تو قتل سے کم سزا دی جائے گی اس کی دلیل آیتِ محاربہ (مائدہ:33) ہے۔

اس کی ایک اور دلیل ابنِ ابی سرح، ابنِ زنیم ابنِ اخطل مقیس بن حبابہ اور قبیلہ عرینہ کے عہد شکنوں کے متعلق حضور کا طرزِ عمل ہے اور مقررہ اصول بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ مجرم جب جرمِ ارتداد کے ساتھ رہزنی، قتلِ مسلم، یا زنا وغیرہ کے جرائم کا مرتکب ہو پھر اسلام قبول کرلے تو شرعی حدود اس پر نافذ ہوں گی اسی طرح عہد شکنی کے ساتھ مذکورہ بالا جرائم کا ارتکاب بھی کرے پھر مسلمان ہو جائے تو شرعی حدود میں ماخوذ ہوگا۔

جہاں تک اس کی سزا کا تعلق ہے جو مسلمان پر ایسے جرم کی وجہ سے لاگو ہوتی ہے یا شرعی جو اسلام لانے سے پہلے اس پر واجب ہوئی تو ایسی صورت میں اس کا جرم مجرد عہد شکنی کے جرم سے بڑا ہے کیونکہ مسلمانوں کو ضرر دینے کے باعث اس کے جرم میں سنگینی پیدا ہوگئی ہے۔

یا ایسے مجرم نے ضرر رساں کاموں سے زیادہ بڑا جرم کیا وہ اس شخص کی مانند ہو گیا جس نے عہد شکنی کے ساتھ مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کی سخت اذیت دی پھر اس کا اسلام لانا اس کی اذیت رسانی پر مرتب ہونے والی سزا کو ساقط نہیں کرتا۔ جیسا کہ شرعی اصول اس پر دلالت کرتے ہیں اس اذیت رسانی کی سزا قتل ہے جو نص سے ثابت ہے اور طاری اسلام اس سزا کو ابتداء میں منع نہیں کرتا کیونکہ مسلمان اگر اس جرمِ قتل کی ابتداء کرے تو توبہ سے اس کی سزا ساقط نہ ہوگی۔

جب اسلام ابتداءً اس سزا کو منع نہیں کرتا، تو اس کی بقاء و دوام کو بدرجہ اولیٰ منع نہیں کرے گا کیونکہ بقاء و دوام حسیات عقلیات اور حکمیات میں ابتداء و حدوث کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عدت، احرام اور ارتداد ابتدائے نکاح سے مانع ہیں مگر دوام سے مانع نہیں اسلام ابتدائے غلامی سے روکتا ہے مگر دوامِ غلامی سے منع نہیں کرتا۔ یونہی جب کسی ذمی کو قتل کرے یا اس پر بہتان باندھے تو قصاص اور قذف کی سزا ابتداءً نہ ہوگی لیکن جب اسلام لانے کے بعد قتل و قذف کا مرتکب ہوگا تو اس پر دوام سزا کی ممانعت نہ ہوگی۔ فرض کریں کہ اسلام ابتداءً ذمی کے قتل سے منع کرے مگر ضروری نہیں کہ اسلام قبول کرنے نے اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے کیونکہ دوام بقاء سے زیادہ قوی ہے اور جائز ہے کہ وہ قود اور حدِ قذف کی مانند ہو خصوصاً اہانت اور سب و شتم میں وصال یافتہ آدمی کا حق ہوتا ہے اور اس میں عام مسلمانوں سے متعلق جرم ہے اس لیے وہ محاربہ میں قتل کی مثل ہے پھر جب مسئلہ ایسا ہو تو اس کی سزا کو پورا کرنا ضروری ہے جس طرح محاربین مفسدین کے معاملہ میں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس کا ثبوت اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ ذمی جب رہزنی کرے اور کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق لوٹ مار کو جائز سمجھتا ہے لیکن عہد ذمہ نے اس کو حرام قرار دیا یونہی اپنے عقیدہ کی رو سے گستاخی کے جواز کا قائل ہوتا ہے لیکن

عہد ذمہ نے اس کو ناجائز ٹھہرادیا۔ یہاں پھر تفصیل ہے کہ رہزنی کبھی حلال جان کر کی جاتی ہے اور کبھی کسی غرض سے حرمت کو ہلکا جانتے ہوئے کی جاتی ہے اس لیے جرم اہانت ہر جہت سے رہزنی کی مثل ہے فرق صرف اتنا ہے۔ کہ رہزنی کا مفسدہ دنیا میں ہے جبکہ اہانت اور گستاخی کا مفسدہ دین میں ہوتا ہے اور یہ اہلِ ایمان کے نزدیک دنیاوی مفسدہ سے بڑا مفسدہ ہے پھر جب رہزن اسلام قبول کر لیتا ہے تو مسلمان کے خون اور مال کی حرمت کا عقیدہ اختیار کر لیتا ہے اسی طرح جب گستاخ اسلام لے آئے تو آبروئے رسول ﷺ کی حرمت کے عقیدے کی تجدید کرتا ہے لیکن اس مقام پر جب رہزنی کو قتل کرنا واجب ہے تو گستاخ کو بھی تجدید ایمان کے بعد قتل کرنا واجب ہوگا اور یہ کہنا لازم ہوگا کہ جب رہزنی کی سزا توبہ کے بعد ساقط نہ ہوئی تو گستاخی کی سزا بھی مجرم پر قدرت پانے کے بعد ساقط نہ ہوگی اور گہری نظر سے کام لینے والے شخص کو ہرگز شک نہ ہوگا کہ جرم اہانت کا مرتکب محارب مفسد ہے۔

استدراک:

اس مسئلہ پر شان الوہیت میں گستاخی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کوئی فرد بشر اعتقادی طور پر اللہ تعالیٰ کی گستاخی نہیں کرتا البتہ وہ ان کلمات کے ذریعے گستاخی کا مرتکب ہوجاتا ہے جو اس کے نزدیک تعظیم و اجلال کے کلمات ہیں جیسے اہلِ تثلیث (عیسائی) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی اور بیٹا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے تعظیم و تقرب کا ذریعہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے۔ مگر اس کا عقیدہ تعظیم و اجلال والا نہ ہو تو ایک قول پر اس کا وہی حکم ہے جو گستاخ رسول ﷺ کا ہے۔ اور یہی مختار قول ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس کو ثابت کریں گے اور جو شخص اس کے درمیان فرق کرتا ہے اس کے نزدیک یہ توہین اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی اور کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا ہاں انتہائی طیش میں ہو تو ایسے بکواسات کر سکتا ہے۔ بخلاف شانِ رسالت میں گستاخی کے کیونکہ گستاخ توہین و استخفاف کی نیت سے آپ ﷺ کو گالی دیتا ہے اور اس کی یہ بکواس اہانت کے قصد و اعتقاد سے ہوتی ہے اور یہ اہانت کی ایسی جنس ہے جس کے ساتھ سبکی اور تحقیر لاحق ہوتی ہے اور گستاخ اس کا قصد بھی کرتا ہے کبھی وہ حصول تشفی اور غیظ و غضب کے لیے گالی دیتا ہے بعض اوقات اس سے نفسوں میں جنون اور بگاڑ کی صورت اتر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے مخلوق اس سے نفرت کرتی ہے اور اظہار توبہ سے بھی ان کی نفرت ختم نہیں ہوتی۔ جس طرح اظہار توبہ سے زنا، رہزنی اور دیگر سنگین جرائم کا مفسدہ دور نہیں ہوتا۔ اور جس طرح اظہار توبہ سے مقذوف کے ساتھ لاحق عار زائل نہیں ہوتی اس لیے سزائے کفر میں شانِ الوہیت کی گستاخی آجائے گی بخلاف گستاخی رسالت کے۔

اعتراض:

کبھی مجرد عہد شکنی پر سزا کی زیادتی حتمی قتل کا سبب بنتی ہے جب تک وہ کافر رہتا ہے بخلاف دوسرے کافروں کے کیونکہ ان کیلئے امان، صلح، عہدِ ذمہ اور اہلِ کفر کو قید کرنا ان پر احسان کرنا، اور فدیہ لے کر آزاد کرنا یہ سب جائز صورتیں ہیں پس جب ذمی گستاخی کا ارتکاب کرے خواہ عہد شکنی کی بناء پر اس کا خون مباح ہو یا عہد شکنی نہ کی ہو تو اس کا قتل حتمی ہے اسی طرح ان مقامات کا جواب ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے گستاخوں کو قتل کیا یا قتل کرنے کا حکم دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ واجب القتل ہے خواہ

اس جیسا دوسرا کافر قتل نہ کیا جائے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے کعب بن اشرف کے قصہ میں یہود سے فرمایا۔

اِنَّہٗ لَوْ قَرَّ کَمَا قَرَّ غَیْرُہٗ مِمَّنْ ھُوَ عَلٰی مِثْلِ رَأْیِہٖ مَا اغْتِیْلَ وَلٰکِنَّہٗ نَالَ مِنَّا وھجانا بِالشِّعْرِ وَلَمْ یَفْعَلْ ھٰذَا اَحَدٌ مِنْکُمْ اِلَّا کَانَ السَّیْفُ

اگر وہ معاہدہ کا پابند رہتا جس طرح دوسرے لوگ رہے تو اس طرح نہ مارا جاتا، اس نے گستاخی کی اور شعر کے ذریعے ہجو کی اور جس نے بھی ایسا کیا تلوار اس کا مقدر بن گئی

اور جب معاملہ ایسا ہو تو سزائے قتل دو وجہ سے واجب ہوتی ہے کفر اور جرم گستاخی سے، جیسے مرتد کی سزائے قتل کفر اور دین حق سے علیحدگی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر جب کفر زائل ہو جاتا ہے تو موجب دم (خون کرنے کا سبب) بھی زائل ہو جاتا ہے۔

اس لیے خون مباح کر دینے سے گستاخی کا اثر باقی نہیں رہتا ہے اور جرم زائل ہونے میں کفر کے تابع ہے جس طرح حصول میں اس کے تابع ہے کیونکہ وہ کفر کی فرع اور نوع ہے پس جب اصل زائل ہو گی تو اس کی تمام انواع وفروع بھی زائل ہو جائیں گی۔

اس سوال کی تقریر کبھی اس گستاخ کے متعلق بھی ہو سکتی ہے، جو اسلام کا مدعی ہو کیونکہ گستاخی ارتداد کی فرع اور نوع ہے اور کبھی ایسا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ کبھی گستاخی کے بعد ایسی چیز کی تجدید کی جاتی ہے، جو بوقتِ گستاخی موجود نہیں ہوتی بخلاف کافر کے،

جواب: یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ کی سزائے قتل ایک شرعی حد ہے اور اس کو قتل کرنا ضروری ہے خواہ معاہد ہو اور اس جرم کے بعد اس کو امان اور استرقاق پر باقی رکھنا جائز نہیں اگر اس کو کافر محارب کی حیثیت سے قتل کیا جاتا تو اس کو امان دینا رقیق (غلام) بنانا اور فدیہ لے کر آزاد کرنا جائز ہوتا پس جب اس کی سزا قتل سے تو یہ ایک مستقل شرعی حد ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ گستاخ کا قتل دیگر کافروں کے قتل کے طرح نہیں۔

اور جو شخص ان شرعی دلائل کے نصوص ومقاییس میں غور کرے پھر یہ سمجھے کہ گستاخ کی سزائے قتل صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ کافر غیر معاہد ہے اور اس کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے کافر قیدی کو قتل کرنا تو اس کی بے بصیرتی اور رائے کی ناپختگی کی دلیل ہے اور یہ مسلک احتمالی نہیں قطعی ہے اس لیے جو شخص کتاب وسنت کے دلائل سلفِ امت کے طرزِ عمل اور شرعی قواعد کی توجیہات پر غور کرے گا اس کو قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ جرم اہانت کا سزائے قتل میں خصوصی اثر ہے، جو مجرد کفر اور عہد ذمہ کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ گستاخ کے قتل میں دونوں صورتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ گستاخ کا کفر ایک سنگین جرم ہے جو مرتد کے کفر کی طرح گستاخ کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیتا۔ اس لیے وہ ہر صورت کفر اور گستاخی کے جرم مین قتل کیا جائے گا اور یہ قتل شرعی سزا ہے جس کا نفاذ ضروری ہے پھر اس سزا کا توبہ سے زائل ہونا جائز جیسے مرتد کی سزائے قتل ہے۔ یہ وجہ کمزور ہے اس کے باوجود اس کے شرعی حد ہونے میں قدح نہیں کیونکہ اس کے ظہور میں مفسدہ ہے رہا یہ قول کہ کیا یہ حد اسلام لانے سے ساقط ہو گی یا نہ ہو گی؟

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بیان کردہ دلائل بعد اظہارِ توبہ بھی گستاخ کے وجوبِ قتل پر روشنی ڈالتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ گستاخ کا قتل ایک مستقل حد ہے اور یہ صرف کفر پر مبنی نہیں، بلکہ یہ قطعی دلیل ہے جیسا کہ ہم نے ان لوگوں کا نکتہ

نگاہ بیان کیا جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے ذریعے کفر اصلی یا کفر طاری یا نقضِ عہد کا جرم اہانت کے ساتھ فرق کرتے ہیں پھر جب یہ قتل مجرد کفر کی بناء پر نہیں تو اس کی ایک ہی صورت باقی رہی کہ یہ ایک مستقل سزا ہے اور جب ثابت ہوا کہ گستاخ خاص جرم اہانت کی وجہ سے واجب القتل ہے کیونکہ یہ ایک شرعی حد ہے اس لیے نہیں کہ گستاخ کافر غیر معاہد یا مرتد ہے اس لیے لازم ہے کہ توبہ کرنے اور اسلام لانے سے اس کی سزا ساقط نہ ہو۔ کیونکہ اسلام اور توبہ پہلے سے واجب حدود کو ساقط نہیں کرتے۔ بشرطیکہ توبہ مقدمہ عدالت لے جانے اور جرم ثابت ہونے کے بعد ہو قرآن حکیم میں یہ دلیل موجود ہے کہ رہزن زانی چور اور قاذف جب گرفتار ہو جائیں تو ان کی سزا ساقط نہیں ہوتی نبی اکرم ﷺ کی سنت میں بھی زانیوں، چوروں اور رہزنوں کی ایسی سزا پر دلالت ہے ہمارے علم کے مطابق مسلمان علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ کوئی مسلمان جب زناء چوری یا شراب نوشی کا مرتکب ہو پھر مقدمہ جج تک پہنچ جائے اور شہادت سے جرم ثابت بھی ہو جائے پھر مجرم توبہ کرے تو پھر بھی سزا نافذ ہو گی اس مسئلہ میں شاذ روایت کا لحاظ نہ ہو گا کیونکہ یہ شرعی حدود ہیں اسی طرح اگر مجرم پر قصاص حد، قذف یا اہانت کا جرم ثابت ہوئے تو سزا ساقط نہ ہو گی اسی طرح اس بات پر بھی اختلاف نہیں کہ ذمی پر اگر یہ سزائیں واجب ہو جائیں پھر وہ مسلمان ہو جائے اور ان جرائم سے توبہ کرے تو سزا ساقط نہ ہو گی ذمی اگر زنا کا ارتکاب کرے تو امام احمد کے نزدیک اس کا قتل حتمی ہے کیونکہ اس سے عہد شکنی کا مرتکب ہوا۔ باجودیکہ اسلام اور توبہ سے گزشتہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور تائب کی بخشش ہو جاتی ہے مگر اس پر سزا کا نفاذ لازم ہے تا کہ اس کی تطہیر ہو جائے اور لوگ عبرت بھی حاصل کریں تا کہ ایسے جرائم سے بچ کر رہیں اس طرح حد قائم کرنے سے عام مصلحت حاصل ہوتی ہے کہ مسلمان یا ذمی لوگ فتنہ وفساد سے خوفزدہ ہوں کیونکہ اگر اظہار توبہ کے وقت حد قائم نہ کی جائے تو پھر مطلقاً حد لگانے کی ضرورت نہ رہے اور جب بھی زمین میں فساد پھیلانے والے مجرم کو گرفتار کرنے کے بعد سزا دینے کی کوشش کی جائے گی تو وہ فوراً توبہ کرے گا اور ہر مجرم گرفت میں آنے کے بعد کہہ دے گا میں توبہ کر چکا ہوں۔

اور یہ معلوم ہے کہ اگر واجب حد کو ٹالا جائے تو تمام حدود معطل ہو جائیں گی اور خشکی تری میں فساد کا غلبہ ہو جائے گا اور شرعی سزاؤں میں کوئی مصلحت نہ رہے گی یہ بہت ظاہر مسئلہ ہے جس میں قطعاً کوئی خفا نہیں۔

توبۃ النصوح کا اثر

مجرم اگر سچی توبہ کرے تو یہ اس کے لیے نافع ہے اس سے اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور شرعی حد اس کے گناہوں کی تطہیر اور کفارہ ہے اور یہ توبہ کی تکمیلی صورت ہے جیسا کہ ماعز بن مالک نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تائب ہو کر عرض کیا:

یارسول اللہ! مجھے پاک کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے قتل خطا کا کفارہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (نساء:92)

تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے ہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کفارہ ظہار میں فرمایا:

ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ (مجادلہ:3) یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے

اس طرح حد مع توبہ دو عظیم مصلحتوں پر مشتمل ہے اور اس قسم کے جرائم سے نفسوں کو زجر و توبیخ کی مصلحت اہم مصلحت ہے کیونکہ دنیا حقیقت میں کمال جزاء کا مقام نہیں، کمال جزاء تو آخرت پر منحصر ہے یہاں عموماً شرعی سزاؤں میں زجر و توبیخ اور عبرت ہے اگر چہ ان میں اور بھی مقاصد ہیں جیسے عدت کا بڑا مقصد براءۃ رحم ہے حالانکہ اس میں کئی اور مقاصد بھی پوشیدہ ہیں اس لیے تمام شرعی سزائیں ان مقاصد پر مشتمل ہوتی ہیں۔

2- دوسری مصلحت

دوسری مصلحت مجرم کی تطہیر اور اس کی خطاؤں کی تکفیر ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بھلائی ہو یا سزا اور انتقام ہو، کبھی ایسی صورت زیادتی ثواب اور بلندی درجات کا سبب بنتی ہے۔

اس کی مثال وہ مصائب ہیں جو جان مال اور اہل وعیال میں مقدر ہوتے ہیں وہ کبھی کفارہ وطہارت کا سبب بنتے ہیں کبھی زیادتی ثواب اور بلندی درجات کا موجب ہوتے ہیں اور کبھی سزا اور انتقام کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔

لیکن انسان جب پوشیدہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ پوشیدہ طریقے سے قبول کرتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے اس وقت اس کو اظہار گناہ کی ضرورت نہیں ہوتی نہ اس پر سزا نافذ ہونے کی حاجت ہوتی ہے البتہ جب علانیہ فساد گناہ کا ارتکاب کرے اس طرح کہ اس کا جرم لوگوں کے دیکھنے سننے میں آجائے اور وہ حاکم کے پاس شہادت گزاریں یا وہ خود حاکم کے پاس اعتراف جرم کرے تو جب تک اس پر سزا قائم نہ کی جائے گی اس کی تطہیر نہ ہوگی الا یہ کہ اس کی توبہ حدود اللہ میں ہو اور وہ جرم کا اقرار کرے (اس پر اختلافی بحث ان شاء اللہ عنقریب آئے گی اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تَعَافُوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِىْ مِنْ حدٍ فَقَدْ وَجَبَ — حدود کے معاملات آپس میں نپٹ لیا کرو جو مقدمہ مجھ تک پہنچے گا تو اس کی حد واجب ہو جائے گی

نبی اکرم ﷺ کے پاس چوری کرنیوالی عورت کی سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا تطهر خيرا لها اس کا پاک ہو جانا بہتر ہے۔

آپ ﷺ نے ایک اور ارشاد ہے۔

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَ اللّٰهَ فِىْ اَمْرِهٖ — جس شخص کی سفارش کسی حد کے اجراء میں رکاوٹ بنی تو اس نے حکم خداوندی کی مخالفت کی

ایک اور ارشاد ہے:

مَنِ ابْتُلٰى مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ بِشَىْءٍ فَلْيَسْتَتِرْ بِسَتْرِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ مَنْ يُبْدِلَنَا صَفْحَتَهٗ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ — جو ان گندگیوں میں سے کسی چیز میں مبتلا ہو تو ستر الٰہی کے ساتھ پردہ کرے کیونکہ جو کوئی ہمارے سامنے اپنا معاملہ کھولے گا تو ہم اس پر کتاب اللہ کا حکم قائم کریں گے

جب یہ ثابت ہو لیا تو ہم کہتے ہیں کہ جرمِ اہانت کرنے والے مجرم (خواہ مسلمان ہو یا معاہد) نے ایسے مفسدہ کا اظہار کیا جو کفر اور عہد شکنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت پر مشتمل ہے اور اس نے ایسی عزت میں ہاتھ ڈالا جو ساری مخلوق کی عزت سے بڑھ کر ہے۔ اور جس عزت کے برابر کوئی عزت نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے افعال اس کے دین اس کی کتاب تمام انبیائے کرام اور اہلِ ایمان پر طعن واعتراض ہے کیونکہ کسی ایک نبی پر طعن تمام انبیائے کرام پر طعن ہے اس قسم کے مجرموں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (نساء: 151) یہ پکے کافر ہیں

پھر جرمِ اہانت اس شخص سے صادر ہوا جس نے ایمان یا امان کے عہد کے ساتھ لازم ٹھہرالیا تھا کہ وہ اس کا مرتکب نہ ہوگا پھر جب اس جرم کی سزا واجب ہوگئی تو محال ہے کہ صرف توبہ کے ظاہر کرنے سے ساقط ہو۔

پھر اس مسئلہ میں دو مسلک ہیں

مسلک اول:

یہ مسلک ہمارے حنبلی علماء اور بعض دیگر علماء کا ہے کہ گستاخ حدِ خداوندی کے تحت قتل کیا جائے گا جیسے رہزن، مرتد اور کافر کو قتل کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا تعلق حق خداوندی سے ہے اور یہ ہر مومن کا حق بھی ہے کیونکہ یہ اذیت رسانی صرف نبی اکرم ﷺ تک محدود نہیں بلکہ یہ ہر مومن کے لے باعثِ اذیت ہے بلکہ یہ اذیت کی بدترین قسم ہے اور ہر مومن کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی عزت پر اپنی جان دے آل اولاد اور عزت و آبرو قربان کردے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے گزر چکا کہ وہ تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کی خاطر اپنے خون کا نذرانہ پیش کردیتے تھے اور حضور ﷺ ان جانثاروں کی تعریف وتحسین فرماتے جو قتل ہوجاتے یا مغلوب ہوجاتے آپ ان کو اللہ ورسول کے حمایتی قرار دیتے تھے۔ اگر جرمِ اہانت عام مسلمانوں کے قتل سے بڑھ کر جرم نہ ہوتا تو اس کے مقابلہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنا جائز نہ ہوتا جس طرح کسی فرد واحد کی آبرو بچانے کے لیے قتل ہونا جائز نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ تو نے حضور کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ناموسِ رسول ﷺ پر قربان ہونے کی بدولت دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کی اور دوسرے لوگ بھی اسی بناء پر یہ اعزاز حاصل کرتے ہیں دینِ خداوندی کا قیام اسی سے ہے اور اللہ تعالیٰ اسی عمل سے راضی ہوتا ہے اور بندہ اپنے پسندیدہ مقاصد کو حاصل کرتا ہے اور ناپسندیدہ چیزوں سے پاک ہوتا ہے ایک رہزن بظاہر کسی ایک شخص کو قتل کرتا ہے لیکن اس مفسدہ سب لوگوں تک جاتا ہے اس لئے اس کا معاملہ مقتول کے ولی کو نہیں سونپا گیا' ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں گستاخ کا معاملہ آپ ﷺ کو مفوض تھا اور آپ چاہتے تو اس کو معاف فرمادیتے اور چاہتے تو اس کو سزا دیتے جرمِ اہانت میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کا بھی کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سزا کے معاملہ میں اپنا حق بندے کے حق کے تابع فرماتا ہے جیسا کہ ہم

نے قصاص کے ضمن میں ذکر کیا اور آدمیوں کے حقوق رسول اللہ ﷺ کے حقوق کے تابع ہیں کیونکہ حضور ﷺ ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب اور ان کے مالک ہیں اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو درگزر کرنے ،نیکی کا حکم دینے اور جاہلوں سے اعراض کرنے کی استعداد عطا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس کا حکم دیا یہ عفو واصلاح کی ایسی استعداد تھی جس سے آپ بارگاہِ خداوندی میں زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوئے ۔یونہی برائی کو جس طریقے سے دور کرنے نفسوں کو دینِ حق کی طرف مائل کرنے دلوں کو ایمان سے مالوف کرنے اور مخلوق کو اپنے حضور جمع کرنے کی استعداد عطا کرنی تھی نیز ایمان سے نفرت کا جذبہ ختم کرنے کی طاقت دینی تھی اس سے ایسی مصلحت ہاتھ آئی ہے جو ان اثرات کو ڈھانپ دیتی ہے جو گستاخ کو زندہ چھوڑنے کے مفسدہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

جس کی دلیل ذیل کے ارشادِ ربانی میں ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

اگر آپ تندخوسخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف کرو اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو،اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں

(آلِ عمران:159)

نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس اس حکمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا مجھے پسند نہیں کہ لوگ پروپیگنڈا کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

آپ ﷺ نے ابن ابی کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا تو اس کے ضمن میں فرمایا مجھے امید ہے کہ اس سے ایک ہزار آدمی ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس امید اور توقع کو پورا کیا۔

اگر آپ ﷺ اذیت دینے والوں کو قتل کی سزا دیتے تو لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسے جم جاتے کہ محمد ﷺ کسی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔اصل وجہ یہ ہے کہ دلوں میں شرف واقتدار کی محبت جاگزین ہوتی ہے،اور اس شرف واقتدار کی خاطر شاہوں کا غضب ناک ہونا اور قتل وغارت کرنا ایک بدیہی بات ہے اگر اس جرم پر سزا جائز نہ ہوتی تو عزتیں پامال ہوتیں۔انسانی حرمت مباح ٹھہرائی جاتی،دین کا رشتہ قطع ہو جاتا اور احترامِ نبوت کا عقیدہ کمزور پڑ جاتا۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے یا سزا دینے کے معاملات آپ ﷺ کے اختیار میں دیئے پھر جب آپ ﷺ اس دنیا سے جہان رضوان وکرامت میں تشریف فرما ہوئے تو مخلوق میں سے کسی خاص شخص کو جرمِ اہانت معاف کرنے کا حق نہ دیا گیا بلکہ اس جرم پر سزا دینا اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کے لیے ثابت ہے ہر عقل مند جانتا ہے کہ گستاخِ رسول کو حفظِ دین اور تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے قتل کیا جاتا ہے جیسے رہزن کو قتل کیا جاتا ہے تاکہ مفسدین کے فساد سے راستوں کو محفوظ بنایا جائے اور جیسے حفاظت مال کے لیے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور مرتد کو قتل کیا جاتا ہے تاکہ دین کے دائرہ میں آنے والے دوبارہ باہر نکلنے سے باز رہیں یہاں (سزا کے)

جزوی مقصود کا تو ہم باقی نہیں رہا جیسے حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں خیال کیا جاتا تھا۔ کہ گستاخ کا قتل اسی طرح ہے ایسے مجرم کو معاف کر دینے کا استحقاق صرف رسول اللہ ﷺ کا تھا، امت کے لیے سوائے قتلِ گستاخ کے اور کوئی چارہ نہیں۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ پاک میں اس جرم پر حقِ رسول غالب اور فائق تھا تا کہ آپ ﷺ اپنے حق کا بدلا لے سکیں یا معاف کر دیں آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد معاف کرنا ممکن نہیں اس لیے سزا دینا واجب ہے اور یہ مسلکِ خیر ہے اس شخص کے لیے جو مسائل کی گہرائی میں اتر کر تدبر سے کام لیتا ہے۔

جو شے انسانی خون مباح کر دے وہ فساد فی الارض ہے

پھر یہاں اس موضوع پر مزید گفتگو موجود ہے۔

ایک یہ کہ گستاخ محارب مفسد ہے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث گزر چکی اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ:32)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو اس نے سب لوگوں کو قتل کیا

اس سے معلوم ہوا کہ جو جرم حقِ خداوندی میں قتل کو واجب قرار دے وہ فساد فی الارض ہے اگر یہ فساد نہ ہوتا تو قاتل کا قتل مباح نہ ہوتا چونکہ جرمِ اہانت سے خون مباح ہو جاتا ہے اس لیے یہ فساد انگیزی ہے اور اللہ ورسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے اور یہ جنگ بعد از صلح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلی محاربہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں اس آیت کا سبب نزول مرتدین اور ناقضین عہد کی کارروائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرتد اور عہد شکنی اس کے حکم میں داخل ہیں چونکہ گستاخ نے بھی صلح کے بعد محاربہ اور فساد فی الارض کا ارتکاب کیا اس لیے اس پر اقامت حد ثابت ہوگئی۔

2۔ دوسری تقریر یہ ہے کہ جرمِ اہانت کا تعلق ان جرائم سے ہے جو قتل کی سزا واجب کرتے ہیں جیسے زنا ہے زنا اگرچہ اس طرح کا محاربہ نہیں جیسے رہزن کا محاربہ ہے پس فساد کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو سزائے قتل کو لازم قرار دیتی ہیں اگرچہ وہ ظاہری جنگ نہیں یہی وجہ ہے کہ جرمِ اہانت کا فساد قتلِ واجب ٹھہراتا ہے اس لیے وہ توبہ سے ساقط نہ ہوگا جس طرح فساد کی دوسری صورتوں سے سزائے قتل ساقط نہیں ہوتی یہ ایسے جرائم ہیں جن سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں، سوائے اصلی کفر یا طاری کفر کے، ہم پہلے بیان کر چکے کہ گستاخ کا قتل دیگر کفار کے قتل کی مانند نہیں۔

ایک سوال

کیا اسلام کفر کی ہر قسم کو ساقط کر دیتا ہے؟

جرمِ اہانت جب حد خداوندی ہے تو ضروری ہے کہ اسلام لانے سے ساقط ہو جائے جیسے مرتد کی سزا اسلام سے ساقط ہو جاتی ہے اور جیسے کافر کی سزائے قتل اسلام لانے سے ٹل جاتی ہے اور یہ کہ جرمِ اہانت کو حد کہنا توبہ یا اسلام کے ذریعے سقوطِ سزا کو مانع نہیں کیونکہ مرتد کا قتل ایک شرعی حد ہے فقہاء اس لیے لکھتے ہیں "باب حد المرتد" پھر وہ حد اسلام لانے سے ساقط ہو جاتی ہے یہ صرف

لفظی نزاع ہے۔ احکام کا دارومدار اس پر نہیں بلکہ ان کا دارومدار معانی پر ہے اور مجرم کی ہر سزا ایک شرعی حد ہے کیونکہ وہ ارتکاب جرم سے باز رکھتی ہے جواہ اس کو حد کا نام نہ دیا جائے لیکن اس میں شک نہیں گستاخ کفر اور جرم اہانت کی وجہ سے واجب القتل ہے کیونکہ جرم اہانت کو کفر اور محاربہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ یہ سمجھا جائے کہ حالت ایمان ہو یا حالت امان، گستاخ واجب القتل ہے جیسے زانی، چور اور بہتان طراز کے بارے میں یہ مفروضہ قائم کیا جائے کیونکہ ان مجرموں کی سزا اُن کے جرائم کے باعث ہے اور یہ سزا ان کے اسلام لانے سے پہلے اور اس کے بعد یکساں ہے۔ اور اس گستاخ کی سزا ایسے جرم کی وجہ سے واجب ہوئی جو کفر کی ایک فرع ہے اس لیے جب اصل زائل ہو جائے گی تو اس کی فروع بھی زائل ہو جائیں گی تو قتل کی وجہ یہ قرار پائے گی کہ وہ کافر محارب ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والا ہے' جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کے اس سوال صرف مجھی کو باندھ کر کیوں قتل کیا جا رہا ہے کے جواب میں فرمایا:

بِكُفْرِكَ وَافْتِرَائِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ — تیرے جرم کفر اور رسول ﷺ پر افترا باندھنے کی وجہ سے

اور جب علت کے دو وصف ہوں تو ایک وصف کے زوال سے حکم زائل ہو جاتا ہے ہم مانتے ہیں کہ گستاخ ذمی ہو تو اس کا قتل حتمی ہے جیسے مرتد کا قتل حتمی ہے اس کی علت یہ ہے کہ اس کا جرم کفر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے کے سبب سنگین ہو گیا جیسے مرتد کا کفر ترکِ دین کے باعث شدید ہو جاتا ہے لیکن اسلام ہر اس سزا کو ساقط کر دیتا ہے۔ جس کا تعلق کفر سے ہو جیسے مرتد کی سزا ساقط ہو جاتی ہے پھر سوال یہ ہے کہ تم نے اس سزا کو رہزن، زانی چور اور مرتد کی سزا کے ساتھ کیوں ملحق کیا؟ یہ اس مقام کا خاص نکتہ ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے کوئی حد ساقط نہیں ہوتی اور اس لحاظ سے مرتد اور دوسرے مجرم کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ ہر سزا جو کسی گزشتہ یا موجودہ سبب سے واجب ہوتی ہے وہ وجود سبب سے واجب اور عدمِ سبب سے معدوم ہوتی ہے۔ جبکہ کافر اصلی اور مرتد کو صرف ماضی کے کفر کے سبب قتل نہیں کیا جاتا بلکہ موجودہ کفر کی بناء پر قتل کیا جاتا ہے پھر جب کافر توبہ کرتا ہے تو کفر زائل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی خون مباح کرنے والا سبب بھی زائل ہو جاتا ہے کیونکہ خون اسی وقت مباح ہوتا ہے۔ جب کفر موجود ہوتا ہے اور کافر کو قتل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے پھر جب کافر حکمِ الٰہی کے سامنے جھک جائے اور دینِ حق اختیار کرے تو جہاد و قتال کی غرض و غایت پوری ہو گی یونہی مرتد کو قتل کرنے کی وجہ دینِ حق سے انحراف و ارتداد ہے جب وہ حق کی طرف رجوع کرے تو تارکِ دین نہ رہے گا یوں دین ہر انحراف سے محفوظ ہو جائے گا۔

قتلِ مرتد اور قتلِ گستاخ کے درمیان فرق

جہاں تک زانی، چور اور رہزن کا تعلق ہے وہ مسلمان ہو یا معاہد اس کو زنا، سب دشتم اور رہزنی پر دوام کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے تو ایسا ناممکن ہے اس کو مجرد اعتقادِ حلت یا ارادۂ جرم کی وجہ سے بھی قتل نہ کیا جائے کیونکہ ذمی کا خون اس اعتقاد سے مباح نہیں ہوتا نہ مجرد ارادہ سے مسلمان یا ذمی کا قتل جائز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا گزشتہ جرم کی جزا اور آئندہ ایسے فعل کے ارتکاب سے روکنے کے لیے واجب ہوئی اس لیے جو ذمی یا مسلمان اہانت رسول ﷺ کا مرتکب ہو پھر اہانت سے باز آ جائے تو وہ اس

جرم کا دائمی ارتکاب کرنے والا نہ ہوا جیسے کافر مرتد جرمِ کفر پر ڈٹ جاتا ہے بلکہ وہ زمین میں فتنہ انگیزی کا مرتکب ہوا جیسے دوسرے مجرم مثلاً زانی اور رہزن خرابی پیدا کرنے والے ہوئے۔

ہمیں اس بات سے خوف آتا ہے کہ گستاخ اس قسم کے جرائم کا اعادہ کرے گا کیونکہ سزا نہ دینے سے گستاخ شخص اور دوسرے لوگوں سے گستاخی کا امکان رہے گا اس لیے ضروری ہے کہ ایسے مجرم کو پوری پوری سزا دی جائے اس سے واضح ہوتا ہے کہ گستاخ کے قتل اور مرتد و کافر اصلی کے قتل میں کیا فرق ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جرم اہانت گزشتہ جرائم کی جنس سے ہے وہ دائمی جرائم کی جنس سے نہیں لیکن اس کا مبنی یہ ہے کہ خاص جرم ہونے کی حیثیت سے اس کی سزا لازم واجب ہے اس لیے نہیں کہ وہ کفر ہے اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ مرتد اور کافرِ اصلی کا قتل خرابی اور مفسدہ کا ازالہ کرتا ہے البتہ توبہ سے کافر اور مرتد کی جان بچ سکتی ہے کیونکہ جب مرتد کو علم ہوگا کہ اس کو لازماً قتل کر دیا جائے گا اور توبہ سے اس کی جان بخشی نہ ہوگی تو وہ کبھی جرمِ ارتداد کا مرتکب نہ ہوگا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ارتداد کے بعد اسلام کی طرف رجوع میں اس کی غرض پوشیدہ نہیں اس کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ کفر پر دوام اختیار کرے۔

جہاں تک گستاخ مسلمان اور ذمی کا تعلق ہے ان کا مقصود گستاخی کے اظہار اور مسلمانوں کے ستانے سے حاصل ہوتا ہے جیسے رہزن کا مقصد قتل سے اور بدکار کا بدکاری سے حاصل ہوتا ہے جیسے گستاخی سے دین کی حرمت اور رسول ﷺ کی عزت اس طرح پامال ہوتی ہے جس طرح جان و مال کی حرمت رہزنی چوری سے پامال ہوتی ہے اور اس سے مسلمانوں کو ایسی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے کہ جس طرح رہزن اور چور کے جرم سے ایسا مجرم جب قابو میں آتا ہے تو اسلام کا نام لے کر اس کی عزت و توقیر کا اظہار کرنے لگتا ہے جبکہ دل میں یہ بات پوشیدہ رکھتا ہے کہ موقع پا کر دوبارہ اس گستاخی کا اظہار کرے گا۔

جس طرح رہزن چور اور زانی اس قسم کے جرائم کا اعادہ کرتے رہتے ہیں بلکہ گستاخ بعض اوقات اسلام کے پردے میں اپنے شیطانوں کے پاس اظہار گستاخی کی زیادہ قدرت حاصل کرتا ہے اور پھر مقہور ہو کر دل کے پھپھولے پھولتا رہتا ہے بخلاف اس شخص کے جو گستاخی اور عداوت کا اظہار نہ کرے پھر اسلام لے آئے تو اس سے کسی مفسدہ کا اظہار نہ ہوا اسی طرح محارب اصلی جب قتل کا ارتکاب کرے اور گستاخی کے ایسے کام کرے تو اس کا حکم اور ہوگا کیونکہ اس کو ایسے افعال کی رخصت کے ساتھ اماں نہیں بخشی گئی تھی۔

زیرِ نظر گستاخ نے عقدِ ذمہ سے اس بات کا التزام کیا تھا کہ وہ اس طرح کے افعال سے تنگ نہیں کرے گا پھر اس نے اپنا عہد پورا نہیں کیا اس لیے تعین نہیں کہ ایمان لا کر ستانے کا طرزِ عمل نہیں اختیار کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ خود اس دین کی رو سے اس پر لازم تھا کہ اپنے عہد کی پاسداری کرے اور ہمارے دین کے معاملہ میں زبانِ طعن دراز نہ کرے اور وہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہوتا ہے کہ حسب معاہدہ اس پر لازم ہے کہ اہلِ اسلام کو اذیت نہ دے (اگر وہ خلاف ورزی کرے گا تو اس کے سر پر شمشیر اسلام کا خطرہ رہے گا) جیسا کہ دینِ اسلام اختیار کر کے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کرے (ورنہ

اس کو شرعی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا) بخلاف حربی کافر کے، کیونکہ اس سزا سے دوسرے لوگوں کو ارتداد سے زجر اور تنبیہ ہوگی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایسے مجرم کی پردہ پوشی جائز نہیں نہ گواہوں کو ترکِ شہادت پر آمادہ کرنا مستحب ہے بلکہ جج کے سامنے گواہی دینا واجب ہے اور نہ عدالت میں مقدمہ لے جانے سے پہلے اس کو معاف کرنا پسندیدہ ہے خواہ پوشیدہ ارتداد کرے کیونکہ جب مقدمہ جج کے پاس جائے گا تو اس سے توبہ کا مطالبہ کرے گا اس طرح وہ اس کو جہنم کی آگ سے بچالے گا یوں اس کا مقدمہ دائرہ کرانا خاص مصلحت کا حامل ہے بخلاف اس شخص کے جو گندگی کو چھپائے تو اس سے تعرض نہ کرنا چاہیے کیونکہ جب اس کا مقدمہ عدالت میں جائے گا تو اس کو حتمی طور پر قتل کی سزا دی جائے گی اور اگر اس کا مقدمہ دائرہ نہ کیا جائے تو وہ توبہ کرسکتا ہے اس لیے اس کا مقدمہ درج کرانے میں مصلحت نہیں۔

ہاں عام لوگوں کے لیے اس میں مصلحت ہے کہ جب اس قسم کی گندگی ظاہر نہ ہوگی تو اس کا لوگوں کو نقصان نہ ہوگا اسی لیے ذمی اگر پوشیدہ اہانت کا مرتکب ہو تو اس سے تعرض نہ کیا جائے گا یونہی اگر کوئی علانیہ فساد انگیزی کرے تو اس کی پردہ پوشی بھی نہیں کرنی چاہیے۔

کیا جرم اہانت مستلزم کفر ہے؟

معترض یہ کہتا ہے کہ جرمِ اہانت مستلزم کفر وحراب ہے جبکہ دیگر جرائم مستلزم کفر وحراب نہیں ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں جرمِ اہانت کفر سے خالی نہیں ہوتا کہ اس کے لیے علیحدہ سزا ہو۔ بلکہ یہ سزا اہانت اور کفر دونوں کے مجموعے پر ہے یہ ایسا ملازمہ ہے کہ جس سے جرمِ اہانت کی شدت کم نہیں ہوتی کیونکہ یہ جرم ایسے کفر کو مستلزم ہے جس سے سزا سخت تر ہو جاتی ہے اگر کفر اس جرم سے الگ بھی ہو جائے تو ضروری نہیں کہ جرمِ اہانت موجبِ سزا نہ ہو کیونکہ فی نفسہ مفسدہ پر مشتمل ہے جیسا کہ کتاب وسنت اور اثر وقیاس کے دلائل اس پر قائم ہیں۔

اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایسے سنگین کفر کی سزا ہے جس میں مسلمانوں کا ضرر ہے اور جس کا صدور مسلمان یا ذمی معاہد سے ہوا، پھر کہاں سے ثابت ہے کہ ان کے ایسے جرم پر توبہ قبول کی جائے جبکہ وہ دسترس میں بھی آچکے ہوں ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ توبہ اس جرم کے لیے مشروع ہے۔ جو صرف ارتداد یا عہد شکنی کرچکے ہیں کہ توبہ اس مجرم کے لیے جرم عہد شکنی سنگین ہو کہ مسلمانوں کے لیے ضرر کا باعث ہو تو بعد از توبہ بھی اس کو سزا دینا ضروری ہے۔

کیا گستاخی کفر کی فرع ہے؟

معترضین کا کہنا ہے کہ جرمِ اہانت کفر کی فرع ہے

جواب: ہم اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں کہ معترضین کی مراد یہ ہے کہ کفر موجبِ اہانت ہے تو یہ صحیح نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ کفر اس کو مباح کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ عقدِ ذمہ کی بناء پر اس کا اظہار حرام ہوگیا جیسے اس عقد سے قتل مسلمین چوری، رہزنی اور آبرو ریزی حرام ہوئی نیز مسلمانوں کے خلاف لڑائی ناجائز ہوئی حالانکہ یہ چیزیں (عقدِ ذمہ سے پہلے) دینِ کفار میں مباح تھیں۔ پس جب ذمی مسلمانوں کو اس چیز سے اذیت دے جو عہدِ ذمہ سے مجرد کفر کا مقتضی ہو، تو اس پر سزا مرتب ہوگی

اگر ایسا کفر (جو موجب اذیت مسلمین ہو) زائل بھی ہو جائے تو اس پر مرتب قتل قطع اور عقاب کی سزا نافذ ہوگی یونہی جو جرم اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کی اذیت کا سبب ہو اس پر سزا دی جائے گی خواہ ذمی کا دین ایسے جرم کو مباح قرار دیتا ہو۔

اعتراض: زانی، چور، اور رہزن اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد یکساں حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔

جواب: ایسا مجرم گستاخ کی مانند ہے کیونکہ اسلام لانے سے پہلے وہ مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کو حلال سمجھتا تھا (مگر عہدِ ذمہ نے یہ چیزیں حرام قرار دیں) اور اسلام لانے کے بعد وہ ان کی حرمت کا قائل ہو گیا اس طرح عہدِ ذمہ سے پہلے وہ اہانت کو جائز جانتا تھا (مگر اس عہد نے اس جواز کو ختم کر دیا اور اسلام قبول کرنے کے یہ جرم اس کے لیے قطعاً ممنوع ہو گیا، اس صورت میں یکساں ہے کہ وہ مسلمانوں کو دینی معاملات میں ضرر دے یا دنیاوی معاملات میں۔

اعتراض: اس جرم میں دو سبب جمع ہو گئے جن میں سے ہر سبب ایک نوع قتل کو واجب قرار دیتا ہے خواہ دوسری نوع کے خلاف ہو مگر ان میں باہم ملازمہ ہے پس کفر قتل کو واجب قرار دیتا ہے خواہ کفر اصلی ہو یا کفر ارتدادی اور اس کے احکام معروف ہیں جہاں تک جرمِ اہانت کا تعلق ہے اس کے موجب قتل ہونے کی خاص وجہ ہے یہاں تک کہ اس میں قتل کفر اور قتل ارتداد کی دونوں سزائیں جمع ہو گئیں اور یہ سزائے قتل ایسے گستاخ مجرم کے حق میں زیادہ مؤکد ہے۔ البتہ اس میں سزا کے نفاذ یا عدم نفاذ کا حق نبی اکرم ﷺ کو حاصل تھا آپ ﷺ کے اختیار میں یہ بھی تھا کہ آپ گستاخ کو قتل کر دیتے اور کفر و ارتداد کی سزا کو ساقط کر دیتے۔ یونہی آپ ﷺ سزائے کفر و ارتداد کے سقوط کے بعد بھی جرم کو قتل کرنے کے مجاز تھے، جیسا کہ ہم نے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے اور وضاحت کی کہ جرمِ اہانت اگر کفر و ارتداد سے خالی بھی ہو تو قتل کا موجب ہے، پس جب جرمِ اہانت اثنائے حال میں جداگانہ حیثیت رکھتا ہے تو موجبِ کفر و ارتداد کے سقوط سے جرمِ اہانت کا موجب ساقط نہ ہوگا ہم اس دوسرے مسئلہ پر دلائل دے چکے ہیں۔

ہاں یہ سزا دو وجہ سے واجب ہوتی ہے لہٰذا ضرر رسانی کے باعث سنگین کفر سے واجب ہونے والی سزائے قتل جب زائل ہو جائے تو فاعل کی عقوبت ساقط نہ ہوگی پس ضروری ہے کہ گستاخ کی عقوبت بھی سقوط نہ ہو اور اس کی عقوبت قتل ہے یہ بھی ہے کہ طاری اسلام پہلے سے واجب سزا کے نفاذ سے مانع نہیں اگرچہ اسلام ابتداً اس کے وجوب سے مانع ہے جیسے قتل قصاص اور حدِ قذف، البتہ یہ سزا اس شرط سے واجب ہوگی کہ مجرم ذمی ہو اور اس کے بعد اسلام بھی لے آئے تو یہ سزا ساقط نہ ہوگی جبکہ مقتول و مقذوف ذمی ہو۔

اسلام گستاخ کے قتل کو ابتداء ہی سے منع کرتا پھر اگر دواماً اس کے قتل سے مانع نہ تو بہ طریق اولیٰ صحیح ہے پس معترض کا کہنا کہ دو سبب جمع ہوں پھر ایک سبب زائل ہو جائے تو سزا ساقط ہو جائے گی ممنوع ثابت ہوا بلکہ معلوم ہوا کہ جرمِ اہانت سزا کا دائمی موجب ہے۔

مسلکِ دوم

ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے گستاخ کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا جیسے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا قاذف کو کوڑوں

کی سزادی جائے گی اس کی دلیل گزر چکی کہ شاتمِ نبی کی سزا قتل ہے جیسے عام لوگوں پر بہتان باندھنے والے کی سزا کوڑے ہے یہ ہمارے بہت سے علماء کا مسلک ہے۔

یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اگر ایک شخص کسی مسلمان کو گالی دے یا کسی بزرگ کو سب وشتم کرے اور وہ مسلمان یا بزرگ فوت ہو چکا ہو یا سامنے موجود نہ ہو تو حاضر مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا بدلہ لیں اور جب مقدمہ عدالت تک چلا جائے تو شاتم کو سزا دینا ضروری ہے پھر اگر گالی دیا گیا شخص زندہ ہو۔ اور گالی سے آگاہ ہو تو وہ شاتم کو معاف کر دینے کا حق رکھتا ہے اور اگر بوجہ موت یا غیر موجودگی گالی سے آگاہ نہ ہو تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ کہ نفاذِ سزا سے باز رہیں اور اگر مقدمہ عدالت تک چلا جائے تو مجرم کو سزا دی جائے خواہ توبہ کا اظہار کرے کیونکہ اس کے اس جرم کا تعلق ان گناہوں سے ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں کہ اور جب تک سزا نافذ نہ ہو اس حق کی ادائیگی ممکن نہیں اگر جرم کی نوعیت ایسی ہو تو مطالبہ سزا کی ضرورت نہیں اور جب مقدمہ قاضی کی عدالت میں دائر ہو جائے تو اس کی سزا توبہ سے ساقط نہ ہوگی، اسی لیے ہم کہتے ہیں۔

إِنَّ مَنْ سَبَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّهُ يَجِبُ أَنْ يُعَزَّرَ وَيُؤَدَّبَ أَوْ يُقْتَلَ وَإِنْ لَمْ يُطَالِبْ بِحَقِّهِمْ مُعَيَّنٌ لِأَنَّ نَصْرًا الْمُسْلِمِينَ وَاجِبٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ بِيَدِهِ وَلِسَانِهِ فَكَيْفَ عَلَىٰ وَلِيِّ الْأَمْرِ

کہ جو اصحابِ رسول کی توہین کرے اس کو تعزیر دینا ادب کرنا یا قتل کرنا ضروری ہے خواہ کوئی معین شخص ان کے حقوق کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ مسلمان کی ہاتھ اور زبان سے مدد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے پھر حاکمِ وقت پر ایسا کیوں ضروری نہیں

اس تقدیر پر ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا آپ کی حیات میں موجبِ قتل تھا اور جب آپ ﷺ اس سے آگاہ ہو جاتے تو یہ آپ کا حق تھا کہ سزا دیتے یا معاف کرتے۔ آپ ﷺ کی غیبت ووصال کے بعد یہ صورت متعذر ہوگئی تو اب مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائیں البتہ اس کو معاف کرنے کا حق اب مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں۔

ہم قبل ازیں دلائل دے چکے ہیں کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا قتل ہے اور اس میں آپ ﷺ کے حق کو فوقیت حاصل ہے اور معاف کرنا یا نہ کرنا آپ ﷺ کے اختیار میں ہے جس طرح کوئی شخص توہین کرنے والے کو سزا دینے یا معاف کرنے کا حق ہے۔

کیا قذفِ میت کی کوئی شرعی سزا ہے؟

یہ مسئلہ دو مقدموں پر مبنی ہے

مقدمۂ اوّل:

میت پر بہتان باندھنا موجب سزا ہے مگر ابوبکر بن جعفر صاحب خلال اس طرف گئے ہیں کہ قذفِ میت کی کوئی حد نہیں کیونکہ اس کا مطالبہ میت کے زندہ ورثاء کرتے ہیں حالانکہ ان پر بہتان نہیں باندھا گیا بلکہ یہ بہتان میت پر ہوتا ہے اور قذف کی سزا مطالبہ کے بعد ہی قائم کی جا سکتی ہے جبکہ میت کی طرف سے اس کا مطالبہ دشوار اور متعذر ہے۔

اکثر علماء قذفِ میت کی سزا حد ثابت کرتے ہیں لیکن بعض فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حد اس وقت متحقق ہوگی جب یہ بہتان

اور گالی گلوچ زندہ شخص کے نسب میں قدح پر مشتمل ہو۔ یہ حنفیہ اور بعض حنبلی علماء کا قول ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سزا کے نفاذ کے مطالبے کا حق میت کے والد اور اولاد کو ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ حدِ قذف مطلقاً ثابت ہوگی یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا تمام ورثاء اس سزا کے نفاذ میں وارث ومجاز ہوں گے یا ان ورثاء میں زوجین کا استثناء ہوگا کہ ان میں سببِ ارث باقی ہے یا صرف عصبات کہ وہ عمود نسب میں شریک ہوتے ہیں؟

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس سوال کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

مقدمہ دوم:

قذف میت کی سزا صرف ورثاء کے مطالبہ پر دی جاسکتی ہے علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے نفاذ کے لیے تمام ورثاء یا بعض ورثاء کی طرف سے مطالبہ ضروری ہے پھر وہ ورثاء اس مطالبہ سے دستبردار ہوجائیں تو اکثر علماء کے نزدیک یہ سزا ساقط ہوجائے گی۔

اس مسئلہ کی رو سے تو چاہیے کہ قذف نبی ﷺ کی سزا بھی ساقط ہوجائے کیونکہ آپ ﷺ نے کسی کو اپنا وارث نہیں ٹھہرایا اور گویا یہ قذف اس شخص کا ہوا جس کا کوئی وارث نہ ہو پس اس صورت میں اکثر علماء کے نزدیک حدِ قذف لاگو نہ ہوگی یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض ہاشمی یا قریشی اس کا مطالبہ کریں تو سزا لگائی جائے گی۔

رسول ﷺ کی اہانت اور عام آدمی کے بہتان میں فرق

مذکورہ بالا سوال کا جواب تین وجوہ سے ہے۔

وجہِ اوّل:

ہم نبی اکرم ﷺ کی اہانت اور قذف کو ایسا قذف قرار نہیں دیتے جس کی سزا مطالبہ کے بغیر نہ دی جاسکے یہ سب وشتم کی ایسی صورت ہے جس کا جرم ہونا قطعی طور پر معلوم ہے جیسے کوئی شخص بعض اعیانِ امت کو کفر، جھوٹ یا جھوٹی شہادت کی طرف منسوب کرے یا ان کو صریح گالی دے تو ہمارے علم کے مطابق کسی عالم کا اختلاف منقول نہیں کہ اس گستاخ کو جرمِ اہانت پر سزا دی جائے گی دراصل یہ صاحبِ فضیلت شخص کی نصرت حمایت اور اس کی عزت کی حفاظت ہے اور حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی سے ڈانٹنے اور جھڑکنے کا عمل ہے جیسے کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیائے کرام یا علماء کی اہانت کرے تو اس کو سزا دینا لازم ہے۔

وجہِ دوم:

حضورِ انور ﷺ کو گالی دینا ساری اُمتِ محمدیہ کو گالی دینا ہے اور اس کے دین میں طعن کرنا ہے کیونکہ اس سب وشتم سے اہلِ اسلام کو شدید عار لاحق ہوتی ہے بخلاف ساری امت کو زنا کی تہمت لگانے سے، کیونکہ اس کا جھوٹ ہونا بداہتاً ثابت ہے اور اس سے بعض نفسوں میں شبہ واقع ہوتا ہے جب کوئی شخص تمام اہلِ ایمان کو ایسی اذیت دے جو کہ موجبِ قتل ہو اور وہ ایسا حق ہے جس کا مطالبہ کرنا اہلِ ایمان پر واجب ہے کیونکہ اقامتِ دین کی ذمہ داری اہلِ ایمان پر ہے اس صورت میں ان پر بہتان باندھنا قذف میت کے مشابہ ہے جس میں زندہ شخص کے نسب میں قدح کرنا ہے پھر اس سزا کا نفاذ ضروری ہے۔

اس سے نبی اکرم ﷺ کے درمیان اور دیگر افراد کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ عام وصال یافتہ لوگوں کے قذف کا ضرر دوسرے لوگوں تک متعدی نہیں ہوتا۔ پھر جب سزا کا مطالبہ متعذر ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ حضور پر بہتان کی سزا نہ دی جائے گی لیکن یہاں یہ بہتان فسادِ دین کا باعث ہے اور اس جرم سے اُمتِ محمدیہ کو نقصان پہنچتا ہے ورنہ حضور ﷺ کو اس بکواس سے قطعاً کوئی ضرر نہیں ہوتا۔

اس سے نبی اکرم ﷺ اور دیگر افرادِ امت کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے کہ قذف غیر کی سزا کا حق اس کے ورثاء کے لیے ثابت ہے کیونکہ گستاخی کی وجہ سے میت کو عار ہوتی ہے یا اس کے وارثوں کو، اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی سے ساری امت کو عار لاحق ہوتی ہے اس میں ہاشمیوں اور غیر ہاشمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ امت میں سے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے جس قدر زیادہ محبت رکھتا اور زیادہ عزت وتوقیر اور اتباع کرتا ہے اتنا ہی وہ اس ضرر اور اذیت میں سے زیادہ حصہ حاصل کرتا ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس میں کوئی خفا نہیں اور یہ جب ساری امت کے لیے ثابت ہے تو اس سزا کا نفاذ بھی ان کے لیے ضروری ہے افرادِ امت کسی صورت اس سزا کو معاف کرنے کے مجاز نہیں کیونکہ یہ ایک دینی ذمہ داری ہے اور سزا دینا دنیاوی حق کی بناء پر نہیں بخلاف کسی رشتہ دار کے کہ اس کا بدلہ لینا حظِ نفس اور دنیاوی وجہ سے ہوتا ہے اور ورثاء اس حق کو چھوڑ سکتے ہیں کہ جبکہ حقِ رسول کا تعلق اہلِ ایمان کے دین سے ہے لہٰذا اس کو معاف کرنا حدودِ خداوندی اور ہتکِ عزت کو معاف کرنے کے مترادف ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا کوئی مورث نہیں لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ناموسِ رسول اللہ ﷺ کا حق اہلِ بیت عظام سے خاص ہے دوسروں کو اس حق سے تعلق نہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا مالی حق اہلِ بیت سے مختص نہیں اس لیے ہر مسلمان پر حقِ رسول کی ادائیگی کا مطالبہ واجب ہے کیونکہ یہ آپ کی مدد اور تعظیم کی جنس سے ہے اور کوئی مسلمان یا معاہد کسی نبی کو قتل کر ڈالے تو امت پر لازم ہے کہ اس کے قاتل سے بدلہ لے، اس سلسلہ میں خونِ پیغمبر کا حق اس کے کسی ظاہری وارث کے سپرد کرنا درست نہیں کہ وارث چاہے تو قاتل کو سزا دے دے اور چاہے تو دیت لے کر یا بلا دیت معاف کر دے امت کے لیے جائز نہیں کہ وہ قاتل کو زندہ چھوڑے کیونکہ یہ فساد کی سب سے بڑی قسم ہے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ قاتل توبہ کرے یا اسلام لے آئے تو خونِ پیغمبر کا حق ساقط ہو جائے کیونکہ مسلمان جرمِ ارتداد کا ارتکاب کرے یا معاہد عہد شکنی کر کے کسی مسلمان کو مار ڈالے تو اس پر قود لازم ہو گی جرمِ ارتداد اور نقضِ عہد کے ساتھ کوئی اور جرم شامل ہو جائے تو اس سے سزا کم نہ ہو گی میرے خیال میں کسی عالم نے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی کا قتل جرمِ ارتداد اور عہد شکنی کو شامل ہے اور نبی کی عزت وحرمت اس کے خون کی طرح ہے پس یہاں ہتکِ عزت کی سزا قتل ہے اور جو مسلمان یا معاہد اس جرم کے مرتکب ہوں گے تو ان پر یہ سزا واجب ہو گی۔

اٹھارواں طریقہ:

اہانتِ رسول ﷺ کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حق سے ہے۔ یہ قاضی ابو یعلیٰ کا نکتۂ نگاہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اہانت کا معاملہ دو حقوں سے وابستہ ہے یعنی حق خداوندی سے اور حقِ آدمی سے، جہاں تک حقِ خداوندی سے تعلق ہے تو یہ بالکل ظاہر ہے یعنی اہانتِ رسول دراصل پیغام کتاب الٰہی اور دینِ خداوندی میں قدح ہے۔

رہا حقِ آدمی تو وہ بھی ظاہر اور واضح ہے کہ گستاخ نے اس جرم کے ذریعے نبی کے پاکیزہ دامن پر غلاظت پھینکنے کی جسارت کی اور عار لاحق کرنے کی کوشش کی، اور اصول یہ ہے کہ سزا کیساتھ جب اللہ تعالیٰ کا اور بندے کا حق متعلق ہو تو وہ سزا توبہ سے ساقط نہ ہوگی جیسے محاربہ کی سزا ساقط نہیں ہوتی پس حق کو ضائع کرنے والے کو حتمی طور پر قتل کیا جائے گا پھر اگر مجرم دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ساقط ہو جائے گا یعنی قتل وصلب کی سزا حتمی نہیں رہے گا مگر حقِ آدمی (یعنی قود) ساقط نہ ہوگا یہی مسئلہ یہاں ہے۔

ایک سوال: اگر یہ کہا جائے کہ یہاں اللہ کا حق غالب ہے لہٰذا اگر رسول اللہ ﷺ اس جرم کو معاف بھی کر دیں تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی؟

جواب: قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں بحث کی گنجائش ہے کہ چونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے اس لیے حضور ﷺ کے معاف کر دینے سے اس کی سزا ساقط نہ ہوگی اس لحاظ سے یہ عدت کی مانند ہے کہ اگر شوہر اپنا حق ساقط بھی کر دے تو حقِ خداوندی کی جہت سے عدت ساقط نہ ہوگی مگر یہ اس کی دلیل نہیں کہ اس میں آدمی کا کوئی حق نہیں اہانت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قاضی ابویعلیٰ کو اس مقام پر تردّد ہوا دوسری جگہ انہوں نے قطعیت کے ساتھ کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے دائرہ اختیار میں تھا کہ آپ ﷺ جرم اہانت کو معاف کر کے قتل کی سزا ساقط کر سکتے تھے اس سلسلہ میں قاضی ابویعلیٰ نے ایک انصاری اور حضرت زبیر بن عوام کے جھگڑے کا ذکر کیا حضور ﷺ نے جب حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ کیا تو انصاری نے کہا آپ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ اس لیے کیا کہ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔

اس وقت انصاری کا لہجہ گستاخانہ تھا جس سے سزا واجب ہوتی تھی مگر حضور نے اس کو سزا نہ دی۔

ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درشت کلامی کی مگر انہوں نے اس کو سزا نہ دی اس لیے قاضی کہتے ہیں۔

''یہاں تعزیز آدمی کے حق کی وجہ سے ہے''۔ مذکورہ بالا واقعات میں نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر افتراء کیا گیا اس قسم کے مجرم کو سزا دینا حضور کے اختیار میں تھا اور سزا معاف کر دینا بھی۔ ابن عقیل کہتے ہیں۔

اس شخص نے نبی اکرم ﷺ سے ایسی بات کے ساتھ تعرض کیا جو سزا کو مقتضی تھی اور شرعی حق کی بناء پر تعزیز کرنا ضروری تھا اور نبی اکرم ﷺ نے اس انصاری کے کھیت سے پانی روک کر اس کو تعزیز کی اور یہ ایک طرح کی بے عزتی تھی۔

ہمارے نزدیک مالی سزائیں باقی ہیں منسوخ نہیں ہوئیں اور ہر ایک کو جسمانی سزا دینا متعین نہیں۔

امام ابن عقیل کا یہ قول تین چیزوں کو شامل ہے۔

1۔ قول سے تعزیز واجب ہوتی ہے سزائے قتل نہیں

2۔ یہ شرعی حق ہے اس لیے حضور کو معاف کر دینے کا حق نہیں

3۔ آپ نے پانی روک کر انصاری کو تعزیز کی۔

مگر یہ تینوں وجوہات کمزور ہیں صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو معاف کر دینے کا قطعی حق حاصل تھا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں اس پر دلالت ہے اور ہم نے اس مفہوم پر روشنی ڈالی ہے جو اس طریقہ کی مؤید ہے۔

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے شاتموں اور موذیوں کو ایسے مواقع پر سزا دی جہاں حقوق اللہ ساقط ہو جاتے ہیں ہاں نبی اکرم ﷺ کو وصال شریف کے بعد سب وشتم کرنا کسی صورت توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس طریقہ پر اہانت خداوندی اور اہانتِ رسول ﷺ میں واضح فرق ہے وہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کا حق ہے ایسے جرم میں توبہ سے آدمی کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ جیسے محاربہ میں قتل کی سزا ہے۔

انیسواں طریقہ:

ہم پہلے بیان کر چکے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں میں سے عبد اللہ بن ابی سرح کے قتل کا ارادہ فرمایا حالانکہ وہ تجدید ایمان اور توبہ کے بعد آیا تھا آپ ﷺ نے انس بن زنیم کا خون رائیگاں قرار دیا یہاں تک کہ بعد میں سفارش کی وجہ سے اس کو معاف کر دیا ابوسفیان بن حارث اور عبد اللہ بن امیہ سے اعراض فرمایا حالانکہ وہ دونوں مسلمان ہو کر اور ہجرت کر کے آئے تھے یونہی آپ ﷺ نے گستاخ عورتوں کو قتل کیا حالانکہ وہ لڑائی میں شریک نہ تھیں اور مطیع وفرمانبردار بن کر آئی تھیں یہ سب مجرم مرتد یا معاہد نہ تھے بلکہ حربی تھے ان پر عدم اہانت کی پابندی نہ تھی۔

پھر جو شخص اس شرط پر ایمان یا عہد امان اختیار کرے کہ جرمِ اہانت کا مرتکب نہ ہوگا پھر اس جرم کا مرتکب ہو بعد ازاں توبہ کرے اور اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہو تو کیا اس کا اسلام قبول کرنا ضروری ہے؟ اور اس سے ہاتھ روکنا چاہیے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ اس کا اسلام تسلیم کرنا اور ہاتھ روکنا ضروری ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب وہ تائب ہو کر اسلام لانے کی غرض سے آئے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے اور ہر وہ شخص جس کا قتل جائز ہو اور وہ مسلمان ہو کر آئے تو اس کے باوجود اس کا قتل جائز ہے ہمارے علم کے مطابق فقہاء میں سے کسی نے اس کے قتل کے جواز میں فرق نہیں کیا کیونکہ ارادہ اسلام میں داخل ہونے کا پہلا مرحلہ ہے، جیسے توحید ورسالت کی شہادت اسلام میں داخل ہونے کا پہلا قدم ہے۔

یہاں ایک خوبصورت نکتہ ہے وہ یہ کہ ابنِ ابی امیہ اور ابوسفیان اپنے کفر پر قائم رہے ان کے قصہ میں یہ وضاحت نہیں کہ حضور نے ان کی آمد کے بعد ان کے قتل کا ارادہ فرمایا اس قصہ میں صرف یہ ہے کہ آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور یہ سزا کی ایک صورت ہے۔

جہاں تک ابنِ ابی سرح کا معاملہ ہے اس کے خون کی اباحت میں نص موجود ہے کیونکہ اس نے آ کر بیعت طلب کی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ابنِ ابی سرح مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا اس نے نبی اکرم ﷺ پر افتراء کیا کہ وہ حضور ﷺ کے لیے قرآن لکھتا اور اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرتا تھا اس لیے ان لوگوں میں شامل تھا جو اہانتِ رسول کے باعث مرتد ہوئے اور جو اس طرح مرتد ہو نبی ﷺ اس کو توبہ کا موقع دیئے بغیر قتل کرنے کے مجاز تھے یونہی اس کو معاف کرنے کے مختار بھی تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد گستاخ کا قتل حتمی ہو گیا۔

حدیث ابن زنیم میں ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا مگر اس کا خون مباح اور رائیگاں قرار دیا گیا پھر اس کے معاملہ میں سفارش کے لیے رجوع کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔

یہی صورت ہے ان عورتوں کی، جن کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عورتوں نے معاہدہ کے بعد آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور عہدِ ذمہ توڑ دیا۔ تو ان سے دو کو قتل کر دیا گیا اور تیسری کا خون معصوم نہ قرار دیا گیا یہاں تک کہ بعد میں اس کے لیے امان طلب کی گئی۔ اگر اس کا خون صرف اسلام سے معصوم ہوتا تو امان حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ طریقہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آئے تو اس وقت اس کا قتل جائز ہے تو جو اسلام لاکر حاضر ہو تو اس کا قتل بھی جائز ہے کیونکہ جس شخص کا خون سوائے معافی اور امان کے معصوم نہ ہو اسلام لانے سے اس کا خون معصوم نہیں ہوسکتا اس کا بیان قبل ازیں ہو چکا ہم نے یہاں خاص مأخذ ہونے کی وجہ سے ذکر کیا۔

بیسواں طریقہ:

نصوص میں ایک حالت اور دوسری حالت کے درمیان فرق نہیں

نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار علی الاطلاق گستاخِ رسول ﷺ کے قتل پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں استتابت (توبہ طلب کرنے) کا حکم نہیں، نہ اسلام لانے کا استثناء ہے جیسا کہ شادی شدہ زانی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطلق روایات آئی ہیں۔ اگر کسی خاص حالت کا استثناء ہوتا اس کی لازماً وضاحت کی جاتی کیونکہ مجرم سے شانِ رسالت ﷺ میں اہانت کا جرم صادر ہوا اس لیے اسی جرم پر سزائے قتل کا معلق کیا گیا، اور کوئی حدیث یا روایت ہم تک اس کے معارض نہیں پہنچی بخلاف حضور ﷺ کے ارشاد کے کہ

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ — جو شخص دین (اسلام) بدل لے تو اس کو قتل کر دو

کیونکہ دین بدلنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو تبدیلی دین پر قائم رہے نہ کہ وہ جو دینِ حق کی طرف لوٹ آئے یہی مفہوم ہے تارکِ دین اور مفارقِ جماعت کا جب وہ دین اور جماعت کی طرف لوٹ آئے تو اس کو تارکِ دین اور مفارقِ جماعت نہ کہیں گے البتہ جب مسلمان یا معاہد جرمِ اہانت کا مرتکب ہو پھر توبہ کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گستاخی نہیں کی۔ یہ وصف (اہانت) اس پر واقع ہوگا خواہ توبہ کرے یا نہ کرے جیسے اس وصف کا وقوع زانی، چور اور قاذف وغیرہ پر ہوتا ہے۔

اکیسواں طریقہ

کیا مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق ہے؟

ہم نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ مسلمان جب اہانتِ رسول کا مرتکب ہو تو قتل کیا جائے خواہ توبہ کرے ذمی کا یہی حکم ہے فرق اتنا ہے کہ اس مسلمان کا منافق یا مرتد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اس پر شرعی حد لاگو ہوتی ہے یہی صورت ذمی کی نقض ہے

کیونکہ اس کا اظہار اسلام ایسا ہی ہے۔ جیسے ذمی کا عہدِ ذمہ ظاہر کرنا۔ پس جب وہ عہد وامان میں سچا نہ ہوگا تو اسلام وایمان میں سچا متصور نہ ہوگا اور معاہد ہونے کی صورت میں اس پر دیگر حدود کی طرح شرعی حد واجب ہوگی۔

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ جرمِ اہانت میں مسلمان گستاخ کو قتل کرنا اولی ہے تو ان کا یہ نکتۂ نگاہ اس قول کے معارض ہے کہ ذمی کو قتل کرنا اولی ہے ان علماء کی دلیل یہ ہے کہ ذمی کا خون، خون مسلم سے قدر و قیمت میں کم تر ہے پھر جب بحیثیت ذمی اس پر کسی سبب سے قتل واجب ہو تو اسلام لانے سے سزائے قتل واجب نہ ہوگی۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ ذمی کا خون صرف جرمِ اہانت سے مباح ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے کہ اس کے خون کی حرمت ہے اور اہانت کے باعث اس سے غلطی کا صدور ہوا پھر جب وہ گستاخی سے تائب ہو کر اسلام کی طرف رجوع کرے گا تو خون کو معصوم قرار دینے والا وصف ثابت ہو جائے گا اور اس کی اباحت کا وصف کمزور ہو جائے گا مگر ذمی کا خون مباح کرنے والا وصف محقق وثابت ہے اور خون کو معصوم بنانے والا وصف واجب سزا کو ختم نہیں کرے گا اس لیے ذمی کا قتل زیادہ قوی ہوگا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ مسلمان اگر منافق ہو تو صرف گستاخی پر اقتصار نہیں کرے گا بلکہ س سے کفری کلمات کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ بخلاف ذمی کے، کہ اس کے کفر پر کوئی دلیل طلب نہیں کی جائے گی البتہ محاربہ اور فساد انگیزی پر دلیل کا مطالبہ ہوگا اور گستاخی اس حقیقت پر سب سے واضح دلیل ہے۔

<u>بائیسواں طریقہ</u>

جرمِ اہانت کی سزا اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگی

یہ جرمِ اہانت مخلوق کے حق سے متعلق ہے، جس کا معاف ہونا معلوم نہیں اس لیے اسلام لانے سے مجرم کی سزا ساقط نہ ہوگی جیسے عام مسلمانوں کے حق میں گستاخی کا معاملہ ہے بلکہ نبی ﷺ کی اہانت اس سے بڑھ کر جرم ہے کیونکہ ذمی اگر کسی مسلمان یا معاہد کو گالی دے پھر اسلام لے آئے تو اس کو اس جرم پر سزا دی جائے گی جیسے اسلام لانے سے پہلے سزا دی جائے گی اگر یہ گستاخی مسلمان کرے تو اس کا یہی حکم ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ قاذف اور شاتم جب کسی پر بہتان باندھے اور کیس عدالت میں چلا جائے پھر وہ توبہ کرے تو اس کو پوری سزا دی جائے گی۔ اس سزا کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ قاذف نے مقذوف کے ساتھ عار لاحق کی حالانکہ زنا پوشیدہ معاملہ ہوتا ہے، قاذف واجب تہمت باندھتا ہے تو لوگ اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ ثابت ہونے کے بعد عار بہت بڑی ہے کیونکہ جب کوئی قتل کا الزام لگائے تو مقتول کے وارثوں کو مطالبہ سزا کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ قذف اور تہمت بازی دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو تہمت لگانے والے کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے یا اہلِ حق متہم شخص کی بے گناہی کا اظہار کر دیتے ہیں یا صلح یا کسی اور وجہ سے اس کا بے گناہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے کہ اس پر عار کا اثر باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح کفر کی تہمت لگانا ہے کہ اظہارِ اسلام سے کفر کی تہمت لگانے والے کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے اس الزام

کا نقصان صرف تہمت لگانے والے کو ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر اس قسم کی تہمت بازی شدید عار کا باعث ہے کیونکہ گستاخ کی ہر گستاخی نبوت میں طعن کو متضمن ہے یہ ایک پوشیدہ وصف ہے اس لیے گستاخ جب گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ خوف سے ہوتی ہے۔ جس سے عار کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ جس طرح قاذف توبہ کرے تو مقذوف کی عار ختم نہیں ہوتی اس لیے اس کی سزا ساقط نہیں کی جاتی یہی حکم ہے شاتمِ رسول کی سزا کا۔

ایک اعتراض:

اللہ تعالیٰ نے صدق نبوت کے لیے جو آیات و براہین ظاہر فرمائے ان سے گستاخی اور اہانت کی عار زائل ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ ان الزامات سے بری اور منزہ ہیں بخلاف مقذوف بالزنیٰ کے۔

جواب: اس صورت میں تو لازم آتا ہے کہ اگر کوئی حضور ﷺ کی حیاتِ پاک میں آپ پر (معاذ اللہ) زنا کا بہتان لگاتا تو اس پر حدِ قذف نافذ نہ کی جاتی حالانکہ یہ دلیل ساقط ہے کیونکہ اس سے تو یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ اس سے مرتد اور عہد شکن ہونے والے اور کسی اور جرم سے ارتداد (عہد شکنی) کرنے والے یکساں ہوں، یہ نکتۂ نگاہ کتاب و سنت اور سلفِ امت کے نکتۂ نگاہ کے خلاف ہے پھر تو اس سے یہ بھی لازم آئے کہ دیوانگی اور افتراء پردازی میں مشہور شخص جب کسی مشہور پاکیزہ صفت شخص پر بہتان باندھے تو اس پر حد قائم نہ کی جائے یہ سب فاسد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے گالی گلوچ اور قذف کی تاثیر سے اہلِ دانش کے دلوں میں خوف پیدا نہیں ہوتا بلکہ کم عقلوں اور بیمار دلوں میں اس کی تاثیر کا خوف رہتا ہے۔ پھر جب ایک عالم سنتا ہے کہ افتراء طراز اس پر بلانکیر جھوٹ بولتا ہے تو اس کی نظر میں اس کی عزت کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تو اس کو (حق کے معاملہ میں) شبہ سا ہونے لگتا ہے کیونکہ دل بہت تیزی سے الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں۔

حدِ قذف مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عزت و آبرو اس قسم کی غلاظتوں اور فحاشیوں سے محفوظ ہو، پس ایسی سزا کا مشروع ہونا اولیٰ ہے جس سے نبی ﷺ کی عزت و حرمت اس طرح کی گندگیوں سے پاک اور محفوظ ہے اس سب و شتم اور قذف کی سزا قتل ہے کیونکہ یہ ایک بہت بڑا جرم ہے۔ جس کا اثر بہت برا ہے اور اگر اس کا یہی اثر ہو کہ اس سے عزت و حرمت میں کمی ہو یا کسی کے دل میں خرابی پیدا ہو یا اس کے دل میں شبہ لاحق ہو تو ایسے گستاخانہ کلمات ضرور موجبِ قتل ہوں گے بخلاف عام لوگوں کی ہتکِ عزت کے کہ اس سے ایسی خرابیاں لاحق نہیں ہوتیں عنقریب اس وہم کا جواب آتا ہے کہ جرمِ اہانتِ رسول ﷺ اور اہانت غیر رسول کے درمیان توبہ کے ذریعے حد کے ساقط ہونے میں کیا فرق ہے۔

تیسواں طریقہ

ہر وہ سزا جو کفر سے بڑھ کر ہو اور ذمی پر واجب ہو وہ اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی۔

تیسواں طریقہ یہ ہے کہ ذمی جب جرمِ اہانت کا ارتکاب کرے تو اس کا قتل جائز غیر واجب ہوگا یا واجب ہوگا پہلی صورت تو ان دلائل کی وجہ سے ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیے۔ کیونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ایسی سزا واجب ہے۔ پھر جب یہ سزا واجب ٹھہری

توہر قتل جو ذمی پر واجب ہو بلکہ سزا جو کفر سے زیادہ سنگین جرم ہونے کی وجہ سے ذمی پر واجب ہو وہ اسلام لانے سے ہرگز ساقط نہیں ہوتی۔

یہی ایک جامع ضابطہ اور جلی قیاس ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مجرم کو زنا، رہزنی اور مسلمان یا ذمی کو قتل کرنے کے جرم میں قتل کرنا ضروری ہے اور ایسی واجب سزا اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگی۔ اس سے گستاخ کی سزائے قتل اور حربی اصلی کے قتل یا مجرد عہد شکن کے قتل کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا کیونکہ دوسری صورت میں سزائے قتل واجب اور متعین نہیں اس سے اس جرم اور بوجہ اسلام جزیہ ساقط ہونے کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا یہ اکثر فقہائے اسلام کا نکتۂ نگاہ ہے کیونکہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی وجہ سے لاگو ہوتا ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک یہ حفاظتِ خون کا معاوضہ ہے۔

سببِ ماضی کا موجب توبہ کے بعد بھی باقی رہتا ہے

گزشتہ سبب کے باعث واجب سزائے موت توبہ کرنے یا اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی جس طرح جرم زنا اور ڈکیتی سے لازم ہونے والی سزائے قتل ساقط نہیں ہوتی اس کے برعکس قتل کی وہ سزا ہے جو سببِ حاضر سے ثابت ہو خواہ اس کا سبب کفرِ قدیم ہو یا کفرِ جدید، یعنی اصلی کفر ہو، یا طاری کفر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگاتا ہے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی۔

اس روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اس بدبخت کو ماضی کی اذیت کے باعث قتل کرنے کا حکم دیا اس میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا۔

فَاِنَّهٗ يُؤْذِىْ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتا ہے

اسی طرح گزشتہ آثار میں دلالت ہے کہ جرم اہانت موجب قتل ہے اور سب وشتم ایسا کلام ہے جو دائی اور باقی نہیں بلکہ وہ ماضی کے افعال مثلاً قتل اور زنا کی مانند ہے اور جو فعل ایسا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے فاعل کو سزا دی جائے بخلاف جرم ارتداد یا کفر اصلی کے جرم ارتداد یا کفر اصلی کے مرتکب کو اس لیے قتل کیا جاتا ہے کہ اس کا فعل بوقتِ قتل موجود ہوتا ہے کیونکہ کفر اعتقاد ہے اور اعتقاد دل میں موجود رہتا ہے جو قول یا فعل سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر جب وہ ظاہر ہو جائے تو اصل اس کی بقا ہے اس لیے بوقتِ سزا یہ اعتقاد دل میں باقی ہوگا اور یہ وجہ محقق اور ثابت ہے اور اس کا مبنی یہ ہے کہ گستاخ کا قتل "مجرد ارتداد اور اضرار" یہ اصل ایسی صورت پر ثابت ہے کہ اس میں کسی عقل مند کو شبہ نہیں ہو سکتا۔

پچیسواں طریقہ:

اہانت رسول ﷺ ایک اذیت ہے جو سزائے قتل کو واجب کرتی ہے۔ اس لیے توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

اس سزائے قتل کا تعلق اہانتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہے اس لیے گستاخ کے اسلام لانے سے یہ سزا ساقط نہ ہوگی یہ جرم ایک

نبی کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ کوئی مسلمان یا معاہد اگر کسی نبی کو قتل کرے پھر اسلام لانے کے بعد قتل یا دیت کے ساتھ معافی کی سزاؤں میں سے ایک سزا دے جس طرح وہ لاوارث کے قاتل کے معاملہ میں اپنی صوابدید سے کام لے سکتا ہے کیونکہ نبی کا قتل محاربہ اور زمین میں فساد انگیزی کی بہت بڑی صورت ہے گستاخ اس جرم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا مرتکب ہوا اور جو شخص حکم رسول ﷺ کے مقابل آجائے وہ زمین میں فساد انگیزی کے لیے کوشاں ہے پس جو بالفعل لڑائی کرے یا نبی کو قتل کرے تو اس کا محاربہ اور فساد فی الارض کی کوشش سنگینی میں بڑھ کر ہے اور یہ کفر اور عہد شکنی کی بہت بڑی قسم ہے خواہ ایسا مجرم یہ دعویٰ کرے کہ اس نے نبی ﷺ کو حلال جان کر قتل نہیں کیا (جیسا کہ ابن راہویہ کا قول ہے) اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بالکل واضح اور صاف صورت ہے پھر جب محارب کا قتل واجب ہو جائے خواہ وہ مسلمان ہو جائے تو سزا دینا لازم ہے یونہی گستاخ کو قتل کرنا ضروری ہے کیونکہ دونوں مجرم اذیت رسول کے مرتکب ہوئے معاہد گستاخ کا قتل اس لیے واجب نہیں کہ اس نے مجرد ارتداد یا عہد شکنی کی۔ بلکہ اس کا جرم مستقل نوعیت کا ہے اس لیے اس کو دوسرے جرم کے مرتکب شخص کو سزا دینے یا دیت لے کر معاف کرنے کا حق ہوتا ہے مگر یہ جرم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ اور فساد انگیزی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں قتل نفس کی سزا کا مرتبہ اس کے بعد ہے کیونکہ یہ بدترین کفر ہے۔

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اہانت رسول ﷺ کی سزا اسلام لانے سے ساقط ہو جاتی ہے تو اس کے لیے تو ایسے مجرم کی مانند ہوگا جو کسی لاوارث شخص کا قاتل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتداد اور عہد شکنی کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی پھر مجرد قصاص کی صورت باقی رہی۔ جیسا کہ بعض کا نکتۂ نگاہ ہے کہ نبی کا قاذف اسلام قبول کرے تب اس کو اسی کوڑوں کی سزا ملے گی یا یہ کہیں کہ

''اس سے قود (بدلہ) مکمل طور پر ساقط ہو جائے گا جیسا کہ نبی پر الزام تراشی اور گستاخی کی سزا بالکلیہ ساقط ہو جائے گی۔

نیز یہ دعویٰ کریں کہ گستاخی کی سزا کفر کی سزا میں مدغم ہو گئی خصوصاً ان کی رائے میں اگر گستاخی کا صدور کافر ذمی سے ہو تو اس کا قتل حلال ہے اور اس کے ساتھ دشمنی جائز ہے۔

یہ قول کس قدر قبیح اور تعجب خیز ہے؟ اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ اس سے خون انبیاء کا انتقام لینے میں تاخیر ہوتی ہے نیز عام انسانوں کا خون مرجح قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بنی اسرائیل کی ذلت مسکنت اور عذاب کا باعث بنا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان شدید خونریزی ہوئی۔ ان کے اموال غارت ہوئے۔ حکومت گئی بچے، قیدی بنے اور قیامت تک اسے ان کو زیردست بنایا گیا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کسی نبی کو قتل کرے، اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

یہ خاص کا عام پر عطف ہے جب یہ باطل ہے تو اس کی نظیر بھی باطل ہوگی کیونکہ نبی کی ایذاء یا تو عموم کفر اور جرم عہد شکنی کے تحت مندرج ہے یا اذیت رسول ﷺ اور اذیت غیر رسول ﷺ کو یکساں قرار دیا جائے گا یا اذیت رسول خاص سبب ہونے کی وجہ سے موجب قتل ٹھہرے گی۔ پہلی دونوں صورتیں باطل ہیں اس لیے تیسری صورت متعین ہوگئی اور جب جرم اہانت سے یہ سزا لازم

ہوگئی تو اس کا وجوب بغیر کسی قید کے ہوگا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں منشائے شبہ قیاس فاسد ہے مراد یہ ہے کہ دو مختلف اور متباین امور کو یکساں خیال کرنا یعنی نبی اور غیر نبی کو جان اور عزت و آبرو کے مسئلہ میں ایک جیسا قرار دینا، یہ ایسی حقیقت ہے جس کا بطلان واضح اور بدیہی ہے اس بکواس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس لیے کہ جو شخص گستاخ کا قتل ارتداد یا نقض عہد کی وجہ سے لازم ٹھہراتا ہے اور اس کو اذیت کا اثر قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک عام وصف کفر ہی مؤثر ہے اس صورت میں اذیت کا خصوصی سبب مؤثر نہ ہوگا یا نبی اور غیر نبی کو ایک ہی مقام دیا جائے گا۔

وَهٰذَا كَلَامُ مَنْ لَمْ يَرَ لِلرَّسُولِ حَقًّا يَزِيْدُ عَلٰى مُجَرَّدِ تَصْدِيْقِهِ فِي الرِّسَالَةِ وَسَوّٰى بَيْنَهُ وَ بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْمَا سِوَى هٰذَا الْحَقِّ

یہ اس بدبخت کا کلام ہوسکتا ہے جو رسول ﷺ کے لیے مجرد تصدیق رسالت سے بڑھ کر کوئی حق نہیں جانتا اور اس حق کے علاوہ نبی اور اہل ایمان کو ایک ہی مرتبہ پر سمجھتا ہے

یہ خبیث کلام ہے جو کم فہمی سے صادر ہوا یہ ایک شعبہ نفاق کی طرف لے جاتا ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ آخر کار نفاق اکبر پہ منتج ہوگا۔ اس کا مدعی نفاق اکبر ہی کا حق دار ہے اور فقہاء میں سے جو اس کا قائل ہو تو اس کے اس ناپسندہ قول سے وابستہ نہ رہنا چاہیے کیونکہ فقیہ ایسی بکواس نہیں کرسکتا، وجہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا مقام ان کے سینوں میں اس سے کہیں ارفع اور بڑا ہے کہ وہ اس قسم کا کلام منہ سے نکالیں اس قول کے فاسد ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں رسول ﷺ اور غیر رسول ﷺ کے مقام میں فرق نہیں کیا جاتا یہ اس کی حقیقت ہے ورنہ جو شخص ایمان بالرسول لانے کے ساتھ رسول ﷺ کے بے شمار حقوق کا عقیدہ رکھتا ہے اس کے لیے کیسے جائز ہے کہ ایذائے رسول ﷺ کو (باعتبار سزا) غیر مؤثر جانے اور اس مسئلہ میں نبی اور غیر نبی ﷺ کو برابر سمجھے کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کی اہانت کرے اور اس کو اذیت دے تو اس کی سزا وہی ہے جو دوسرے کے باپ کی گستاخی کی سزا ہے یا اس سے زیادہ سخت سزا ہے کہ اپنے باپ کے معاملہ میں حق تلفی بھی ہے اور نافرمانی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (اسراء:24-23)

تو ان سے اف (ہوں) تک نہ کہو اور انہیں نہ جھڑکو اور ان سے تعظیم کی بات کہو اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھاؤ نرم دلی سے۔

مراسیل ابی داؤد میں ابن مسیب سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ ضَرَبَ اَبَاهُ فَاقْتُلُوْهُ

جو شخص اپنے باپ کو زدوکوب کرے اس کو قتل کرو

بالجملہ یہ کسی عقل مند پر پوشیدہ نہیں کہ والدین کے حقوق بہت بڑے ہیں اس لیے زبان یا کسی اور طریقے سے ان کو اذیت دینا سخت سزا کا موجب ہے حالانکہ یہ جرم کفر نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حقوق تصدیق رسالت سے زیادہ ٹھہرائے ہیں اور ہر نوع کی اذیت حرام ٹھہرائی جو مستلزم تکذیب نہ ہو۔

تو ضروری ہے کہ ان خصوصی حقوق کی وجہ سے فعل وترک پر سزائیں مرتب ہوں یہ مسئلہ محققین کے نزدیک گویا اجماعی ہے کہ نبی اور غیر نبی کو ایک ہی مقام پر سمجھنا ممتنع ہے اور یہ ظاہر بات ہے اب رہ گیا یہ معاملہ کہ سزائے قتل ان حقوق کی جزاء ہے جن کا مقابلہ عقوق (نافرمانیوں) کے ساتھ کیا گیا۔ حالانکہ یہ بہت ہلکی سزا ہے اور آخرت کا عذاب بہت سخت ہے اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو اذیت دینے والے پر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔ اور اس کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

چھبیسواں طریقہ

جرمِ اہانت ازواجِ مطہرات سے تزویج کے مقابلہ میں کہیں بڑا جرم ہے

ہم اس سے پہلے سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حوالے دے چکے کہ جو شخص ازواجِ مطہرات سے نکاح کا جرم کرے وہ واجب القتل ہے ایسے گستاخ کا واجب القتل ہونا اس وجہ سے نہیں کہ اس نے محرمات سے وطی کا ارتکاب کیا بلکہ اس میں اذیت کا پہلو ہے اس فعل کو کفر قرار دیا جائے یا نہ دیا جائے اس کی سزا الگ سے ثابت اور متعین ہے اور یہی مقصود ہے پس گالی وغیرہ سے اذیت دنیا زیادہ سنگین جرم ہے بالفرض اس کو کفر قرار دیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس سے سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ یہ جرم ان افعال سے تعلق رکھتا ہو جو موجب قتل ہیں بعد قدرت وثبوت جرمِ توبہ سے سزا ساقط ہو جائے۔

یہ ایسی صورت ہے جس کا شریعت میں وجود نہیں اور ایسے حکم کا ثبوت درست نہیں جس کی کوئی نظیر نہ ہو سوائے نص کے، بہذا اگر اس صورت کو درست مان لیا جائے کہ اس طرح کی توبہ سے سزا ساقط ہو سکتی ہے تو زبانی توبہ کا اظہار غرض پرستوں کے لیے بہت آسان ہو کہ اس جرم کے ارتکاب کے بعد جب ان کو قابو کیا جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیں۔

پس جب اس قسم کے جرم سے سزا ساقط نہیں ہوتی تو زبانی اذیت کی سزا بطریقِ اولیٰ ساقط نہ ہوگی کیونکہ قرآنِ حکیم نے اس جرم کو بہت سخت قرار دیا ہے تقدیرِ کلام یہ ہے کہ یہ دونوں کفر ہیں پس جب ادنیٰ جرم کی سزا ساقط نہ ہوگی تو اعلیٰ جرم کی سزا بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگی۔

ستائیسواں طریقہ

گستاخِ رسول ﷺ، دشمنِ رسول ﷺ اور وہ ابتر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ (الکوثر:۳) — اے نبی تمہارا دشمن بلاشبہ ابتر ہے

بتر کا معنی ہے قطع کاٹنا، اہلِ عرب کہتے ہیں کہ بَتَرَ يَبْتُرُ بَتْرًا جب تلوار خواب تیز اور کاٹنے والی ہو تو اس کو سیف بتار کہتے ہیں اشتقاقِ اکبر میں بَتَّرَهٗ تَبْتِيْرًا ہلاک کرنے کے مفہوم میں ہے۔ بتار کا معنی ہلاکت اور خسران ہے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت

کریمہ میں واضح فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا دشمن ابتر ہے یہ حصر و تاکید کا صیغہ ہے کیونکہ کفار نے طعنہ دیا تھا کہ اولادِ نرینہ نہ رہنے سے محمد ﷺ کا ذکر کٹ جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہارا دشمن ہی ابتر اور بے نشان ہوگا' لفظ شانی سے شنان ہے جس کا معنی ہے دل کی پوشیدہ اور زبان کی ظاہری دشمنی اور یہ بہت بڑی دشمنی ہے اور ہر وہ جرم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا حق دار بنا تا ہے اگر اس کا علانیہ اظہار ہو تو اس کے مرتکب کو سزا دینا اور خدائی حد قائم کرنا ضروری ہے پس دشمنِ رسول ﷺ کو ابتر بنانا لازم ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے خواہ دسترس میں آنے کے بعد توبہ ظاہر کرے ورنہ دشمنِ رسول ابتر نہ رہے گا اگر توبہ سے اس کی سزا ساقط ہو جائے تو تلوار دیکھتے ہی فوراً تائب ہو جائے اور ایسا کرنا اس کے لیے آسان ہو۔

اس کی تحقیق و وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبتار (بے نشان ہو جانے) کو عداوت رسول پر مرتب فرمایا اور اصول یہ ہے کہ جب حکم کو اسم مشق کے ساتھ متعلق کیا جائے تو مشتق منہ اس حکم کی علت ہے اس لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی دشمنی آپ کے دشمن کے ابتر اور بے نشان ہونے کی موجب ہو، یہ مجرد کفر یا عہد شکنی کے جرم اور دشمنی سے بڑا جرم ہے اور وجوب قتل کو مقتضی ہے بلکہ اس کا تقاضا ہے کہ اصل دشمن اور اس کے اثرات کو مطلقاً ختم کر دیا جائے۔

اگر اظہارِ عداوت کے بعد بھی دشمنِ رسول کا زندہ رہنا جائز رکھا جائے تو عین و اثر کو باقی رکھنے کے مترادف ہے اور جب جرم عداوت و اہانت، دشمنِ رسول ﷺ کے عین و اثر کو ختم کرنے کا تقاضا کرتا ہے تو یہ دیگر تمام اسباب قتل کی طرح قتلِ گستاخ کو واجب ٹھہراتا ہے اور جو جرم ذمی کو قتل کرنے کا موجب ہے وہ اس کے اسلام لانے کے بعد بھی موجب ہی رہتا ہے کیونکہ مجرد کفر سے قتل کا جواز ہے وہ مطلقاً موجبِ قتل نہیں اس تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ذکرِ مصطفےٰ ﷺ کو بلند فرمایا اس لیے جہاں ذکرِ خدا ہوگا وہاں ذکرِ مصطفےٰ ہوگا اور آپ کے پیروؤں اور تابعداروں کا ذکر بھی قیامت تک بلند رہے گا یہاں تک کہ اس شخص کا ذکر بھی رفعت آشنا ہوگا جو آپ کی طرف سے دینِ حق کی تبلیغ کرے خواہ ایک حدیث ہی پہنچائے اور خواہ وہ کوئی عام فقیہ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ رسول خواہ منافق ہوں یا اہلِ کتاب یا کسی اور گروہ سے تعلق رکھتے ہوں کو بے نشان کر دیا اور ان کا تعریفی ذکر رہنے نہ دیا۔

البتہ یہ ہے کہ جب تک انہوں نے کھلی دشمنی کا اظہار نہیں کیا تو ان کے اعیان (ظاہری جسم) باقی رہے پھر جب کھلی دشمنی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ خواہ تقریراً یا تشریعاً اگر دشمنِ رسول ﷺ کو زندہ رہنے دیا جائے تو وہ مبتور نہ ہوگا کیونکہ بتر کا مطلب ہے تمام جہات و جوانب سے کاٹ ڈالنا اور بے نشان کر دینا۔

اللہ تعالیٰ نے عبرت کے لیے جو سزائیں مشروع فرمائیں مثلاً چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ وہ اظہارِ توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے بغیر عبرت حاصل نہیں ہوتی پس جو سزا اللہ تعالیٰ نے بے نام و نشان کر دینے کے مشروع فرمائی وہ مجرم کی گرفتاری کے بعد کیسے ساقط ہو سکتی ہے لفظ ابتر اس بات کا غماز ہے کہ مجرم کا کلی استیصال کیا جائے اور اس کی دشمنی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے جو جرم اس قدر شدید ہو تو اس کی سزا کا ساقط ہونا ہر سزا کے سقوط سے بعید تر ہے اور یہ مسئلہ ہر شخص کے لیے بالکل واضح ہے جو اس میں غور کرے واللہ اعلم

مخالفین کے دلائل اور ان کے جوابات

اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے کہتے ہیں کہ ''گستاخ مرتد ہے اس لیے اس سے (مرتدین کی طرح) توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

جواب: گستاخ اس مفہوم میں مرتد ہے کہ اس نے وہ کلمہ بکا جس سے وہ کافر مباح الدم ہوگیا اس کے ساتھ اس بات کا جواز وامکان بھی ہے کہ وہ رسول ﷺ کی تصدیق کرتا ہو، نبوت کا معترف ہو لیکن اصل تصدیق کا تقاضا یہ ہے وہ ادب رسول ﷺ کا لحاظ رکھے جب کلام میں گستاخی کا مرتکب ہوگا تو تصدیق کا حکم اٹھ جائے گا اور اس کا اعتراف نبوت اسی طرح ہوگا جس طرح ابلیس کا اعتراف ربوبیت کیونکہ اعتراف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ حکم خداوندی کے سامنے جھکتا۔ جب حکم ماننے سے انکار کیا تو اعتراف ربوبیت کا معاملہ ختم ہوگیا پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ایسے قول وفعل کا مظہر ہے جو تعظیم واجلال سے پھوٹتا ہو اگر اس کے برعکس استکبار اور استخفاف کا مظاہرہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا اسی طرح نبی کا قتل باتفاق علماء کفر ہے، اس لحاظ سے مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام لانے کے بعد قول یا فعل کا مرتکب ہو جو اسلام کے مناقض ہو بایں طور کہ وہ قول وفعل اسلام کے ساتھ کہیں جمع نہ ہوں اور جب صورتحال ایسی ہو تو ہر وہ شخص جس پر مرتد کا نام آئے اس کا خون اسلام سے محفوظ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں البتہ بعض مخصوص لوگوں سے توبہ کروانے کا ثبوت ہے لیکن گستاخ کو بلا مطالبہ توبہ قتل کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے گستاخوں کو بلا استتابت قتل کیا ابن اخطل مقیس بن حبابہ اور ابن ابی سرح کا خون مباح ٹھہرایا اور توبہ کی مہلت نہ دی ان میں سے دو قتل کردیئے گئے جبکہ تیسرے کو، جبکہ وہ توبہ کرکے آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

یہ نبی اکرم ﷺ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے جو اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ بعض مرتدین کو بلا مطالبہ توبہ قتل کرنے کا حکم ہے اور اگر توبہ کریں تو توبہ قبول نہ کی جائے گی البتہ جس سے صرف تبدیلِ دین یا ترکِ دین کا جرم صادر ہو پھر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی جیسے حارث بن سوید اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ ہے۔

جو شخص ارتداد کے ساتھ ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس سے خون مباح ہوتا ہے مثلاً کسی مسلمان کو قتل کرے رہزنی کرے حضور کی گستاخی کرے یا آپ ﷺ پر افتراء باندھے اور وہ دار اسلام میں ہو اور اس کو اپنے جتھے کی حفاظت اور پناہ حاصل نہ ہو تو اس کو گرفتار کرکے قتل کیا جائے گا یہ ان علماء کا نکتۂ نگاہ ہے جو گستاخ کو جرم اہانت کی بناء پر واجب القتل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ ایک شرعی سزا ہے یا یہ رسول اللہ ﷺ کا حق ہے وہ کہتے ہیں کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں:

1۔ مجرد ارتداد 2۔ سنگین ارتداد

توبہ صرف مجرد ارتداد میں مشروع ہے سنگین اور مغلظ ارتداد میں نہیں۔ اس کی تقریر دلائل سابقہ میں گذر چکی۔

ان علماء کے جواب میں بطور اختصار یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ارتداد کو ایک ہی جنس قرار دیا جس میں مرتدین کی قبول توبہ ممنوع ہے اس لیے اس کی دلیل ضروری ہے جبکہ اس مسئلہ میں کوئی شرعی نص نہیں اور قیاس متعذر ہے کہ اس میں فرق پایا جاتا ہے۔

جو علماء گستاخ کو اس لیے واجب القتل قرار دیتے ہیں کہ یہ جرم زندقہ پر دال ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی دلیل یہاں صحتِ توبہ پر دلالت نہیں کرتی۔

ان علماء کے اس استدلال کا جواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے نیز قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا جواب گزر چکا جہاں تک نابینا صحابی کا امِ ولد سے مطالبۂ توبہ کرنے کا تعلق ہے وہ صحابی صاحب اقتدار نہ تھا اور سزاؤں کا نفاذ اس پر واجب نہ تھا اصل بحث تو اقامتِ حدود کے جواز میں ہے ایسے معاملہ میں اس کے لیے جواز ہے کہ وہ گستاخ کو جرم سے منع کرے اور توبہ کے لیے کہے اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ تنہا حاکم کے پاس شہادت پیش کرتا۔ کیونکہ گواہی کا فائدہ نہ تھا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ بعض مسلمان منافقوں کے موجب کفر کلمات سنتے تو اس کی اطلاع حضور کو دیتے اور کبھی خود ہی بولنے والے کو ان سے منع کر دیتے اور ڈرا دھمکا کر اس کو توبہ پر آمادہ کرتے تھے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی زانی، چور یا رہزن کو اس کے فعل سے روکے تا کہ وہ مقدمہ دائر ہونے سے پہلے توبہ کر لیں کیونکہ مقدمہ دائر ہونے کے بعد توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی جہاں تک کہ دوسری دلیل کا تعلق ہے اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

وجہِ اوّل:

گستاخ اسلام کے بعد کفر کا جرم کر کے واجب القتل ہوتا ہے جبکہ اس نکتۂ نگاہ سے اختلاف رکھنے والے کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے اس کی توبہ قبول کی جائے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ممنوع اور ناجائز ہے اور آیتِ کریمہ اس شخص کی قبولیت توبہ پر دال ہے جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے اور کفر میں بڑھتا نہ چلا جائے اس لیے یہ آیتِ کریمہ اس کے قبول توبہ کی دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ

بیشک وہ جو ایمان لا کر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے

(آل عمران:90)

اور مخالف رائے رکھنے والا اس سے تمسک کر سکتا ہے ہاں اس میں توبہ کرنے والے اور سنور جانے والے کا استثناء ہے مگر اس شخص کے لیے جو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرے۔

مجرد توبہ سے مجرم کی سزائے قتل کا سقوط ہم نے سنتِ نبوی ﷺ سے اخذ کیا سنت سے ثابت ہے کہ جو شخص مجرد ارتداد کا مرتکب ہو اس کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے جیسے حارث بن سوید کا واقعہ ہے اور سنت اس بات پر بھی دال ہے کہ جو شخص سنگین ارتداد کا مرتکب ہو (جیسے ابن ابی سرح کا معاملہ ہے) اس کو توبہ کرنے اور اسلام لانے کے بعد بھی قتل کرنا جائز ہے۔

وجہِ دوم:

گستاخ اس لیے واجب القتل ہے کہ اس نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا نیز گستاخی کی اور گستاخی کی وجہ سے اس کا جرم سنگین

ہو گیا یوں اس کی سزا مؤکد ہو گئی۔

وجہ سوم:

یہ حکم عام ہے جس سے نماز وغیرہ فرائض ترک کرنے والوں کی تخصیص ان علماء نے کی جو سزائے قتل کو جائز کہتے ہیں کہ مگر مجرم کی تکفیر نہیں کرتے۔ اسی طرح سنت اور اجماع امت سے باغی اور حملہ آور کے قتل کی تخصیص کی گئی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے بیان کردہ دلائل سے جرم اہانت موجب قتل ہے اور یہ اس حدیث کی روشنی میں زیادہ خاص جرم ہے تو ایسا کہنا صحیح ہے۔

جہاں تک ان علماء کا تعلق ہے جو اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذمی گستاخ اسلام قبول کرے تو اس کا خون محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی سزائے قتل کا وجوب اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے جبکہ حضور انور ﷺ نے ایسے مجرم کا خون اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مباح ٹھہرایا ہے۔

ان علماء نے اس مجرم سے تعرض نہ کیا جس پر سزائے قتل واجب ہو چکی پھر وہ اسلام لے آیا تو اس کا کیا حکم ہے کیونکہ اس حدیث کو اس پر محمول کرنا جائز نہیں اگر اسلام لانے سے پہلے یا بعد اسباب موجودہ سے حلت دم (خون مباح ہونے) پر محمول کیا جائے تو لازم آئے کہ حربی کافر قتل یا زنا کے جرائم کے بعد اسلام لائے تب بھی وہ واجب القتل ہوگا حالانکہ یہ نکتۂ نگاہ باطل ہے اور جائز نہیں کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اس کا خون حلال نہیں ہوتا مگر تین میں سے ایک جرم کی بنیاد پر، بشرطیکہ وہ جرم اس سے اسلام لانے کے بعد صادر ہو۔ کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ذمی کو اسلام لانے سے پہلے کے جرم قتل یا جرم زنا میں قتل نہ کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جب زبان سے توحید ورسالت کی گواہی دے تو اس کا خون محفوظ و معصوم ہو جائے گا مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے صدور سے ہی مباح ہوگا پھر اگر جرم گستاخی کو عموم میں شامل کیا جائے تو اس بات سے تخصیص کرنی پڑے گی کہ اس کی سزا ایک مستقل شرعی حد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کا خون معصوم ہے اور مباح نہیں ہوتا جب تک کہ تین میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب نہ کرے کبھی اس مقتضی کا حکم بدل جاتا ہے جب قصاص یا زنا کی حد یا عہد شکنی کے ثبوت میں کوئی امر مانع ہوتا ہے عمومات میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

جہاں تک پہلی دو وجوہ پر آیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق دلالت کرتی ہے جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے پھر توبہ کر کے سنور جائے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ہم اسی نکتۂ نگاہ کے قائل ہیں۔ لیکن جو شخص جرم کفر کے ساتھ جرم اہانت رسول یا افتراء پردازی یا قتل کو جمع کرے یہ آیت اس کی سزا ساقط ہونے پر دلیل نہ ہوگی ہمارے اس بیان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دال ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران 89)

مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کیونکہ توبہ گناہ مذکور کی طرف لوٹتی ہے اور وہ گناہ (جرم) ایمان لانے کے بعد کفر کا اظہار ہے جبکہ گستاخ رسول ﷺ جرمِ کفر سے بڑے جرم کا مرتکب ہوا جو کہ خصوصی سزا کا موجب ہے اور یہ آیتِ کریمہ کفر کے علاوہ کسی جرم کی توبہ سے تعرض نہیں کرتی۔

جو علماء گستاخ کو زندیق قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک اس مجرم نے توبہ نہیں کی۔ آیت میں توبہ کرنے والوں اور سنور جانے والوں کا استثناء ہے جبکہ گستاخ نے اپنی اصلاح نہیں کی اس لیے اس کی سزا کو موخر نہیں کیا جاسکتا البتہ اگر وہ اصلاح کا اظہار کرے (تو سزا موخر کی جاسکتی ہے)

ہاں یہ آیتِ کریمہ مقدمہ عدالت تک جانے سے پہلے توبہ کر کے سنور جانے والوں کو عام ہے اس صورت میں بہت سے فقہاء سقوطِ سزا کے قائل ہیں کیونکہ متصلہ آیتِ کریمہ اشارہ کرتی ہے کہ مرتد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے اور دوسرا وہ جس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی پہلی قسم کے مرتد صرف کفر کا ارتکاب کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے مرتد کفر کا ارتکاب کر کے اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے آیت نمبر 90 سورۂ آلِ عمران اگرچہ اس آیت کی تاویل بعض لوگوں نے ان مرتدین سے کی جو کفر میں بڑھتے ہوئے موت کی آغوش میں چلے جائیں مگر عموم آیت سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ جو کوئی ایمان کے بعد کفر کرے پھر جرمِ اہانتِ رسول ﷺ کے ساتھ کفر میں بڑھتا چلا جائے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، خصوصاً اس مرتد کی توبہ، جو حد کے ثابت ہونے تک کفر میں پڑھے۔ اور حاکم اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرے ایسے شخص کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس نے علاماتِ موت دیکھنے تک کفر میں ترقی کی پھر آیات ذیل کو اس پر چسپاں کیا جاسکتا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ (غافر: 84)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا بولے! ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جو اس کے شریک کرتے تھے ان سے منکر ہوئے

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (غافر: 85)

تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے۔

جہاں تک سورۂ احزاب کی آیت نمبر 61-60 یعنی

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کافروں کے اسلام لانے پر گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے لیکن مرتد یا معاہد کافر پر واجب ہونے والی سزا کو بلا تردد پورا کرنا ہوگا۔ اگرچہ آیاتِ مذکورہ کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ یہ حربی کافروں کے متعلق ہے ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ یہاں آیت میں "انتہاء" یعنی جرم سے باز نہ آنا دسترس میں آنے سے پہلے کا معاملہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ .... اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا

لہٰذا جو شخص توبہ نہ کرے یہاں تک کہ گرفت میں آجائے تو وہ جرم سے باز آنے والا نہ ہوا، یہ آیتِ کریمہ اس حقیقت پر بھی

دلالت کرتی ہے کہ اس قسم کے مجرموں کی بخشش ہوسکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس کی بخشش ہو جائے تو اس کی سزا بھی ساقط ہو جائے کیونکہ زانی یا چور سچی توبہ کرے تو اس کی بخشش ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود اس پر شرعی حد قائم کرنا لازم ہوگی

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے: اَلْاِسْلَامُ يُجَبُّ مَا قَبْلَهُ اسلام حالتِ کفر کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ توبہ پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ توبہ دسترس میں آنے کے بعد سزا کو ساقط نہیں کرتی قرآنِ حکیم بھی اس پر دلالت کرتا ہے اس حدیث شریف کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا میں اس شرط پر اسلام قبول کرتا ہوں کہ میرے گناہ معاف ہو جائیں تو آپ نے فرمایا:

يَا عَمْرو! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ التَّوْبَةِ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحجَ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ

اے عمرو! تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے توبہ، ہجرت، اور حج پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام لانے سے ان گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے جن کی بخشش کا مطالبہ حضرت عمرو نے کیا تھا یہاں سزاؤں کا ذکر نہیں آیا اور یہ سزائیں بالاتفاق ان معاملات سے ساقط نہیں ہوتیں نبی اکرم ﷺ نے حدیث ابن ابی سرح میں وضاحت فرمائی کہ اس کا گناہ اسلام لانے سے ساقط ہو گیا مگر سزائے قتل نبی اکرم ﷺ کے معاف کر دینے سے ساقط ہوئی فرض کریں کہ حدیث کا حکم عام ہے تب بھی خلاف لازم نہیں آتا کہ ذمی کے اسلام لانے سے سزائیں ساقط نہیں ہوتیں اور زیرِ بحث مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حسبِ ذیل ارشاد کا تعلق ہے:

اَنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً (توبہ:66)

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے

1- آیتِ کریمہ میں دلالت نہیں کہ یہ گستاخ کے معاملہ میں نازل ہوئی بلکہ یہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی اور ہر منافق گستاخ اور شاتم نہیں ہوتا البتہ یہ صحیح ہے کہ گستاخی کرنے والا بہت بڑا منافق ہوتا ہے کبھی آدمی اس لیے نفاق کا مرتکب ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتا مگر سب وشتم بھی نہیں کرتا جیسا کہ بہت سے کافروں کا حال ہے اگر ہر منافق شاتم ہوتا تو ہر مرتد بھی ضرور شاتم ہوتا پھر اس مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے مگر معاملہ ایسا نہیں کیونکہ گستاخی کفر اور نفاق پر زائد چیز ہے کافروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے محبت ومودت کا اظہار کرتے رہے بہت سے کافر آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے رہے اور آپ ﷺ کو اذیت سے بچانے کے لیے کوشاں رہے یہ بھی صحیح ہے کہ کافروں کی ایک کثیر تعداد آپ ﷺ سے جنگ وجدل میں مصروف رہی، جبکہ دوسرے بہت سے کافر سب وشتم سے باز رہے اور یہ آیتِ کریمہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کو اذیت نہ دیتے تھے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جو نبی ﷺ کو ستاتے ہیں

أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (توبہ:61)

اور کہتے ہیں وہ تو کان کے کچے ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لیے کان کے کچے ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے

.......اِلٰی.......

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○

منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورۃ ایسی اترے جو ان کے دلوں کی چھپی (منافقت) بتا دے تم فرماؤ! ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ (توبہ:66-64)

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے کہ دو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے

اس سلسلۂ کلام میں گالی گلوچ کا ذکر نہیں بلکہ یہاں استہزاء بالدین (دین سے تخول) کا ذکر ہے جو اہانتِ رسول اور گالی گلوچ کو متضمن نہیں۔

مگر یہ وجہ محلِ نظر ہے جیسا کہ اس کے سببِ نزول میں گزرا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کلمات اس اہانت کے متعلق نہیں جس میں اختلاف اور بحث ہے اور یہ عمدہ توجیہ نہیں۔

ان علماء کا بیان ہے کہ اس آیت میں مَعْفُوْ عَنْهُ (جس کو معاف کیا گیا) وہ ہے جس نے منافقوں کے اذیت ناک کلمات سن کر خاموشی اختیار کی یہ شخص مخشی بن حمیر تھا اور اسی کی توبہ قبول کی گئی مگر جن منافقوں نے اذیت ناک کلمات کہے تو ان میں سے کسی کو معاف نہ کیا گیا۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مطلق معافی گناہ پر مواخذہ نہ کرنے کا نام ہے۔ خواہ گناہ گار توبہ نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (آل عمران:155)

بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔

جبکہ کفر کی معافی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس گروہ کو معاف کیا گیا وہ گناہ گار تھا کافر نہ تھا اور اس گناہ کی صورت یہ تھی کہ وہ کفر یہ کلمات سنتا تھا مگر اس پر نکیر کا اظہار نہ کرتا تھا نیز کفریہ کلمات کہنے والوں کی صحبت میں بیٹھتا تھا جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں بے جا غور وخوض اور فضول بحث کرتے تھے۔ اس تقریر پر آیت اس حقیقت پر دال ہے کہ استہزا کرنے والوں کو سزا دینا ضروری ہے اور یہ کہ ان کی توبہ قبول نہیں کیونکہ جس مجرم کے متعلق خبر دی گئی کہ اس کی سزا حتمی ہے تو اس طرح ممکن نہیں کہ اس کی توبہ سزا سے مانع ہو پس اس کو مسئلہ زیر بحث میں دلیل بنانا درست نہ ہوا۔

وجہ سوم:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں واضح فرمایا کہ اگر منافقوں کے ایک گروہ کو معاف کیا جائے گا تو دوسرے کو ضرور سزا دی جائے گی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سزا کا نفاذ ضروری ہے اس آیت میں کوئی ایسا اشارہ نہیں کہ معاف کرنا لازم ہے کیونکہ عفو (معاف کرنے) کا ذکر حرفِ شرط کے ساتھ متعلق ہے اس لیے وہ (یقینی نہیں بلکہ) احتمالی ہے جہاں تک سزا کا تعلق ہے وہ وقوعِ عفو کی تقدیر کے ساتھ واقع ہے جو عدم وقوعِ عفو کے ساتھ زیادہ ثابت اور واقع ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ سزا کا نفاذ ضروری ہے یا تو عمومی حکم کے تحت یا خاص جرائم کے مرتکبین کے لیے' اگر سب مجرموں سے توبہ کی امید کی جاسکتی تو سزا کا نفاذ ممکن نہ ہوتا کیونکہ توبہ کی صورت میں مجرموں کو سزا دینے کی گنجائش نہ رہتی۔ پھر جب ثابت ہوگیا کہ ایسے مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور سزا ملے گی تو ان کی توبہ قبول کرنا صحیح نہ ہوا خواہ ان کو سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملے یا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ذریعے ان کو سزا دلوائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلۂ کلام کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اس سے ثابت ہوا کہ جرمِ اہانت کے مرتکب کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملے گی اور جو پوشیدہ جرم کا مرتکب ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ بالا میں وقوعِ عفو (معافی کے وقوع) پر کوئی دلیل نہیں اور اس قدر گفتگو یہاں کافی ہے۔

وجہ چہارم:

اگر اس آیت میں مجرموں کے قبول کی دلیل موجود بھی ہو تو وہ بھی حق ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ توبہ عدالت میں ثبوتِ نفاق سے پہلے ہو جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ أَيْنَمَا ثُقِفُوْا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (احزاب: 61-60)

اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں (برائی کا) روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن، پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں، پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شرارتوں سے باز نہ آنے والے منافق قانون کی گرفت میں آجائیں تو ان کو قتل کیا جائے گا اس

استدلال پر شاید آیتِ کریمہ اَنْ نَّعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ کا یہی مفہوم ہو۔ کہ اس طائفہ سے مراد وہ لوگ تھے جو نفاق کو چھپاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے توبہ کرلی اور دوسرے گروہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نفاق کا برملا اظہار کرتے تھے یہاں تک کہ گرفت میں آئے اس صورت میں یہ آیت اس پر دلیل ہوگی کہ نفاق کا اظہار کرنے والوں کو سزا دینا ضروری ہے۔

وجہِ پنجم:

یہ آیت اس حقیقت کو متضمن ہے کہ منافق کی معافی کا حکم (خواہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے) آیت جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ سے منسوخ ہے جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ پاک سے ہوتی ہے۔ اَنْ نَّعْفُ اگر ہم (اس گروہ) کو معاف کردیں۔ تو یہاں حتمی اور قطعی فیصلہ نہ فرمایا جب کہ اس آیت کا سببِ نزول موید ہے کہ نفاق کا جرم ان پر ثابت ہے مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کو سزا نہ دی اور یہ واقعہ سورۂ براۃ کے نزول سے پہلے غزوۂ تبوک کا ہے اس غزوہ کے بعد سورۂ براۃ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ معاہدات کو مشرکوں کی طرف پھینک دو اور کافروں منافقوں سے جہاد کرو۔

مخالفین کے شبہات کے جوابات

اس آیت سے جو استدلال کیا گیا اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

1- اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ ان منافقوں نے کلمۂ کفر منہ سے نکالا اور ایسی چیز کا ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہوسکی۔ اس میں گستاخی کا ذکر نہیں جبکہ جرمِ گستاخی جرمِ اہانت سے اعم ہے اور اصول یہ ہے کہ ثبوتِ اعم سے ثبوتِ اخص لازم نہیں لیکن سببِ نزول اس پر دلالت کرتا ہے کہ سورۂ کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جرمِ اہانت کے مرتکب ہوئے اس سے اس شبہ کا بطلان ہوتا ہے۔

وجہِ دوم:

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر توبہ پیش فرمائی جو قسمیں کھا کھا کر اپنے کفریہ کلمات کی نفی کرتے تھے اور یہ اس شخص کا حال ہے جو اپنے کفریہ کلمات کا انکار کرے اور اُن کے انکار پر قسمیں کھائے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو آگاہ کیا کہ وہ شخص اپنی قسموں میں جھوٹا ہے اسی قسم کے بہت سے منافقین ایسے تھے جن کی منافقانہ باتیں نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن ان پر کوئی شرعی شہادت قائم نہ ہوئی تھی پھر جب ایسے جرم پر واضح شہادت قائم نہ ہو اور اس کو ثابت نہ کیا جاسکے تو مجرم پر سزا کا نفاذ ممکن نہیں نبی اکرم ﷺ صرف انہی جرائم پر سزا دیتے تھے جو بالکل واضح اور ثابت ہوتے تھے مفسرین نے اس سورہ کے شانِ نزول میں جو وقائع نقل کیے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ سے خبرِ واحد کے ذریعے منقول ہیں مثلاً وہ حضرت حذیفہ یا عامر بن قیس یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہیں یا ان لوگوں کے احوال کی خبر حضور ﷺ کو بذریعہ وحی ہوئی۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ توہین آمیز کلمہ جلاس بن سوید سے نقل کیا گیا ہے اور اس نے اس کا اعتراف کیا اور اس پر دلیل قائم ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی توبہ قبول کرلی یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ایسے مجرم کی توبہ بالاتفاق قبول کی جائے گی پس جب وہ ایسے معاملہ میں توبہ کرے جو اس کے اور اللہ

تعالیٰ کے درمیان خفیہ ہو تو توبہ قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا یونہی اگر وہ اس حالت میں آئے کہ اپنے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کرے تو قولِ مختار پر اس کی توبہ قبول کی جائے گی جیسے اس شخص کی توبہ قبول کی جائے گی جو زنا یا چوری سے توبہ کرتے ہوئے آئے اور اس پر عدالت میں جرم ثابت نہ کیا جا سکا ہو۔

جس شخص کا جرم نفاق دلیل سے ثابت ہو تو آیت کے شانِ نزول کی روایات میں قبولِ توبہ پر دلالت کرنے والی کوئی روایت نہیں ہاں اس کو اس مجرم کی توبہ پر محمول کیا جا سکتا ہے جس کا جرم اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پوشیدہ ہو ایسی توبہ بالاتفاق نافع ہے خواہ مجرم پر شرعی حد قائم کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران: 135)

اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء: 110)

اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (زمر: 53)

تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (توبہ: 104)

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (غافر: 3)

اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں۔

اس کے باوجود یہ آیات دلیل سے ثابت شدہ سزا کو ساقط نہیں کرتیں پس جو شخص منافق سے حد ساقط ہونے کا قائل نہیں خواہ اس کا نفاق دلیل سے ثابت ہو یا اقرار سے تو اس کو ایسا کہنے کی گنجائش نہیں۔

وجہ سوم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ○ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا (توبہ: 73، 74)

اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کلمۂ کفر نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کی اور اسلام لا کر کافر ہو گئے اور وہ چاہا تھا جو انہیں نہ ملا۔

اس آیت میں کفار ومنافقین کے ساتھ جہاد کی وضاحت جہاد کی غرض وغایت کی حکمت اوران کی حالت کا بیان ہے کیونکہ حکم کے بعد وصفِ مناسب کا ذکر دلالت کرتا ہے کہ وہ وصف اس کی علت ہے اورآیت کا یہ حصہ **یحلفون باللّٰہ ماقالوا** ان کے لیے وصف ہے اوروہ ان کے ساتھ جہاد کے مناسب ہے یہ اس لیے کہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں ایمان کا کھوکھلا اظہار کرتے ہیں اوردلوں میں کفر چھپاتے ہیں ان کا یہ طرزِ عمل سخت سزا کا موجب ہے ان کو دعویٰ واظہارِ ایمان میں سچا تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کو جھڑ کا جائے گا اوران کا دعویٰ ان کی طرف لوٹایا جائے گا۔

یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ اگروہ دسترس میں آنے کے بعد توبہ کریں توان کی توبہ قبول کی جائے گی اس لیے کہ ان کے گزشتہ دعویٰ ایمان اورآئندہ کے دعویٰ ایمان کا جھوٹا ہونا یکساں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کھول کر بیان فرمادی جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان مجرموں کا دعویٰ سچا تسلیم نہ کیا جائے اورثبوتِ کفر کے بعد کافر نہ ہونے کی خبر درست نہ مانی جائے بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا حسبِ ذیل حکم جاری کیا جائے۔

وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ (توبہ:1) — اوراللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں

لیکن شرط یہ ہے کہ منافقوں کا جھوٹ ظاہر ہو، جھوٹ ظاہر نہ ہوتو ہمیں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر دیکھنے کا حکم نہیں اسی بناء پر فرمایا گیا۔

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ — اگروہ توبہ کریں توان کے لیے بہتر ہے

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ظہورِ نفاق اوراندراجِ مقدمہ سے پہلے توبہ کرلیں یہاں جہاد کا حکم اپنی جگہ ہے اورتوبہ کا معاملہ اپنی جگہ اگرتوبہ کا حکم مطلق ہوتو توبہ حکمِ جہاد میں رکاوٹ بنے۔

وجہِ چہارم:

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے بعد فرمایا:

وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (توبہ:74) — اوراگر منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کرے گا دنیا اورآخرت میں

اوراس کی تفسیر حسبِ ذیل آیتِ کریمہ میں ہے

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِہٖ اَوْ بِاَیْدِیْنَا فَتَرَبَّصُوْا اِنَّا مَعَکُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ (توبہ:52) — اورہم تم پراس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یاہمارے ہاتھوں تواب راہ دیکھو ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ اس وقت معتبر ہے جب مجرم کے قابو میں آنے اورسزا پانے سے پہلے ہو کیونکہ جو منافق توبہ سے منہ پھیرے اوراس کا نفاق ظاہر ہوجائے پھر عدالتی کاروائی مکمل ہوجائے تواس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے (رعایت سے فائدہ نہ اٹھایا اور) توبہ سے بے توجہی کی، اس لیے اس کو دنیا میں دردناک عذاب ملنا ضروری ہے اوریہ دردناک عذاب قتل ہے جس کا وہ

سزاوار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ سے منہ موڑنے والا مقام توبہ سے بہت دور ہوتا ہے کیونکہ اگر اس سے یہ مراد ہو کہ مرنے تک توبہ کی گنجائش ہے تو دنیا میں ایسے مجرم کو سزا دینا ممکن نہ ہوتا، کیونکہ توبہ سے سزا کا عرصہ ہاتھ نہ آتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ آیت کے لفظ تولی (منہ موڑنے) سے مراد عدمِ توبہ ہو اس حالت میں کہ توبہ اور موت کے درمیان مہلت زندگی حائل ہو جس میں اللہ تعالیٰ مجرم کو سزا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا لہٰذا جو شخص گرفتاری کے بعد توبہ کرے۔ تو وہ ان لوگوں میں شمار ہے جنہوں نے گرفتاری سے پہلے توبہ نہ کی، بلکہ توبہ سے منہ پھیرا۔ ایسا مجرم اس بات کا حقدار ہے کہ خدا کی طرف سے دنیا اور آخرت میں سزا پائے۔

جو شخص اس آیت اور اس سے پہلے کی آیت میں غور کرے وہ ان دونوں آیتوں کو اس بات پر دلیل پائے گا کہ مجرم کی گرفتاری کے بعد کی ہوئی توبہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اس سے رفع نہیں کرتی۔

جہاں تک بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات کی توبہ کی قبولیت کا تعلق ہے اور ناموسِ رسول اللہ ﷺ بھی ان امور میں شامل ہے تو اس کے متعلق یہاں اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ توبہ مجرم پر سزا کے نفاذ سے مانع نہیں لیکن تفصیلی جواب دوسرے مقدمے تک مؤخر ہونے کا متقاضی ہے البتہ یہ ہے کہ جب جرم کی تشہیر ہو جائے اور مقدمہ عدالت تک پہنچ جائے تو زنا، شراب نوشی اور راہزنی کے جرائم کی طرح اس جرم کی سزا ضروری ہے اور توبہ اس سزا کو مکمل کرتی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کی ہتکِ عزت کرنے والا جب ان کے لیے دعا و استغفار کرے قبل اس کے کہ ان لوگوں کو ہتکِ عزت کی اطلاع ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخشش دے اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف مشہور ہے اگر یہ جرم عدالت میں ثابت ہو جائے اس کے بعد مجرم توبہ کرے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ اس مجرم کے لیے توبہ کا کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔

اگر مجرم پر دوسرے لوگوں کے مطالبات ہوں تو اس کو چاہیے کہ بساط بھر ان سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے ان مطالبات کا عوضانہ دے اس کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے شامل حال ہوگی اس کے باوجود جب وہ ہماری دسترس میں آ جائے تو کوئی امر نفاذِ سزا سے مانع نہ ہوگا ہماری بحث اس توبہ کے متعلق ہے جو سزا کو ساقط کرتی ہے وہ توبہ نہیں جو گناہوں کو مٹاتی ہے۔

کہ اگر مجرم (گستاخ) ایسی گستاخی کا ارتکاب کرے جو اس کے اعتقاد سے صادر ہو تو وہ گستاخی دیگر مرتدوں، عہد شکنوں وغیرہم کی طرح ہے ہم دوبارہ کہتے ہیں مجرموں کے جرائم کی مانند ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے حق میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جس کی رو سے یہ جرائم ان کے نزدیک جائز ہیں پھر جب وہ اس عقیدہ سے سچی توبہ کر لیں تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق جرائم کی سزا بخش دی جائے گی جیسے حربی کافر کی توبہ سے ایسے جرائم کی بخشش ہو جاتی ہے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جب مرتد یا عہد شکن امتناع سے پہلے ایسا جرم کرے تو اس پر سزا قائم کی جائے گی، چاہے مرتد اسلام کی طرف لوٹ آئے اور خواہ اس جرم کا تعلق حق خداوندی سے ہو یا حقِ آدمی سے، پس زانی شراب خور اور رہزن کو سزا دی جائے گی۔

خواہ وہ مجرم زمانہ ارتداد و نقضِ عہد میں ان جرائم کی حلت کا عقیدہ رکھتا ہو (اس کو سزا سے بری نہیں کیا جا سکتا ہے)

جہاں تک اصل حربی کافر کا تعلق ہے وہ اسلام لے آئے تو اس کو ان جرائم میں پکڑا نہیں جائے گا تو ان کے مابین فرق یہ ہے کہ

ذمی ایمان لانے یا شرائطِ ذمہ کا پابند تھا اور ارتکابِ جرم کی صورت میں اس کے لیے جائے عذر نہ تھی بخلاف اصلی حربی کافر کے، کیونکہ ذمی یا مسلمان مجرم سزا کا نفاذ اسے ایسے تباہ کن جرائم کے ارتکاب سے روکنے کا باعث ہے۔ جبکہ حربی اصلی کے لیے اس سزا زجر کا سبب نہیں بلکہ اسلام سے مزید نفرت کی موجب ہے اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ حربی ممتنع ہے یعنی اس کے زور اور شوکت کی وجہ سے اسے سزا نہیں دی جا سکتی جبکہ ذمی اور مسلمان دونوں کو سزا دینا ممکن ہے۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص فرمائی کہ حربی کافر قید ہونے کے بعد زنا کرے تو واجب الحد ہے کیونکہ ہماری دسترس میں ہے (اور اس پر سزا کا نفاذ ممکن ہے) یونہی امام احمد اور دیگر علماء سے بصحت ثابت ہے کہ مرتد ممتنع ہو (اور سزا لگانے کے باعث حربی کافر کی مانند ہو گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ممتنع شخص ان جرائم کا ارتکاب اس اعتقاد وقوت کے ساتھ کرتا ہے جس کو روکنے اور جھڑکنے کا ذریعہ نہیں ہوتا۔

پس توبہ کے بعد ایسے مجرموں کو سزا دینا نفرت کا موجب ہوتا ہے اور یہ ان پر توبہ کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جیسے حربیوں پر تاوان ڈالا جائے لیکن یہ تفصیل اور استقصاء کا مقام نہیں یہاں ہم نے صرف تنبیہ کی ہے پھر جب مسئلہ اس طرح ہوا تو ثابت ہوا کہ مرتد اور عہد شکن جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیں پھر دسترس میں آنے کے بعد بھی توبہ کر لیں تو وہ ان مجرموں کی مانند ہو گئے جو رہزنی میں ہاتھ سے لڑیں یا زنا کے مرتکب ہوں پھر گرفتاری اور ثبوتِ سزا کے بعد توبہ کریں ان دونوں قسم کے مجرموں میں کوئی فرق نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد شکن نے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ یہ جرائم اس کے دین میں حرام ٹھہریں گے حالانکہ اس سے پہلے اس کے دین میں مباح تھے۔

اسی طرح مرتد (حالت اسلام میں) ان باتوں کو حرام سمجھتا تھا پھر جب ان کی اباحت کا عقیدہ قوت اور امتناع سے متصل نہیں تو ایسے جرم کے ارتکاب میں اس کے لیے "کوئی عذر نہ رہا" کیونکہ وہ دینِ حق سے وابستہ ہو کر اس کی حرمت جان چکا مرتد کمزور بھی ہو اور اس کی سزا ساقط کرنے میں فساد ہو تو سزا دینے میں کوئی امر مانع نہیں خواہ جرم گستاخی کا صدور بغیر اعتقاد کے ہو، اور اگر نبوت پر اعتقاد رکھ کر ہی جرم کا ارتکاب کرے تو دنیا کا بدترین کافر ہے اور ابلیس کی مثل ہے یہ عناد اور سفاہت کی قسم ہے اور ایسے مجرم کی طرح ہے جو جان و مال کی حرمت کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی مسلمان کو گالی دے یا اس کو قتل کرے۔

علماء کا اختلاف ہے کہ مشتوم (خواہ نبی ہو غیر نبی) کو سب و شتم کرنے کی سزا شاتم کی توبہ سے ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟ جو علماء اس نکتۂ نگاہ کے حامی ہیں کہ توبہ سے حق آدمی ساقط نہیں ہوتا وہ شاتم کی باطنی توبہ کے بھی مطلقاً منکر ہیں اور وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود شاتم سے مطالبہ کریں جیسا کہ دوسرے اہلِ ایمان شاتموں سے مطالبہ کا حق رکھتے ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کے لیے تو زیادہ مناسب ہے اور یہ قول از روئے قیاس قوی ہے۔

اور بکثرت ظاہری نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔

جو علماء کہتے ہیں کہ یہ صورت سب و شتم اور غیبت کی ہے جس کا تعلق عام لوگوں کی عزت و آبرو سے ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے اس سب و شتم اور غیبت کا استحلال (اتار) ختم ہو چکا اس لیے شاتم کو چاہیے کہ وہ مشتوم (نبی اکرم ﷺ اور دیگر اہل

ایمان) کے لیے ایسی دعا و استغفار کرے جو حق عزت کے برابر ہوتا کہ یہ دعائے استغفار ان نیکیوں کا نعم البدل ہو جائے جو مظلوم ظالم سے حاصل کریں گے اسی طرح جس شخص سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکل جائے وہ آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر کثرت سے درود و سلام پڑھے۔ اور گستاخی کا مقابلہ اس کی ضد سے کرے۔

پس جو علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ صورت ظاہری اور باطنی توبہ کی قبولیت کی موجب ہے وہ اس کو آیتِ کریمہ

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نیکیاں بدیوں کو لے جاتی ہیں

وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا برائی کے بعد نیکی کرو وہ اس کو مٹا دے گی

اور جو علماء قصاص ضروری قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے قصاص کے قائم مقام نیکیاں تیار کی جاتی ہیں ہمارا مقصود یہ نہیں کہ یہاں دونوں اقوال میں سے کسی ایک کو ثابت کریں، یہاں اصل غرض یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کہ شرعی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ جرمِ اہانت اگر اعتقاد سے ہو تو مجرم کی توبہ صحیح ہے اور آخرت میں حقِ رسول کو ساقط کر دے گی مگر دنیا میں مجرم سے سزا ساقط نہ ہو گی (جیسا کہ گزرا) اور اگر جرم بغیر اعتقاد کے ہو تو توبہ کے ذریعے حقِ رسول ﷺ کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے اور اگر کہا جائے کہ حد ساقط نہ ہو گی تو بحث کی ضرورت نہ رہی اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حق ساقط ہو جائے گا مگر سزا ساقط نہ ہو گی تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہاں کلام کے دو مقام ہیں۔

اگر یہ توبہ گستاخ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سچی اور مخلصانہ ہو تو کیا اس کے ساتھ مخلوق کا حق ساقط ہو سکتا ہے؟ اس میں تفصیل اور علماء کا اختلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ حقِ مخلوق ساقط نہیں ہوتا تو اس میں کلام نہیں اور کہا جائے کہ حق ساقط ہو جاتا ہے تو توبہ کے ساتھ اس کا سقوط ایسا ہی ہے جیسے توبہ سے حقِ خداوندی کا ساقط ہونا اس صورت میں یہ توبہ دیگر جرائم کی توبہ کی مانند ہو گی پھر یہ توبہ جب بعد از قدرت ہو (یعنی مجرم دسترس میں آجائے) تو کسی شرعی سزا کو ساقط نہیں کرتی۔ خواہ اس سے باطن میں گناہ مٹ جائیں۔

اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ گستاخ کا قتل مجرد ارتداد اور مجرد عہد شکنی کے باعث نہیں کہ اس کی توبہ دیگر مجرموں کی طرح لائقِ قبول ہو بلکہ ضرر اور اذیت کے ساتھ ارتداد اور عہد شکنی کے جرم میں سنگینی پیدا ہو گئی اس قسم کے جرم کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ اور زمین میں فساد کوشی ہے یہ جرم سزا کے لحاظ سے زنا اور چوری یا قتل اور قذف کی جنس سے ہے یہ اس جواب کی حقیقت ہے اور اس سے مذکورہ بالا دلیل کا خلل بھی واضح ہو گیا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مخالفین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا آپ کی شان میں گستاخی کا اثر زائل کر دیتا ہے۔

اس کے جواب میں ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ

اگر گستاخی مجرد اعتقاد کے سبب ہو تو اس اعتقاد سے توبہ کرنا اس کے موجب سے بھی توبہ کرنا ہے اور جو جرم موجبِ اعتقاد سے زائد ہو یا اعتقاد کے خلاف ہو جیسا کہ اکثر گستاخوں کا طریقہ ہے تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ توبہ جرمِ اہانت کی سزا کو زائل کر سکتی ہے ہاں یہ ہے رسول اکرم ﷺ بذاتِ خود اس کو معاف فرما دیں کیونکہ اس مطالبہ کا استحقاق نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے اور اگر اس کو مان

لیا جائے تو یہ پہلی قسم کی مانند ہوئی اور اس قدر سے حدود ساقط نہیں ہوتیں۔

مخالفین کا اعتراض

حقوق انبیاء وجوب کے لحاظ سے حقِ خداوندی کے تابع ہیں اس لیے سقوط میں بھی اس کے تابع ہونے چاہئیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اگر جرمِ اہانت کا موجب اعتقاد ہو (تو یہ حقِ خداوندی کے تابع ہوں گے) ورنہ اس میں اختلاف ہے جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے تو ان میں توبہ کے لیے اعتقاد وعدم اعتقاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ کفر کے اعتقاد اور اس کے موجبات سے توبہ کرنے والا اور زنا سے تائب ہونے والا یکساں ہیں۔

اور جو علماء ان کو یکساں قرار نہیں دیتے وہ یہ کہتے ہیں کہ حقِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی حق نہیں مگر ان کی توبہ کا معاملہ خود اللہ تعالیٰ کے پاس ہے چاہے تو مجرم کو سزا دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے ادھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ وہ ہر تائب کو بخش دیتا ہے مگر مسئلہ زیرِ بحث میں سزائے قتل کا مستحق ایسے مجرموں کی جنس سے تعلق رکھتا ہے جس سے مسلمانوں کو مضرت اور عار لاحق ہوتی ہے وہ اس سے تکلیف پاتے ہیں اس لیے اس کا معاملہ ان مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا جبکہ حقِ خداوندی خاص مکلف کی طرف راجع ہے اللہ تعالیٰ کو بندوں کی طاعت سے فائدہ نہیں ہوتا نہ ان کی معصیت سے نقصان ہوتا ہے پس جب مکلف شخص نیکی کا عادی ہو جائے تو اس سے ایسا مقصد حاصل ہو گیا جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب انبیائے کرام میں وصف بشریت بھی ہے اور وصف نبوت بھی۔ تو ان کا حق حقِ خداوندی سے بھی متعلق ہوا اور دوسرے لوگوں کے حق سے بھی اور اگر جرم کا صدور اعتقاد سے ہو تو حق انبیاء حقِ خداوندی میں مندرج ہو گیا کیونکہ جب ان کی نبوتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تو یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر لانا پس جب مجرم نبوت انبیاء کا اعتقاد نہ رکھے تو کافر ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا مقر نہ ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے پیغامات اس کے دین اور ایسے ہی دوسرے ضروری امور سے کفر لازم آیا۔ پھر جب جرمِ اہانت اس اعتقاد کے باعث نبوت و رسالت ﷺ یا دیگر بنیادی معاملات کی نفی کا موجب ہو۔ بعد ازاں مجرم اس جرم سے سچی توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر اس جرم پر اضافہ کرے مثلاً نسب میں قدح کرے یا برے اخلاق اور فحش باتوں سے منسوب کرے یا ایسی باتوں کی طرف نسبت کرے جن کا باطل ہونا قطعی طور پر معلوم ہو یا مجرم اس جرم کی صحت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ یا جرم اس کے اعتقاد کے خلاف ہو مثلاً وہ حسد و تکبر یا فوتِ غرض یا حصولِ مکروہ کی بناء پر ناراض ہوا اور اعتقادِ نبوت کے باوجود گستاخی کرے تو اس صورت میں توبہ اس اعتقاد کو بحال نہ کرے گی جو جرمِ اہانت کی وجہ سے زائل ہو گیا تھا یہاں مجرم کی نیت اور قصد میں تبدیلی آ گئی اور اس نے نبی اکرم ﷺ کو اذیت دی۔

پس اس نے نبوت (جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے) کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا اس لیے وہ واجب القتل ہے یہ حقِ آدمی بھی ہے۔ اس لحاظ سے کہ مجرم نے آدمی کو اذیت دی حالانکہ اس کے اعتقاد میں ایسا کرنا جائز نہ تھا اس لیے اس سے حق کا تقاضا جائز ہے اور پیغمبر ﷺ بقدرِ اذیت اس کی نیکیاں لے سکتے ہیں۔ جبکہ مجرم کے پاس گستاخی کے ازالہ کی کوئی نیکی نہیں سوائے اس کے کہ وہ درود و سلام پڑھے اور ثنائے خواجہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توبہ حقوق آدمی کے اعتقاد کے بغیر

صادر ہوئی پھر اس حق کا نبوت کے ساتھ بھی لامحالہ تعلق ہے یہاں یہ بات لائق توجہ ہے کہ ہم مذکورہ بالا دونوں قولوں میں سے کسی قول کو ترجیح نہیں دیتے۔

پھر جب بندوں کے حقوق حقِ خداوندی کے تابع ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حقوقِ توبہ کے ذریعے مرتد اور عہد شکن سے ساقط ہوتے ہیں؟

ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ ان پر توبہ کے بعد حدود قائم کی جائیں گی توبہ سے صرف مجرد ارتداد اور مجرد عہد شکنی کی سزا ساقط ہوتی ہے اور یہ زیرِ بحث مسئلہ اس نوعیت کا نہیں۔

قولِ معترض:

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اپنے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو بتاتے ہیں کہ ایمان کفر کو مٹا دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس شخص کو معاف کر دیتے ہیں جو آپ ﷺ کے حق کا انکار کرتے ہیں۔

یہ بہت عمدہ توجیہ ہے جب جرمِ اہانت صرف اعتقاد کا موجب ہو کیونکہ اسی اعتقاد نے مجرم کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دی تو جس نے ایمان کے ذریعے اعتقادِ کفر کا ازالہ کیا تو اس کا موجب بھی زائل ہو گیا جہاں تک اس مجرم کا تعلق ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لانے یا عہدِ ذمہ کرنے کے بعد اس جرم پر گستاخی کا اضافہ کرے اور نبی ﷺ نے اس کو معاف کرنے کا التزام نہ کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو اسے معاف کرنے یا معاف نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ سوال میں مذکورہ تقدیرِ کلام اس جرمِ اہانت پر دلالت کرتی ہے جس کو اعتقادِ کفر نے واجب کیا پھر اعتقادِ ایمان نے اس کا ازالہ کیا کیونکہ یہ وہی معاملہ ہے جس کی طرف کفر دعوت دیتا ہے اور یہ معاملہ ایمان لانے سے زائل ہو گیا۔ جہاں تک اس کے علاوہ دیگر مسائل کا تعلق ہے تو اس جہت سے نبی اکرم ﷺ اور دیگر عام لوگوں میں کوئی فرق نہیں اس کی صورت یہ ہے کہ اگر جرمِ اہانت کا مرتکب اگر حربی ہو تو اس جہت سے رسول ﷺ کی اہانت اور عام آدمی کی اہانت میں کوئی فرق نہیں اگر مجرم مسلمان یا ذمی ہو پھر رسول ﷺ کی گستاخی کرے اور اس کا اعتقاد اس کا موجب نہ ہو تو اس مسئلے میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ اس نے غیر نبی کو گالی دی ہو پس تجدیدِ اسلام اس معاملہ میں تجدید توبہ کی مانند ہے جو جرمِ اہانت سے روکتی ہے خواہ وہ موجبِ اہانت کو رفع نہ کرے کیونکہ اہانت کا موجب کفر نہیں اور ہمارا کلام اس اہانت کے متعلق ہے جو موجبِ کفر نہیں مثلاً نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایسا افتراء کرنا جس کا افتراء ہونا معلوم و متحقق ہو لیکن جب گستاخ شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی ایسی عظمت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کو ایسے افتراء سے باز رکھتی ہے جیسے مسلمان کی توبہ اس کے دل میں گناہ کی سنگینی کا احساس پیدا کر دیتی ہے جو اسے آئندہ ارتکابِ گناہ سے روکتی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قبولِ اسلام اس کو جرمِ اہانت سے نہ روکے اور گستاخی کا موجبِ کفر کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہو کیونکہ قبولِ اسلام اس کو دفع کرنے میں کمزور ہوتا ہے جیسے توبہ کبھی موجبِ اذیت چیز کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے۔

یہاں اس اصول کی نشاندہی ضروری ہے کہ کسی امر کا اٹھنا اس کے سبب کے اٹھ جانے سے یا اس کی ضد پائے جانے سے ہوتا ہے اسی لیے جس چیز کو اعتقاد واجب کرتا ہے جب اعتقاد زائل ہو جاتا ہے تو اس کا سبب بھی زائل ہو جاتا ہے اور اس اعتقاد کے

اعادہ کا اندیشہ نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کا سبب عود کر آئے اور جس افتراء واہانت کا موجب اعتقاد نہ ہو وہ اسلام اور توبہ سے رفع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ضد کا رفع ضد ہی سے ہوتا ہے (یعنی کفر کا رفع اسلام سے اور گناہ کا ازالہ توبہ سے!

اس لحاظ سے یہ کلام اس مسئلہ میں ہے کہ گستاخ کی توبہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے مابین ہے کیا حقِ رسول ﷺ اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

بہر حال یہ بات متحقق ہے کہ توبہ اس حق کو ساقط کرے یا نہ کرے اس کے اظہار سے سزا ساقط نہیں ہوگی، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ گستاخ مجرد ارتداد یا محض عہد شکنی کی بناء پر قتل کیا جائے گا کیونکہ مرتد کی توبہ مقبول ہے یونہی مجرد عہد شکنی کرنے والے کا اسلام لانا مقبول ہے اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

ہم گزشتہ مباحث میں قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ زیرِ نظر مجرم (گستاخ) سنگین ارتداد اور مغلظ عہد شکنی کی وجہ سے واجب القتل ٹھہرا اور ان جرائم کی وجہ سے وہ محاربہ کرنے والے اور زمین میں فساد پھیلانے والے مجرم کی مانند ہوا۔

پھر جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا مجرم حقِ آدمی کی بناء پر واجب القتل ہوتا ہے ان کے نزدیک جب سزا کے ساتھ دو حق متعلق ہوں یعنی حقِ خدا اور حقِ آدمی پھر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے مگر حقِ آدمی کا بدلہ لینا باقی رہتا ہے مسئلہ زیرِ بحث میں تائب کی یہی صورت ہے کہ توبہ سے حقِ خداوندی ساقط ہو گیا مگر حقِ آدمی باقی رہا۔

جو علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کے واجب القتل ہونے کی وجہ حقِ خداوندی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی مثال محارب ہے ان کے نزدیک شانِ الوہیت کے گستاخ اور شانِ رسالت ﷺ کے گستاخ میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

مقدمہ دوم میں مخالفین کا دعویٰ ہے کہ گستاخ جب توبہ کرے تو ضروری ہے کہ ہم اس کی توبہ قبول کریں۔

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ اس بنیاد پر ہے کہ ایسی توبہ مطلقاً مقبول ہے اور اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

پھر یہاں اس کا جواب دو وجہ سے ہے۔

ہم اس کے بموجب قول کرتے ہیں یعنی اس مجرم کی توبہ قبول کرتے ہیں اس کے اسلام کی صحت کا حکم کرتے ہیں جیسے قذف لگانے والے کی توبہ قبول کرتے ہیں اور اس کی عدالت کا حکم دیتے ہیں یونہی چور کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ لیکن اصل بحث تو اس کی سزا کے ساقط ہونے میں ہے کیونکہ جو مجرم قابو اور دسترس میں آنے کے بعد توبہ کرے اس کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو مجرم مجرد ارتداد اور عہد شکنی سے بڑھ کر جرم کرے اور اس پر سزا ثابت ہو جائے تو اس سے حقوق العباد ساقط نہ ہوں گے خواہ ہم اس سے توبہ قبول کر لیں ایسے مجرم کو دیگر جرموں کی طرح سزا سے پاک کرنا پڑے گا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں جرم کی صحت توبہ اور بخشش کے معاملہ میں کوئی تنازع نہیں کیونکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے بحث تو اس میں ہے کہ کیا اس کی دنیوی سزا توبہ سے ساقط ہو جائے گی حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں البتہ ہم ایسے مجرم کی توبہ اور اسلام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو پاک کرنے کے لیے سزا تجویز کرتے ہیں یہ ان علماء کے جواب میں ہے جو مجرم کو بطورِ سزا قتل کرنے کے قائل ہیں اور اس کے ساتھ اس کے اسلام کی

صحت کا حکم کرتے ہیں۔

دوم: یہ حدیث ظاہراً قبول کی جائے گی جب اس کا خلاف شرعی طریق سے ثابت نہ ہوگا مگر اس کا خلاف یہاں شرعی طریق سے ثابت ہو چکا یہ جواب ہے ان علماء کا جو ایسے مجرم کو زندیق قرار دے کر قتل کرنے کے قائل نہیں وہ ذمی گستاخ کے قتل کا بھی یہی جواب دیتے ہیں اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ ذمی جب عہدِ ذمہ کی حالت میں زندیق ہے تو اس کے اسلام پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک حربی اور مرتد اور ان جیسے دوسرے کافروں کا یقینی قتل کی کیفیت دیکھ کر اسلام لانا ہے تو ایسا جائز ہے یعنی ان کا اسلام لانا درست ہے کیونکہ ان کے خلاف ہماری لڑائی کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ مشرف باسلام ہو جائیں اور اسلام لانے کی صورت یہی ہے کہ وہ زبان سے اسلام کی گواہی دیں خواہ باطن میں کھوٹ رکھیں ان پر مسلمان ہونے کا حکم ہوگا اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر کافر کو قتل کرنا ضروری ٹھہرتا خواہ اسلام لاتا یا نہ لاتا اس صورت میں ان کے خلاف جنگ کا حکم اسلام لانے تک مشروط نہ ہوتا بلکہ دائمی جنگ کا حکم ہوتا اور یہ باطل ہے پھر کافر کبھی مجبور ہو کر اسلام قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو محبوب بنا کر اس کے سینے میں آراستہ کر دیتا ہے اسی طرح کبھی مال کی رغبت یا تلوار کے خوف سے مسلمان ہو جاتا ہے۔

یہاں کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے فسادِ اسلام پر دلالت کرتی ہو سوائے اس کے کہ وہ کسی حق (کی خلاف ورزی) پر مجبور کیا جائے اور یہ مسئلہ قابلِ التفات نہیں۔

جہاں تک گستاخ کا تعلق ہے ہم اس کو اس کے گزشتہ جرمِ اہانت کی بناء پر واجب القتل ٹھہراتے ہیں جیسے ذمی کو کسی گناہ مسلمان کے قتل یا کسی مسلمان عورت سے زناء کی پاداش میں قتل کرتے ہیں یا جیسے مرتد کو قتل وغارت کے جرم میں قتل کرتے ہیں اس کی تقریر گزر چکی مگر اس کو قتل کرنے کے ارادہ سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ دائرہ اسلام میں آ جائے بلکہ ہم اس کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اذیت دی ہم اس کو دوسروں کے لئے نشانِ عبرت بناتے ہیں تاکہ وہ ارتکابِ جرم سے باز رہے پھر وہ اسلام لے آئے اور ہم اس کے اسلام کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو اس کا قبولِ اسلام وجوبِ سزا سے مانع نہیں جیسے محارب مرتد یا عہد شکن کا مسئلہ ہے یہ مجرم اگر دسترس میں آنے کے بعد اظہارِ اسلام کرے تو بالاتفاق سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ اگرچہ ان کے اسلام کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس مجرم (گستاخ) کا اسلام صحیح نہ مانا جائے تو تو اس کے درمیان اور حربی مرتد کے درمیان دو وجہ سے فرق ہے۔

1۔ حربی اور مرتد سے ایسا کوئی امر پہلے ظاہر نہ ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف ہے بلکہ مرتد کا اظہارِ ارتداد اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا اظہارِ اسلام صحیح تھا۔ یہ شخص پہلے مسلسل اپنے اسلام کا اظہار کرتا رہا۔ اب اس نے ایسی بات کا اظہار کیا جو اس کے فسادِ عقیدہ پر دلالت کرتی ہے اب دوبارہ اس کا اظہارِ اسلام قابلِ وثوق نہ رہا یہی حکم ہے عہد شکن ذمی کا، جس نے ہم سے اس شرط پر عہدِ ذمہ کیا تھا کہ اہانت کا مرتکب نہ ہوگا اب اہانت کے جرم سے اس کا دھوکا ثابت ہو گیا اس لیے اگر وہ گرفتاری برائے قتل کے بعد اسلام لانے کا دعویٰ کرے تو اس کی خیانت اور دھوکا بازی کا زیادہ امکان ہے کیونکہ پہلے اس کو ظاہری گستاخی سے منع کیا گیا اور اس نے اپنی شرط کو پورا نہیں کیا تو اسلام لانے کے بعد جب ظاہری اور باطنی گستاخی سے ممنوع ہوگا تو اس عہد کی پاسداری کی اس سے کیا توقع ہوگی؟ اس مجرم کے پاس فعلِ اہانت کا کوئی عذر نہیں تھا کیونکہ یہ جرم خود اس کے دین میں حرام تھا

جب اس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا تو وہ منافقوں کی مثل ہو گیا۔

2۔ ہم حربی یا معاہدے سے قبولِ اسلام کا مطالبہ کرتے ہیں پھر جب وہ حسب قدرت ہمارا مطالبہ پورا کر دیتا ہے تو اس کے اسلام لانے اور اسلام کے صحیح ہونے کا حکم کرنا واجب ہے جبکہ گستاخ کے معاملہ میں ہمارا مطالبہ صرف قتل کا ہے، وہ اسلام کا اظہار کرے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی سزائے قتل ٹل جائے جیسے محارب دسترس میں آنے کے بعد توبہ کر لے یا اسلام لے آئے۔ تو اس کا قبولِ اسلام صحیح متصور نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی سزا ساقط ہوگی۔ حقیقتِ امر یہ ہے کہ حربی اور مرتد کو قتل کرنے کی وجہ اس کا کفر حاضر ہے اس سے جنگ کی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ حالتِ جنگ یا حالت گرفتاری میں اکراہ کے بغیر اسلام قبول کرے پس اس صورت میں اس کا اسلام قبول کرنا واجب ہوگا جہاں تک گستاخ اور عہد شکن ذمی کا تعلق ہے اس کو اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ کفر پر قائم ہے یا وہ دیگر غیر معاہدین کی مانند ہے جیسا کہ ہم نے دلائل سے ثابت کیا کہ جرمِ اہانت اس کے قتل میں مؤثر ہے اور اس نے توبہ اس وقت کی جب اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا گیا بلکہ اس کو سزا کے لیے پکڑا گیا لہٰذا اس کی توبہ قبول نہیں۔

اس حال میں گستاخ کے صحتِ اسلام کا حکم حسبِ ذیل دو مآخذوں پر مبنی ہے ساتھ ہی سزائے قتل کے واجب ہونے کا قول ہوگا۔

1۔ گستاخ کا اسلام لانا صحیح نہیں یہ امام ابنِ قاسم وغیرہ مالکی علماء کے قول کا مقتضیٰ ہے۔

2۔ اس کا اسلام لانا صحیح ہوگا اس پر امام احمد اور ان کے شاگردوں کا وہ کلام دلالت کرتا ہے جو ذمی کے متعلق ہے ان کے نزدیک صحت اسلام کے ساتھ وجوب حد بھی ہے جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے، جب وہ جرمِ اہانت کرے پھر اسلام لے آئے اور مذکورہ جرم میں قتل کر دیا جائے تو جن علماء کا یہ نکتۂ نگاہ ہے کہ اس کو جرمِ اہانت کی پاداش میں قتل کیا گیا کیونکہ یہ حق آدمی تھا یا محض اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد تھی وہ کہتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا صحیح ہے یہ ہمارے بکثرت حنبلی علماء اور دیگر علماء کا قول ہے اور بعض شافعی علماء کا بھی یہی نکتۂ نگاہ ہے۔

اسی طرح جو علماء اس کو توہین الوہیت اور زندقہ قرار دیتے ہیں وہ اس پر اظہار اسلام کے بعد قتل ہونے پر زندیق کا حکم لگاتے ہیں یہ کثیر تعداد میں مالکی علماء کا قول ہے ہمارے بعض حنبلی علماء بھی اسی کے قائل ہیں جو علماء منافقین کے ظاہری اسلام کو تسلیم کرنے کے نبوی فیصلے سے استدلال کرتے ہیں ان کا جواب بھی اسی پر مبنی ہے اس استدلال کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمام منافقوں کا ظاہری اسلام قبول ہو مگر یہ دلیل گزشتہ چار وجوہ کی بناء پر درست نہیں۔

1۔ ان کا اسلام اسی صورت میں قبول کیا جائے گا جب ان سے خلافِ اسلام کوئی چیز ثابت نہ ہو۔ وہ لوگ اس بات سے انکار بھی کرتے تھے کہ انہوں نے اسلام کے خلاف کلام کیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حضور کسی معین شخص کے کفر پر دلیل قائم ہو جاتی تو اس کے اظہار سے ہرگز باز نہ آتے تھے۔

2۔ نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ حق کے آغاز میں حکم تھا کہ آپ ﷺ کافروں اور منافقوں کی اذیت رسانی پر چشم پوشی اور صبر سے

کام لیں اس میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا ہوا اور نفرت کا ازالہ ہو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ:73)

اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد فرمایئے اور ان پرسختی کیجئے

3- ہم اس کے بموجب کہتے ہیں کہ اس لیے اس جرم کا دعویٰ اسلام قبول کرتے ہیں مگر اس پر جرم اہانت کی حد قائم کرتے ہیں جس طرح کہ وہ کسی اور قابل نہ جرم کا مرتکب ہوتا تو اس پر حد قائم کرتے یہ ان علماء کا جواب ہے جو گستاخ کے صحت اسلام کے قائل ہیں مگر گستاخی کی خرابی کی بناء پر اس کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے کسی گستاخ سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا نہ اس کو تلوار کی باڑھ پر اس لیے رکھا کہ وہ اپنے گستاخانہ کلام سے توبہ کرے البتہ اس کی سزا کے موجب پر اجماع ہے کیونکہ جب کسی شخص کے کفر اور زندقہ پر شرعی شہادت قائم ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا یا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ نہ کرے گا تو واجب القتل ٹھہرے گا۔

جہاں تک گستاخ کی طرف سے مجرد انکار کو کافی سمجھنے کا تعلق ہے میرے علم کے مطابق کوئی اس کا قائل نہیں بلکہ کم از کم زبان سے توحید و رسالت کا اقرار اور گستاخانہ کلام سے برأت کا اظہار ضروری ہے سیرتِ مطہرہ میں منافقوں کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس کی حسب ذیل شرطیں مفقود تھیں۔

1- نفاق کا کامل تحقق اور ثبوت نہ تھا۔

2- ان پر حد قائم کرنا دشوار تھا۔

3- اس وقت اسلام کمزور تھا اس لیے تالیف کی مصلحت پیشِ نظر تھی۔

پھر جب دین قوی ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

اگر گستاخ کے ظاہری اسلام کی قبولیت سے استدلال کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا استحقاق تھا کہ آپ شاتم کو اپنی حیاتِ ظاہری میں معاف کرنے کے مجاز تھے لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں۔

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گستاخ کا واجب القتل ہونا ظاہر ہو جائے اور ہر عہد شکن محارب ایسا نہیں کہ اسلام لانے سے اس کی سزا ساقط ہو جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا مجرم کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے یا رہزنی کا مرتکب ہو۔ یا بدکاری مسلمان عورت سے کرے تو اس کو سزا دینا لازم ہے بلکہ اس کو محارب کہنا اسی لیے ہے کہ وہ آیت کے حکم میں داخل ہو جائے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی اور آپ ﷺ کو گالی دی پھر آپ ﷺ نے ان کو معاف فرمادیا اس کا جواب پہلے مسئلے کے ضمن میں گزر چکا جہاں ہم نے ان گستاخوں کے حالات بیان کیے اور وضاحت کی کہ گستاخی کے معاملہ میں حقِ رسول ﷺ کو فوقیت اور ترجیح حاصل ہے اس لیے گستاخ کو سزا دینے یا معاف کر دینے کا اختیار نبی اکرم ﷺ کے پاس ہے۔

اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حضور ﷺ کی طرف سے معاف کرنے کی وجہ سے گستاخ کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ اس ضمن

میں یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ مذکورہ بالا ہجوگو لوگ حربی تھے اور اہلِ حرب سے مسلمانوں کے خون و مال اور عزت و آبرو کا بدلہ نہیں لیا جاتا ہے۔ جبکہ مسلمان یا معاہد ان جرائم کا ارتکاب کریں تو ان سے بدلہ لیا جاتا ہے۔ مخالفین کا یہ قول غلط ہے کہ

ذمی اسی طرح جرم اہانت کو حلال جانتا ہے جس طرح حربی اس کو مباح سمجھتا ہے اگرچہ جان و مال کے حلال ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اس قول کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ ذمہ نے ان کو ہمارے دین میں طعن کرنے سے منع کر دیا اور ان پر لازم ٹھہرایا کہ وہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی نہ کریں اسی طرح ہماری جانوں اور مالوں کے خلاف دست درازی سے روک دیا۔ حالانکہ وہ اپنے دین کی رو سے ان باتوں کی حرمت کے قائل نہیں۔ مگر عہدِ ذمہ نے یہ چیزیں ان پر حرام ٹھہرا دیں۔ اس کے برعکس ہم نے اہلِ ذمہ سے اس شرط پر معاہدہ نہیں کیا کہ ہم ان کے دینِ باطل کے عیب ظاہر نہ کریں گے بلکہ ہم نے ان سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ ہمارے ملک میں اپنی مرضی کے مطابق رہیں مگر اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہمارے احکام ان پر جاری ہوں گے اگر ایسا التزام نہ ہو تو ان کی ذلت اور صغار کا اظہار کیسے ہوگا۔

مخالفین کا یہ کہنا کہ

ذمی جب جرمِ اہانت کا ارتکاب کرے تو دو صورتیں ہیں یہ کہ اس کو حربی گستاخ کی طرح کفر و حراب کی پاداش میں قتل کیا جائے گا یا اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تقسیم منتشر ہے ایسے مجرم کو (عقدِ ذمہ کے بعد) کفر و حراب کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جو شخص ذمہ کے بعد محاربہ کرے وہ حربی الاصل کی مانند ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ذمی جب کسی مسلمان کو قتل کرے تو اس پر دو باتیں جمع ہو گئیں ایک یہ کہ اس نے عہد شکنی کی اور دوسرا یہ کہ اس پر قود لازم ہو گئی اگر اس مجرم کو مقتول کا ولی معاف بھی کر دے تو عہد شکنی کی وجہ سے سزا اور قتل ہوگا اسی طرح وہ مسلمانوں کو ضرر دینے والے امور کی بناء پر واجب القتل ہوگا۔ اس مسئلہ میں اس کا حکم بالاجماع وہ نہیں جو حربی الاصل کا ہے تو یہ ایک شرعی سزا ہوگی اس لیے دونوں اوصاف کے درمیان کوئی منافات نہیں کہ ایک وصف کو دوسرے وصف کا قسیم قرار دیا جائے ہم نے واضح دلائل کے ذریعے ثابت کیا کہ گستاخ کا قتل اس وجہ سے نہیں کہ وہ کافر غیر معاہد تھا بلکہ یہ جرمِ اہانت کی سزا ہے جو عہدِ ذمہ کی وجہ سے واجب ہوئی اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ گستاخی عہد شکنی کو مستلزم ہے اور گستاخی کے سبب محارب غادر ہو جاتا ہے یہ سزا بدکاری جیسے جرائم کی سزا کی مانند نہیں اس لیے یہ ہمارے لیے باعث مضرت نہیں یہ تو حد محاربہ کی طرح ایک حد ہے۔

مخالفین کا یہ قول ہے کہ

گستاخی میں ہتکِ عزت سے زیادہ کچھ نہیں اس سے صرف کوڑوں کی سزا لازم ہوتی ہے۔

اس کلام کے تین جوابات ہیں

1- یہ کلام اصل مسئلہ کے متعلق ہے کیونکہ جب اس سے صرف کوڑوں کی سزا لازم آئے گی تو وہ امور جو کوڑوں کی سزا کو واجب کرتے ہیں وہ عہدِ ذمہ کو نہیں توڑتے۔ ان سے عہد شکنی نہ ہوگی جیسے بعض مسلمانوں کو گالی دینا۔ قبل ازیں ہم نے واضح اور ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کیا کہ ذمی اگر جرمِ اہانت کا مرتکب ہو تو واجب القتل ہوگا۔ اس کا عہدِ ذمہ (جس سے خون محفوظ ہوتا ہے)

باقی نہیں رہے گا ہم نے وضاحت کردی کہ عام مسلمانوں کی ہتکِ عزت کوڑوں کی سزا کی موجب ہے جہاں تک توہینِ رسالت کا معاملہ ہے اس سے گستاخ واجب القتل ہے کیونکہ ذمی معاہد سے اس شرط پر صلح کی گئی کہ وہ رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی توہین نہیں کرے گا پس جب اس نے اہانتِ رسول ﷺ کا ارتکاب کیا تو اس کو قتل کرنا لازم ہوگا جیسے وہ راہزنی یا زنا کا مرتکب ہوتا تو اس کو قتل کرنا لازم ہوتا۔ (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی عزت اور عام مسلمان کی عزت کو مقدارِ سزا میں برابر قرار دینا بدترین قیاس ہے۔

رسول ﷺ اور غیر رسول ﷺ کے درمیان جو واضح فرق ہے اس پر گفتگو کرنا نرا تکلف ہے کیونکہ رسول ﷺ کی عزت اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر واجب قرار دی ہے۔ اور لازم ٹھہرایا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر درود و سلام پڑھیں آپ کی مدح و ثناء کریں محبت اور تعظیم و توقیر سے پیش آئیں آپ کے حضور کلام میں تواضع اختیار کریں آپ کا حکم مانیں آپ ﷺ کے اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و حرمت کی پاسداری کریں یہ ایسی صریح باتیں ہیں جو کسی مسلمان عالم پر پوشیدہ نہیں نبی اکرم ﷺ کی عزت سے اللہ کا دین اور اس کی کتاب قائم ہے، مسلمانوں کی بقاء ہے اسی سے ایک قوم کے لیے جنت واجب ہوئی اور دوسری کے لیے جہنم لازم ہوئی۔ اسی سے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو بہترین امت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی عزت کا کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے پاک ذکر کے ساتھ ملایا آپ ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت ٹھہرایا نبی کی اطاعت کو اپنی اطاعت اسی طرح نبی کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دیا ہے یہ ایسے خصائص ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

اگر نبی ﷺ کی اہانت کو کفر نہ قرار دیا جائے تو کیا یہ مناسب ہے کہ گستاخِ رسول ﷺ کی سزا کو گستاخِ غیر رسول کے برابر قرار دیا جائے؟

فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی امت کی طرف مبعوث کیا اور دوسری امت کو اس پر عمومی یا خصوصی ایمان لانا واجب نہ ٹھہرایا۔ پھر کوئی بدبخت اس کی نبوت کو جانتے ہوئے اس کو گالی دے یا لعن طعن کرے تو کیا ایسا کہنا درست ہوگا اس گستاخ نبی اور عام آدمی کے گستاخ کی سزا برابر ہے؟ یہ یہودیوں کے اس قیاس سے بھی بدتر ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ بیع سود کی طرح ہے۔

شبہ: ذمی فعلِ اہانت کو حلال جانتا ہے۔

جواب: ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ عہدِ ذمہ کی وجہ سے فعلِ اہانت اس ذمی کے دین میں اسی طرح حرام ہوگیا جس طرح ہماری جانیں، مال اور عزتیں حرام ہوگئیں اسی لیے جب وہ فعلِ اہانت کا مرتکب ہوتا ہے تو بخوبی سمجھتا ہے کہ اس نے ایک جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا اور یہ کہ ہم نے عہدِ صلح اس لیے نہیں کیا کہ اس کو ایسے جرائم کی کھلی چھٹی ہو۔ پھر اگر اس کے علم میں ہو کہ اس جرم کی سزا قتل ہے تو بہتر ورنہ سزا کا جاننا ضروری نہیں کیونکہ حدود کے مرتکب کے لیے ان کی حرمت کا علم ہی کافی ہے جیسے زنا، چوری، شراب نوشی قذف یا رہزنی کے مرتکب کا مسئلہ ہے۔

اس شبہ کا ایک اور جواب یہ ہے کہ اہلِ ذمہ کا دین ان کے لیے کسی نبی کی اہانت مباح نہیں کرتا۔ اگرچہ ان کا دین باطل ہے

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کی اتباع ضروری نہیں جانتے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ نبی کی اہانت جائز سمجھتے ہیں تو یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ ان کی کثیر تعداد یا اکثریت ایسی عقیدہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ گستاخی اور اہانت کی دو قسمیں ہیں:

1- ایسی گستاخی جس کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ قسم ایسی ہے کہ وہ اس کو حلال نہیں جانتے۔

2- ایسی گستاخی جس کے ساتھ وہ کفر کے مرتکب ہوں یہ دوسری قسم ایسی ہے کہ وہ اس کو حلال نہیں جانتے۔

شبہ: اہلِ ذمہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کی گئی کہ وہ گستاخی کے مرتکب نہ ہوں گے اور اگر ایسا کریں گے تو ان کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب: اس جرم کے ارتکاب پر عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور مجرم کو سزا ملے گی اگر اس کو سزا نہ ملے اور وہ ہمیں اذیت دے کردارِ حرب چلا جائے تو اس کے درمیان اور قاتل چور، رہزن اور گستاخِ عہد گستاخ کے درمیان کوئی فرق نہ رہے اور ان کی حالت یکساں ہو جائے حالانکہ یہ جائز نہیں۔

شبہ: سزائے قتل شرعی حکم ہے اس کے لیے شرعی دلیل درکار ہے۔

جواب: یہ مطالبہ صحیح ہے کتاب وسنت اور اثر ونظر کے شرعی دلائل اس ضمن میں گزر چکے جو دلالت کرتے ہیں کہ جرمِ اہانت خاص نوع کا جرم ہے اس لیے موجبِ قتل ہے اور یہ شرعی حکم دلیل استحسان واستصلاح سے ثابت ہوا بلکہ ہم نے اس کو نصوص کتاب وسنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا ہے۔ شارع کی ایماء اور تنبیہ اس پر دال ہے کہ ناموسِ رسول ﷺ کی حرمت وعظمت کا تحفظ سزائے قتل کے بغیر نہیں ہو سکتا خصوصاً جب ہتکِ عزت کا داعیہ بڑا اور طاقتور ہو۔ اور سزا خفیف ہونے سے حرمت میں کمی آتی ہو نیز دلوں میں اس ہستی کی قدر وشان گھٹ جائے جس کی عظمت شان سارے جہاں سے بڑھ کر ہے اور ظلم یہ ہے کہ اس کی شان کو زید وعمرو کی شان کے برابر سمجھا جائے اور اعدائے دین اس کا تذکرہ ناگوار الفاظ میں کریں کیا کسی ایسے شخص کو اس مسئلہ میں ذرا بھر شک ہو سکتا ہے؟ جس نے شریعت کو الٹ پلٹ کر گہری نظر سے دیکھا ہو کہ اس (شریعت) کے محاسن ناموسِ رسول ﷺ کا تحفظ ضروری قرار دیتے ہوئے گستاخ کا قتل لازم ٹھہراتے ہیں دراصل یہ حرمت ناموسِ رسول ﷺ ساری مخلوق کی حرمتوں سے زیادہ ہے اور اس حرمت کا تعلق اللہ رب العالمین کی حرمت سے ہے اس میں کفر وارتداد کا لحاظ نہیں وہ دونوں مفسدے ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں اس وقت ہم مصالح مرسلہ سے استدلال نہیں کر رہے کیونکہ مسئلہ زیرِ بحث میں خاص شرعی دلائل موجود ہیں ہم تو حکمت شرع کی وضاحت کے لیے اس مسئلہ میں پوشیدہ عظیم مصلحت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کیونکہ دل جب اس کی حکمت کو سمجھ لیتے ہیں تو فوراً اس کی جانب جھک جاتے ہیں اور نفس اس کی مصلحت سے آگاہ ہو کر شدید تشنگی محسوس کرتے ہیں۔ پھر اگر اس مسئلہ میں کوئی نص یا اثر نہ ہوتا مجتہدانہ رائے ضرور فیصلہ سناتی کہ اس جرم کی خصوصیت کی بناء پر مجرم لازماً واجب القتل قرار پاتا ہے نہ اس عموم پر کہ یہ جرم کفر ہے یا ارتداد ہے یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ اس میں کفر یا ارتداد کا عمل دخل نہیں تب بھی یہ سزائے قتل کو

لازم ٹھہراتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی سزاؤں میں جرم کی شدت کا لحاظ رکھا جاتا ہے جرم جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے جرم درمیانہ ہو تو اس کی سزا بھی درمیانی اور جرم چھوٹا ہو تو اس کی سزا بھی چھوٹی ہوتی ہے۔ پس جب یہ جرم اہانت علیحدہ جرم ہوا تو ممتنع ٹھہرا کہ اس کو مجرد اذیت کے مقابل رکھا جائے اور کوڑوں اور قید کی سزا تجویز کی جائے اور اس جرم کو زید و عمرو کی ہتکِ عزت کے برابر قرار دیا جائے جو شخص اسباب شرع پر معمولی بھی نظر رکھتا ہے اس پر پوشیدہ نہیں کہ یہ قیاس واجتہاد کی بدترین قسم ہے۔

ایسے ہی جرم خاص سزا سے خالی ہو تو فساد کا حامل ہے اگر اس کو اوسط درجہ کا جرم کہا جائے جیسا کہ مہاجر بن ابی امیہ نے سمجھا یہاں تک کہ ایک گستاخ لونڈی کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس کے سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے مگر یہ باطل ہے۔ دیکھیئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ جرم سب سے بڑی حرمت کے خلاف اقدام جرم ہے۔

کیونکہ اس بڑی حرمت (یعنی حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی سزا اور درمیانی حرمتوں کی سزا (مثلاً قطعِ اعضاء) کے درمیان کوئی مناسبت نہیں، اس لیے ایک بڑی سزا (یعنی سزائے قتل) اس سنگین جرم (اہانت) کے لیے ثابت اور متعین ہے۔

اگر بدقسمتی سے جرمِ اہانت کی مصیبت نازل ہو جائے اور ہمارے پاس کوئی قابلِ اتباع فیصلہ یا حکم موجود نہ ہو، پھر شک میں مبتلا شخص اس جرم کو بڑے جرائم سے لازمی الحاق کو شک کی نظر سے دیکھے تو اس کو صاحب بصیرت فقیہ نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ اس طرح کی مصلحت ایسی کھلی نہیں ہوتی کہ شرع شریف میں اس کے لیے کوئی قانون نہ ہو، فرض کرو کہ اس جرم کی کوئی اصل ایسی نہیں جس کے ساتھ اس کو لاحق کیا جا سکے۔ پھر بھی اس کا فیصلہ ضروری ہے، اس لیے وہ فیصلہ کیا جائے گا جو اصول کلی سے مشابہت رکھتا ہو، کیونکہ اگر بمصلحت عمل نہ کیا جائے تو خرابی لازم آئے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خرابی اور مفسدہ کو پسند نہیں کرتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ حنبلی اور غیر حنبلی تمام علماء کا اس قسم کی مصلحتوں (جن میں کوئی اثر یا خاص قیاس موجود نہ ہو) میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس جرم کی بعض صورتوں میں توقف کرتے ہیں، مثلاً مسلمان جاسوس کے قتل میں یا ایسے ہی مجرم کے قتل میں، بشرطیکہ اس مسئلہ کو اس کے افراد میں شامل کیا جائے، وہ اس پر کبھی عمل کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے جبکہ اس میں کوئی اثر و روایت یا خاص قیاس موجود نہ ہو۔ جو شخص فقہاء کے ایسے تصرفات میں غور کرے گا۔ اس کو معلوم ہو گا کہ فقہاء ان تصرفات کا لحاظ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جب وہ کسی اصلِ شرعی کے خلاف نہ ہوں علمائے مناظرہ وکلام ان تصرفات کے ہونے میں اختلاف نہیں رکھتے اگر وہ فقہاء کی طرح اس میں غور و تامل سے کام لیتے تو اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتے کہ ایسے تصرفات اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے۔ اس میں غوطہ زن ہونے والوں کا ذوقِ فقہ ایک چیز ہے اور اس کے بڑے مسائل کی معرفت کے بغیر اس کے حواشی اور اطراف پر بحث کرنا دوسری چیز ہے۔ اہلِ کلام ومناظرہ صرف دوسری قسم میں کلام کرتے ہیں۔ وہ دوسروں پر وہ چیز لازم کرتے ہیں جس کے التزام پر خود قدرت نہیں رکھتے' وہ فقہی مسائل میں اس شخص کی طرح بحث کرتے ہیں جو صرف امور کلیہ اور عمومات سے آگاہ ہو۔ حالانکہ اس کی تفصیلات کے لیے خصوصی نظر اور دلائل کی ضرورت ہے جن کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو بڑے مسائل جانتا ہو۔

ہم نے اس کو قیاس خاص سے بھی ثابت کیا ہے یعنی اس شخص پر قیاس جو ارتداد اور عہد شکنی کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان

پہنچائے اور اس کی سزا قتل ہو، ہم قبل ازیں وضاحت کر چکے ہیں کہ جرم کی ایسی نوعیت مجرد ارتداد اور محض عہد شکنی سے زیادہ خاص ہے اور شرعی اصولوں نے جرم کی دونوں صورتوں کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے۔

ہم نے اس کا ثبوت خون معصوم کرنے والے ضابطوں کی نافی شقوں سے بھی کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مجرم (گستاخ) کا خون ارتکابِ جرم کی بناء پر مباح ہوا۔ اور جو دلائل مرتدوں اور عہد شکنوں کا خون ان کے اسلام لانے کے بعد معصوم ٹھہراتے ہیں۔ وہ لفظاً اور معناً دونوں طرح سے گستاخ کو شامل نہیں

ایک شبہ

بعض علماء کہتے ہیں ''اسباب میں قیاس صحیح نہیں''

جواب: یہ قول فقہاء کے نکتۂ نگاہ کے خلاف ہے اور قطعاً باطل ہے

مگر یہاں تفصیلی بحث کا موقع نہیں

ایک اور شبہ

حکمت و مصلحت کی نوع اور مقدار کی پہچان دشوار ہے

جواب: ہم اس کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ کبھی یہ ممکن ہوتی ہے اور کبھی دشوار بلکہ بعض اوقات تو اس کا قطعی علم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرع اصل میں پوشیدہ حکمت پر مشتمل ہوتی ہے بلکہ قدر زائد کے ساتھ،

ایک اور شبہ

قیاس سبب کو سبب ہونے سے خارج کر دیتا ہے

جواب: ہم کہتے ہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ سبب کا سبب ہونا اس کی سببیت سے مانع نہیں، اور سبب کی طرف نسبت سبب کی سبب کی طرف اضافت میں قادح نہیں جس سے آگاہی ضروری ہے۔

ایک اور شبہ

جو جرائم سزائے قتل کو بطورِ حد واجب کرتے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ساتھ جرم اہانت کو لاحق کرنا درست ہو۔

جواب: یہ جرم سنگین قسم کے ارتداد اور عہد شکنی سے لاحق ہے بلکہ یہ ارتداد اور عہد شکنی سے کہیں بڑا فساد ہے جیسا کہ اصولِ شرع کے شواہد سے اس کی وضاحت ہو چکی ہے، مزید براں یہ حکم ایسی اصل کا محتاج نہیں جس پر اسے قیاس کیا جائے۔ بلکہ یہ ایک مستقل ضابطہ ہے۔

پھر یہ کلام اس قول کے مقابل ہے جو اس سے زیادہ روشن اور باعتبار دلیل زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ اس مجرم سے تعرض نہ کرنے کا وجوبی قول، بعد اس کے کہ اس کے مباح الدم ہونے پر اتفاق ہو چکا۔ ایک بلا دلیل قول ہے، بجز اس کے کہ اس کو مرتدوں اور عہد شکنوں پر قیاس کیا جائے حالانکہ دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اور جو شخص کسی چیز کو اس کی مخالف اور مفارق چیز پر قیاس

کرے تو اس کا قیاس فاسد ہے پس اگر اس قیاس کو سبب عاصم (یعنی خون کی حفاظت کا سبب) قرار دیا جائے تو یہ ایک سبب کو دوسرے سبب پر قیاس کرنا ہے حالانکہ حکمت کی نوع اور قدر میں تباین اور اختلاف ہے۔اس سے لازم آتا ہے کہ جرم اہانت جو عزت وآبرو کے خلاف سب سے بڑا جرم ہے، سزا سے خالی ہو، ازروئے شریعت اس پر سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ پس یہ ایسا حکم ثابت کرنا ہے جو خارج از قیاس ہے۔اس سے لازم آتا ہے کہ موجب قتل جرم (یعنی گستاخی) کو بلحاظِ سقوط عام لوگوں کی عزت وآبرو سے بھی ہلکا اور خفیف بنا دیا جائے۔ یہ علت پر ایسی تعلیق ہے جو مقتضائے علت کی ضد ہے اور موجباتِ اصول سے خروج بھی ہے، کیونکہ سزاؤں کی وجوب میں شدت ان کے سقوط میں تخفیف کا باعث نہیں، اگر سزاؤں کی جنس ایسی ہو جو ساقط ہوسکتی ہو۔ خواہ سزا ہلکی ہو یا سخت، جیسے بعض حقوق اللہ کی سزائیں ہیں لیکن حقوق العباد سے متعلق سزا ہلکی ہو یا سخت، ہرگز ساقط نہیں ہوتی۔

پھر گستاخ سے مطالبہ توبہ کا قول کتاب اللہ سنتِ رسول ﷺ اور طریقِ اصحاب وخلفاء کے خلاف ہے اور یہ کہ گستاخ پر رسول اللہ ﷺ کا کوئی حق نہیں، جب ذمی دائرہ اسلام میں آجائے یا مسلمان پر کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس پر سزا عائد نہ ہو یہ ایسا قول ہے جو نبی اکرم ﷺ کی معروف سیرت اور واضح شریعت کے خلاف ہے یہ قول اپنے حکم کو ثابت کرتا ہے جس کی کوئی بنیاد ہے نہ کوئی نظیر، الا یہ کہ اس کو ایسے مسائل سے ملحق کر دیا جائے۔ جن کی مثال نہ ہو۔

جوابِ دوم

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے دعویٰ نہیں کیا کہ صرف گالی کی وجہ سے قتل کی سزا واجب ہوتی ہے ہم نے وضاحت کی ہے کہ ہر گالی جو مسلمانوں کو ضرر دے، محاربہ اور عہد شکنی کے مترادف ہے اس لیے ایسے مجرم کو گالی کا بطورِ خاص اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا فساد ان دلائلِ قطعیہ سے واضح ہوتا ہے جو ہم نے اس کے مؤثر ہونے کے متعلق ذکر کیے ہیں جب صورتِ حال یہ ہے تو ہم اس کو اسباب مقررہ میں سے ایک خارجی سبب قرار نہیں دیتے بلکہ یہ ایک سنگین اور مشہور سبب ہے اور یہ بدترین کفر ہے جیسے انسانی قتل قاتل کے مباح الدم ہونے کا موجب ہے پھر اگر ذمی عہد شکن محاربہ کے دوران قتل کرے تو اس کی سزا حتمی اور سنگین ہوگی ورنہ معاملہ مقتول کے وارثوں کی صوابدید پر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مقتول کا تعلق رہزنوں سے ہے اس لیے نہیں کہا جائے گا کہ قصاص میں مارا گیا۔ تاکہ اس پر ان لوگوں کے احکام مرتب ہوں جن پر قصاص میں مارا گیا۔ تاکہ اس پر ان لوگوں کے احکام مرتب ہوں جن پر قصاص واجب ہوتا ہے یہاں قتل کو خاص جرم کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ یعنی محاربہ کے دوران قتل، اسی طرح یہاں سزائے قتل کا موجب محاربہ ہی ہے۔

ایک اور شبہ

یہاں دلائل متردد ہیں کہ قتل مجرد محاربہ کی وجہ سے ہے یا خاص سبب (گستاخی) کی بناء پر؟

جواب: یہ نصوص اس مسئلہ میں ہیں کہ جرم اہانت مؤثر ہے اور اس میں تاثیر عہد ذمہ سے خالی مطلق کفر کی تاثیر سے زائد ہے۔ اس لیے جب شرع نے اس کا اعتبار کیا ہے تو اس کے بعد اس کے خاص جرم ہونے کے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ کہنا بھی

نمبر: 1 جواب اوّل عربی کتاب کے صفحہ 482 پر اور جواب سوم صفحہ 490 پر موجود ہے

درست نہیں کہ اس میں مؤثر وہ چیز ہے جو اس ضمن میں پائی جاتی ہے یعنی عہدِ ذمہ کا زائل ہونا، اسی لیے اس مجرم کو بلا تخییر قتل کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم اس کے دلائل ذکر کر چکے، پس جب معاملہ ایسا ہے تو معترض مخالف کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ قتل مباح اسلام لانے سے ساقط ہوتا ہے مثلاً ذمی کافر مسلمانوں کے خون، مال اور عزت و ناموس کو حلال جان کر پامال کرے پھر اسلام لے آئے تو اس کو سزا دی جائے گی۔ اس میں دو صورتیں ہیں اگر جرم موجب قتل ہو تو قتل کی سزا پائے گا اور اگر جرم دوسرا ہو تو اس کی نوعیت کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی ذمی کسی دوسرے ذمی کا خون حلال ٹھہرائے مثلاً ایک عیسائی کسی یہودی کو قتل کر دے یا اس کا مال حلال جان کر اس سے چھین لے یا اس پر بہتان لگائے یا اسے سب وشتم کرے تو اس کو اس جرم کے مطابق سزا دی جائے، اگر چہ وہ اسلام لے آئے یونہی کسی قافلہ کا راستہ روکے جس میں مسلمان بھی ہوں اور اہلِ ذمہ بھی پھر وہ کسی مسلمان یا ذمی کو قتل کر ڈالے تو اسے حتماً قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا عہدِ ذمہ اس جرم کی وجہ سے ٹوٹ جائے گا خواہ اس کے بعد اسلام قبول کر لے یہ کفر کی ایک فرع ہے اس کی علت یہ ہے کہ اس نے ایسے امر کے ساتھ عہد شکنی کی جس کو وہ عہدِ ذمہ سے پہلے حلال سمجھتا تھا (اور عہدِ ذمہ کے بعد اس کو حرام ٹھہرالیا تھا) اگر کوئی مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے تو اکثر فقہاء کے نزدیک واجب القتل نہ ہوگا جبکہ مقتول ذمی ہو اور اس کی سزا میں کفر اور قتل دونوں کا اثر ہے اگر چہ اس کا عہدِ ذمہ اس جرم کی وجہ سے زائل ہو چکا، اس لحاظ سے یہ گستاخی کی نظیر ہے۔ پھر اس کے بعد اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کی سزائے قتل اس سے ساقط نہ ہوگی بلکہ اسے حد یا قصاص میں قتل کیا جائے گا، خواہ اس کے ہاتھوں مسلمان مارا جائے یا ذمی دونوں صورتوں میں (بعد از اسلام بھی) واجب القتل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جرم میں دونوں صورتوں کا اجتماع ہو گیا کہ اس نے رہزنی بھی کی اور ایسے معاہد کو قتل بھی کیا جو اس کا ہم مذہب نہ تھا، اور اگر اس نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس فعل کو حلال سمجھتا تھا، حالانکہ وہ اس کفر سے تائب ہو چکا، پس اس جرم سے توبہ دوسرے فروعِ کفر کی مانند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرع لوازمِ کفر میں سے نہیں بلکہ عہدِ ذمہ کی رو سے اس کے اپنے دین میں حرام تھی جس طرح مسلمانوں کے خون اور مال اس پر حرام تھے۔

غلطی کا منشاء

اس مسئلہ میں غلطی کا منشاء یہ اعتقاد ہے کہ ذمی کافر اس جرم (یعنی اہانت) کو مباح سمجھتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس کی طرف سے مسلمانوں کے دین پر اعتراض کرنا ان کا خون بہانا اور مال چھیننا یکساں ہے اور ان جرائم میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ یہ سب کام عہدِ ذمہ کی بناء پر حرام ہیں صرف کفر کی وجہ سے حرام نہیں پھر کسی مسلمان یا ذمی کی ہتکِ عزت اور توہین کا معاملہ کفر سے توبہ کے ضمن میں کیوں نہ آئے گا جبکہ توہینِ رسالت ﷺ کا معاملہ ضمنِ توبہ میں مندرج ہے۔

جوابِ سوم

ہاں اس مجرم کو کفر اور محاربہ کی وجہ سے قتل کی سزا دی جائے گی اس لیے معترض کا کہنا کہ اسلام ہر کفر و محاربہ سے ثابت ہونے والی قتل کی سزا ساقط کر دیتا ہے۔ غلط ہے البتہ ہمارا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصلی کفر و محاربہ سے ثابت ہونے والی سزائے قتل قبول

اسلام سے ساقط جاتی ہے اس لیے جب کافرِ اصلی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگا تو اس سے زمانہ جاہلیت کی قتل وغارت اور توہین کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ جہاں تک ہنگامی اور طاری محاربہ (قتال) کا تعلق ہے تو بتایئے کس کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام انواع سے ثابت سزائے قتل اسلام سے ساقط ہوجاتی ہے ہاں ہمارا اتفاق ہے کہ ذمی جب ایسی عہد شکنی کا ارتکاب کرے جب اسلام لانے کے بعد قتال کرے رہزنی کے ذریعے فساد پھیلائے کسی مسلمان عورت سے زنا کرے۔ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے یا دینِ اسلام پر اعتراض کرے تو ان تمام صورتوں میں واجب القتل ہوگا جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کی دلالت ہے وہ بالا جماع ان جرائم کی پاداش میں قتل کیا جائے گا جیسا کہ محاربہ کے دوران قتل وغارت کرے تو واجب القتل ہے۔ اور جن مقامات پر اجماع قائم نہیں وہاں نزاع موجود ہے قرآنِ حکیم اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ زیرِ بحث مجرم واجب القتل ہے کیونکہ اسی شخص کا استثناء ہے جو دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کرلے۔ اس کو قتل کرنا ممنوع ہے اگر محاربہ کی تمام اقسام کی پہچان کرلی جائے تو ساری غلط فہمی دور ہوجائے گی۔

یہ جو علماء نے ذکر کیا کہ کافر اور مسلمان ایسے امور میں گستاخی کریں جو اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان ہیں یا انبیائے کرام علیہم السلام پر تہمت لگائیں پھر توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انبیائے کرام علیہم السلام دنیا وآخرت میں کہیں اس تہمت کی سزا کا مطالبہ نہ کریں گے یہودیوں نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر جو الزامات لگائے اسلام قبول کرنے سے وہ الزامات ساقط ہوجاتے ہیں۔ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہمارے حنبلی علماء اور دیگر علماء یہی کہتے ہیں کہ اختلاف مجرم کی سزائے قتل کے سقوط میں ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ اور اس کے مابین امور میں توبہ کرنے اور اسلام لانے کا تعلق ہے تو ان میں توبہ مقبول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام گناہوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے یہ حکم مسلمان اور ذمی دونوں کی توبہ کو عام ہے جہاں تک مسلمان کی توبہ کا معاملہ ہے اس پر بحث گزر چکی ہے، رہی ذمی کی توبہ اگر اس کا جرم عہد شکنی کا موجب نہ ہو اس طرح کہ وہ جرم پوشیدہ ہو۔ تو ذمی کی توبہ ایسی ہے جسے حربی کافر قول فعل جرائم سے توبہ کرے اور یہ توبہ ان افعال سے ہے جن پر کفر کا اطلاق آتا ہے اور جو عہد ذمہ کی شرائط میں ممنوع قرار نہیں دیئے گئے توبہ کی یہ صورت محل بحث نہیں اس سے علماء کے مذکورہ بالا شبہ کا جواب بھی ہوگیا۔ کہ اسلام لانے سے جرمِ اہانت کی سزا ساقط ہوجاتی ہے۔ یہ صورت جرمِ اہانت سے الگ ہے اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ ذمی کے علانیہ جرم (اہانت) اور پوشیدہ جرم میں فرق ہے بخلاف ایک مسلم کے کیونکہ ذمی کے پوشیدہ جرمِ اہانت کو ایمان یا امان دونوں منع نہیں کرتے، آپ دیکھتے ہیں کہ اگر ذمی کسی مسلمان پر پوشیدہ بہتان لگائے اور اس فعل کو اپنے عقیدہ میں حلال جانتا ہو پھر اسلام قبول کرلے۔ تو اس کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک حربی بہتان طراز کی ہے جو اس جرم کے بعد اسلام قبول کرلے۔ یہ بات واضح ہے کہ کافر غیر معاہد جب دائرہ اسلام میں آجائے تو اس کے تمام گناہ ساقط ہوجاتے ہیں ہاں اگر وہ ایسے سب وشتم اور گستاخی کا مرتکب ہو جو اس کے اپنے دین وعقیدہ میں حرام ہو۔ پھر اسلام قبول کرے تو مسبوب (جس کو گالی دی گئی اس کے حق کے سقوط میں اختلاف ہے اس کی نظیر انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہے یہ جرم اس کے اپنے دین وعقیدہ میں حرام ہے۔ اور اگر گستاخی عہد شکنی کا باعث ہو تو اس کا اظہار حلال جان کر کرے یا حرام سمجھتے ہوئے اسی طرح ہے جیسے کسی مسلمان کو حلال

یا حرم جان کر قتل کر ڈالے۔

پس یہاں توبہ باطن میں حقِ خداوندی کو ساقط کر دیتی ہے جہاں تک حقِ آدمی کے سقوط کا تعلق ہے اس میں اختلاف ونظر کی گنجائش ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مسلمان کی توبہ کی طرح ہے اگر گالی گلوچ کی خبر اس شخص کو پہنچ گئی جس کو گالی دی تھی تو اب اس سے معاف کرانا ضروری ہے اور اگر اس کو خبر نہ ہوئی تو اس میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آدمی کا حق ہے، جو گالی دینے والے کے عقیدہ میں حرام تھا اس کے باوجود اس نے اسے پامال کیا اس کی مثال یہ ہے کہ معاہد مسلمان کو خفیہ طور پر قتل کر دے پھر توبہ کر کے مسلمان ہو جائے یا پوشیدہ طور پر مال چھینے پھر اسلام لے آئے تو اس صورت میں اس کا اسلام لانا حقِ آدمی کو ظاہری یا باطنی طور پر ساقط نہ کرے گا، یہ نکتۂ نگاہ ہمارے ان علماء کا ہے جو کہتے ہیں کہ ذمی کی توبہ اس کی اور اللہ تعالیٰ کے مابین (امور میں مقبول ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں سے توبہ قبول فرماتا ہے جہاں تک بندوں کے حقوق کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ ایسے حقوق کو توبہ سے ساقط نہیں کرتا یا تو بندہ ظالم سے پورا حق وصول کرے گا یا اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ عظیم سے اس کو بدلہ دے گا۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس جرم سے توبہ جس کو معاہد اپنے عقیدہ میں جائز سمجھتا تھا اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ظاہراً و باطناً ساقط کر دیتی ہے۔ لیکن اس (معاہد ذمی) کا علانیہ جرمِ اہانت ایسا نہیں کہ اس کو جائز سمجھ لے جیسے وہ اہلِ اسلام کے خون اور مال حلال نہیں ٹھہرا سکتا۔ خواہ یہ چیزیں عہدِ ذمہ سے پہلے اس کے نزدیک حلال ہوں قبل ازیں بالوضاحت ذکر ہو چکا ہے کہ عہدِ ذمہ کی شرائط کافر کے دین میں مباح بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیتی ہے۔ اس کی نظر مرتد کی جرمِ اہانت سے توبہ ہے، جس کو وہ جائز سمجھتا تھا لیکن جس جرم کو حلال ٹھہرانا ممکن نہیں وہ جرم کا علانیہ ارتکاب ہے کیونکہ اس میں دو حق پوشیدہ ہیں حقِ خداوندی اور حقِ آدمی، توبہ سے حقِ خداوندی ساقط ہو سکتا ہے مگر حقِ آدمی ساقط نہیں ہو سکتا یہ ساری بحث اس توبہ کی قبولیت کے متعلق ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان والے امور میں ہے اندریں صورت اس کے کئی جواب ہیں

پہلا جواب

اس توبہ کا قبول ہونا اسی جگہ ہے جہاں خدا اور بندے کے درمیان معاملہ ہے صرف بندوں کا حق اس کا محل نہیں، جہاں عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے اور توبہ کرنے کے باوجود اس کو قتل کیا جاتا ہے اگر دعویٰ کیا جائے کہ بندوں کے حقوق تمام صورتوں میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس پر دلیل قائم کرنا ضروری ہے اور مذکورہ بالا دلائل اس ظاہر گستاخی جس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے، کو شامل نہیں۔

دوسرا جواب

حقوق اللہ میں توبہ کا صحیح اور مقبول ہونا بندوں کے حقوق کو ساقط نہیں کرتا ان سے مراد وہ شرعی سزائیں ہیں جو دنیا میں مشروع ہیں۔ پس جو شخص قتل، زنا، رہزنی اور دیگر جرائم جن کا تعلق خدا اور بندوں سے ہے، سے توبہ کرے تو یہ توبہ بندوں کے حقوق مثلاً

قصاص، قذف اور مالی تاوان وغیرہ کو ساقط نہ کرے گی ظاہر ہے کہ جرمِ اہانت میں آدمی کا حق پوشیدہ ہے اس لیے اگر توبہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق گناہ معاف بھی ہو جائے لیکن حقوق العباد سے متعلق شرعی سزائیں ساقط نہیں ہوتیں۔

تیسرا جواب

جو علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گستاخ کی توبہ ہر حال میں باطنی طور پر قبول ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بندے کی توبہ ان تمام گناہوں سے ہو سکتی ہے جن میں اس کا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی وصال یافتہ شخص کی پوشیدہ اہانت کرے پھر توبہ کرے اور اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کرے تو امید ہے کہ بارگاہِ خداوندی سے اس کی بخشش ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی طرح اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے گستاخ کی توبہ قبول نہ ہو اور لغزش معاف نہ ہو تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور بخشش اور رحمت کا راستہ مسدود ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے غیبت سے منع کرتے ہوئے فرمایا

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (حجرات :12)

کیا تم میں سے کسی کو پسند ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یہ تو تم کو ناگوار ہی ہوگا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ غیبت کرنے والا توبہ کر سکتا ہے خواہ مغتاب (جس کی غیبت کی گئی زندہ ہو یا مردہ، بلکہ زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ غیبت کا معاف کرانا اس کے لیے ضروری نہیں، جب کہ مغتاب کو اس کی خبر نہ ہو، اگر س کی خبر ہو جائے تو فساد کا امکان زیادہ اور بہتری کی توقع کم ہے۔

ایک روایت میں ہے:

كَفَّارَةُ الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس شخص کیلئے دعائے مغفرت کر جس کی تو نے غیبت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود:14)

بے شک نیکیاں بدیوں کو ختم کر دیتی ہیں

البتہ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں گستاخی کا معاملہ آپ ﷺ تک پہنچ جاتا تو آپ ﷺ کے معاف کرنے کے بغیر توبہ درست نہ تھی، جیسا کہ انس بن زنیم، ابوسفیان بن حارث، عبداللہ بن ابی امیہ عبداللہ بن ابی سرح ابن زبعریٰ اور کعب بن زہیر وغیرہم کا قصہ تھا جب کہ غور کرنے والے کے لیے سنت میں اس کی دلیل موجود ہے۔

کعب بن زہیر نے کہا تھا

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِيْ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ

مجھے بتایا گیا کہ رسول ﷺ نے مجھے (قتل کی) دھمکی دی ہے جب کہ مجھے رسول اللہ کی بارگاہ سے معافی کی زیادہ امید ہے

اورمعافی اسی چیز کے بارے میں طلب کی جاتی ہے جس میں معاف کرنا اور انتقام لینا دونوں صورتوں کا جواز ہو اور دھمکی اس وقت کارگر ہے جب اس کا اثر اسلام لانے کے بعد بھی برقرار رہے کیونکہ اگر یہ دھمکی بقائے کفر کے ساتھ مشروط ہو تو پھر دھمکی نہ رہے گی۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو حقوق اللہ میں توبہ کا صحیح ہونا اور ایمان لانے سے حقِ رسول ﷺ کا ساقط ہونا حد کے نافذ کرنے سے مانع نہیں، بشرطیکہ وہ جرم حاکمِ وقت کے ہاں شرعی طریق سے ثابت ہو جائے۔ جس طرح دیگر بڑے جرائم میں توبہ کا معاملہ ہے اوران جرائم میں شرعی سزائیں واجب ہیں۔ خواہ ان میں حقِ خداوندی کے متعلق ہو یا حقِ آدمی کے، کیونکہ حقِ خداوندی میں تو بقدرِ امکان صحیح ہے مگر اس کی سزا دی جاسکتی ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زیرِ بحث معاملہ میں حقِ رسول ﷺ میں اللہ کا حق اور بندے کا حق پایا جاتا ہے پھر مقدمہ عدالت میں چلا جائے تو حقِ رسول ﷺ کی ادائیگی لازم ہے، خواہ مجرم گواہی کے بعد توبہ کرلے۔

شبہ

بعض مخالفین کا قول ہے کہ

جرمِ اہانتِ رسول توہینِ خداوندی سے بڑا جرم نہیں اور رسول اللہ ﷺ کو جو عزوشرف حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

جواب

اس شبہ کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے

طریقِ اوّل

ایک یہ کہ جرم کی دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گستاخ واجب القتل ہے اور توبہ سے اس کی سزا ساقط نہ ہوگی کیونکہ یہ جرم اس کے ایمان وامان میں زندیق ہونے کی دلیل ہے اور یہ مجرد عہد شکنی یا ارتداد کا معاملہ بھی نہیں بلکہ توہینِ الوہیت کا جرم ہے۔ اس لیے مقدمہ کی کارروائی اگر گواہی کے وقت مجرم توبہ بھی کرلے تب بھی اس کی سزائے قتل نہ ٹلے گی جس طرح حرمتِ خداوندی کی پامالی پر اس کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنی عزت وحرمت کی پامالی دیگر حرمتوں کی پامالی سے کہیں بڑا جرم ہے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آرہا ہے۔ ان شاءاللہ!

ہمارے اصحاب حنابلہ اور دیگر علماء میں سے جو اس نکتۂ نگاہ کے قائل ہیں نیز وہ جو اس کا جواب دیتے ہیں ان پر عیسائی کے اسلام لانے اور اس کی توبہ قبول ہونے کا اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملہ میں توبہ کی قبولیت پر کوئی اختلاف نہیں، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ گستاخی کا علانیہ اظہار نہ کرے۔

اصل اختلاف اس میں ہے کہ عیسائی سب وشتم اور لعن طعن کا کھلے بندوں اظہار کرے پھر اس کو توبہ کی طرف بلایا جائے تو اہلِ ذمہ ہونے کے باوجود اس سے سزا نہ ٹلے گی۔

قرآنِ حکیم میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا   جن لوگوں نے اہلِ ایمان مردوں، عورتوں کو فتنہ میں مبتلا

فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝ (بروج:10) کیا پھر توبہ نہ کی ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اوران کیلئے آگ کا عذاب ہے

ان لوگوں کا فتنہ یہ تھا کہ انہوں نے اہلِ ایمان کو کفر پر مجبور کیا اور انہیں آگ میں جھونک دیا اگر کوئی معاہد کسی مسلمان کے ساتھ ایسا کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ جرم کے بعد توبہ کرے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ سے متعلق امور میں اس کی توبہ مقبول ہے۔

کفار کے وہ نظریات جن کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں زیرِ بحث مسئلہ اہانت سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان عقائد کو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی دین کی تعظیم قرار دیتے ہیں اصل بحث ہے پس جو شخص تعظیمی عقیدہ سے ایسا کلام زبان پر لائے اور جو بطورِ استہزاء واستخفاف ایسے کلمات کہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے لہٰذا قتل زنا چوری اور قذف وغیرہ جرائم میں فرق کیا گیا ہے خواہ حلال جان کر کیے جائیں یا حرام سمجھ کر اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّو الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْر زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود زمانہ ہے

ابنِ آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں، سب کام میرے ہاتھ میں، میں شب و روز کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں''۔

پس جو شخص زمانے کو گالی دے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو گالی دینا نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد دراصل یہ ہوتا ہے کہ جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا اس کو گالی دے مگر اس کی نسبت زمانے کی طرف کرتا ہے اور یہ گالی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ پر پڑتی ہے کیونکہ فاعلِ حقیقی وہی ہے خواہ ہم کہیں کہ دھر اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم ہے جیسے نعیم بن حماد نے کہا کہ یا یوں کہیں کہ وہ اسم نہیں اور میں دہر ہوں۔ کا مفہوم یہ ہے کہ میں ان افعال کا خالق ہوں جو دہر (زمانے) کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یہ ابو عبید اور دیگر بہت سے علماء کا نکتۂ نگاہ ہے اسی بناء پر زمانے کو گالی دینے والے کی تکفیر نہیں کی جاتی۔ نہ ہی اس کو قتل کیا جاتا ہے بلکہ بیہودہ گوئی کی وجہ سے اس کی تادیب وتعزیر کی جاتی ہے۔ اس گالی کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی آیا ہے، فرمایا

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام:108) اور انہیں گالی نہ دو جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے۔

اس میں مذکورہ گالی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ مسلمان جب کافروں کے معبودانِ باطلہ کو گالیاں دیتے تھے تو وہ مسلمانوں کے معبودِ برحق کو گالیاں دیتے تھے اور اس بات کا مطلقاً لحاظ نہ رکھتے کہ وہ ہمارا پروردگار اور اللہ ہے پس وہ گالی اللہ تعالیٰ کی ذات پر پڑتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ وہ زیادتی اور جہالت سے ایسی حرکت کرتے تھے یہ بعض وجوہ سے زمانے کو گالی دینے کے مترادف ہے ایک اور قول ہے کہ وہ دشمنی اور کفر میں زیادتی کے باعث جلد بازی میں اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے تھے قتادہ کہتے ہیں۔

''مسلمان بتوں کو برا کہتے تو کافر ازراہ جہالت اللہ تعالیٰ کی شان میں بکتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ کو اتارا۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ وہ جاہل قوم سے اللہ تعالیٰ کو گالی دلانے کا سبب نہ بنیں۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ ای جاہل آدمی دشمنی کی بناء پر قابلِ تعظیم ہستی کو لعن طعن کا نشانہ بنادیتا ہے۔ جیسا کہ ایک احمق شاعر نے کہا کہ

سُبُّوا عَلِيًّا كَمَا سَبُّوا عَتِيقَكُمْ كُفْرًا بِكُفْرٍ وَّإِيمَانٍ تم علی رضی اللہ عنہ کو گالی دو جس طرح انہوں نے تمہارے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گالی دی کفر کے بدلے کفر اور ایمان کے بدلے ایمان

جس طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ برائی کا مقابلہ برائی سے کیا جائے اس لیے بعض جاہل مسلمانوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بدگوئی کی کہ عیسائی حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ایسا جرم ہے جس سے سزائے قتل واجب ہو جاتی ہے۔

طریق دوم

یہ ان علماء کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے درمیان فرق کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ فرق کئی وجوہ پر مبنی ہے۔

1- اگر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی جائے تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو توبہ سے ساقط ہو سکتا ہے جیسے زنا، چوری اور شراب کے جرائم ہیں (کہ توبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں) اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی دو حقوق کی پامالی ہے

(1) ایک اللہ تعالیٰ کا حق (2) دوسرا آدمی کا حق بندے کا حق، قتال کے دوران قتل کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

گستاخی کے اس فرق کو قاضی ابو یعلیٰ نے اپنی کتاب خلاف میں لکھا ہے۔

2- جرمِ اہانت سے نبی اکرم ﷺ کو عار لاحق ہوتی ہے اس لیے کہ آپ ﷺ مخلوق ہیں اور جنسِ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں جو سب وشتم سے عار محسوس کرتے ہیں اسی طرح ان کو دوسروں کے سب وشتم سے ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو گالی دینے والوں کی نیکیوں سے یا اپنی طرف سے اجر وثواب عطا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گالی دینے والوں نے حرمت پامال کی (اس لیے سزا ضروری ہے) اس کے برعکس بندوں کی گالی سے اللہ تعالیٰ کو عار لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نفع وضرر کے حصول سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:

يَا عِبَادِيْ إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ اے میرے بندو! تم ہرگز میرے نقصان تک نہیں پہنچ سکتے، نہ تو میرے نفع تک رسائی رکھتے ہو

جب کوئی بدبخت حضور کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو اس کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر ہوتا ہے وہ اس سے سخت عار محسوس کرتے ہیں بعض اوقات یہ گستاخی (معاذ اللہ حضور سے) نفرت رعب کی کمی اور حرمت کی پامالی کا سبب بنتی ہے اور اس جرم سے بہت بڑا فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کی سزا مقرر کی گئی ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی جس طرح دیگر جرائم کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا تعلق ہے وہ کافر اور مرتد کی طرح اپنی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے اس لیے جب وہ توبہ کرتا ہے تو اس کا نقصان زائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ واجب القتل نہیں رہتا۔

شانِ الوہیت اور شانِ رسالت ﷺ میں اہانت کے درمیان جو فرق ہے اس کو مالکی شافعی علماء کے بڑے گروہوں نے

ذکر کیا کہ ان میں قاضی عبدالوہاب بن نصر، قاضی ابویعلیٰ، ابوعلی النباء اور ابن عقیل جیسے بزرگ شامل ہیں یہ نکتۂ نگاہ ہمارے دعویٰ کا مؤید ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ایک مستقل سزا ہے جیسے زنا اور سرقہ کی ایک متعین شرعی سزا ہے۔

اس کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ کسی پر کفر کا بہتان لگانا زنا کے بہتان سے بڑا جرم ہے پھر اس کے لیے کوئی متعین سزا نہیں جس طرح نہیں ہوتی جو زنا کے الزام سے لاحق ہوتی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا اگر وہ ایمان کا اظہار کرے تو الزام لگانے والے کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اظہارِ توبہ سے عار ختم ہو جاتی ہے۔جبکہ زنا کی تہمت اٹھانے والا اس الزام کو چھپاتا ہے اور اپنی بے گناہی کا اظہار نہیں کر سکتا۔نیز توبہ سے اس کی عار ختم نہیں ہو سکتی اسی طرح گستاخی رسول ﷺ دینِ اسلام اور اہلِ ایمان کے ساتھ ایسی عار لاحق کر دیتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی شان پر گستاخی سے نہیں لگتی۔کیونکہ گستاخی کا شانِ الوہیت کے منافی ہونا بدیہی امر ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں۔

طریقِ سوم

نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور سب وشتم کی اصل وجہ آپ ﷺ کی توہین ہے۔کافروں اور منافقوں کے دلوں میں اس کا داعیہ اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے نواز رکھا ہے وہ اس سے جلتے ہیں اور دینِ حق کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس دین کی بالادستی ہو رہی ہے اور وہ اُمتِ محمدیہ کے سامنے ذلیل ورسواء ہو جائیں گے پس ایسا مفسدہ جو حسد اور دینی مخالفت کی طرف دعوت دے۔اس کے لیے شرعی سزا کا بطورِ حد مقرر ہونا ضروری ہے اور جس جرم میں شرعی سزا موجود ہو اس کا توبہ سے ساقط ہونا ممکن نہیں، جہاں تک اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا تعلق ہے وہ غالباً توہین کے داعیے اور نیت سے نہیں ہوتی، بلکہ دینداری اور تعظیم کے عقیدے سے ہوتی ہے،انسانی نفوس اس کو تعظیم ہی سمجھتے ہیں اور جب صورتِ حال ایسی ہے تو یہ خاص طرز کی گستاخی کسی شرعی زاجر کی محتاج نہیں، بلکہ یہ کفر کی ایک قسم ہے گستاخ آدمی کو اس کفر پر ارتداد وکفر کی طرح قتل کیا جا سکتا ہے اِلّا یہ کہ وہ اس سے توبہ کر لے، یہ وجہ بھی پہلی وجہ کی طرح ہے البتہ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مفسدہ توبہ کے اظہار سے زائل نہیں ہوتا۔اس کی توضیح یہ ہے کہ اہانتِ رسول ﷺ کا داعیہ طبعی ہے اس لیے اس کو روکنے کے لیے شرعی سزا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ شراب نوشی کی طرح ایک خاص جرم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا طبعی داعیہ نہیں ہوتا اس لیے وہ کسی اور زجر یعنی شرعی سزا کی محتاج نہیں، جیسے پیشاب پینے یا مردار کھانے اور بہتے خون کو کھانے یا پینے کا طبعی داعیہ نہیں (اس لیے اس کی سزا بھی نہیں)

طریقِ چہارم

نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی ایک شرعی سزا ہے جو وصال یافتہ شخص کے حق کی وجہ سے واجب ہوئی اور پھر یہ بات قطعی یقینی بھی نہیں کہ اس وصال یافتہ بزرگ نے معاف بھی کیا یا نہیں، اور یہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کے متعلق معلوم ہے کہ وہ توبہ سے معاف ہو سکتی ہے اس کے برعکس رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی دو جہتیں ہیں۔کیونکہ وہ حقِ خداوندی اور حقِ آدمی کے درمیان دائر ہے۔اس لیے اس کو اشبہ الاصلین (دو اصلوں میں سے زیادہ مشابہت

رکھنے والی اصل) کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی کی توہین کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔اس لیے کہ آدمی اپنے حقوق سے کامل فائدہ حاصل کرتے ہیں۔اور اگر مجرم سزا سے بچ جائے تو حقوق سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہوگا، پس مجرم اگر حق قصاص یا حق قذف میں توبہ بھی کرلے تو حق دار کو اپنا حق لینے کا اختیار ہے تاکہ حق لے کر تشفی اور تسلی حاصل کرے اور عزت وناموس کی حفاظت کرسکے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہے اس کے بارے معلوم ہے کہ آدمی کی توہین کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقوق اس لیے واجب ٹھہرائے کہ بندے ان سے فائدہ اٹھائیں۔پس جب وہ اپنی فائدہ کی چیز کی طرف رجوع کریں گے تو ان کو وجوب حقوق کا مقصد حاصل ہوگا۔اس میں شک نہیں کہ حرمت رسول ﷺ کا تعلق چونکہ جنس انسانی سے ہے۔اس لیے اس کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ اذیت دینے والے شخص کو سزا دیتے اگرچہ وہ تائب ہوجاتا ہے۔آپ ﷺ کو تبلیغ رسالت ﷺ کی وجہ سے ایسا منصب اور مقام حاصل ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے جب وہ توبہ کریں گے اور مامور بہ مقصد کی طرف لوٹیں گے تو ان کو اپنا مقصد حاصل ہوجائے گا۔آپ ﷺ کو ان کی ایذاءرسانی سے دکھ ہوتا تھا۔اس لیے آپ کو اختیار تھا کہ آپ ان کو سزا دیتے تاکہ مصلحت خاص ہو۔انسان کا اپنے حقوق کے حصول پر دسترس پانا حقوق کی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو نفس غم سے مرجائے۔پھر معاف کرنا اور انتقام لینا دونوں کام انسان کے اختیار میں ہیں۔کبھی مصلحت انتقام کو ترجیح دیتی ہے۔تو اس وقت انسان ایک جائز اور مباح کام کرنے والا ہوتا ہے۔اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے مثلاً وہ شادی کرتا ہے کبھی درگذر کو ترجیح دیتا ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض کے نزدیک انتقام لینا قابل ترجیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو چٹان کی طرح سخت کردیتا تھا۔جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تھا۔

اور بعض انبیائے اکرم ﷺ درگزر کو ترجیح دیتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو نرم کردیتا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

چونکہ وصال کے بعد نبی اکرم ﷺ کے لیے اپنے حق سے درگزر کرنا دشوار ہے اس لیے اس حق کی ادائیگی لازم ہے۔اگر اس حق کی ادائیگی نہ کی جائے تو بندے کا حق کلیتاً رائیگاں جائے گا۔

شبہ

جب اسلام لانے سے متبوع ساقط ہوجاتا ہے تو تابع کا ساقط ہونا زیادہ مناسب ہے۔

جواب

ہم کہتے ہیں سزا سنگین اور سخت ہونے کی وجہ سے (یہ جرم) تابع ہے اس لیے نہیں کہ ادائے حق کی تلافی توبہ سے نہیں ہوتی۔

شبہ

”ایک عام آدمی کو گالی دینے والے شخص کی حالت اسلام لانے سے پہلے اور بعد یکساں ہوتی ہے۔بخلاف رسول اللہ کے

گستاخ کے"

اس شبہ کے دو جواب ہیں

پہلا جواب

یہ شبہ صحیح نہیں کیوں کہ ذمی کافر کے نزدیک ایک مسلمان کو گالی دنیا اس کے عقیدہ کی رو سے جائز ہے جس کو عہدِ ذمہ نے حرام کیا۔

لہٰذا دونوں میں کچھ فرق نہیں

اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ بحث اس گالی کے بارے میں ہے

مثلاً زنا کا الزام لگانا اور افتراء پردازی کرنا وغیرہ تو اس میں رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے اور کسی ذمی کو گالی دینے میں کچھ فرق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک کافر جب دائرہ اسلام میں آجاتا ہے تو مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے اور جو چیز مسلمانوں کو دکھ دیتی ہے اس سے وہ بھی ایذا پاتا ہے اس کے ساتھ وہ ناموس کی حرمت کا بھی معتقد ہو جاتا ہے اور اس کا پہلا عقیدہ ختم ہوتا ہے جس کی رو سے وہ مسلمانوں کی بے آبروئی کو مباح سمجھتا تھا۔ لیکن یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ اسلام لانے سے اس آدمی کا حق ساقط نہیں ہوتا جس کو بے آبرو کیا گیا اس معاملہ کی توجیہ قبل ازیں کئی بار کی جا چکی ہے۔

گستاخ اگر توبہ کرے اور جس کو گالی دی تھی اس کی بے گناہی اور برأت کرے پھر اس کی تعریف کے ساتھ دعائے مغفرت بھی کرے لیکن معاملہ عدالت میں پہنچ چکا ہو تو مشتوم (جس کو گالی دی گئی) کو سزا کے ذریعے اپنا حق لینے کا اختیار ہے پس اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے دشنام دہندہ کے درمیان کچھ فرق نہیں جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت ﷺ کو مانتا ہو اور آپ کے بلند مقام ومرتبہ کو جانتا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی توبہ سے جس مشتوم کی لاحق ہونے والی عار اور نقصان کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ توبہ کو خوف سزا پر محمول کیا جائے گا اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ توبہ سے گستاخی اور اہانت کے اثرات ختم نہیں ہوتے اگر مشتوم کے حق کی تلافی نہ کی گئی تو اس کے زخم نہیں بھریں گے۔

شبہ

گستاخ کا قتل حق رسالت ہے۔ جہاں بشریت کا تعلق ہے اس کے بشری حقوق ہیں اور توبہ حق رسالت کو قطع کر دیتی ہے۔

جواب

ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ حضور انور ﷺ بحیثیت بشر بھی دوسرے انسانوں پر فضیلت رکھتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا گستاخ واجب القتل ٹھہرے۔ اگر یہ سزائے قتل نبوت میں قدح اور تنقید کی وجہ سے ہوتی تو یہ جرم دوسری انواعِ کفر کی طرح ہوتا اور خاص جرمِ اہانت موجب سزا نہ ہوتا۔ قبل ازیں دلائل سے ثابت کر چکے کہ جرمِ اہانت بالتخصیص موجب قتل ہے اور یہ جرم دوسرے انواعِ کفر کی مانند نہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ کے گستاخ اور دوسرے منکر رسالت کی سزا کو یکساں قرار دیتا ہے۔ تو وہ کتاب وسنت اجماعِ امت اور قیاس صحیح کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ اس نے دو متباین چیزوں کو یکساں ٹھہرایا۔ دیکھئے جب قاذف کے

لیے سزائے قتل کے ساتھ اسی کوڑوں کی سزا واجب نہ ہوئی تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ قتل کی سزا خاص جرم اہانت کی سزا ہے، ورنہ یہاں دو حق جمع ہو جاتے۔

1۔ایک اللہ تعالیٰ کا حق اور وہ اس کے رسول ﷺ کی تکذیب ہے جو موجب قتل ہے۔

2۔دوسرا رسول ﷺ کا حق اور وہ رسول کی شان میں گستاخی ہے (جو مذکورہ بالا نکتۂ نگاہ کے مطابق کوڑوں کی سزا لازم کرتی ہے) اس لیے ضروری ہوا کہ مجرم پر توبہ سے پہلے دو سزائیں جمع ہو جائیں۔ جیسے کوئی شخص مرتد ہو جائے اور کسی مسلمان پر بہتان بھی لگائے تو توبہ کے بعد اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ اس مسئلہ کی روشنی میں حضور کا اختیار تھا کہ آپ ﷺ گستاخ کو سزا دیتے اور اگر توبہ کر کے آتا تو صرف کوڑے لگاتے، مگر یہ حاکمِ وقت کا اختیار نہیں ہے کہ وہ رہزن کو توبہ کے بعد کوئی سزا دے سوائے قصاص کے کیونکہ یہ خالص آدمی کا حق ہے۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ سزائے قتل محض رسالت کا حق ہے تو یہ قرار دینا پڑے گا کہ یہ شدید ارتداد ہے جس میں ضرر ہے یا یہ شدید قسم کی عہد شکنی ہے جس میں ضرر رسانی پائی جاتی ہے جیسے عہد شکنی کے ساتھ محاربہ (قتال) رہزنی وغیرہ جرائم شامل ہو جائیں اس صورت میں یہ سزائے قتل حقِ خداوندی ہے جو اسلام لانے یا توبہ کرنے سے ساقط نہ ہوگی، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے خواہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے گستاخ کو توبہ کے بعد قتل کیا جائے یا نہ قتل کیا جائے۔ جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی،

شبہ

جب گستاخ ذمی دائرہ اسلام میں آجائے تو اس کی رسالت سے متعلق سزا ساقط ہو جائے گی۔

جواب

ایسا جائز نہیں البتہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے گستاخ اور رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کو یکساں قرار دیں۔ تو اس کا ظاہری حکم یہی ہے کہ اور اگر ہم اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے اور زمین میں فساد پھیلانے والے سے تشبیہ دے کر فرق کریں تو ضروری ہے کہ ایسے جرائم کا سدِ باب کیا جائے۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ کفر بالرسالت سے متعلق حق ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر جو حقِ رسول اللہ ﷺ کی اہانت سے متعلق ہے وہ ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ایسا جرم ہے جو نفس رسالت سے زائد ہے اور ذمی اس سے گریز کا التزام کرتا ہے جبکہ وہ کفر سے گریز کا پابند نہیں ہوتا پس اس کو ایسے امر کا پابند کیوں کیا جائے جس کے نہ کرنے کا اس نے عہد کیا؟ خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ رسالت کے خلاف ایسی عہد شکنی ہے جس میں محاربہ، فساد اور ارتداد بھی پائے جاتے ہیں اور اس قسم کے جرم کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔

شبہ

رسول اکرم ﷺ کا حقِ بشریت حقِ رسالت اور آدمی کا حق اللہ تعالیٰ کے حق میں شامل اور پوشیدہ ہے"۔

جواب

ہم کہتے ہیں کہ یہ محض دعویٰ ہے اگر ایسا ہوتا تو ہرگز جائز نہ ہوتا کہ حضور ﷺ جرمِ اہانت سے درگزر کرتے، نہ گستاخ کو توبہ کے

بعد سزا دینے کا جواز ہوتا، نہ ہی اس بات کی ضرورت ہوتی کہ جرم اہانت کو بطورِ خاص سزا کے ساتھ علیحدہ بیان کیا جاتا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ جرم اہانت کفر سے زیادہ سنگین اور قبیح جرم ہے جس کی احادیث و آثار میں خصوصی سزا آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سزا خاص اہانت اور گستاخی کی سزا ہے، اگر چہ یہ کفر کے عموم میں بھی شامل ہے۔

واضح رہے کہ آدمی کا حق اللہ تعالیٰ کے حق میں ہرگز پوشیدہ اور شامل نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے برعکس ہوتا ہے جیسے قاتل اور قاذف کی سزا ہے جو قصاص اور حدِ قذف میں شامل ہے لیکن حق آدمی کا حق خداوندی میں شامل ہونا باطل ہے، جب کوئی شخص ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کا تعلق حقِ آدمی اور حقِ خداوندی کے ساتھ شامل ہو۔ بعد ازاں اگر اللہ کا حق ساقط بھی ہو جائے تو آدمی کا حق ساقط نہیں ہوگا خواہ وہ حق ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں یا الگ الگ جنسوں سے، جیسے کوئی متفرق جرائم کا ارتقاب کرے، مثلاً راہزنی کے دوران قتل کا مرتکب بھی ہو۔ تو اس سے قتل کی سزا ساقط نہ ہوگی اور اگر چوری کرے پھر ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط بھی ہو جائے تو بالاتفاق تاوان کی سزا ساقط نہ ہوگی یہاں تک کہ ان علماء کے نزدیک بھی تاوان ساقط نہ ہوگا جو کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا اور تاوان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

البتہ ایک جرم کرے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق اور بندے کا حق وابستہ ہو اور دونوں حقوق کی سزا کی ایک ہی جنس ہو تو وہ دونوں حقوق ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے اور اگر ان کا تعلق دو جنسوں سے ہو تو ان کے باہم مدغم ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔

پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر محارب کافر کسی کو قتل کر دے تو وہ دونوں حقوق کے لیے واجب القتل ہوگا، حالانکہ قتل میں تعدد نہیں ہوتا۔ پر جب اس کو قتل کی سزا مل گئی تو اس کے ترکہ میں دیت کا حق باقی نہ رہے گا، اگر ہم کہیں کہ قتلِ عمد کی سزا متعین طور پر قصاص ہے تو یہ حکم بالکل واضح ہے اور اگر یہ کہیں کہ اس کی سزا دو چیزوں میں سے ایک ہے تو یہ وہاں ہے جہاں عفو کا امکان ہو اور یہاں عفو کا امکان نہیں۔

پس متعین قصاص ہی اس کی سزا ہے جس کا لینا حاکمِ وقت کی ذمہ داری ہے۔

کیونکہ اس کی ولایت عام ہے۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ مجرم نے چوری کا مال لیا اور اس کو تلف کر دیا، ایسے شخص پر ہاتھ کاٹنے کی سزا بطورِ حد لگائی جائے گی یہ اللہ کا حق ہے جبکہ اس سے تاوان لیا جائے گا۔ تاوان جو بندے کا حق ہے۔ اسی لیے علماء کوفہ نے فرمایا ''آدمی کا حق ہاتھ کاٹنے کی سزا میں داخل ہو جاتا ہے، اس لیے واجب نہیں ہوتا مگر عام لوگوں کا قول ہے کہ مجرم حقِ آدمی کے طور پر مالی تاوان ادا کرے گا خواہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اگر مجرم متفرق جرائم کا ارتکاب کرے اور ہر جرم کی الگ شرعی سزا ہو تو اس کو نافذ کرنے کی صورتیں حسب ذیل ہیں:

اگر ان جرائم کا تعلق حقوق خداوندی سے ہو اور وہ ایک ہی جنس سے ہو۔ تو ان کی سزا بالاتفاق متداخل ہوگی اور اگر ان جرائم کا تعلق مختلف جنسوں سے ہو اور ان میں سے ایک جنس قتل بھی ہو تو وہ ایک دوسری سزا کے اندر شامل ہوں گی۔ لیکن امام شافعی کے

نزدیک متداخل نہ ہوگی۔

اگر جرائم کا تعلق آدمی کے حق سے ہو تو ان جرائم کی سزاؤں میں تداخل نہ ہوگا لیکن امام مالک کے نزدیک قتل کی صورت میں تداخل ہوگا سوائے حدِ قذف کے۔

چونکہ مسئلہ زیرِ بحث میں گستاخ کا جرم حقِ خداوندی اور حقِ آدمی سے متعلق ہے اس لیے ان میں سے ہر حق سزائے قتل کا موجب ہے۔

یہاں مخالف یہ اعتراض کرسکتا ہے آدمی کا حق خدا کے حق میں خلط ہوگیا یا اس کی حد کوڑوں کی سزا ہے، پھر جب مجرم کو قتل کیا گیا تو اس کی سزا پر کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ ماسوائے اس کے کہ جو کوڑوں کی سزا تجویز کرتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حق توبہ سے ساقط ہو جائے تو بندے کا حق کس طرح ساقط ہوگا؟

ہمیں اس کی کوئی نظیر نہیں بلکہ اس کے خلاف پر نظائر موجود ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور حضور ﷺ کا طرزِ عمل بھی اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے اور بغیر کسی اصل اور نظیر کے حکم ثابت کرنا جائز نہیں بلکہ اصل کے ساتھ مخالفت اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔

فرض کریں کہ اس جرم کی سزا صرف اللہ کا حق ہے اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ توبہ سے ساقط ہو جائے گی اس سے پہلے ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ارتداد اور عہد شکنی کی دو قسمیں ہیں ایک مجرد اور دوسری مغلظ پس جب مرتد کا جرم مغلظ ہو اور مسلمانوں کے لیے باعث ضرر تو اس کو ہر حالت میں قتل کیا جائے، خواہ توبہ کرے اور ہم نے دلائل سے ثابت کیا کہ جرمِ اہانت اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کے ساتھ لاحق ہے، مگر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان عنقریب آئے گا ان شاء اللہ

اور یہ جو مسلمان کے گالی دینے اور کافر کے گالی دینے کے درمیان فرق کیا گیا ہے یہ اس دلیل کے معارض ہے جس کی رو سے کافر مسلمان کی بہ نسبت ہر حال میں سزائے قتل کے زیادہ لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر کا خون مباح کرنے والا فعل یعنی کفر ثابت ہے جو عہدِ ذمہ کے وجہ سے معصوم ہوا۔ جب کہ اس کی طرف سے اظہار گستاخی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے جنگ ہے اور زمین میں فساد انگیزی ہے نیز اس میں مسلمانوں کی ذلت اور کمزوری ہے۔

چونکہ اس مجرم کا جرم ثابت ہوگیا اس لیے دسترس میں آنے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ لائق توجہ نہ ہوگی، جیسے دوسرے محاربین کی توبہ مقبول نہیں۔ بخلاف اس شخص کے جس کا مسلمان ہونا مشہور ہو۔ پھر اس سے گستاخی کا کلمہ صادر ہو۔ تو اس بات کا امکان ہے کہ یہ کلمہ اعتقاد سے نہ نکلا ہو، بلکہ بے وقوفی اور غلطی سے ظاہر ہوا ہو، پس جب وہ اسلام کی طرف رجوع کرے تو اس کی توبہ قبول ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس کا گناہ چھوٹا اور اس کی توبہ صحت کے زیادہ قریب ہے۔

اس کا جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ مسلمان کا تجدیدِ اسلام کرنا ایسا ہی ہے جیسے ذمی کا اظہارِ اسلام، کیونکہ ذمی کو امان کی شرائط گستاخی کے اظہار سے روکتی ہیں جس طرح مسلمان کو عقدِ ایمان اس جرم سے باز رکھتا ہے کیونکہ جس شخص کو امان کے معاملہ میں متہم کیا جائے تو اس کو ایمان کے بارے میں بھی الزام دیا جاسکتا ہے، وہ اس طرح ایمان میں منافق ہوگا جس طرح یہ امان میں

منافق، بلکہ تلوار کے نیچے توبہ کرنا پہلے کی حالت سے زیادہ سخت ہے۔ ذمی پہلے کفر کی حالت میں ذلیل اور کمزور تھا اب مسلمانوں سے تعلق کی بناء پر بظاہر عزت مند ہو گیا۔

باوجودیکہ اس کے دل میں نفاق اور خباثت موجود تھی، البتہ اس کے جرم اہانت کی علت زندقہ قرار دینے میں بحث ونظر ہے، کیونکہ گستاخی ایک ظاہری فعل ہے، جس کا وہ اعلانیہ مرتکب ہوا، اور اس جرم سے پہلے اس کی کوئی حالت ایسی ظاہر نہ ہوئی جو اس کے جرم کی پردہ پوشی کرے۔

ہاں یہ درست ہے کہ اس سے ایسا فعل صادر ہوا جو ارتداد کا موجب ہو، البتہ یہ جرم اس سے بار بار صادر ہو یا اس کے بدعقیدہ ہونے کی نشانیاں واضح ہوں تو اس کا زندقہ ظاہر ہے لیکن ہم اس کو حسب ذیل دو وجوہ سے قتل کی سزا دیں گے۔

1۔ وہ زندیق ہے۔

2۔ وہ گستاخ ہے۔

جس طرح ہم ذمی کو اس لیے قتل کر دیں کہ وہ غیر معاہد کافر ہے دوسرے یہ کہ وہ گستاخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان زندقہ کا فرق اس امر سے مانع نہیں کہ وہ کسی ایسی علت پر جمع ہو جائیں جو جرم اہانت کو موجب قتل جرم قرار دینے کا تقاضا کرتی ہو، خواہ اس جرم کے بعد مجرم کا عقیدہ صحیح ہو جائے۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ گستاخی جب موجب قتل ہے تو گستاخ کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ گستاخی کے وقت باطن میں صحیح الاعتقاد ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا اور جیسے قذف اور تمام انسانوں کی گالی دینا ہے۔

دوسرا فرق

جہاں تک دوسرے فرق کا تعلق ہے اس کا مبنی یہ ہے کہ جرم اہانت مجرم کو بطور حد واجب القتل ٹھہراتا ہے کیونکہ اس کا مفسدہ تجدید اسلام سے ساقط نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کی گستاخی کے اور یہ ہرگز درست نہیں کہ معاہد کو گستاخی کی کھلی چھٹی دی جائے کہ اس کے بعد وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، تو یہ اسی طرح ہے کہ کہا جائے کہ ذمی جانتا ہے کہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کرے گا یا راہزنی کرے گا تو اس کو گرفتار کر کے قتل کیا جائے گا مگر اسلام لانے سے اس کی سزا ٹل جائے گی، مگر یہ جائز نہیں کیونکہ اہانتِ رسول ﷺ کے ایک کلمے کا ازالہ ہزاروں کافروں کے اسلام لانے سے بھی نہیں ہو سکتا، دینِ حق کا ایسا غلبہ جو ہر ایک کو اہانتِ رسول ﷺ اور طعن فی الدین سے باز رکھے ہزاروں افراد کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے پسندیدہ تر ہے۔

بہت سے ذمی، جو انبیائے کرام علیہم السلام کو گالیاں دیتے ہیں زندیق ہوتے ہیں، ان کو مطلقاً پروا نہیں ہوتی کہ کسی دین سے رشتہ جوڑلیں ایسے لوگ سب وشتم کر کے اپنی اغراض پوری کرتے ہیں پھر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل منافقانہ ہے دشمن کو جب تک اس بات کی امید ہو کہ وہ زندہ رہے گا تو وہ اپنے مقصد کے اظہار سے باز نہیں آئیگا، اگر اس کے خلاف عدالت میں جرم ثابت ہو گیا اور اسی کے قتل کا حکم دیا گیا تو وہ اسلام لانے کا دعویٰ کرے گا ورنہ اس کی غرض پوری ہو گئی۔ اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جس فساد کا کلی ازالہ پیشِ نظر ہو تو مفسد کو قابو میں آنے کے بعد مفسدہ پر قائم رہنے دینا جائز نہیں۔ جیسے زنا، چوری اور راہزنی وغیرہ

کے جرائم ہیں چونکہ شارع کا مقصد دارالاسلام کو کفر کے غلبے اور دین میں طعن سے پاک کرنا ہے اور یہ دیگر جرائم کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے اس لیے وہ دین میں طعن کرنے والوں کے لیے حتمی بڑی سزا مقرر کرتا ہے۔

مذکورہ بالا جواب میں قانونی گہرائی ہے کہ اس حقیقت سے آگاہی ہو جائے کہ دین پر اعتراض مثلاً نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی مجرد کفر سے کہیں بڑا جرم ہے اس لیے کسی کے اسلام لانے سے اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔

تیسرا فرق

یہ کہنا کہ کافر گستاخی کے حرام ہونے کا التزام نہیں کرتا۔ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے اور ایک عام مسلمان کو گالی دینے اس کو قتل کرنے اور مال چھیننے کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عہدِ ذمہ ہوتا تو اس کے درمیان اور عام محاربین کے درمیان کچھ فرق نہ ہوتا، یہ ظاہر ہے کہ عہدِ ذمہ سے پہلے اس کے دین میں ان تمام باتوں کا جواز تھا۔ لیکن عہدِ ذمہ نے ان کو حرام ٹھہرا دیا۔ پس جب بھی ان کا مرتکب ہوگا سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ خواہ اسلام قبول کرلے خواہ اس کے فعل سے عہد شکنی ہو یا نہ ہو کیونکہ بعض اوقات عہدِ ذمہ پر رہتے ہوئے بھی اس پر سزا جاری کرنا ضروری ہے جیسے وہ چوری کرے یا کسی مسلمان پر بہتان باندھے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے مگر سزا نہیں لگائی جاتی۔ تو وہ بمنزلہ محاربین کے ہوتا ہے اور کبھی عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے اور سزا بھی لازم ہوتی ہے مثلاً وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا ڈاکہ ڈالے تو ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ اسلام لائے' اس قسم کے جرائم کی حتمی سزا قتل ہے۔ جیسے اس آدمی کی سزا جو جنگ میں مسلمانوں کو قتل کرے، یہ اس فساد کی سزا ہے جو اس نے انجام دیا حالانکہ معاہدہ کے بعد اس نے ایسا نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ جب کہ ایسا فساد اس کے قتل کو واجب کرنے والا اور دوسرے لوگوں کے لیے سامانِ عبرت ہے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اس جرم کے مرتکب کو قتل کے بغیر نہ چھوڑا جائیگا۔

یہ ہے مخالفین کے شبہات و دلائل کا تفصیلی جواب، حالانکہ گزشتہ دلائل کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہ تھی، واللہ اعلم

فصل

یہ فصل دیگر تمام جرائم سے توبہ پر مبنی ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں

رہزن (ڈاکو) کی توبہ!

ہمارے علم کے مطابق اس میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ رہزن گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی شرعی سزا (یعنی قتل، سولی دینا، جلاوطن کرنا اور ہاتھ پاؤں قطع کرنا) ساقط ہو جاتی ہے البتہ اصحابِ شافعی رحمہ اللہ نے اس قانون میں ایک صورت کا استثناء کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (مائدہ:34)	سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی قبل اس کے تم ان پر قابو پاؤ پس آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

ان پر قابو پانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بایں طور سزا قائم کرنا ممکن ہو کہ

1-ان کا جرم شرعی شہادت کے ذریعے ثابت ہو جائے

2-وہ جرم کا اعتراف کرلیں

3-وہ مسلمانوں کی دسترس اور تصرف میں ہوں

پس گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو ان کی سزا ساقط ہو جائے گی

مرتد کی توبہ

جو مجرم مجرد ارتداد کا مرتکب ہو، عام علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اس مسئلہ میں امام حسن بصری اور ان سے موافقت رکھنے والوں کا اختلاف ہے۔

قاتل اور قاذف کی توبہ

جہاں تک قاتل اور قاذف کی توبہ کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی توبہ سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے، مطلب یہ ہے کہ آدمی جب قصاص حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو مجرم کو سزا ملے گی خواہ اس نے سزا کے مطالبہ سے پہلے توبہ کرلی ہو۔

زانی چور وغیرہ کی توبہ

زانی چور اور شرابی اجرائے سزا سے پہلے توبہ کرلیں تو کیا ان کی سزا ساقط ہو جائے گی، ہمارے بعض اصحاب سے اس سلسلہ میں دو روایتیں آئی ہیں۔

1-مجرد توبہ سے سزا ساقط ہو جائے گی، اور اس میں اصلاحِ عمل کی شرط نہیں، اور یہ زیادہ صحیح قول ہے۔

2-توبہ سے سزا ساقط نہ ہوگی اور سزا لگانے ہی سے خلاصی ہوگی بعض علماء نے یہ شرط عائد کی ہے کہ حاکم کے ہاں جرم ثابت ہونے سے پہلے توبہ کرے تو توبہ مقبول ہے مفہوم کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ جہاں محارب کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی وہاں دیگر جرائم کی سزا بھی ساقط نہیں ہوتی۔

ایک سوال: کیا یہ اس لیے ہے کہ صحت توبہ کا حکم موجود نہیں؟ یا سقوطِ حد سے کوئی مفسدہ لازم ہوتا ہے۔

جواب: قاضی ابویعلیٰ وغیرہ علماء فرماتے ہیں (اور یہ ان علماء میں سے ہیں جو دونوں روایتوں کو مطلق رکھتے ہیں) کہ

مجرم کی توبہ صحیح نہیں جب حاکمِ وقت کے قابو میں آنے کے بعد ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے بطور تقیہ یا بخوف سزا توبہ کا اظہار کیا ہو۔

اسی لیے ہم زانی چور اور شرابی کی توبہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ عدالت میں ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کی توبہ صحیح ہونے کا حکم نہ کیا جائے گا۔ البتہ ثبوت جرم سے پہلے توبہ کرلیں تو توبہ صحیح ہے اس کو امام ابوبکر نے شافی میں ذکر کیا۔

زانی قابو آجائے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اسے سنگساری یا کوڑوں کے ذریعے پاک کیا جائے۔ اور اگر دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے۔ اس سلسلہ میں قاضی ابویعلیٰ کا استدلال یہ ہے کہ وہ توبہ جس کو صحیح قرار دیا جائے ہر جگہ سزا

کو ساقط کرتی ہے اس لیے اس کو کسی شرط کے سامنے مقید و مشروط کرنے کی ضرورت نہیں، ان کے اصحاب میں سے شریف ابی جعفر اور ابوالخطاب کا نکتۂ نگاہ یہی ہے۔

امام ابوبکر وغیرہ علماء کے نزدیک جملہ صورتوں میں ماقبل قدرت اور مابعد قدرت توبہ کے درمیان فرق ہے البتہ مابعد قدرت توبہ کے صحیح ہونے کا حکم ہے، ان کے نزدیک سزا لگانے سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے اسی لیے ان علماء نے اس صورت کو مقید کیا پس دونوں اقوال میں حکماً کوئی فرق نہیں امام احمد رحمۃ اللہ کے کلام میں بھی یہ قید موجود ہے۔ امام ابوالحارث نے امام احمد رحمۃ اللہ سے ایسے چور کے متعلق سوال کیا جو چوری کے مال سمیت توبہ کے لیے آئے اور گرفتاری سے پہلے مال لوٹا دے۔ امام احمد رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

''اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے''۔

میمونی نے امام احمد رحمۃ اللہ سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا جو چار مرتبہ زنا کا اعتراف کرے پھر سزا کے نفاذ سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور سزا نافذ نہ کی جائے گی۔ اس ضمن میں انہوں نے ماعز اسلمی کا واقعہ نقل کیا، کہ جب اس پر پتھر پڑے تو بھاگا۔ یہ سن کر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا۔

''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟''

میمونی کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز امام شعبی سے مناظرہ کیا تو آپ نے فرمایا زانی جب اعتراف جرم سے انکار کردے تو اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا اگر وہ توبہ کرلے؟ فرمایا اس کی توبہ کی صورت یہ ہے کہ اس کو سنگسار کرکے پاک کیا جائے۔ میمونی کہتے ہیں۔

میری اس موضوع پر امام شعبی کے ساتھ کئی بار گفتگو ہوئی، تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مجرم رجوع کرے تو اسے سزا نہ دی جائے گی، اور اگر توبہ کرے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کوڑوں کے ذریعے اس کی تطہیر کی جائے۔

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

صحیح نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ توبہ کرنے سے سزا ساقط ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ ابوالحارث، حنبل اور مہنا نے نقل کیا۔

خلاصۂ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مجرم عدالت میں ثبوت جرم کے بعد توبہ کرے تو سزا ساقط نہ ہوگی اور اگر گرفت سے پہلے اور قابلِ رجوع اقرار کے بعد توبہ کرے تو اس میں دو روایتیں ہیں بہت سے ائمہ مذہب نے اس کی تصریح کی ہے ان میں شیخ ابوعبداللہ بن حامد بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں:

جہاں تک جرمِ زنا کا تعلق ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور مجرم کے درمیان معاملہ ہے۔ اور اس میں توبہ صحیح ہے ہاں جب زانی اس صورت میں توبہ کرے کہ اس کا مقدمہ عدالت تک پہنچ گیا ہو۔ تو اس میں ایک ہی قول ہے کہ اس کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ پھر اگر مجرم عدالت میں توبہ کرے تو دیکھا جائے گا کہ اس نے از خود اقرارِ جرم کیا۔ تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں اور اگر جرم کا ثبوت بذریعہ شہادت ہوا تو ایک ہی قول ہے کہ سزا ساقط نہ ہوگی، کیونکہ شہادت قائم ہونے سے عدالتی فیصلہ لازم ہوگیا

جبکہ اقرار کا عمل شہادت کے برعکس ہے کیونکہ مجرم اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس سے قبول کیا جائے گا۔

سرقہ (چوری) کے بارے میں فرمایا

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حق توبہ سے ساقط ہو جاتا ہے خواہ توبہ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) سے پہلے ہو یا قطع کے بعد اصل اختلاف اس مجرم کے معاملہ میں ہے جو اقامت حد (نفاذِ سزا) سے پہلے توبہ کرے اگر مقدمہ عدالت میں لے جانے سے پہلے توبہ کر لے تو سزا ساقط ہو جائے گی اگر اندراج مقدمہ اور عدالتی کارروائی کے بعد توبہ کی تو سزا ساقط نہ ہوگی، کیونکہ اس حق کا تعلق حاکم (عدالت) سے ہے اس لیے اس کا ترک جائز نہیں۔

یہی حکم محارب کا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں توبہ کرے۔ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رہزن کے علاوہ مجرموں کی سزا توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے تو ایسے جرائم میں مجرد توبہ ہی کافی ہے یہ مشہور مذہب ہے۔جس طرح یہ رہزن کے معاملہ میں کافی ہے۔

اس میں دوسری وجہ یہ ہے کہ توبہ کے ساتھ اصلاحِ عمل کی بھی ضرورت ہے اس پر کہا گیا کہ اس کے لیے ایک مدت گزرنے کا اعتبار ہوگا جس سے مجرم کی توبہ کی سچائی اور حسن نیت کا اندازہ کیا جا سکے، لیکن اس مدت کی کوئی حد مقرر نہیں، کیونکہ تقرر مدت کے لیے شرعی ثبوت درکار ہوگا اگر ایک سال کی مدت مقرر کی جائے تو حرج واقع ہوگی جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بدعت کے داعی کی توبہ کے لیے ایک سال کا عرصہ مقرر کیا اس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی پیروی کی جو آپ نے صبیغ بن عسل کے معاملہ میں فرمایا صبیغ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر توبہ کی اس کے بعد آپ نے اس کو بصرہ کی طرف جلاوطن کیا اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ بائیکاٹ کا حکم دیا جب ایک سال گزر گیا اور اس سے حسنِ عمل کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوا تو اس سے بائیکاٹ ختم کرنے اور بات کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بہت مشہور ہے اور ہمارے اکثر علماء (حنابلہ) کا طرزِ عمل اس کے مطابق ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ظاہری عمل یہ تھا کہ وہ اقرار سے پہلے کی توبہ اور اقرار سے بعد کی توبہ کے درمیان فرق کرتے تھے اس لیے امام احمد رحمہ اللہ اس مجرم کی سزا ساقط قرار دیتے ہیں جو توبہ کر لے اور اگر اقرارِ جرم کے بعد توبہ کرے تو اس کی حد ساقط ہونے کو نہیں مانتے، انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔

توبہ سے تمام حدود ساقط ہو جاتی ہیں سوائے محارب کی حد کے، اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ حد ساقط ہو جاتی ہے جبکہ محارب کی سزا ساقط ہونے کی یہ صورت ہے کہ وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرے۔

دوسرے مجرموں کی سزا توبہ سے اس وقت تک ساقط نہیں ہوتی جب تک کہ یقینی اصلاحِ حال کے لیے ایک مدت کا اعتبار نہ کیا جائے علماء نے اس پر اشکال قائم کیا ہے کہ مجرم گرفتاری کے وقت توبہ کرے تو اس کو اصلاح احوال کے لیے مہلت نہ دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی بعض علماء نے اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا اور یہ اجماع اس توبہ کے متعلق ہے جو ثبوتِ سزا کے بعد ہو۔

جرم کے شرعی ثبوت کے بعد گستاخ کی توبہ کا حکم

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کا مقدمہ عدالت میں آجائے اور جرم بذریعہ شہادت ثابت ہوجائے اس کے بعد وہ توبہ کرے تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی یہ ان علماء کا نکتۂ نظر ہے جو کہتے ہیں کہ ایسے مجرم کی سزا قتل ہے خواہ وہ شرعی شہادت کے قیام (اور عدالتی کارروائی مکمل ہونے) سے پہلے توبہ کرے یا شرعی شہادت کے بعد، کیونکہ اس نے گرفتاری کے بعد توبہ کی پس اس کی یہ حالت رہزن زانی اور چور کی توبہ کی طرح ہے یونہی اگر وہ اس حالت میں توبہ کرے کہ اس کا کیس عدالت میں لے جانے کا فیصلہ کرلیا جائے اور اس کے خلاف جرم ثابت ہونے کا امکان ہو تو اس کی سزا ساقط نہ ہوگی۔ یہ طے شدہ بات ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

ذمی کافر اس سلسلہ میں مسلمان کی مانند ہے کہ اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا۔

اقرارِ جرم کے بعد گستاخ کی توبہ

اگر مجرم جرمِ اہانت کا اقرار کرے پھر توبہ کرے یا اس غرض سے حاکم کے پاس آئے تو مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک ایک شرعی حد ہے جو گرفتاری سے پہلے یا گرفتاری کے بعد کی جانے والی توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

مالکیہ کے زندیق کی توبہ کے ضمن میں دو قول ہیں۔

(ایک یہ کہ سزا ساقط ہوجائے گی دوسرا ہے کہ سزا ساقط نہ ہوگی)

"گستاخی کا مسئلہ زیادہ سنگین ہے" اس میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں، کیونکہ اس حق کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے ہے اور پھر نبی اکرم ﷺ کے سبب سے اس کا تعلق اُمتِ محمدیہ سے ہے یہ حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ جس طرح آدمیوں کے حقوق ساقط نہیں ہوتے"۔

اسی طرح وہ علماء جو جمہور علماء کے ہم نوا ہوکر مجرم کو شرعی سزا میں واجب القتل قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ توبہ کسی صورت شرعی حد کو ساقط نہیں کرتی، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے مگر شوافع اور حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مجرم کی گرفتاری سے پہلے کی توبہ شرعی سزا کو ساقط کردیتی ہے اور ہمارا یہ کلام اللہ تعالیٰ کی حدود کے معاملہ میں ہے جہاں تک حقوق العباد مثلاً قصاص اور قذف وغیرہ کا تعلق ہے وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں۔

جس طرح رہزن گرفتاری سے قبل توبہ کرلے تو اس کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ ایک وصال یافتہ کا حق ہے پس یہ قصاص و قذف کی مانند ہے یہ قاضی ابویعلیٰ وغیرہ علماء کا قول ہے جو اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اس مجرم کی سزا کا تعلق حق آدمی سے ہے اور اس آدمی نے اپنا حق معاف نہیں کیا جو اس کے معاف کیے بغیر ساقط نہیں ہوتا۔

یہ ان علماء کا نکتۂ نظر ہے جو شانِ الوہیت اور شانِ رسالت میں گستاخی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور جو ان دونوں صورتوں کو یکساں قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اس جرم کی سزا مجرم کے قابو میں آنے سے پہلے کی توبہ سے ساقط ہوجاتی ہے کیونکہ یہ حدود خداوندی میں سے ایک واجب حد ہے جس کے مرتکب نے دسترس میں آنے سے پہلے توبہ کرلی۔

اور یہ ان علماء کے قول کے بموجب ہے جو کہتے ہیں۔

''قابو میں آنے سے پہلے کی حدود توبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں'' اس لیے یہاں گستاخ کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی اور یہ ان علماء کے قول کے مطابق بھی ہے جو کہتے ہیں۔

مجرم کی توبہ اس کو ایسے جرائم میں فائدہ دیتی ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہے جبکہ حقِ رسول ﷺ صرف آخرت میں ساقط ہوگا۔

اس کی تصریح ہمارے بہت سے حنبلی علماء اور غیر حنبلی علماء نے کی، کیونکہ حقِ خداوندی اور حقِ آدمی کو ساقط کرنے والی توبہ اس وقت مؤثر ہوتی ہے جب اس کا ظہور گرفتاری سے پہلے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سزا کو کوئی صاحبِ حق کی طرف سے معاف نہیں کر سکتا اگر توبہ اس کو ساقط نہ کر سکے تو لازم آئے کہ بعض سزائیں ایسی بھی ہیں جو قابو میں آنے سے پہلے کی توبہ اور معافی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ حالانکہ ایسی سزا کی کوئی نظیر موجود نہیں ہاں اگر حضور ﷺ حیاتِ ظاہری کے عالم میں ہوتے تو کہا جاسکتا تھا کہ آپ ﷺ کے معاف کر دینے سے یہ سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

رہی یہ صورت کہ اگر مجرم گرفتار ہو جائے اور اس کے اقرار سے جرم ثابت ہو جائے تو پھر وہ توبہ کرے یا عدالت میں تائب ہو اس کے اقرار سے رجوع کا جواز ہے پس جب رجوع تسلیم نہ کیا جائے تو لامحالہ سزا نافذ کی جائے گی اور اگر رجوع کو مان لیا جائے تو سزا ساقط ہو جائے گی اس لیے یہاں سزا کے ساقط ہونے یا نہ ہونے کی دونوں وجہیں ہو سکتی ہیں۔ اور اگر توبہ کے باوجود مجرم کو سزا دی جاسکتی ہے تو گستاخ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے یہی حکم ذمی گستاخ کا ہے کہ جرم کا اقرار کرتے ہوئے مسلمان ہو یا مسلمان ہونے کے بعد اعتراف کرے دونوں صورتوں میں سزا ساقط نہ ہوگی۔ یہ ساری بحث شاتم کی توبہ سے متعلق ہے جو کچھ ہمیں مستحضر تھا جو اللہ تعالیٰ نے آسان بنایا ہم نے ذکر کر دیا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم چوتھے مسئلہ کی وضاحت کریں۔

چوتھا مسئلہ

گستاخی کیا ہے؟ اس کے اور مجرد کفر کے درمیان فرق

اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ کی ضرورت ہے، مناسب تو تھا کہ اس کو پہلے مسئلہ کے آغاز میں ذکر کیا جاتا، تاہم یہاں بھی اس کا ذکر نامناسب نہیں تاکہ اس مسئلہ کا پوشیدہ پہلو اور حکمت واضح ہو جائے۔

گستاخی ظاہراً اور باطناً کفر ہے

اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت ظاہراً باطناً کفر ہے خواہ گستاخ اس کو حلال جانتا ہو۔ یا حرام یا اس کے متعلق کوئی عقیدہ نہ رکھتا ہو یہ فقہا اور اہلِ سنت کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ قول و عمل ایمان کا مظہر ہے۔

امام ابو یعقوب بن ابراہیم حنظلی المعروف ابنِ راہویہ، جو درجہ اجتہاد پر فائز اور امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ عالم

ہیں۔فرماتے ہیں:

قَدْ اجمَعَ المسلمون ان من سَبَّ اللّٰہَ اوسَبَّ رَسُوْلَہٗ عَلَیْہِ الصلوٰۃ والسّلام اَوْ دَفع شیاً مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰہ اَوْ قتلَ نَبیامَنْ اَنْبِیَاء اللّٰہ اَنَّہ کَافِرٌ بِذٰلِکَ وَاِنْ کَانَ مُقِرًّا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہ

اہلِ اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دے یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دے یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی بات کا انکار کرے یا کسی نبی کو قتل کرے تو وہ اس کی بناء پر کافر ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کو مانتا ہو۔

اسی طرح امام محمد بن سحنون مالکی جو اسی بلند رتبہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ اَنَّ شَاتِمَ النَّبِی ﷺ الْمُنْتَقِصَ لَہٗ کَافِرٌ وَّالْوَعِیْدُ جَارٍ عَلَیْہِ بَعَذَابِ اللّٰہِ وَحُکْمُہٗ عِنْدَ الْاُمَّۃِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ کَفَرَ

علماء کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا شاتم اور گستاخ کافر ہے اس پر عذابِ الٰہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا شرعی حکم قتل ہے جو شخص اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔

ائمہ دین کی بہت بڑی تعداد نے اس مسئلہ پر نص فرمائی ہے امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کو گالی دیتے ہوئے کہے

یَا ابْنَ کَذَا اَعْنِی اَنْتَ وَمَنْ خَلَقَکَ

اے فلاں فلاں کے بیٹے یعنی تو اور تیرا پیدا کرنے والا

تو ایسا شخص مرتد ہے ہم اسے قتل کریں گے۔

عبداللہ بن احمد اور ابو طالب کی روایت میں ہے۔

مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قُتِلَ

جو حضور اکرم ﷺ کو گالی دے تو وہ واجب القتل ہے

اس لیے کہ گالی دینے سے وہ مرتد ہو گیا اور کوئی مسلمان نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے کا تصور تک نہیں کر سکتا۔اس سے ثابت ہوا کہ وہ مرتد ہے۔

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ان سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا جو اللہ تعالیٰ کی آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑائے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا وہ کافر ہے اور اس آیت سے استدلال کیا۔

قُلْ اَبِاللّٰہِ وایَاتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُم تَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ (توبہ:65-66)

تم فرماؤ کیا اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر

اسی طرح ہمارے علماء حنابلہ اور دیگر علماء نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دے وہ کافر ہے خواہ اس کو حلال جانتا ہو یا حرام اگر کہے کہ میں گالی کو حلال نہیں سمجھتا تو ظاہری اعتبار سے اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا (یہ ایک روایت کی رو سے ہے) اور وہ مرتد قرار پائے گا کیونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے دراصل اس کے سب وشتم کا اور کوئی مقصد نہیں بجز اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت

کو نہیں مانتا دیکھئے اگر شرابی قاتل اور چور کہے کہ میں اپنے اس جرم (شراب نوشی قتل اور چوری) کو حلال نہیں جانتا تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا کیونکہ حرام جاننے کے باوجود ان جرائم کے ارتکاب میں اس کی غرض پوشیدہ ہے اور وہ ہے فوری لذت کا حصول۔
قاضی مزید لکھتے ہیں۔

ہم یہ حکم کفر ظاہر پر دیں گے جہاں تک باطن کا تعلق ہے اگر مجرم اپنے قول میں سچا ہو تو وہ مسلمان ہے۔ البتہ زندیق کے معاملہ میں ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اس کی ظاہری توبہ قبول نہ کی جائے گی قاضی رحمۃ اللہ نے فقہاء سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا گستاخ اگر فعلِ اہانت کو حلال جانتا ہو تو کافر ہے اور اگر حرام سمجھتا ہو تو فاسق ہے اس صورت میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گستاخ کی مانند ہے اور اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ اس کی نظیر وہ فتویٰ ہے جو بعض فقہائے عراق نے خلیفہ ہارون الرشید کو دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کو کوڑے مارے جائیں تو امام مالک نے اس پر نکیر فرمائی اور رد کیا۔ مذکورہ فتویٰ کی مثال وہ قول ہے جو ابو محمد بن حزم نے بعض علماء سے نقل کیا کہ گستاخ کی تکفیر نہ کی جائے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ان عراقی فقہاء اور ابنِ حزم کے نقل کردہ یہ فتویٰ دیا اس لیے ان کے فتویٰ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ فتویٰ ان کلمات کے متعلق ہے جن کے گستاخی ہونے میں اختلاف ہے یا یہ اس مجرم کے حق میں ہے جس نے توبہ کر لی ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں۔

گستاخ اگر سب وشتم کا اقرار کرے اور تائب نہ ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کا قول یا تو تکذیبِ رسالت کی طرح صریح کفر ہے یا استہزاء اور مذمت کا کلمہ ہے پس اس کا اقرار کرنا اور توبہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال سمجھتا ہے اور یہ بھی کفر ہے وہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

جو فقہاء مطالبہ توبہ کے بغیر اس کے قتل کے قائل ہیں وہ اس کے جرم کو ارتداد قرار نہیں دیتے بلکہ بطورِ شرعی حد اس کو قتل کرنے کے قائل ہیں ہم بھی اسی کے قائل ہیں باوجود اس کے کہ وہ اپنے خلاف قائم شہادت کا انکار کرتا ہے یا جرم سے باز آجاتا ہے۔ اور توبہ کر لیتا ہے ہم اس کو بطورِ حد قتل کریں گے جیسے زندیق کو توبہ کے باوجود قتل کیا جاتا ہے۔ قاضی آگے چل کر لکھتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس کو کافر قرار دے کر قتل کرتے ہیں لیکن اس کے کفر کا قطعی یقین نہیں، اس لیے کہ وہ توحید کا اقرار کرتا ہے اور اپنے خلاف شہادت اور جرم کی صحت سے انکار کرتا ہے یا اپنے جرم کو خطاء اور گناہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ یا ندامت کا اظہار کر کے جرم سے بے تعلق ہوتا ہے۔ البتہ جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس نے حلال جانتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اس کے کفر میں ذرا برابر شک نہیں، یونہی اگر وہ دل میں گالی دے تو یہ تکذیب تکفیر کی مانند ہے اور اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اشکال نہیں۔

اسی طرح جو شخص توبہ نہ کرے اور صحت جرم کا اقرار کر کے اس ڈٹ جائے تو وہ اپنی گال اور بے حرمتی کو حلال جاننے کی وجہ سے کافر ہے اس کو بالاتفاق کافر سمجھ کر قتل کیا جائے گا۔ کلام علماء کو انہی تفصیلات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گستاخی کفر ہے کیونکہ مجرم اس کو حلال جانتا ہے خواہ اس کے دل میں صاف تکذیب رسالت نہ ہو۔

قاضی ابویعلیٰ کی شدید لغزش

اس مقام پر یہ وضاحت اور نشاندہی ضروری ہے کہ صرف استحلال (گالی کو حلال جاننے) کی وجہ سے گستاخ کے کفر کا قول ایک سخت لغزش اور بیہودہ بات ہے اللہ تعالیٰ قاضی ابویعلیٰ پر رحم فرمائے انہوں نے یہاں جو کچھ کہا ہے کتنے ہی دیگر مقامات پر اس کیخلاف لکھا ہے جو فقہاء اس مصیبت میں گرفتار ہوئے انہوں نے بعض متاخرین متکلمین کے کلام سے استفادہ کیا یہ جہمیہ قسم کے لوگ ایمان کی بحث میں جہمیوں کے نقش قدم پر چلے، ان کا دعویٰ ہے کہ ایمان مجرد قلبی تصدیق کا نام ہے جس میں زبانی اقرار یا عملی اظہار کا عمل دخل نہیں۔ ہماری نقل کردہ اس عبارت کے بعد قاضی ابویعلیٰ کی تصریح ہے۔

اس بناء پر اگر کافر کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی دلی معرفت اور توحید کا اعتقاد رکھتا ہوں لیکن سستی اور غفلت کی وجہ سے توحید رسالت کی گواہی نہیں دیتا جس طرح دیگر عملی عبادات پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ تو بظاہر اس کے اسلام کا حکم نہ ہوگا لیکن باطن میں اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ زبانی تصدیق کے بغیر دلی معرفت کا فائدہ ہے وہ جہمی ہے تو یہ ایک وجہ پر محمول ہے۔

1۔ وہ ظاہری حکم میں جہمی ہے۔

2۔ اس کا شہادتین سے گریز کرنا از راہ عناد ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اس بات سے استدلال کیا کہ ابلیس اپنے ربّ کی دلی معرفت رکھتا تھا۔ اس کے باوجود مومن نہ ہوا، ظاہر ہے کہ ابلیس کے عقیدے میں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم لازم نہ تھا، قاضی ابویعلیٰ نے کئی جگہ ذکر کیا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک قدرت کے ہوتے ہوئے قلبی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار نہ کرے اور یہ کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے جیسا کہ مالک، امام سفیان اوزاعی لیث، امام شافعی، اسحاق نیز سلف و خلف کے تمام آئمہ مذاہب اور راعیانِ امت کا مذہب ہے یہاں سارے کلام کا احاطہ مقصود نہیں، بلکہ اصل غرض مسئلہ زیر بحث پر دلائل قائم کرنا ہے۔ اور وہ کئی وجہ پر ہیں۔

وجہ اوّل: ان علماء کا رد جن کے نزدیک گستاخی کو حلال جاننے والا کافر ہے۔

یہ جو فقہاء سے منقول ہے کہ گستاخ اگر اس جرم کو حلال جانے تو کافر ہے ورنہ نہیں، اس کی کوئی اصل نہیں قاضی ابویعلیٰ نے اس کو بعض متکلمین سے اور انہوں نے اس کو فقہاء سے نقل کیا ہے۔

حالانکہ ان فقہاء کے قول کی کوئی حیثیت نہیں اس کے مقابل ہم آئمہ فقہاء کی نصوص اور ان کے مذاہب سے زیادہ آگاہی رکھنے والے علماء کا اجماع ذکر کر چکے ہیں اس لیے کسی کو گمان نہیں ہو سکتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور یہ نزاعی اجتہادی مسائل سے تعلق رکھتا ہے یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ کوئی آدمی اس تفصیل کو آئمہ فتویٰ کے حوالے سے پیش نہیں کر سکتا۔

وجہ دوم

کوئی جرم اس وقت کفر بنتا ہے جب اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ گستاخ جرمِ اہانت کو

حلال جانے کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرائے گا تو کافر ہو جائے گا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو کوئی محرمات کو (جن کی حرمت مشہور ہو) حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ مگر نبی ﷺ کو گالی دینے، اہلِ ایمان پر بہتان لگانے، ان پر جھوٹ باندھنے اور عیب لگانے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ کیونکہ ان کا حرام ہونا واضح ہے اس لیے جو شخص ان میں سے کسی جرم کا مرتکب ہو جبکہ ان کو حلال جانتا ہو وہ کافر ہو جائے گا اس کی غیبت کرے تو وہ کافر ہے اس سے یہی مراد ہے کہ کافر اس وقت ہو گا جب ان جرائم کو حلال سمجھے گا۔

وجہ سوم

جرمِ اہانت کو حلال جاننا کفر ہے خواہ اس عقیدہ کے ساتھ بالفعل اس کا اظہار وارتکاب ہو یا نہ ہو اس لیے تکفیر میں گستاخی اور اہانت وجوداً یا عدماً کوئی اثر نہیں، مؤثر صرف اعتقاد ہے اور یہ بات اجماع علماء کے خلاف ہے۔

وجہ چہارم

جب تکفیر کا سبب حلت کا اعتقاد ہے تو گستاخی میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دلالت کرتی ہو کہ گستاخ اس کو حلال جانتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے، خصوصاً جب وہ کہے کہ میں اسے حرام سمجھتا ہوں میں تو غصے حماقت یا مذاق میں ایسے گستاخانہ کلمات کہہ دیتا ہوں، جس طرح منافقین کہا کرتے تھے۔

اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ (توبہ:65)

یا یوں کہے کہ میں نے تو ہنسی کھیل میں بہتان لگایا اور جھوٹ باندھا اگر یہ کہا جائے کہ اس سے وہ کافر نہ ہوں گے تو یہ نصِ قرآن کے خلاف ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کافر تو ہو جائیں گے مگر ان کی تکفیر بلا وجہ ہو گی کیونکہ صرف اہانت موجب تکفیر نہیں ہے اور قائل کا یہ کہنا کہ میں اسی مسئلہ میں مجرم کو سچا نہیں سمجھتا۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ تکفیر احتمالی امر کے ساتھ نہیں ہوتی۔ پس جب گستاخ کہے کہ میں اس جرم کو گناہ سمجھتا ہوں مگر اس کا مرتکب ہوتا ہوں تو اگر یہ کفر نہیں ہے تو اس کی تکفیر کیسے کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (التوبہ:66) بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے قول اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ میں جھوٹے ہو، اس لیے ان کے اس عذر میں ان کو جھوٹا نہیں کہا جس طرح ان کے دیگر اعذار میں جھوٹا قرار دیا، وہ اعذار ایسے تھے کہ اگر وہ درست ہوتے تو وہ کافر ٹھہرتے بخلاف ازیں یہ فرمایا کہ اس کھیل کود کے باعث وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے۔

گستاخ کے کفر کی دلیل

جب یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ سلف خلف امت کا مذہب یہ ہے کہ کلمۂ کفر فی نفسہ کفر ہے خواہ اس کا قائل اسے حلال سمجھے یا حرام جانے اس کی دلیل وہ تمام مسائل ہیں جو ہم نے پہلے مسئلہ کے ضمن میں پیش کیے۔ جیسے

1۔ آیت نمبر 61 سورۂ توبہ

2۔ آیت نمبر 66 سورۂ توبہ

3۔ آیت نمبر 57 سورۂ احزاب

اس سلسلہ میں ہم نے جو احادیث و آثار ذکر کیے ہیں وہ اس امر کے واضح دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینا کفر ہے قطعِ نظر اس کے کہ ایذاء دینے والا اس کو حرام جانتا ہے یا نہیں، اس لیے اس بحث کا اعادہ ضروری نہیں، بلکہ حقیقت میں جو دلائل گستاخ کے کافر ہونے اور واجب القتل قرار پانے پر دلالت کرتے ہیں وہ اس مسئلہ کی دلیل ہیں کیونکہ اگر کفر جرمِ اہانت کو مباح قرار دے تو مجرم کی تکفیر اور سزائے قتل کا جواز نہ رہے یہاں تک کہ اسی عقیدہ کا کھلے بندوں اظہار ہو جیسے خون مباح کرنے والے عقیدوں کا ہوتا ہے۔

مرجیہ اور جہمیہ کے دو شبہے

اس شبہ اور نکتۂ نگاہ کی بنیاد جس نے متکلمین اور بعض فقہاء کو وہم میں ڈالا، یہ ہے کہ ان کے نزدیک ایمان ان عقائد و احکام کی تصدیق ہے جن کی خبر رسول ﷺ نے دی ان کے خیال میں رسول ﷺ کے سچا ہونے کا عقیدہ بالذات گستاخی کے منافی نہیں جس طرح آپ ﷺ کی فرمانبرداری کے واجب ہونے کا عقیدہ نافرمانی اور گناہ کے منافی نہیں، اس لیے کہ انسان بعض اوقات اس شخص کی توہین کر دیتا ہے جس کی عزت و تکریم اس کے نزدیک واجب ہوتی ہے، جس طرح وہ کبھی اس کام کو ترک کر دیتا ہے جس کا کرنا واجب ہوتا ہے یا جیسے اس فعل کو انجام دیتا ہے جو اس کے نزدیک واجب الترک ہوتا ہے۔

ان متکلمین و فقہاء کا خیال ہے کہ ساری امت گستاخ کو کافر قرار دیتی ہے اس لیے گستاخ کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے گستاخی کو حرام نہیں سمجھا پس اس کو حلال سمجھنا تکذیبِ رسالت ﷺ کے مترادف ہے پس جب یہ فرض کیا گیا کہ گستاخ حقیقت میں تکذیبِ رسالت ﷺ کا مرتکب نہیں تو وہ نفس الامر میں مومن ہی ہوگا اگرچہ حکم اس کے ظاہری فعل پر لگایا جائے گا یہ ہے مرجیہ اور ان کے حامیوں کا نکتۂ نگاہ، ان کے نزدیک ایمان اعتقاد اور قول کا مجموعہ ہے جبکہ غالی مرجیہ یعنی کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف دلی تصدیق کا نام ہے خواہ وہ قلبی تصدیق سے خالی ہو جہاں تک جہمیہ کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان مجرد معرفت اور قلبی تصدیق کو کہتے ہیں اگرچہ زبانی اقرار اس میں شامل نہ ہو، ان کا نکتۂ نگاہ دوسرا ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ کبھی زبان سے ایسی بات کہتا ہے جو اس کے نہاں خانہ دل میں نہیں ہوتی۔ پس جب اس کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر موجود ہو تو زبان سے اس کے خلاف کہنے سے شانِ رسالت ﷺ میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ جس طرح منافق کو دلی کفر کے خلاف ایمان کا زبانی دعویٰ فائدہ نہیں دیتا۔

شبہ اولیٰ کا جواب

اس کا جواب کئی وجوہ سے ممکن ہے

وجہ اول: ایمان کی حقیقت قلبی تصدیق ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ دل کی حالی اور عملی کیفیت کی آئینہ دار ہو یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم اور اجلال و محبت کی مظہر ہو، یہ امر لازم ہے جیسے تکلیف دہ اور راحت بخش چیزوں کے ساتھ رنج و راحت

کا احساس ضروری ہے۔نفرت و شہوت کا ظہور ان کے ملائم یا منافی چیزوں کے ادراک سے ہوتا ہے جب دل میں ایسی حالت اور کیفیت حاصل نہ ہو تو تصدیق کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کا حصول اس وقت ناممکن ہوتا ہے جب اس کا معارض مثلاً حضور ﷺ سے حسد و تکبر اور بے رخی کا جذبہ پیدا ہو، بالکل اسی طرح جیسے ملائم و منافی چیزوں سے نفرت اور الم کا احساس ہوتا ہے۔الا یہ کہ کوئی مخالف جذبہ اس کے معارض پیدا ہو، پھر جب کوئی معارض پیدا ہو جائے تو تصدیق کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ معارض دل میں جاگزیں تصدیق کو معدوم کرنے کا سبب بنتا ہے جس سے ایمان کلیتاً ختم ہو جاتا ہے یہ امر انبیائے کرام علیہم السلام سے حسد اور تکبر کرنے والوں یا اپنے دل پسند عقیدوں اور عادی کاموں کے ترک پر ناگواری محسوس کرنے والوں کے کفر کا موجب ہے حالانکہ یہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام سچے ہیں پس ایسے لوگوں کا کفر جہلاء کے کفر سے شدید تر ہے۔

وجہ دوم

ایمان اگرچہ تصدیق کو متضمن ہے مگر وہ مجرد تصدیق کا نام نہیں بلکہ ایمان اقرار و طمانیت کی کیفیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تصدیق کا تعلق صرف خبر سے ہے جہاں تک امر کا تعلق ہے تو وہ بحیثیت امر تصدیق کا محتاج نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام خبر اور امر دونوں پر مشتمل ہے اور خبر تصدیق مخبر کا تقاضا کرتی ہے جبکہ امر التزام طاعت و انقیاد (یعنی فرمانبرداری) کو مقتضی ہے۔ پس جب خبر کو تصدیق کے سامنے اور امر کو طاعت کے سامنے رکھا جائے تو دل سے حقیقی ایمان پیدا ہوتا ہے اور اسی کا نام طمانیت کی کیفیت ہے یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب تصدیق و طاعت کا جذبہ دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے جب صورت حال ایسی ہے سبّ و شتم اہانت و استخفاف ہے اور اس کے مقابل التزام اطاعت یعنی فرمانبرداری اعزاز و اکرام ہے اور محال ہے کہ دل جس ہستی کے حضور جبین نیاز جھکائے اور سر اطاعت خم کرے پھر اس کی توہین کرے اور اگر دل میں توہین و تنقیص کا کوئی داعیہ ہو تو ناممکن ہے یہ اس کے اندر انقیاد و اطاعت کا کوئی جذبہ جاگزیں ہو اس صورت میں ایمان کہاں ہوگا یہ تو بعینہٖ ابلیس کے کفر کے مانند ہے کیونکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا مگر رسول اللہ ﷺ کو نا جھٹلایا البتہ از راہ تکبر حکمِ خدا بجا نہ لایا اور سر نہ جھکایا اس لیے وہ کافر ہو گیا یہ ایسا مقام ہے جہاں بہت سے متاخرین علماء نے ٹھوکر کھائی انہوں نے خیال کیا کہ ایمان صرف تصدیق ہی کا نام ہے۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ ابلیس اور فرعون کی طرح ایسے لوگ ہیں جو تکذیب کے مرتکب ہوئے یا صرف زبانی تکذیب کی مگر دل سے نہ جھٹلایا ان کا کفر انتہائی سنگین کفر ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں اگر لوگوں کو مسلمان صالحین کی طرح ہدایت ملی تو جان لیتے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے یعنی دل کی تصدیق قلبی اعمال کا، یہ ایمان کی ایسی توضیح ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے ہم آہنگ ہے اور کتاب و سنت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے اخبار و اوامر پر مشتمل ہے اس لیے دل ان اخبار کی ایسی تصدیق کرتا ہے جس سے مصدق بہ لحاظ سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ تصدیق علم و قول کی ایک نوع ہے جس کی وجہ سے دل اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے جھکتا ہے اور یہ فرمانبرداری' ارادہ و عمل کی ایک صورت ہے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں دونوں باتوں کا اجتماع نہ ہو جب آدمی فرمانبرداری چھوڑ دیتا ہے تو سرکشی کی بنا پر کافر قرار پاتا ہے اور اگر تکذیب سے عام تر کفر کے ساتھ تصدیق کرے تو اس کا یہ فعل جہالت استکبار اور ظلم پر مبنی ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو صرف کفر اور استکبار سے موصوف

قرار دیا۔ تکذیب سے نہیں یہی وجہ ہے کہ دانستہ کفر کرنے والوں مثلاً عیسائیوں کا کفر گمراہی اور جہالت ہے دیکھئے! یہودیوں کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ چیزوں کے بارے میں سوالات کئے۔ آپ نے ان کے جوابات دیئے تو وہ کہنے لگے

نَشْهَدُ اَنَّکَ نَبِیٌّ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔

مگر اس گواہی کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ کی اطاعت نہ کی یہی حال روم کے بادشاہ ہرقل وغیرہ کا تھا۔ الغرض علم وتصدیق نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی تصدیق کرے کہ آپ ﷺ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام و پیغام ہے جو اخبار واحکام پر مشتمل ہے پس اس کے لیے ایک اذعانی کیفیت کی ضرورت ہے یعنی وہ دل کی گہرائی سے اس کلام کی تصدیق کرے اور احکامِ خداوندی کے حضور سر جھکائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی جب یہ کہتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

تو اس کی گواہی کلام خداوندی کی تصدیق اور حکم ربانی کی اطاعت ہوتی ہے اور جب وہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکارتا ہے تو اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہے۔ ان دو شہادتوں کے جمع ہونے سے اقرار کی تکمیل ہوتی ہے اور جب دونوں شہادتوں میں تصدیق لازم ٹھہری تو بعض لوگوں نے گمان کر لیا کہ یہی چیز ایمان کی بنیاد ہے دراصل وہ حقیقت سے غافل رہے کہ ایمان کے لیے ایک اور ضروری بنیاد بھی ہے اور وہ ہے کہ آدمی ظاہری اور باطنی تصدیق تو کرے مگر اطاعت سے پہلوتہی کرے۔ کیونکہ تصدیق کی غرض وغایت یہی ہے کہ آدمی کلام الٰہی سنے جیسے ابلیس لعین نے کیا اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزاء التزام اطاعت کے منافی ہے جبکہ اطاعت خداوندی اس کے کلام کی تصدیق ہے لہٰذا جو شخص حکمِ خداوندی کو نہیں مانتا وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو جھٹلاتا اور اس کے فرمانبرداری سے منہ موڑتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں صریح کفر ہیں۔ کیونکہ جو شخص دل سے اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑاتا ہے محال ہے کہ وہ اس کا فرمانبردار ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ فرمانبرداری تعظیم وتکریم کی آئینہ دار ہے اور استخفاف توہین وتنقیص کی یہ دونوں باہم ضدیں ہیں اس لیے جب کوئی بات دل میں پیدا ہوگی تو دوسری ختم ہو جائے گی اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین وتنقیص اسی طرح ایمان کے منافی ہے جس طرح ایک ضد دوسری ضد کے منافی ہوتی ہے۔

وجہ سوم

بندہ جب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کے حرام ہونے کا عقیدہ ہے نیز سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام کو ماننا لازم ہے تو وہ کافر نہیں اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو حرام نہیں کیا یا وہ اس کے حرام ہونے سے انکار کرتا ہے تو ایسا شخص منکر ہے یا معاند، اسی لیے علماء نے فرمایا جو شخص ازراہِ تکبر ابلیس کی طرح نافرمانی کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اور جو بوجہِ شہوت وحرص گناہ کرے وہ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک کافر نہیں البتہ خوارج اس کی تکفیر کرتے ہیں کیونکہ سرکش متکبر اگرچہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے مگر اس کی مخالفت اور عناد اس تصدیق کے منافی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص حرام کاموں کو حلال جان کر ان کا ارتکاب کرے وہ بالاتفاق کافر ہے وجہ یہ ہے کہ جس نے قرآن کے محرمات کو حلال ٹھہرایا اس کا قرآن پر ایمان نہیں، اسی طرح جو جرم کا ارتکاب کیے بغیر اسی کو حلال جانے، وہ کافر ہے کیونکہ استحلال اس بات کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں کیا کبھی وہ حرمت کے عدم اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اس نکتۂ نگاہ سے اس کے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نرا منکر بن جاتا ہے بعض اوقات وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو حرام قرار دیا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہی چیز حرام ٹھہرائی جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا پھر بوجہِ عناد اس کی حرمت کا التزام نہیں کرتا تو یہ زیادہ سخت کفر ہے بعض اوقات وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہوتا ہے کہ جو شخص اس حرمت کا التزام نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا پھر ان محرمات سے باز رہنا کبھی خدا کی حکمت و قدرت میں خرابی اعتقاد کے باعث ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار کرنے لگتا ہے۔

بعض اوقات آدمی تمام عقائد و احکام سے آگاہ ہوتا ہے لیکن سرکشی اور نفسانی خواہش کی پیروی میں ان کی تصدیق نہیں کرتا۔ جو کہ سراسر کفر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بیان کردہ احکام کو مانتا اور اہلِ ایمان کی مصدقہ چیزوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن ان کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کی خواہشِ نفس سے لگا نہیں کھاتے۔ اور وہ برملا کہتا ہے۔

''میں اس کا اقرار و التزام نہیں کرتا اور اس امرِ حق سے نفرت کرتا ہوں''۔ تو یہ کفر کی پہلی قسم سے الگ قسم ہے ایسے شخص کی تکفیر دینِ حق سے بداہتاً ثابت ہے قرآنِ حکیم اس قسم کے لوگوں کی تکفیر سے بھرپور ہے بلکہ اس کی سزا زیادہ سخت ہے۔ ایسے ہی مجرموں کے بارے میں کہا گیا۔

''روزِ قیامت سب سے زیادہ عذاب اس عالمِ دین کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اس کے علم کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس وعید کا مصداق ابلیس اور اس کی پیروہیں، اس سے یہ فرق ظاہر ہوگیا کہ گناہ کو حرام سمجھنے والا گناہ گار تصدیقِ قلبی کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا پسند بھی کرتا ہے لیکن نفسیاتی خواہش اس تصدیق و اطاعت سے آڑے آتی ہے اور قلبی تصدیق اور زبانی اطاعت کے باوجود وہ اپنے عمل کو کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔

جہاں تک اس شخص کے توہین آمیز رویہ کا تعلق ہے جو والدین یا قابلِ احترام لوگوں کو واجب التعظیم سمجھتا ہے لیکن بدقسمتی سے توہین کر بیٹھتا ہے جن کی عزت و تکریم اس کی نیکی اور تقویٰ کی شرط ہے اور اس نے ان ہستیوں کی توہین نہیں کی جن کی طاعت و تکریم ایمان کی شرط ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کفر کو مستلزم ہے۔ کیونکہ آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک ایسی تصدیق نہ کرے جو خضوع و انقیاد یعنی التزامِ طاعت کی متقاضی ہو۔ اور جو تصدیق ایسی نہ ہو وہ ایمان نہیں بنتی۔ بلکہ اس تصدیق کا ہونا نہ ہونے سے کہیں زیادہ برا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو حیات و شعور کی دولت ملے پھر وہ سوائے عذاب کے کچھ نہ پائے تو اس کے نزدیک ایک المناک زندگی کی بجائے حیات و شعور سے محرومی زیادہ اچھی ہے چونکہ تصدیق کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں خوش حالی اور نعمت و لذت کا حصول ہے مگر اس سے سوائے خرابی بدحالی اور مصیبت کے کچھ ہاتھ نہ آئے تو اس کا نہ ہونا، ہونے سے خوب تر اور عزیز تر ہے۔

یہاں ان مسائل کی بحث و تفصیل بہت طویل ہے جو شخص اپنے قول و فعل میں اپنے نفس پر کتاب و سنت کو حاکم بنائے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور بھی کر دے تو اس پر بہت سے لوگوں کی گمراہی کھل جائے گی جو موت کے بعد سعادت و شقاوت کے متعلق اپنی ناقص رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے راستے پر چلتے ہیں جنہوں نے احکام خداوندی کو پس پست ڈالا اور کتاب اللہ اور وحی پیغمبر کو جھٹلایا اور شیطانی تعلیم کی پیروی کی۔

دوسرے شبہ کا جواب

اس شبہ کا جواب تین وجوہ سے ممکن ہے

وجہِ اوّل

جو شخص تکذیب و انکار کے کلمات کہے اور کفر کی دیگر انواع منہ سے بکے حالانکہ اس کی کوئی مجبوری نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ وہ حقیقت میں مومن ہو (حالانکہ قطعاً غلط اور بے بنیاد تصور ہے) اور جو اس کو جائز کہے وہ اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ اتار دے۔

وجہِ دوئم

اہلِ سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ جو شخص بلا عذر زبان سے ایمان کا اقرار نہ کرے تو قلبی تصدیق کا اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ صحتِ ایمان کے لیے صاحبِ قدرت شخص کا زبانی اقرار شرط ہے یہاں تک کہ علماء نے اس شخص کی تکفیر میں اختلاف کیا ہے جو کہے کہ ''ظاہری عمل کے بغیر بھی تصدیق کا فائدہ ہوتا ہے مگر یہ مقام اس کی وضاحت کا نہیں جہاں تک اس تاویل کا تعلق ہے جو قاضی ابویعلیٰ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کی ہے خود قاضی نے اور دیگر علماء نے دیگر مقامات پر اس کے خلاف لکھا ہے قاضی عیاض کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے امام مالک اور دیگر تابعین اور بعد کے فقہاء نے ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیل ایک دوسری جگہ آئے گی۔

وجہِ سوئم

جن علماء کا دعویٰ ہے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے جس میں زبانی اقرار کی ضرورت نہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان حقیقت میں زبانی اقرار کا محتاج ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ قول اعمال کے منافی ہو وہ اسے باطل نہیں کرتا اس لیے کہ قول کی دو قسمیں ہیں۔

1- وہ قول جو قلبی معرفت کے موافق ہو اور وہ قول جو اس کے خلاف ہو اس صورت میں قولِ موافق کی شرط نہیں اور قولِ مخالف اس کے منافی ہوتا ہے اس لیے جو شخص منہ سے بلا مجبوری ارادتاً کلمۂ کفر نکالے اور وہ اس کلمہ کی حقیقت سے آگاہ بھی ہو تو وہ ظاہراً اور باطناً کافر ہے اور جو اس کے باوجود اس کو باطن میں مومن سمجھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا

اور جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو اس

فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

(نحل:106)

اور ظاہر ہے کہ یہاں کفر سے مراد فقط قلبی اعتقاد نہیں کیونکہ آدمی کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اس کو مَنۡ اُکۡرِہ کے ساتھ مستثنیٰ کیا گیا، اس سے وہ شخص بھی مراد نہیں جو زبان سے کفریہ کلمہ کہے اور دل سے اعتقاد بھی رکھے کیونکہ مذکورہ آیت میں مکرہ کا استثناء ہے اور ایسے شخص کو دلی اعتقاد اور زبانی اقرار دونوں پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے اس کو صرف زبانی اقرار کفر پر مجبور کیا جاسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جو زبان سے کلمۂ کفر ادا کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہے اور وہ اس کلمۂ کفر کی وجہ سے کافر ہے سوائے اس شخص کے جو اس پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو ہاں جس مکرہ شخص کا دل کفر کے لیے کھل جائے تو وہ کافر ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے مذاق اڑانے والوں کے بارے میں فرمایا۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ (توبہ:66) بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ زبانی کفر کے مرتکب ہوئے حالانکہ وہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے تھے یہ باب بہت وسیع ہے جس کی حکمت و مصلحت پہلے گزر چکی اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ قلبی تصدیق ایسے کلام اور کام سے روکتی ہے جو استہانت اور استخفاف پر مشتمل ہو، مزید برآں یہ محبت و تعظیم کی موجب بھی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تعظیم و تکریم کا وجود ہو اور توہین و تنقیص کا نام و نشان تک نہ ہو، یہ ایسا معاملہ ہے جو مخلوق میں سنت اللہ کے طور پر جاری ہے جس طرح موافق چیز کے ادراک سے لذت نصیب ہوتی ہے اور مخالف چیز کے حصول سے رنج و غم کا احساس ہوتا ہے پس جب معمول معدوم ہو تو وہ عدمِ علت کو مستلزم ہوگا اور جب ضد پائی جائے گی تو دوسری ضد کے عدم کو مستلزم ہوگی۔ پس ایسا کلام جو اہانت اور گستاخی کا متضمن ہو تو وہ سود مند تصدیق اور انقیاد و طاعت کی نفی کرتا ہے اس لیے وہ سراسر کفر ہے۔

واضح رہے کہ اگر ایمان صرف تصدیق ہی کا نام ہو تو دل حق کی تصدیق کرتا ہے اور قول دل کی تصدیق کرتا ہے اور عمل قول کی تائید کرتا ہے اور قولی تکذیب دل کی تکذیب کو مستلزم ہے وہ اس تصدیق کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ ظاہری اعمال کا دل میں اثر ہوتا ہے جیسے قلبی اعمال اعضاء و جوارح میں اثر کرتے ہیں اگر ایک میں کفر پیدا ہو جائے تو اس کا حکم دوسرے کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اس موضوع پر بحث بہت طویل ہے جس کی طرف ہم نے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔

''گستاخی کفر ہے'' علماء کی تصریحات

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو گستاخی اور گالی خون کو مباح کرتی ہے وہ موجب کفر ہے اگر چہ ہر کفر گالی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس مرحلہ پر ہم علماء کی عبارات نقل کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے...... خواہ مسلم ہو یا کافر...... وہ واجب القتل ہے میری رائے یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جوکوئی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ توہین پر مبنی پہلودار بات کرے تو وہ واجب القتل ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔

ہمارے علمائے حنابلہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں توہین آمیز تعریض ارتداد ہے اور یہ موجب قتل ہے اور یہ تعریض تصریح کی طرح ہے ہمارے علماء کے مابین اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ پر بہتان باندھنا اور گالی دینا ایک سنگین گستاخی ہے جو کہ موجب قتل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہتان حضور ﷺ کے پاکیزہ نسب میں قدح کا سبب ہے بعض علماء مطلقاً کہتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ کو گالی دے تو اس کو قتل کیا جائے خواہ مسلمان ہو یا کافر، یہاں گستاخی اور گالی سے مراد بہتان (قذف) ہی ہونا چاہیے جیسا کہ جمہور علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی گستاخی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جَمِيعُ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَابَهُ أَوْ أَلْحَقَ بِهِ نَقْصًا فِي نَفْسِهِ أَوْ نَسَبِهِ أَوْ دِينِهِ أَوْ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِهِ أَوْ عَرَّضَ بِهِ أَوْ شَبَّهَهُ بِشَيْءٍ عَلَى طَرِيقِ السَّبِّ لَهُ أَوِ الْإِزْرَاءِ عَلَيْهِ أَوِ الْغَضِّ مِنْهُ وَالْعَيْبِ لَهُ فَهُوَ سَابٌّ لَّهُ وَالْحُكْمُ فِيهِ حُكْمُ السَّابِ يُقْتَلُ ....

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا عیب لگائے یا آپ کی ذات مقدسہ نسب شریف، دین حق یا کسی خصلت میں نقص کی نسبت کرے یا کسی ناسزا بات سے تعریض کرے یا بطور گالی کسی چیز سے تشبیہ دے یا آپ ﷺ کی تحقیر شان کرے یا عیب لگائے تو وہ گستاخ ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو گالی گلوچ کرنے والے کا ہے یعنی اسے قتل کیا جائے۔

ہم اس مسئلہ میں کسی نوع کا استثناء نہیں کرتے گستاخی صراحت کے ساتھ یا اشارت کے ساتھ ہم اس میں شک و تردد کو راہ نہیں دیتے اسی طرح جو شخص (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر لعنت کرے یا بددعا دے یا نقصان پہنچانے کا خواہش مند ہو یا بطریق مذمت آپ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ ﷺ کی طرف بے ہودہ کلام زبان منکر اور جھوٹی بات نسبت کر کے مذاق اڑائے یا آپ ﷺ پر آنے والی مصیبتوں سے عار دلائے۔ یا بعض عادی بشری عوارض کی وجہ سے آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے..... تو وہ واجب القتل ہے۔

هٰذَا كُلُّهُ إِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَأَئِمَّةِ الْفَتْوٰى مِنْ لَّدُنِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ إِلٰى هَلُمَّ جَرًّا

اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے آج تک سے علماء اور آئمہ فتویٰ کا اجماع ہے

ابن قاسم

ابن قاسم بحوالہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دے وہ واجب القتل ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے''۔

''جو شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے تو وہ زندیق کی طرح واجب القتل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر فرض کی ہے''۔

امام مالک: اہلِ مدینہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جو شخص حضور ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے یا تنقیص شان کرے وہ واجب القتل ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا''

ابن وہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص حضور ﷺ پر عیب لگانے کی خاطر آپ ﷺ کی چادر مبارک کو میلا کہے تو وہ واجب القتل ہے۔

بعض مالکی علماء نے اجماع نقل کیا کہ جو شخص کسی نبی کو ہلاکت یا ناگوار بات کی بددعا دے تو اس کو مطالبہ توبہ کے بغیر قتل کیا جائے گا'' قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور مالکی علماء کے وہ جوابات نقل کیے ہیں جو انہوں نے متعدد فیصلوں میں گستاخ کو واجب القتل قرار دیا اور مطالبہ توبہ کی نفی کی۔

وہ جوابات حسب ذیل ہیں۔

1- کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک بدشکل بھدی داڑھی والا شخص ادھر سے گزرا تو ایک آدمی نے کہا کہ تمہاری مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ اس شکل و صورت کے تھے۔ اور آپ ﷺ کی داڑھی ایسی تھی (تو وہ شخص اس تعریض سے مرتد واجب القتل ہو گیا)

2- کسی شخص نے بوجہ تحقیر کیا کہ حضور ﷺ کا رنگ کالا تھا۔

3- ایک شخص سے کسی نے کہا ''حق رسول کی قسم'' تو اس نے جواباً کہا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس آدمی نے اس سے کہا او دشمنِ خدا! تو کیا بک رہا ہے؟ تو اس نے پہلے سے زیادہ سخت گفتگو کی اور کہا ''رسول اللہ ﷺ سے میری مراد بچھو ہے''۔ پس یہ کفر ہے کیونکہ صریح باتوں میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ اس کلام میں رسول اللہ ﷺ کی شدید توہین ہے اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم توقیر نہ کی، اس لیے اس کا خون مباح ہے۔

4- عشار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف شک کی نسبت کرنا مثلاً کوئی کہے اگر میں نے سوال کیا یا جاہل رہا تو کونسی قیامت آ گئی نبی اکرم ﷺ نے بھی تو سوال کیا اور آپ ﷺ کو بھی بعض باتوں کا علم نہ تھا۔ اس قول سے وہ کافر ہو گیا۔

5- ایک فقیہ نے مناظرہ کے دوران حضور ﷺ کی تحقیرِ شان کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ یتیم تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سسر تھے۔ آپ ﷺ کا زہد اختیاری نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ کو کھانے کے لیے کچھ ملتا تو آپ ﷺ ضرور کھاتے تو اس قسم کے کلمات کفر و ارتداد کے ہیں اور کہنے والا واجب القتل ہے۔

علمائے احناف کا نکتۂ نگاہ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے شاگرد فرماتے ہیں:

جو بدبخت حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ ﷺ سے بیزاری کا اظہار کرے یا تکذیب کا مرتکب ہو تو وہ مرتد

ہے۔

علمائے شوافع کا مؤقف

امام شافعی اور ان کے شاگردوں کا مؤقف یہ ہے ''جو شخص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کسی ایسی بات سے تعریض کرے جس سے اس کا مقصد توہین ہو۔ تو یہ صریح گستاخی کے مانند ہے۔ کیونکہ نبی کی توہین چاہنا کفر ہے البتہ علماء کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف ہے کہ آیا اس کی سزا حتمی ہے یا اس کی سزا توبہ سے ساقط ہو سکتی ہے؟

اس ضمن میں دو قول ہیں اور امام شافعی نے اس پر نص فرمائی ہے ہر مذہب کے علماء کی نصوص و عبارات متفق ہیں کہ تنقیصِ رسول ﷺ کفر ہے جس سے خون مباح ہو جاتا ہے البتہ مجرم سے توبہ کا مطالبہ کرنے پر علماء کا اختلاف ہے پھر اس میں کچھ فرق نہیں کہ گستاخ کا مقصد عیب لگانا ہو یا کچھ اور کیونکہ گستاخی کا جرم تو بالتبع بھی ہو سکتا ہے۔

یہ تمام صورتیں اس حکم مشترک کی ہیں جب آدمی کا قول فی نفسہ گستاخی پر مبنی ہو کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنی زبان سے خدا کی ناراضگی کا کوئی کلمہ کہہ دیتا ہے جو اسے جہنم کے اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ کلمہ گستاخی اور تنقیص کا نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی اس کی دلیل یہ ہے کہ آدمی کی گرفت اذیت دہ کلمہ پر ہوتی ہے خواہ اس کا مقصد اذیت دینے کا نہ ہو کیا تم نے منافقوں کا یہ قول نہیں سنا۔

اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ (توبہ:65)

ہم تو صرف ہنسی کھیل کر رہے تھے

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (توبہ:66'56)

کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے۔

یہ تو ایسے ہی ہے جسے کوئی ناراض ہو اور اسے رسولِ اکرم ﷺ کا کوئی ارشاد یا حکم یاد دلایا جائے یا آپ ﷺ کی سنت کی طرف دعوت دی جائے تو وہ لعن طعن اور بیہودہ گوئی پر اتر آئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

تو اے محبوب تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے

خصوصی نوٹ: گزشتہ شب 9 بجے استاذِ گرامی جناب محمد نذیر شاہ صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی، موصوف کچھ دنوں سے صاحب فراش تھے اور طبی معائنہ کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے تھے بہت متقی اور باعمل شخص تھے زندگی بھر سنت غیر مؤکدہ اور نوافل غیر راتبہ تک قضا نہ ہوئے، قرآنِ حکیم کی بہت کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے اور دورانِ قرأت ایک ایک سطر کو چومتے اور اسم الٰہی اور نام رسولِ اکرم ﷺ پر انگلی رکھ کر آنکھوں سے لگاتے تھے ان کی زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی اور درود شریف سے تر رہتی تھی بلاشبہ وہ عہدِ رفتہ کی یادگار اور باکمال انسان تھے آج 4 جولائی 2005ء بروز سوموار بوقتِ سوا گیارہ بجے جنازہ کی نماز ہوئی تو ہر آنکھ اشکبار تھی اس وقت مرحوم کے چہرے پر مسکراہٹ اور نور کی بارش تھی اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(نساء: 65) مان لیں

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مقدسہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے متنازعہ معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم نہیں بناتے۔ پھر آپ ﷺ کے فیصلہ کو دل سے تسلیم نہیں کرتے۔

پس جو شخص کسی سے الجھے اور نبی اکرم ﷺ کے ذکر پاک سے دل تنگ ہو یہاں تک کہ بیہودہ گوئی پر اتر آئے۔ تو وہ قرآنی نص سے کافر ہے۔ اسے اس بناء پر معذور نہ سمجھا جائے گا کہ اس کا مقصد مخالف کا رد کرنا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا یہاں تک کہ اپنی اولاد اور اپنے والدین سے زیادہ نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کرتا۔

حضور ﷺ کے سامنے ایک منافق کا ایک گستاخانہ کلمہ اسی نوعیت کا تھا اس نے مالِ غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ

إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَّا أُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ — یہ ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا

ایک اور بد بخت نے کہا

اِعْدِلْ فَإِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ — عدل کیجئے آپ ﷺ نے عدل نہیں کیا

ایک جھگڑے میں حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا تو ایک انصاری نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

اِنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ یہ فیصلہ آپ نے اس لیے کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے پھوپھی زاد تھے اس قسم کا کلام خالص کفر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ الصدر آیتِ کریمہ نازل فرمائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے نزاعی امور میں آپ ﷺ کو حکم نہیں بناتے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو دل سے تسلیم نہیں کرتے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس انصاری کو معاف فرما دیا جس طرح مالِ غنیمت پر اعتراض کرنے والے کو معاف کر دیا ہم نے گزشتہ صفحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل کیا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے نبی اکرم ﷺ کے فیصلہ تسلیم نہیں کیا تھا اور اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا کلام اترا۔ پس اس شخص کا کیا حکم ہے جو نہ صرف آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ آپ ﷺ کے فیصلہ پر زبانِ طعن کھولتا ہے؟

فقہاء کے ایک گروہ (جن میں امام ابن عقیل اور بعض اصحابِ شافعی رحمہ اللہ شامل ہیں) نے ذکر کیا ہے کہ اس جرم کی سزا تعزیر ہے (یعنی حاکمِ وقت کی صوابدید پر ہے) بعض فقہاء اس کے قائل نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تعزیر نہ لگائی کیونکہ تعزیر لازم نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو معاف فرما دیا کیونکہ معاف کرنا آپ کا حق ہے ایک اور گروہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس انصاری کو سزا دی، جس کی صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے کھیت کو پانی دے فالتو پانی روک لو یہاں تک کہ جمع ہو کر دیواروں کی طرف لوٹ آئے۔

یہ تمام اقوال ردی ہیں جو شخص غور سے کام لے گا اس کو قطعاً شک نہ رہے گا کہ وہ گستاخ نصِ قرآنی کے بعد قتل کا مستحق تھا اور جس کا ایسا حال ہو وہ ہرگز مومن نہیں۔

ایک اعتراض

صحیح روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے فیصلے پر اعتراض کرنے والا انصاری بدری صحابی تھا اور اہلِ بدر کے متعلق صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا اگر اس انصاری کا قول کفر تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ جرمِ کفر قابلِ معافی ہے حالانکہ کفر کو معاف نہیں کیا جاسکتا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بدری نے کفر کا ارتکاب کیا۔

جواب: اس انصاری کے بدری ہونے کا ذکر ابوالیمان نے بروایت شعیب کیا اور یہ حدیث میں اضافہ ہے اکثر راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے یہ راوی کا وہم ہوسکتا ہے جیسا کہ کعب اور ہلال بن امیہ کے معاملے میں واقع ہوا اور وہ دونوں بدر میں حاضر نہ تھے اسی طرح اس کو ابنِ اسحاق نے زہری سے مروی روایات میں بھی نقل نہیں کیا مگر بظاہر یہ صحیح ہے۔

ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تصریح نہیں کہ یہ واقعہ بدر کے بعد کا ہے یا پہلے کا، شاید اس کو بدری کہنے کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے بدری ہونے کے بعد اس واقعہ کو بیان کیا ہو۔ اس قصہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک انصاری کا ان کیساتھ حرہ کے پانی پر جھگڑا ہوا، اس پانی سے کھجور کے باغات کی سیرابی ہوئی تھی۔ انصاری نے پانی چھوڑنے کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے انکار کردیا چنانچہ یہ مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی زمین کو سیراب کرنے کے بعد پانی ہمسائے کے لیے چھوڑ دو۔

اس پر انصاری نے ناراض ہو کر کہا یا رسول اللہ! زبیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد ہیں (اس لیے آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا" یہ سن کر حضور ﷺ کا رنگ متغیر ہوگیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے باغ کو سیراب کرنے کے بعد پانی روک لو۔ یہاں تک کہ پانی دیواروں کی طرف لوٹ آئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ آیتِ کریمہ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ** (النساء 65) اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

بخاری میں بروایتِ عروہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انصاری کے اعتراض کرنے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق دے دیا پہلے فیصلے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری دونوں کے لیے وسعت اور سہولت تھی۔ جب انصاری نے فیصلہ پر ناگواری کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے صریح حکم دے کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق عطا فرما دیا۔ یہ فیصلہ اس دعویٰ کا مؤید ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بنوقریظہ کی وادی مہزور کے پانی کا فیصلہ کیا کہ بالائی زمین والے اپنے کھیتوں کو پہلے پانی پلالیں پھر اس کو روک لیں یہاں تک ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ اگر یہ واقعہ اس فیصلہ کے بعد کا ہوتا تو اس میں حکم کی وجہ معلوم ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ اس وقت کا ہے جب نبی اکرم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے اس لیے اس فیصلے کی ضرورت اس وقت تھی اور شاید یہ واقعہ ہی اس فیصلے کا موجب ہوا۔

متعدد مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کا ابتدائی حصہ اس وقت نازل ہوا جب ایک منافق نے یہودی کیساتھ تنازعہ کا مقدمہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جانا چاہا۔ اور یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اس کی دلیل یہ ہے یہ کعب بن اشرف غزوۂ بدر کے معاً بعد مکہ شریف گیا اور جب لوٹا تو قتل ہو گیا وہ مدینہ شریف میں بدر کے بعد اتنا عرصہ نہ رہا کہ اس کے پاس یہ مقدمہ لے جایا جاتا۔ اور اگر یہ واقعہ بدر کے بعد کا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا کلمات کا قائل اس وقت تک توبہ کر چکا ہو۔ اور نبی اکرم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا ہو اور اہلِ بدر کے لیے جو ضمانت ہے وہ بخشش کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ یہ وہ معافی طلب کرے اگر گناہ اس قبیل کا ہو کہ معافی طلب کے بغیر معافی نہ ہو سکتی ہو یا معافی مانگے بغیر ہی اس کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ حضرت قدامہ مظعون بدری صحابی تھے انہوں نے حسب ذیل آیتِ کریمہ سے شراب کے حلال ہونے پر استدلال کیا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا (مائدہ:93) — جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہوں نے جو کچھ کھا لیا ان پر کچھ حرج نہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہلِ شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ ان سے اور ان کے ساتھیوں سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر وہ شراب کی حرمت کا اقرار کریں تو انہیں کوڑے مارے جائیں مگر گناہ کی شدت کا دل پر بہت اثر ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیاتِ مغفرت ان کی جانب بھیجیں اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ بدر کو حسنِ خاتمہ کی ضمانت دی گئی ہے اور یہ کہ ان کی بخشش ہو چکی ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے قابلِ گرفت خطاء کا امکان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ گستاخی کا ہر کلمہ خواہ صراحت کے ساتھ ہو یا اشارت کے ساتھ، سزائے قتل کو موجب ہے پس یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ کلمۂ گستاخی جس سے توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور کفر جس سے توبہ قبول ہوتی ہے کے درمیان فرق ہے۔

کلمۂ گستاخی اور کفر کے درمیان فرق

ہم کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں اس حکم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا سے وابستہ کیا گیا اور بعض احادیث میں اس کو سب و شتم کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے اسلام نے اسے سب و شتم ہی کہا ہے اور اصول یہ ہے کہ جب لغت میں اسم کی تعریف نہ ہو مثلاً الارض اسماء البحر الشمس اور القبض ہے اسی طرح خاص شرعی اصطلاح بھی نہ ہو جیسے صلوٰۃ زکوٰۃ، حج، ایمان اور کفر تو اس کی تعریف کے بارے میں عرف عام کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسے القبض (قبضہ کرنا) الحرز (حفاظت کرنا) البیع (سودا کرنا) الرھن (گروی رکھنا) اور الکری (کرایہ پر دینا) وغیرہ ہیں چنانچہ ضروری ہے کہ ایذا اور سب و شتم کے معاملہ میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے، جس کو اہلِ عرف گالی تنقیص عیب یا طعن کہیں تو وہ گالی اور سب و شتم کے مرتکب کا وہی حکم ہے جو مرتد کا ہے بشرطیکہ وہ اس کا اظہار کرتا ہو۔ اگر اس کا اظہار نہ کرے تو زندیق ہے۔ پس اس میں اعتبار گستاخی اور اذیت کا ہے اگر وہ سب و شتم غیر نبی کے لیے ہے تو گالی دینے والا واجب التعزیر ہے اور اگر نبی اکرم ﷺ کو سب و شتم کرتا ہے تو شرعی سزا کا مستحق ہے اس مسئلہ پر ہم پہلے تنبیہ کر چکے ہیں۔

جہاں تک نبوت میں قدح کا تعلق ہے اگر وہ عدم تصدیق پر مشتمل ہو تو کفر ہے اور اگر اس میں عدم تصدیق کے ساتھ اہانت

اور استخفاف بھی شامل ہو تو یہ گستاخی ہے یہاں کچھ اجتہادی مسائل ہیں جن کے گستاخی ہونے یا ارتداد ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے پھر جس امر کا اہانت ہونا ثابت نہ ہو سکے اور مجرم اس کو چھپاتا ہو تو وہ زندیق ہے اگر اس کو ظاہر کرے تو مرتدِ محض ہے۔ مسئلہ کی ان تمام صورتوں اور جہتوں کا احاطہ کرنے اور ان کے درمیان فرق کرنے کا یہ محل نہیں۔

فصل

بارگاہِ رسالت ﷺ میں ذمی کی گستاخی جو عہد شکنی اور سزائے قتل کی موجب ہے

ذمی کافر کے مجرد کفر اور گستاخانہ رویہ کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا کفر بالاتفاق عہد شکنی کا موجب نہیں نہ اس سے اس کا خون مباح ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان کے کفر کی موجودگی میں ان کے ساتھ مصالحت کی، جہاں تک اہلِ ذمہ کی گستاخی کا تعلق ہے اس سے عہدِ ذمہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور مجرم واجب القتل بھی ٹھہرتا ہے۔ قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں: ”عقد امان اہلِ ذمہ کو حالتِ کفر پر رہنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی چھوٹ نہیں دیتا۔

مسلمان کا بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی کرنا موجبِ قتل جرم ہے

قبل ازیں بیان ہو چکا کہ اس فرق کو مسلمان کے معاملہ میں بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ وہ خاص جرمِ اہانت کی وجہ سے واجب القتل ہوتا ہے اور یہ ایک شرعی سزا ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اگرچہ توبہ صحیح بھی ہو، جب ہم اسے زندقہ یا مجرد ارتداد کی بناء پر قتل کرتے ہیں تو اس میں مجرد کفر اور دیگر انواعِ کفر میں کچھ فرق نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال و آثار

ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے آثار و اقوال اور فقہائے کرام مثلاً امام مالک، امام احمد وغیرہ فقہاء کے ارشادات مطلق ہیں کہ مجرم واجب القتل ہے خواہ مسلم ہو یا معاہد اس ضمن میں انہوں نے گستاخی کی کسی قسم میں فرق نہیں کیا نہ ہی تکرار و عدمِ تکرار یونہی اظہار و عدمِ اظہار کے درمیان کچھ فرق کیا، عدمِ اظہار سے یہ مراد ہے وہ مسلمانوں کے سامنے علانیہ گستاخی نہ کرے ورنہ اس پر حد قائم نہ ہو سکے گی تا آنکہ دو مسلمان اس کے کلماتِ اہانت کو کھلے عام سنیں الا یہ کہ گھر کے اندر تنہائی میں ایسے کلمات بکے اور مسلمان ہمسائے یا چوری سے سننے والے اس کے گستاخانہ کلمات سن لیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے (مسلم ہو یا کافر) وہ واجب القتل ہے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا ان دونوں اماموں نے تصریح فرمائی کہ تنقیصِ شانِ رسالت کی وجہ سے کافر واجب القتل ہے جس طرح وہ گالی بکنے سے واجب القتل ٹھہرتا ہے یونہی مطلقاً فرمایا کہ ذمی کافر رسول ﷺ کو گالی دے تو واجب القتل ہو جاتا ہے۔

قاضی ابویعلیٰ اور ابنِ عقیل وغیرہما علماء فرماتے ہیں کہ جو چیز ایمان کو باطل کرتی ہے وہ امان کو بھی ٹھہراتی ہے۔ کیوں کہ ایمان واسلام عقدِ ذمہ سے زیادہ مؤکد ہے پس جب کوئی کلام اسلام کی حفاظت اٹھا دیتا ہے تو وہ عہدِ ذمہ کی حفاظت بھی بدرجہ اولیٰ اٹھا دیتا ہے البتہ ان دونوں صورتوں میں ایک اور وجہ سے فرق ہے وہ یہ کہ جب مسلمان نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو اس کا یہ جرم نبی

اکرم ﷺ کے متعلق بدعقیدہ ہونے کی دلیل ہے اس لیے اس کا جرم کفر ہے اور ذمی اگر گالی دے تو اس کا عقیدہ پہلے سے اس کا جرم کفر ہے اور ذمی اگر گالی دے تو اس کا عقیدہ پہلے معلوم ہے اور ہم نے عہد ذمہ کے وقت اسے اپنے عقیدے پر رہنے دیا اور اسے پابند کیا کہ اپنے عقیدے کا اظہار نہ کرے، بلکہ اسے چھپائے اس طرح اظہارِ گستاخی اور اضمارِ گستاخی (گستاخی چھپانے) میں فرق ہے۔

علانیہ اور پوشیدہ گستاخی کے درمیان فرق

ابن عقیل رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

جس طرح اہلِ اسلام سے عہد لیا گیا کہ وہ گستاخی نہ کریں اسی طرح اہلِ ذمہ کو پابند کیا گیا کہ وہ گستاخی کے اظہار سے باز رہیں پس ان کا اظہار ان کے اضمار کی مانند ہے اور اس کے اضمار (چھپانے) سے اسلام کو کچھ گزند نہیں پہنچتی نہ کوئی عیب لاحق ہوتا ہے جبکہ اظہارِ گستاخی سے اسلام کا نقصان اور توہین ہے لہٰذا ہم اس کے اظہار پر شرعی حد قائم کریں گے۔

قاضی ابویعلیٰ اور ابن عقیل نے ہر اس کلام میں اس قیاس کو رد کیا جس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔ مثلاً ثنویت (دو خداؤں) اور تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ جس طرح عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے ذمی جب کسی ایسے عقیدے کا اظہار کرے جس کا اس کے دین سے ہونا ثابت اور مشہور ہو مثلاً عقیدہ شرک ہے تو ذمی کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر وہ ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے۔ تو اس کا عہدِ ذمہ برقرار نہ رہے گا۔

قاضی فرماتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ایسی چیز کا ذکر کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو تو وہ واجب القتل ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے۔

امام جعفر رحمہ اللہ بن محمد فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے والدِ گرامی امام محمد باقر رحمہ اللہ کی زبان سے سنا کسی نے سوال کیا کہ ایک یہودی نے ایک مؤذن کے کلماتِ اذان سن کر کہا تو نے جھوٹ کہا اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا وہ واجب القتل ہے کیونکہ اس نے گالی دی پس امام باقر رحمہ اللہ کی تصریح موجود ہے کہ جو شخص کلمات اذان کو جھوٹ کہے وہ واجب القتل ہے۔

خلال اور قاضی نے اس حکم کو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کے ضمن میں ذکر کیا اور اس کی دلیل یہ دی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے متعلق کلمات کی تکذیب کی گئی لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو ذکرِ خدا اور ذکرِ مصطفےٰ ﷺ سے متعلق کلمات کے لیے عام مانا جائے بلکہ اس میں ذکرِ مصطفےٰ ﷺ سے متعلق کلمات (یعنی اشہد ان محمد رسول اللہ کی تکذیب بدرجہ اولیٰ ثابت ہے کیونکہ یہودی لاالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر کہنے والے کو نہیں جھٹلاتے بلکہ محمد رسول اللہ کہنے والے کی تکذیب کرتے ہیں یہ جمہور موالک کا مذہب ہے ان کے نزدیک ایسی ہر گستاخی کا مرتکب واجب القتل ہے خواہ ایسے لوگ اس کو حلال جانیں یا نہ

جانیں اگر وہ اس کو حلال جانیں تو پھر بھی واجب القتل قرار پائیں گے کیونکہ ہم نے ان کو عہدِ ذمہ میں اس جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی، جس طرح اسلام گستاخ کو پناہ نہیں دیتا۔ اس طرح عہدِ ذمہ اس کو حفاظت مہیا نہیں کرتا۔ یہ ابومصعب اور علمائے مدینہ کے ایک گروہ کا نکتۂ نگاہ ہے۔

ابومصعب نے ایک عیسائی کے متعلق فیصلہ دیا جس نے کہا تھا ''اس ذات کی قسم! جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی'' اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر اس کو مار مار کر ہلاک کرنے کا قائل ہوں، یا اسے ایک دن رات کی مہلت دوں گا۔ پھر قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد کسی کو حکم دوں گا کہ اس بدبخت کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دے تا کہ کتے اس کو نوچ کھائیں۔

امام ابومصعب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے۔

عیسائی اگر کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کو پیدا کیا تو وہ واجب القتل ہے۔

علمائے اندلس نے ایک نصرانی عورت کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور خدا کی ربوبیت کی نفی کی۔

اگر کوئی بدبخت کہے۔

محمد ﷺ نبی نہیں یا وہ رسول نہیں بنائے گئے یا ان پر قرآن نہیں اترا، یہ حضرت محمد ﷺ کا اپنا کلام ہے تو وہ ابن القاسم کے نزدیک واجب القتل ہے۔

محمد ﷺ ہماری طرف مبعوث نہیں وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ہمارے نبی تو موسیٰ علیہ السلام ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو اس قول پر اس کی گرفت نہ ہوگی کیونکہ یہ ان کا عقیدہ ہے جس پر عہدِ ذمہ کی بناء پر ان کو رہنے دیا گیا۔

ابنِ قاسم فرماتے ہیں

اگر کوئی عیسائی کہے

''ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے تمہارا دین تو...... کا دین ہے یا اسی طرح کی بکواس کرے یا مؤذن کی زبان سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنے اور کہے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی طرح نصیحت کرتا ہے تو اس کو سخت مار اور لمبی قید کی سزا دی جائے یہ محمد بن سحنون کا قول ہے انہوں نے اس کو اپنے والد سحنون سے نقل کیا، ان کا ایک اور قول بھی جو سحنون سے نقل کیا۔ ان کا ایک اور قول بھی ہے سحنون ابنِ قاسم سے روایت کرتے ہیں۔

''یہود و نصاریٰ میں سے کوئی شخص انبیائے کرام علیہم السلام کی ایسی بات سے گستاخی کرے جو ان کے کفری عقیدہ کے مطابق نہیں تو اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اِلَّا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے''۔

بقول سحنون اس یہودی کو سخت سزا دی جائے گی اور طویل عرصہ تک قید رکھا جائے گا جو مؤذن کے کلمات شہادت کو جھوٹ قرار دے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس قسم کی گستاخی پر سزائے قتل کی تصریح گزر چکی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا عہدِ ذمہ توڑنے اور سزائے قتل واجب کرنے والی گستاخی کے بارے میں دو وجہ سے اختلاف ہے۔

1 - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور دینِ اسلام پر اعتراض کی وجہ سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ ذمی کا عقیدہ اس کو جائز رکھتا ہو۔ یہ اکثر شافعی رحمۃ اللہ علیہ علماء کا قول ہے۔

2 - اگر اہلِ ذمہ بروئے عقیدہ یہ دعویٰ کریں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں اور قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں تو ان کا یہ عقیدہ ایسا ہی ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دینے کا عقیدہ، نیز تین خداؤں کو ماننے کا عقیدہ اس سے عہدِ ذمہ نہ ٹوٹے گا لیکن ایسے عقیدے کے اظہار پر تعزیر لگائی جائے گی اگر وہ ایسی بات سے اعتراض کریں جو ان کے دینی عقائد میں شامل نہ ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف پر طعن کرنا، تو اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے امام صیدلانی اور امام ابوالمعالی وغیر علماء اعتقاد و عدم اعتقاد کا فرق کرتے ہیں جیسا کہ بعض موالک شوافع کا مختار مذہب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ ذمہ کو اپنے دین اور عقیدے پر رہنے کی آزادی ہوتی ہے مگر اس کے اظہار کی اجازت نہیں پھر جب وہ اس کی خلاف ورزی کریں گے اور منکر باتوں کا علانیہ ارتکاب کریں گے مثلاً شراب پئیں، خنزیر کا گوشت کھائیں گے صلیب لٹکائیں گے اور اونچی آواز میں اپنی مذہبی کتاب پڑھیں گے۔ تو سزائے قتل سے کم سزا کے مستحق ہوں گے۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اہلِ ذمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ سے بڑا نہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس عقیدہ کے اظہار پر وہ واجب القتل نہ ہوں گے اگر عہدِ ذمہ میں اس کی شرط مذکور نہ ہو تو عہدِ ذمہ نہ ٹوٹے گا یہ اس صورت کے برخلاف ہے جس میں وہ کسی ایسی بات سے گستاخی کریں جو ان کے عقائد میں شامل نہ ہو کیونکہ عہدِ ذمہ میں اس کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ نہ ہی اس قسم کی گستاخی ان کے دین کا حصہ ہے اس لیے اس جرم کے ارتکاب پر ان کا وہی حکم ہوگا جو زانی چور اور راہزن کا ہے اور یہ نکتۂ نگاہ اہلِ کوفہ کے مذہب کے قریب تر ہے۔

حالانکہ یہ نکتۂ نگاہ صحیح نہیں کیونکہ ہم نے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے جو دلائل پیش کئے وہ سب دلالت کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اہلِ ذمہ کا عقیدہ ہو یا نہ ہو دونوں طرح سے گستاخی کا جرم بنتا ہے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق گستاخی سے سزائے قتل لازم ہو جاتی ہے اور جو شخص دلائل چہارگانہ میں سے ہر ایک پر نظر ڈالے تو اس پر مخفی نہ رہے گا کہ گستاخی کے معاملہ میں دونوں صورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ عقیدہ کی آڑ میں گستاخی کا ارتکاب بہت ہی صریح روایات کے مطابق لائقِ سزا جرم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجو گو لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق ہی اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے مثلاً انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ اور جادو کی نسبت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر طعن اور آپ کے پیروؤں کی مذمت کر کے لوگوں کو متنفر کیا جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب خلق خلق امانت وفا یا صدق کا تعلق ہے وہ ان میں تعرض اور طعن نہیں کرتے تھے وہ صرف دعویٰ رسالت پر حرف زن ہوتے تھے مذکورہ بالا امور میں وہ طعن نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسا طعن جھوٹ ہونے کی وجہ سے قابلِ تسلیم نہ تھا اس پر بحث گزر چکی لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

جرم اہانت میں عقیدہ وعدم عقیدہ کے درمیان فرق کا رد

ہم کہتے ہیں کہ یہ فرق کئی وجوہ سے ساقط ہے۔

1۔ذمی اگر نبی اکرم ﷺ کی شان میں لعن طعن اور گستاخی کرے یا آپ ﷺ کو قہر وغضب یا جہنم یا عذاب یا اسی قسم کی کوئی اور بددعا دے پھر کوئی دعویٰ کرے کہ یہ گستاخی نہیں جس سے عہدِ ذمہ ٹوٹتا ہے۔تو یہ دعویٰ مطلقاً مردود اور گھٹیا ہے کیونکہ جو شخص کسی پر لعنت کرے اور اس کو برا ٹھہرائے تو اس سے بڑھ کر کوئی گستاخی نہیں۔

بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِه — مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کے مترادف ہے

اور یہ بالکل واضح ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے خلق امانت یا ایفائے عہد پر طعن کرنا سخت گستاخی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کافر اس کو اپنا دین سمجھتے اور قربت وعبادت ٹھہراتے ہیں جس طرح مسلمان مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی پر لعنت کو قربت جانتے ہیں۔

2۔اگر مذکورہ بالا فرق تسلیم کرلیا جائے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ایسی گالی دے جس کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا مثلاً آپ ﷺ کے نسب خلق یا خلق وغیرہ پر طعن کرے تو پھر اس کا عہدِ ذمہ کیسے ٹوٹے گا اور اس کا خون کیسے مباح ہوگا؟

ظاہر ہے کہ ذمی کو نسب میں طعن سے بڑے طعن (کفر) پر قائم رہنے کی شرط پر امان دی گئی اس نے اللہ تعالیٰ کو بیوی اور اولاد رکھنے اور تین میں سے تیسرا خدا ہونے کی گالی دی۔اس سے بلاشبہ امت کو کوئی نقصان لاحق نہیں ہوا پس جب بڑی گستاخی پر قائم رہنا گوارا کرلیا گیا تو چھوٹی گستاخی کو بھی بالاولیٰ برداشت کرلینا چاہیے۔البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے نسب یا خلق پر طعن کرے گا تو وہ ہمارے سامنے اپنے جھوٹ کا اقرار کرے گا یا اس کے ہم عقیدہ لوگ اس کو جھوٹا گناہ گار سمجھیں گے بخلاف اس گستاخی کے، جس کو وہ اپنا عقیدہ جان کر کرتا ہے اور اس میں وہ خود اور اس کے ہم عقیدہ اس کو جھوٹا اور گناہ گار قرار نہیں دیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی گستاخی خود ان کے ہاں اور ہمارے ہاں گناہ اور جرم ہوگی۔مگر یہ بات اس شخص کے حق میں کہی جائے گی جس کی ان کے ہاں کوئی عزت نہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص مسیلمہ کذاب یا اسود عنسی پر بہتان لگائے کہ وہ کالا بھجنگ یا لے پالک ہے یا چور ہے یا اپنی قوم کی نظر میں حقیر ہے تو یہ بلاشبہ ہتکِ عزت ہے مگر اس سے بہتان لگانے والا واجب القتل نہ ہوگا۔نہ اس کو کوڑے لگائے جائیں گے اس لیے کہ عزت وناموس کی حرمت خون کی حرمت کے تابع ہوتی ہے جس کا خون معصوم نہیں تو اس کی عزت بھی قابلِ لحاظ نہیں اگر گستاخی سے ذمی واجب القتل قرار نہ دیا جائے (باوجودیکہ اس کا جرم ہمارے دین میں شدید طعن اور قدح ہے) تو پھر وہ کسی توہین آمیز رویے پر واجب القتل نہ ہوگا اور اس صورت میں ایسی مصیبت کو چنداں اہمیت نہ دی جائے گی۔

اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مسلمان اس وقت واجب القتل ٹھہرتا ہے جب بہتان جیسے جرائم کے ذریعے گستاخی کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے نسب میں قدح آپ ﷺ کی نبوت پر تنقید ہے پس جب ہم نبوت پر تنقید کی وجہ سے ذمی کو قتل نہ

کریں گے تو نبوت میں غیر قادح باتوں سے کیسے قتل کریں گے؟ اس لیے کہ وسائل مقاصد سے زیادہ کمزور ہوتے ہیں۔

یہ بحث جب پایۂ نبوت تک پہنچ گئی تو اب نزاع کرنے والوں کے لیے دو میں سے ایک بات لازم ہوگی۔

1۔ان اہلِ رائے سے اتفاق، جن کے نزدیک جرمِ گستاخی سے عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹتا۔

2۔دوسرے گروہ علماء سے ہم آہنگی جو گستاخی کو عہد شکنی کا سبب قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک عہد ٹوٹنے اور خون مباح کرنے کے معاملہ میں ایک گستاخی کا دوسری گستاخی کے ساتھ فرق کا تعلق ہے تو ایسا فرق ساقط ہے، پھر جب فرق رکھا جائے تو سزائے قتل اور عہد شکنی کا ایجاب ہرگز ممکن نہیں رہتا۔ اور جو آدمی اس فرق کے ساتھ وجوبِ قتل کا دعویٰ کرے وہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا۔

3۔ جب ہم اس کو ایسے جرم کے ارتکاب پر قتل نہ کر سکیں گے کہ وہ اس جرم کو اپنے عقیدہ کی رو سے جائز سمجھتا ہے تو ممکن نہ ہوگا کہ اسے جرمِ گستاخی پر سزائے قتل دے سکیں کیونکہ ہر مجرم ارتکابِ جرم کے بعد کہے گا کہ یہ میرے دین وعقیدہ میں جائز ہے۔

اگر نسب میں طعن کا معاملہ ہو جیسے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی شان میں قدح کا عقیدہ رکھتے ہیں نیز حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھتے ہیں کہ تو کیا یہ نسب میں طعن ان کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟

دراصل یہ انتہائی گمراہ لوگ ہیں جب بھی کوئی بہتان لگائیں گے یا گمراہی کی صورت اختیار کریں گے تو بے دھڑک کہہ دیں گے کہ یہ تو ہمارا عقیدہ ہے اس وقت ان کو قتل کرنا ممکن نہ ہوگا یہاں تک کہ ثابت ہو جائے کہ یہ جرم ان کے عقیدے میں ناجائز ہے اور یہی صورت محلِ نزاع ہے ہم ان کے اکثر عقائد سے آگاہ ہیں مگر ان کے سینوں کے دبے کفری عقیدے زیادہ بڑے ہیں ان سے کفر وبدعت کی ایسی حرکات کا بار بار صدور زیادہ اچنبھے کی بات نہیں پس اس فرق کا نتیجہ یہ ہے کہ گستاخ کو حتمی طور پر قتل کیا جائے بخدا یہ اہلِ رائے ...... کا قول ہے ہم اس کا جواب دے چکے ہیں اور وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم نے اہلِ ذمہ پر معاہدہ کی رو سے لازم قرار دیا کہ وہ اپنے دین کا اظہار نہ کریں چہ جائے کہ وہ دینِ حق پر طعن کریں اور باطل قول منہ سے نکالیں، خواہ وہ اس کو اپنے عقیدہ کی رو سے جائز سمجھتے ہوں اس کی دلیل یہ ہے کہ ترکِ طعن کے معاہدہ نے ایسے جرم کا ارتکاب خود ان کے دین میں بھی حرام ٹھہرا دیا، جس طرح مسلمانوں کے خون اور مال سے ہاتھ روکنا معاہدہ کی رو سے لازم قرار دیا۔ ہم نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ دار السلام میں کفری کلمات کا کھلے بندوں اظہار کھلی جنگ کے مترادف ہے بلکہ اس سے زیادہ سنگین، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کفر جرمِ گستاخی سے عام تر جرم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کافر ہو مگر وہ گستاخ نہ ہو یہ زیرِ بحث مسئلہ مغز اور راز ہے اس لیے زیادہ تفصیل کا متقاضی ہے۔

گستاخی کی اقسام اور احکام

نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے کلمات بطورِ مثال وحکایت بیان کرنا ایک تکلیف دہ اور دشوار امر ہے جو دل اور زبان پر گراں گزرتا ہے لیکن بیانِ حکم کے لیے ایسے کلمات نوکِ قلم پر لانے کی مجبوری اور ضرورت ہے اس لیے ہم گستاخی کی اقسام کو بلاتعین فرضی صورت میں لکھتے ہیں۔

1۔ گستاخی بصورت بددعا

2۔ گستاخی بصورت خبر

بددعا کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے حق میں ہے اللہ اس پر لعنت کرے، اللہ اس کا برا کرے اسے رسوا کرے اس پر رحم نہ کرے اس سے راضی نہ ہو اللہ اس کو برباد کرے وغیرہ ایسے بددعائیہ کلمات انبیائے کرام علیہم السلام اور غیر انبیاء سب کے لیے گالی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر نبی اکرم ﷺ کو بددعا دیتے ہوئے کہے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام نہ بھیجے، آپ ﷺ کا ذکر بلند نہ کرے یا اللہ آپ ﷺ کا نام ونشان مٹادے (معاذ اللہ) ایسے تمام کلمات جو کسی مسلمان یا ذمی سے صادر ہوں تو ضرور اہانت اور گستاخی پر مبنی ہیں اوران کی وجہ سے مسلمان کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا جبکہ ذمی کو علانیہ گستاخی کرنے پر قتل کیا جائے گا پھر ذمی اگر نبی اکرم ﷺ کو علانیہ بددعا کرے یا پوشیدہ بددعا دے مگر اس کے لہجے سے بددعا ہونا ظاہر ہو مثلاً سلام دیتے ہوئے کہے۔

السام علیکم! اور دعویٰ یہ کرے کہ اس نے سلام دیا ہے تو اس میں دو قول ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ گستاخی ہے اور وہ اس سے واجب القتل ہے، جب یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کو ایسے کلمات سے سلام کیا اور آپ ﷺ نے معاف فرمایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اسلام کمزور تھا اور آپ ﷺ کو کافروں کی ایذاء پر صبر کرنے اور معاف فرمادینے کا حکم تھا یہ قول مالکی شافعی اور حنبلی علماء میں سے ایک گروہ کا ہے.......... میں **قاضی عبدالوہاب' قاضی ابویعلیٰ' قاضی ابو اسحاق شیرازی' ابوالوفاء** ...... ابن عقیل وغیرہم شامل ہیں۔ اور جو علماء اس طرف گئے ہیں کہ السام علیکم! کہنا بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی تھی ان کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ ان یہودیوں کا اہلِ ذمہ ہونا معلوم نہیں مگر یہ قول ساقط ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کے یہودی اہلِ ذمہ تھے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان کو معاف کر دینا رسول اللہ ﷺ کا حق تھا آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حق کسی کے پاس نہیں۔

2- دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایسی گستاخی نہیں جس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے کیونکہ یہودیوں نے اس گستاخی کا علانیہ اظہار نہیں کیا بلکہ انہوں نے لفظ اور حال سے اس اسلام وتحیت کا اظہار کیا اور سلام میں سے لام کو ایسے طریقے سے حذف کیا جس کو بعض سامعین ہی سمجھ سکتے تھے جبکہ اکثر سننے والوں کو پتہ نہیں چلتا تھا اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

یہودی سلام دیتے وقت السام علیکم کہتے ہیں تم ان کے جواب میں وعلیکم کہہ دیا کرو۔

حضورِ انور ﷺ نے اس طرزِ عمل کو اپنی ظاہری حیات اور بعد وصال شرعی ضابطہ بنا دیا اور یہ سنت بن گئی کہ ذمی سلام کہے تو اسے وعلیکم سے جواب دیا جائے۔ اگر یہ صورت گستاخی کی آئینہ دار ہوتی تو آپ ﷺ ان یہودیوں کو سزا دیتے خواہ کوڑے ہی لگادیتے۔ سزا نہ دینے سے معلوم ہوا کہ ان کلمات کی وجہ سے مؤاخذہ جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

اور جب آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ سے سلام دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سلام نہیں کہا

اور اپنے آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے اس میں داخل ہوں گے۔ سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ (مجادلہ:8)

پس آخرت کے عذاب کو ان کے لیے کافی ٹھہرانا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیوی عذاب مقرر نہیں فرمایا اگر یہ سزا ان کے لیے مقرر کردی جاتی تو وہ بہانہ بنا کر کہہ دیتے کہ ہم نے تو ''السلام'' کہا، تم سے سننے میں خطاء ہوئی تم بلاوجہ ہم پر الزام لگاتے ہو اس مسئلہ میں یہودی ان منافقوں کی طرح جو اسلام کا اظہار کرتے تھے مگران کا کفران کے لب ولہجہ سے معلوم ہو جاتا تھا اور چہروں کے اثرات سے ان کی پہچان ہو جاتی تھی لیکن لہجہ اور چہروں کے تاثرات سے ان کو سزا دینا ممکن نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ موجبات سزا کا ایسا ظاہر ہونا ضروری ہے جس سے سب لوگ آگاہ ہوں۔

جرم کی اتنی مقدار اگر کسی مسلمان سے صادر ہو تو یہ بلاشبہ کفر ہے اور اگر ذمی ایسا کرے تو اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے مگر خفیہ ارتکاب پر ہم اس کو سزا نہیں دے سکتے۔ یہ قول متقدمین علماء کے ایک جم غفیر کا ہے حنبلی اور مالکی علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

جن علماء کے نزدیک یہ قول جائز ہے ان کے نزدیک یہ موت کی دعا ہے یہ زیادہ صحیح قول ہے یا اس کے معنی بیزاری اور قلق کے ہیں جو علماء کہتے ہیں کہ موت تو ایک حتمی امر ہے ان کے نزدیک یہ ایذاء کا اشارہ ہے حقیقی گالی نہیں مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کو موت کی بددعا دینا بدترین گستاخی ہے جس طرح زندگی صحت وعافیت اور دین پر ثابت قدمی کی دُعا بہت بڑی عزت وکرامت ہے۔

دوسری قسم (گستاخی بصورتِ خبر)

ہر وہ کلمہ جس کو لوگ گالی گلوچ یا تنقیص شان پر محمول کرتے ہیں اس سے قتل کی سزا واجب ہوتی ہے (جیسا کہ گزر چکا) مگر کفر گالی اور گستاخی کو مستلزم نہیں آدمی کبھی کافر تو ہوتا ہے مگر گستاخ نہیں ہوتا۔ لوگ عموماً اس بات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں کہ ایک آدمی کبھی دوسرے سے شدید بغض وعداوت رکھتا ہے لیکن اسے گالی نہیں دیتا، کبھی بغض وعداوت کے ساتھ گالی گلوچ بھی شامل ہو جاتی ہے اور وہ گالی گلوچ اس کے عقیدے سے ہم آہنگ بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں کہ جو بات عقیدہ بننے کا احتمال رکھتی ہو وہ قول کے ذریعے ظاہر بھی ہو۔ نہ ہی جس کے سری کہنے کا احتمال ہو وہ جہری کہی جاسکے بعض اوقات ایک کلمہ ایک حالت میں سب وشتم ہوتا ہے اور دوسری حالت میں سب وشتم نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اقوال واحوال کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے پس جب لغت وشرع میں سب وشتم کی کوئی معروف ومقرر حد نہیں تو اس میں عرفِ عام کی طرف رجوع کیا جائے گا تو جو کلمہ عرف عام میں نبی اکرم ﷺ کی گستاخی تصور کیا جاتا ہے ضروری ہے کہ صحابہ کرام اور علمائے اسلام کے کلمات کو اس پر منطبق کیا جائے اور جو ایسا نہ ہو تو اس کو منطبق نہ کیا جائے ہم ذیل میں اس کی بہت سی قسمیں ذکر کرتے ہیں۔

یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ تنقیص واہانت کا اظہار اہلِ اسلام کے نزدیک صریح گستاخی ہے مثلاً (معاذ اللہ) برے نام رکھنا۔ مسکنت رسوائی اور ذلت سے موصوف کرنا۔ یا معاذ اللہ عذاب میں ہونے کی خبر دینا (نقل کفر، کفر نہ باشد) اور یہ کہنا کہ ساری

مخلوق کے گناہ آپ ﷺ کے ذمے ہیں، یونہی بطورِ طعن وتکذیب کہا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) جادوگر، دھوکہ باز اور حیلہ گر ہیں اور اپنے پیروؤں کو نقصان پہنچاتے ہیں یا یہ کہ جو کلام آپ ﷺ لائے ہیں وہ جھوٹ اور باطل ہے (نعوذ باللّٰہ من تلك الكلمات والهفوات)

پس آدمی ان کلمات کو شعر میں نظم کرے تو یہ بدترین قسم کی گستاخی ہے کیونکہ اشعار یاد رکھے جاتے ہیں اور آگے منتقل کیے جاتے ہیں اور دلائل و براہین کی تاثیر سے زیادہ دلوں میں اثر کرتے ہیں حالانکہ ان کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے پھر ان اشعار کو مجمع عام میں گایا جائے تو گستاخی میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر طعن کیے بغیر اپنے عقیدے کا اظہار کرے مثلاً کہے۔ میں محمد ﷺ کا پیرو نہیں میں ان کی تصدیق نہیں کرتا یا ان کو پسند نہیں کرتا۔ یا ان کے دین سے راضی نہیں (یا اسی قسم کی دیگر باتیں) تو اس نے اپنے عقیدے اور ارادے کی خبر دی جس میں تنقیص کا پہلو پوشیدہ نہیں، کیونکہ تصدیق نہ کرنا اور محبت نہ رکھنا کبھی جہالت عناد حسد کبر تقلید اسلاف اور دینی تعصب کی بناء پر ہوتا ہے بخلاف اس کے کہے حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں یا آپ ﷺ پر کچھ نہیں اترا وغیرہ تو یہ صریح تکذیب ہے اور ہر تکذیب کے ذریعے آپ ﷺ کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا کہ آپ نبی نہیں اور آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ ایک ہی مفہوم کو کبھی کئی عبارات سے تعبیر کیا جاتا ہے جن میں سے بعض گستاخی شمار ہوتی ہیں اور بعض گستاخی کے زمرے میں نہیں آتیں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ جو شخص مؤذن کو کلمات اذان پر کہے ''تو نے جھوٹ کہا'' تو وہ گستاخ ہے کیونکہ اس نے علانیہ تکذیب کر کے مسلمانوں کو ستایا کہ وہ دینِ حق پر طعن کر رہا ہے اور ان کے عقیدہ توحید ورسالت ﷺ کو ہدفِ تنقید بنا رہا ہے یہ بلاشبہ گستاخی ہے۔

ایک اعتراض

اگر کہا جائے کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ابنِ آدم نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ابنِ آدم نے میری تکذیب کی اس کو یہ سزاوار نہ تھا اس نے مجھے گالی دی کہ میں نے بیٹا اختیار کیا اور یہ کہہ کر جھٹلایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ زندہ نہ کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی بار پیدا کیا''۔

اس طرح تکذیب اور گالی دینے میں فرق کیا۔

یہاں دوبارہ زندہ نہ کرنے کے قول اور اذان کے کلمات کو جھٹلانے میں دو وجہ سے فرق ہے۔

وجہِ اوّل

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس نے صراحت کے ساتھ جھوٹ کی طرف اس کی نسبت نہ کی اور ہم نے دعویٰ نہیں کیا کہ ہر تکذیب سب وشتم ہوتا ہے اگر ایسا کیا جاتا تو ہر کافر گستاخ قرار پاتا اصل میں کہا یہ گیا ہے کہ مؤذن کو کلمات شہادت پر جھٹلانا اُمتِ محمدیہ کے اعتقادِ توحید ورسالت پر طعن ہے اور یہ نبوت کو گالی دینا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے کفار نے حضور ﷺ کی پیروی کرنے پر پیروکاروں کی ہجو کی تو یہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی قرار پائی مثلاً بنتِ مروان اور کعب وغیرہ نے اشعار کے ذریعے طعن کیا۔ جہاں تک کافر کے اس قول

کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کی نفی ہے اور یہ دیگر انواعِ کفر کی طرح ہے۔

وجہ دوم

دوسری وجہ یہ ہے کہ عقیدہ بعث کو جھٹلانے والا کافر یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ مجھے عنقریب دوبارہ زندہ کرے گا۔ نہ یہ کہتا ہے کہ یہ کلام اللہ کی تکذیب ہے اگر چہ فی الواقع وہ تکذیب ہی ہے برخلاف اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ سے یا آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے شخص سے کہتا ہے کہ تو نے جھوٹ کہا کیونکہ وہ مانتا ہے کہ اس کا قول رسول اللہ ﷺ پر طعن اور عیب ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ہر وہ کلام جس کا پہلے مسئلہ میں ذکر ہوا خواہ وہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر کی صورت میں اور نبی اکرم ﷺ نے اس کو گالی قرار دیا ہو اور قائل کو گستاخ ٹھہرایا ہو، تو وہ گستاخی ہے یونہی وہ کلام بھی گستاخی ہے جس میں گستاخی کا مفہوم پایا جائے، ایسے کلمات کا شمار ممکن نہیں بس جامع ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ کلام گستاخی ہے جس کو لوگ گستاخی جانتے ہیں اور جو احوال اصطلاحات عادات اور کیفیات کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے اور جس کلام کے گستاخی ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہو اس کو اس کی نظیر اور مثال سے لاحق کیا جاتا ہے۔

فصل

ذمی گستاخی سے توبہ کرے تو اس کا حکم

ذمی کا ہر فعل اہانت عہد شکنی کا باعث ہے اور اس سے وہ واجب القتل ٹھہرتا ہے پھر اس جرم سے توبہ کرے تو قبول نہ ہوگی جیسا کہ تفصیل سے گزرا، اس مسئلہ پر جمہور علماء کا اتفاق ہے قبل ازیں ہم شیخ ابو محمد مقدسی ﷫ کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

ذمی جب نبی اکرم ﷺ کو گالی دے پھر اسلام قبول کرلے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی البتہ نبی اکرم ﷺ پر بہتان باندھے پھر اسلام لائے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہونے میں دو روایتیں ہیں۔

استدراک

امام مقدسی ﷫ کے مذکورہ بالا کلام کو اس مفہوم پر محمول کرنا چاہیے کہ ذمی کا گالی گلوچ اس کے دینی عقیدہ کے مطابق ہے اور اسلام لانے سے اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔ جیسے لعن طعن اور مذمت وغیرہ اور اگر ایسی بات سے سب وشتم کرے تو اس کے عقیدے سے ہم آہنگ نہیں جیسے بہتان لگانا تو اس سے اس کی سزا ساقط نہ ہوگی' کیونکہ اس کا وہ عقیدہ جو کفر محض پر مبنی ہے اس کو چھوڑ کر اسلام لائے تو اس کی سزا باطناً ساقط ہو جاتی ہے پس اس کا ظاہراً ساقط ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اصل (عقیدہ کفر) کے ساقط ہونے سے اس کی فروع بھی ساقط ہو جاتی ہیں اور جو چیز اس کے عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہو وہ سراسر بہتان ہے اور وہ خود بھی اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے پس وہ دیگر انسانی حقوق کے بمنزلہ ہے اور اگر اس کے کلام کو ظاہر پر محمول کیا جائے کہ گستاخی کی دیگر قسموں میں سے صرف بہتان ہی مستثنیٰ ہے تو اس کی توجیہ اس طرح ممکن ہے کہ چونکہ دوسرے پر بہتان لگانا شدید جرم ہے اس لیے

اس کے مرتکب کو اسی کوڑے لگائے جاتے ہیں بخلاف دیگر انواعِ کفر کے کہ ان کی سزا تعزیر ہے۔ جو حاکمِ وقت کی رائے پر موقوف ہے اسی طرح عام آدمی کے قذف اور پیغمبر کے قذف میں فرق کیا جاتا ہے اور پیغمبر کے قاذف پر قتل کی سزا مطلقاً نافذ کی جاتی ہے خواہ اسلام قبول کرلے، مگر شاتم کی سزا ٹل جاتی ہے، لیکن یہ فرق ہرگز پسندیدہ نہیں، کیونکہ قذف سے سزائے قتل واجب ہوتی ہے اور عہدِ ذمہ بھی ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس قذف سے نسب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قدح واقع ہوتی ہے، اور یہ جرم حقیقت میں نبوت محمدیہ پر قدح ہے، اس مفہوم کے لحاظ سے بہتان تراشی اور جھوٹ کی دیگر اقسام یکساں ہیں بلکہ کبھی ایسے منکر افعال واقوال کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، جس سے آدمی کے ساتھ قذف اور سب وشتم سے بڑا عیب لاحق ہوتا ہے اور اس کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، یہاں قذف پیغمبر اور غیر پیغمبر کے درمیان فرق کیا گیا ہے، کیونکہ پیغمبر پر قذف لگانے والے کی تکذیب ممکن نہیں جب کہ دوسروں کی تکذیب ممکن ہے، لہٰذا یہ عار پیغمبر کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ سنگین ہے۔

سب وشتم کے کچھ کلمات ایسے ہیں جن سے نبوت میں قدح وارد ہوتی ہے اور ان کے باطل ہونے کا علم ہر ایک پر ظاہر ہے، اس لئے کہ قاذف کے جھوٹا ہونے کا علم اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح اس شخص کا علم جو مذموم وقبیح چیز کی طرف نسبت کرے، دونوں کے درمیان کچھ فرق نہیں۔

تو ذمی کا اسلام لانا اس کفر کو ساقط کرتا ہے یا کفر کے ساتھ دیگر جرائم کو بھی جہاں تک بعض جرائم کے اسقاط اور بعض جرائم کے عدم اسقاط کا تعلق ہے باوجودیکہ دونوں قسم کے جرائم مقدار سزا میں یکساں ہیں تو اس اسقاط کی کوئی ٹھوس وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔

رہا اس بات سے استدلال کہ اسلام گستاخِ خدا کی سزا ساقط کر دیتا ہے پس گستاخِ رسول کی سزا تو بدرجہ اولیٰ ساقط ہونی چاہیے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام گستاخ کی سزا کو مطلقاً ساقط کرتا ہے خواہ گستاخی قذف کی صورت میں ہو یا غیر قذف کی صورت میں ہمارے نزدیک زیرِ بحث موضوع گستاخی کی تمام انواع کے درمیان برابری اور مساوات ہے اس دلیل کی صحت وفساد پر گفتگو نہیں، کیونکہ قبل ازیں اس دلیل کے ضعف پر تنبیہ گزر چکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کو اللہ تعالیٰ کی گستاخی کے برابر قرار دیا جائے اور اگر اصل میں سقوطِ سزا کا دعویٰ کیا جائے تو ضروری ہے کہ فرع میں بھی سقوط کا دعویٰ کیا جائے یا اس کو حد خداوندی قرار دے کر موجب قتل ٹھہرایا جائے تو اس باب میں قذف وغیرہ جرائم کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ اس لیے کہ ذمی اگر مسلمان یا ذمی پر بہتان لگائے یا قذف کے بغیر اسے گالی دے پھر اسلام لے آئے تو اس سے شرعی تعزیر ساقط نہ ہوگی جس طرح قذف کی بناء پر سزا کے مستحق شخص سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ثبوت وسقوط کے اعتبار سے یکساں ہیں صرف غیر نبی کی طرف نسبت کی وجہ سے مقدارِ سزا میں اختلاف ہے جہاں تک نبی کی طرف نسبت کا تعلق ہے تو دونوں کی سزا برابر ہے ان میں کچھ فرق نہیں۔

ہم نے گستاخِ رسول ﷺ کی سزا کا ذکر کر دیا اب اس سے ملتا ملتا مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کا حکم دلائل سمیت گزر چکا یوں زیرِ بحث مسئلہ کی تکمیل ہو جائے گی اس کی تفصیل ہم چند قسطوں میں کریں گے۔

فصل

گستاخِ خدا کا حکم

اللہ تعالیٰ کا گستاخ اگر مسلمان ہو تو وہ بالا جماع واجب القتل ہے کیونکہ اس جرم کی وجہ سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے بلکہ کافر سے بھی بدتر کیونکہ کافر بھی ربّ تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جس باطل مذہب پر وہ قائم ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا مذاق نہیں اڑایا جاتا، نہ اسے گالی دی جاتی ہے۔

کیا گستاخِ خدا کی توبہ مقبول ہے

گستاخِ خدا کی توبہ قبول ہونے میں ہمارے حنبلی علماء اور دیگر علماء کا اختلاف ہے کہ کیا مرتد کی طرح اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا رہا یہ کہ اگر مقدمہ عدالت میں دائر ہو جائے نیز جرم ثابت ہو جائے اس کے بعد توبہ کرے تو کیا اس کی سزائے قتل ساقط ہو جائے گی؟ اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول

پہلا قول یہ ہے کہ گستاخِ خدا، گستاخِ رسول کی طرح ہے اور گستاخِ رسول کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں یہ ابوالخطاب ان کے ہم قدم متاخرین علماء کا طریقہ ہے اسی پر امام احمد کا کلام دلالت کرتا ہے وہ فرماتے ہیں:

جو شخص گستاخانہ کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے وہ واجب القتل ہے وہ مسلمان ہو یا کافر یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے وہ مطلقاً اس کو واجب القتل گردانتے ہیں اور اس میں توبہ کی قید نہیں رکھتے مگر اہلِ مدینہ کا مشہور مذہب ہے کہ توبہ سے گستاخ کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔

اگر امام احمد اس سے یہ مراد نہ لیتے تو اہلِ مدینہ تخصیص نہ کرتے کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے، وہ واجب القتل ہے اختلاف صرف مطالبہ توبہ میں ہے پس جب انہوں نے مسلمان گستاخ کے بارے میں اہلِ مدینہ کا قول اختیار کیا، یونہی ذمی کے معاملہ میں تو معلوم ہوا کہ ان کا مقصد مقامِ اختلاف کا بیان ہے وہ یہ کہ مجرم دسترس میں آنے کے بعد توبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ ہم نے اس کو گستاخِ رسول ﷺ کے معاملہ میں ذکر کیا۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے امام عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں میرے والد سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے دوسرے کو (گالی دیتے ہوئے) کہا اے فلاں کے بیٹے! تو اور تیرا پیدا کرنے والا ایسا ایسا ہے۔ میرے والد نے جواب دیا یہ شخص اسلام سے برگشتہ ہو گیا میں نے عرض کیا۔ کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ فرمایا ہاں ہمارے نزدیک وہ واجب القتل ہے۔

پہلی روایت امام لیث بن سعد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا ''مسلمانوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے اسے قتل کیا جائے اور اس کو توبہ کے لیے نہ کہا جائے''۔ البتہ یہ ہے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہو اور دینِ اسلام سے برگشتہ ہو کر پرانے دین کی طرف لوٹ جائے اور اس کا علانیہ اظہار بھی

کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اگر اظہار نہ کرے تو توبہ کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں یہ ابن القاسم مطرف عبدالملک اور جمہور مالکیہ کا مذہب ہے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اس کی توبہ قبول کی جائے وہ مرتد محض کی طرح ہے یہ قاضی ابویعلی شریف ابوجعفر ابوعلی بن بناء اور ابنِ عقیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ مدینہ شریف کی ایک جماعتِ علماء کا قول ہے جن میں محمد بن مسلمہ، مخزومی اور ابنِ ابی حازم شامل ہیں وہ کہتے ہیں کہ گالی دینے کے باعث مسلمان کو قتل نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔

یہی حکم یہودی اور نصرانی کا ہے اگر توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں تو انہیں قتل کیا جائے مگر توبہ کا مطالبہ ضروری ہے کیونکہ یہ ارتداد کی طرح ہے اس کو عراق کے مالکی علماء نے بھی ذکر کیا۔ اسی طرح امام شافعی کے شاگردوں نے بھی اس کو نقل کیا۔

جو علماء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخ سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہیں کہ یہ جرم ارتداد کی ایک قسم ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کفرِ محض ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور توبہ اسی شخص کی قبول ہے جس سے مجرد اصلی کفر یا طاری کفر صادر ہو اس سے بالاجماع سزائے قتل ساقط ہو جائے گی اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ انصاری اللہ تعالیٰ کو تین کا تیسرا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا ٹھہرا کر اس کو گالی دیتے ہیں جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے فرمایا" ابنِ آدم نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کو سزاوار نہ تھا۔ الحدیث۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ:73)	بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ (مائدہ:74)	تو وہ اللہ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے معافی کیوں نہیں مانگتے؟

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے اپنا حق ساقط کر دیتا ہے آدمی اگر کفر کا مرتکب ہو اور زمین برابر گناہ بھی کرے پھر تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو گالی سے عار لاحق نہیں ہوتی بلکہ اس کا نقصان الٹا گالی دینے والے کو ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت وحرمت بندوں کے دل میں اس سے کہیں بڑی ہے کہ گستاخ کی جرأت وجسارت اس کو نقصان پہنچا سکے اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان فرق واضح ہو گیا چونکہ شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کا تعلق حقِ آدمی سے ہوتا ہے اور حقِ آدمی کی وجہ سے لازم ہونے والی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور عار بھی لاحق ہوتی ہے اس لیے گالی اور گستاخی سے حرمتِ رسول قائم نہیں رہ سکتی۔ نہ دلوں میں یہ بلند مقام برقرار رہ سکتا ہے جب

تک کہ گستاخ کو سزا نہ دی جائے ہجو گوئی اور سب وشتم سے لوگوں کے ہاں حضور کی عزت وحرمت میں کمی آسکتی ہے اور آپ ﷺ کے بلند مقام ومرتبہ میں قدح پیدا ہوسکتی ہے اس لیے اگر اس سزا کے ذریعے آپ ﷺ کی عزت وحرمت کا تحفظ نہ کیا جائے تو معاملہ انتہائی خرابی اور فساد تک پہنچ سکتا ہے۔

اس فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ گستاخی کی سزا حقِ آدمی سے متعلق ہے جیسا کہ بکثرت علماء نے اس کا ذکر کیا ایک لحاظ سے یہ حقِ خداوندی بھی ہے اور اس کی حرمت کی پامالی کی تلافی سزا قائم کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔لہٰذا ایک گستاخ سزا کے استحقاق میں زانی چور اور شرابی سے مشابہت رکھتا ہے مزید برآں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا کوئی عقلی داعیہ نہیں، زیادہ تر یہ گستاخی اعتقاد ودینداری سے صادر ہوتی ہے اور اس کا صدور از راہِ تعظیم ہوتا ہے کیونکہ گستاخ حقیقت میں اہانت اور گستاخی کا قصد نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا کچھ اثر نہیں بخلاف شان رسول میں گستاخی کے، کہ اس میں گستاخ کا مقصد اہانت اور استخفاف ہوتا ہے اور ہر کافر اور منافق کے دل میں اس کے محرکات اور داعیے ہوتے ہیں پس اس جرم کا تعلق ان جرائم سے ہے جس کی طرف انسانی فطرت دعوت دیتی ہے اس لیے اس کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی برخلاف ان جرائم کے جن کا کوئی داعیہ اور محرک نہ ہو۔

اس فرق کا ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ بسا اوقات شانِ خداوندی میں گستاخی کا کوئی محرک نہیں ہوتا۔اس طرح وہ جرمِ کفر کی ایک فرد ہوتا ہے۔بخلاف شانِ رسالت میں گستاخی کے، کہ اس کے داعیے بہت ہیں اس لیے اس کی خاص شرعی سزا ہونی چاہیے اور خاص شرعی سزا کا ضابطہ یہ ہے کہ یہ دیگر شرعی سزاؤں کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اس کی وجوہات حسبِ ذیل ہیں۔

1- یہ جرم بکثرتِ محرکات اور دواعی کی وجہ سے خاص نوعیت کا ہے۔

2- دشمنانِ خدا اہانتِ رسول کے شدید متمنی رہتے ہیں۔

3- حرمتِ رسول کی پامالی سے کئی حرمتوں کی پامالی جنم لیتی ہے

4- یہ جرم حقِ آدمی سے متعلق ہے اس لیے اس کی سزا حتمی ہے

5- یہ سزا اس وجہ سے نہیں کہ یہ جرم شانِ خداوندی میں گستاخی سے بڑا جرم ہے۔ بلکہ اس جرم کا مفسدہ حتمی سزا کے بغیر ختم نہیں ہوتا۔

کیا آپ کے علم میں نہیں کہ کفر وارتداد کا جرم بلاشبہ زنا چوری رہزنی اور شراب نوشی سے بڑا جرم ہے اس کے باوجود کافر ومرتد قابو آجانے کے بعد توبہ کرے تو اس کی سزا ساقط ہوجاتی ہے جبکہ زنا چوری کے مرتکب فاسقوں کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔حالانکہ کفر فسق سے کہیں بڑا جرم ہے اور فاسق کا سزاوارِ سزا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ فاسق کافر سے زیادہ گناہ گار اور مجرم ہے۔

پس جس عالم نے گناہ کے بڑا ہونے یا چھوٹا ہونے کو معیار بنایا اور اس بناء پر سزا کے حتمی ثبوت یا سقوط کو ملحوظ رکھا وہ فقہ وحکمت کے راستہ سے بہت دور جا پڑا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عہد ذمہ کی وجہ سے ہم کافروں کو حالتِ کفر پر رہنے دیتے ہیں جبکہ کسی مسلمان یا ذمی جرم زنا چوری اور گناہ

کبیرہ پر برداشت نہیں کرتے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو غلط کاری اور بے حیائی پر ایسی سزا دی جو کسی اور جرم پر نہ دی۔ حالانکہ زمین اس وقت شرک سے بھری پڑی تھی اور اہلِ شرک امن و عافیت سے رہ رہے تھے نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں ایک قاتل کو کئی بار دفن کیا گیا تو زمین اس کو باہر پھینک دیتی تھی اس منظر کو دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لَتَقْبَلُ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنْهُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَرَاكُمْ هٰذَا لِتَعْتَبِرُوْا

بے شک زمین اس قاتل سے زیادہ برے شخص کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے عبرت پذیری کے لیے تم کو یہ منظر دکھایا

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاسق کو سزا دی جاتی ہے جبکہ ذمی کافر محفوظ رہتا ہے حالانکہ فاسق کافر سے نسبتاً اچھا ہوتا ہے آپ نے دیکھا کہ شریعت کی مقرر کردہ سزائیں حتمی ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں سخت سزائیں بھی ملتوی اور مؤخر کر دی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا دار الجزاء نہیں جزاء کے لیے روزِ حساب مقرر ہے جب اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا اعمال اچھے ہوں گے تو جزاء بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال برے ہوں گے تو صلہ بھی برا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جرم کی نوعیت کے مطابق عذاب اتارتا ہے اور سزا مقرر کرتا ہے جو نفسوں کو زجر و توبیخ کرے، ایسا جرم فسادِ عام کا باعث ہوتا ہے اور مجرم تک ہی محدود نہیں رہتا۔ یا سزا کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مجرم اس کا علانیہ ارتکاب کرتا ہے جس میں جرم سنگین ہو جاتا ہے پس جب اندیشہ ہو کہ جرم کا ضرر دوسروں تک متعدد ہو تو مجرم کو سزا دینا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر جرم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا چونکہ کفر و ارتداد کے بعد توبہ کی گنجائش ہے اور جرم کا مفسدہ متعدد نہیں ہوتا۔ س لیے کافر مرتد کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے ایسا مجرم جب توبہ و رجوع کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کفر ارتداد کے جرم سے اس کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کے برعکس اگر فاسق سے توبہ قبول کر لی جائے اور اس کی سزا ساقط کر دی جائے تو آئندہ فسق و فجور کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ آدمی خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے اگر توبہ کی گنجائش رکھی جائے تو ارتکابِ جرم اس کا مقصد (یعنی شہوت کی تسکین) پورا ہو چکا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سے بڑا جرم ہے مگر یہاں اندیشہ نہیں کہ مطالبہ توبہ اور خوف قتل کے بعد نفس جرم کی طرف مائل ہوں گے کیونکہ ایسا جرم عموماً اعتقاد سے صادر ہوتا ہے اور اعتقاد مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی گستاخی پر آمادہ نہیں کرتا۔ اس کا صدور زیادہ تر دلی قلق اور حماقت سے ہوتا ہے جس کو تلوار کا خوف اور توبہ کا مطالبہ روک دیتا ہے۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کے داعیے اور محرکات بہت ہیں جو آدمی کو اس جرم پر اکساتے رہتے ہیں جب گستاخ کے علم میں ہوگا کہ توبہ سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو مقصد کے حصول سے کوتاہی نہ کرے گا۔

سنت سے اس دقیق فرق پر یہ دلیل ملتی ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو طرح طرح کی گالیاں دیتے تھے اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کے اسلام کو تسلیم کرنے میں توقف نہیں کیا۔ نہ ان میں سے کسی کو قتل کیا، اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں مثلاً ابوسفیان اور ابنِ امیہ کی توبہ قبول کرنے میں توقف کیا اور گستاخ مردوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس پر تفصیلی بحث تیسرے مسئلہ میں گزر چکی۔

جہاں تک ان علماء کا تعلق ہے جو کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں۔

تو اس کی وہی توجیہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے گزر چکی، کہ سزائے قتل کے واجب ہونے میں اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی برابر ہے۔ان علماء نے گستاخی کے جرم میں توبہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کے لیے کہا جائے لیکن ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ وہ توبہ کرنے کا حکم نہ دیتے تھے کیونکہ مرتد تکذیب رسول ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے اس جرم کو اعتقادی گستاخی پر محمول کیا جائے گا۔

ایک اور فرق یہ ہے کہ جرم گستاخی کفر سے الگ گناہ ہے کیونکہ کافر کفر کو اپنا دین سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کا دین حق ہے اس لیے وہ اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس اعتقاد میں کچھ لوگ اس کے ہم نوا ہوتے ہیں لیکن کافروں میں سے کوئی فرد ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی استخفاف اور استہزاء کو دین سمجھتا ہو۔ (یہ الگ بات ہے کہ ان کا کفر سراپا گستاخی ہی ہوتا ہے) جس طرح کافر اپنے آپ کو گمراہ جاہل مستحق عذاب اور دشمن خدا نہیں جانتا۔ حالانکہ وہ گمراہ اور دشمن خدا ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک گستاخی کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں تنقیص اور اہانت کا علانیہ اظہار کرتا اور ہتک عزت کا مرتکب ہوتا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ وہ گستاخ ہے۔اس نے بارگاہ خداوندی میں ایسی بکواس کی جس سے زمین و آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ گر جائیں اور یہ کفر ہر قسم کے کفر سے بڑا ہے۔

میں صانع کے وجود اور اس کی عظمت کا عقیدہ نہ رکھتا تھا اب میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے تو ہم اس کے جھوٹا ہونے کا یقین رکھیں گے کیونکہ ساری مخلوق صانع کے وجود اور اس کی عظمت کا اعتراف کرتی ہے' اس لئے کوئی شبہ اس گستاخی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس معاملہ میں اس کی خواہش ہو سکتی ہے بلکہ یہ ایک بھونڈا مذاق، توہین اور اللہ رب العالمین کے خلاف بغاوت ہے جس کا سرچشمہ شیطانی نفس ہے جو غصے اور حماقت سے لبریز ہو اور اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی وقار نہ ہو، جیسے رہزنی اور زنا کا جرم غضب اور شہوت سے صادر ہوتا ہے جب ایسی صورت حال ہو تو ضروری ہے کہ اس کی خاص شرعی حد ہو جو دیگر سزاؤں کی طرح توبہ کے اظہار سے ساقط نہ ہو۔

جرم گستاخی کے کفر سے قدر زائد ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام:108)

اور انہیں دشنام نہ دو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دشمنی اور جہالت میں دشنام دیں گے

اور یہ ظاہر ہے کہ من دون اللہ کو پکارنے والے مشرک تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے اور آپ ﷺ سے عداوت رکھتے تھے اس کے باوجود مسلمانوں کو ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے منع کیا گیا جو بارگاہِ الوہیت میں گستاخی کا ذریعہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گستاخی کا جرم شرک اور تکذیبِ رسالت سے بھی بڑا جرم ہے اس لیے اس کی خاص سزا ضروری ہے جو کسی صورت قتل سے کم نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ سب سے بڑا جرم ہے اس لیے اس کا مقابلہ انتہائی سزا سے ممکن ہے جس کی دلیل حسب ذیل فرمانِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ○ (احزاب: 57)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے والے کے قتل پر دلالت کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینے والے کے قتل پر دلالت کرتی ہے اور مطلق اذیت زبان سے ہوتی ہے اس کی تقریر پہلے گذر چکی ہے۔

اگر توبہ کرنے سے سزائے قتل ساقط ہو جائے تو اس جرم اہانت کا مفسدہ ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجرم جب ایسے ناسزا فعل کا مرتکب ہوگا پھر پکڑا جائے گا تو فوراً اظہار توبہ کے ذریعے چھوٹ جائے گا اس طرح وہ بار بار اس جرم کا مرتکب ہوتا رہے گا جیسے دوسرے فعلی جرائم میں ہوتا ہے۔ مزید برآں گستاخ نے کوئی ایسا دین اختیار نہیں کیا جس پر وہ قائم رہنا چاہتا ہو۔ کہ اس کا اس دین کی طرف منتقل ہونا ترکِ دین تصور کیا جائے بخلاف ازیں اس نے ایسا جرم کیا جس میں ہیشگی اور دوام نہیں بلکہ یہ ان جرائم کی طرح ہے جن سے سزائیں واجب ہوتی ہیں پس یہ سزا اسی جرم کی ہوگی جو ماضی میں ہو چکا، اور جو علماء دائمی گناہ مثلاً مثلاً کفر وارتداد پر سزا دینے کے قائل ہیں وہ گستاخ سے توبہ کرانے کے حامی نہیں۔

اگر اس مجرم سے توبہ کی گنجائش نکالی جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ گستاخ خدا پر کبھی حد قائم نہ کی جائے کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دینے پر اصرار نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کا کوئی عقلی یا طبعی داعیہ نہیں اور ہر وہ فعل جو سزاؤں کو کلیتاً معطل کر دے باطل ہے چونکہ عمل کے فاسقوں سے توبہ کا مطالبہ کرنا شرعی سزاؤں کو معطل کرنے کا باعث ہے اس لیے اس کو مشروع نہیں کیا گیا بعض اوقات فاسق اپنے طبعی داعیہ کے تحت توبہ نہیں کرتے جیسے رسول اللہ ﷺ کا گستاخ اس جرم کو حلال جاننے کی وجہ سے توبہ نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے گستاخ سے بھی توبہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں جب اس سے تعطیل سزا لازم آئے پھر جب وہ منہ بھر کر بکواس کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسم پاک سے استہزاء کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

یہ سمجھداری اور عقل مندی کا کلام ہے لیکن اس اصول کے خلاف ہے کہ جو جرم اس نوعیت کا ہو اس میں اجرائے سزا کے لیے کسی ثبوت یا تحقیق کی ضرورت نہیں ایسے مجرم کو فوری سزا دی جائے۔ مگر پہلے نکتۂ نگاہ کے حامی کہہ سکتے ہیں کہ گستاخ خدا کی سزا کے لیے ثبوت اس لیے درکار نہیں کہ طبیعتوں کو زجر و توبیخ حاصل ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اس کے اجلال و اکرام، دین حق کی سربلندی اور نفسوں کی پابندی ہے کہ نفسِ گستاخی اور اہانت کی طرف اقدام نہ کریں اور زبانیں تنقیص شان سے بچیں۔

مزید برآں جب مخلوق کو گالی دینے اور بہتان لگانے کی سزا توبہ کے اظہار سے ساقط نہیں ہوتی۔ تو شانِ الوہیت میں گستاخی کی سزا بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگی نیز جس طرح سزا کے موجب افعال کی سزا اظہار توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح اقوال کی سزا بھی ساقط نہیں ہوتی۔ بلکہ اقوال کی شان اور تاثیر افعال سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

الغرض جب ہر سزا جو کہ کسی فعل یا گزشتہ قول کے عوض بطور جزاء و عبرت واجب ہوا اور مجرم مقدمہ دائر ہونے کے بعد اظہار توبہ کرے تو سزا ہرگز ساقط نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی سزا تو بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگی۔ اور کافر و مرتد کی توبہ سے یہ ضابطہ نہ

ٹوٹے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سزا اس عقیدہ کی بناء پر دی جاتی ہے جو متوارث ہو (یعنی پہلے سے آ رہا ہو) اس لیے یہ ضابطہ دو وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی اس گناہ کی طرح نہیں جس کا ہمیشہ ارتکاب کیا جاتا ہے کیونکہ گستاخی کا جرم ختم ہو جاتا ہے اور باقی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس کافر اور مرتد کی سزا کفر کی وجہ سے ہے جس پر مجرم اصرار کرتا ہے اور ڈٹ جاتا ہے۔

دوسری وجہ

کافر کو سزا اس اعتقاد کی بناء پر دی جاتی ہے جو اس کے دل میں موجود ہوتا ہے اور اس کا قول وعمل اس اعتقاد کی دلیل ہے یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس کی زبان سے جو کفری کلمہ نکلا ہے وہ بلا اعتقاد نکلا ہے تو ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے۔ بایں طور کہ وہ اس کلمہ کا مفہوم نہ جانتا تھا یا سبقت لسانی سے یہ کلمہ اس کے منہ سے نکلا ہے حالانکہ اس کا عقیدہ اس کے خلاف تھا جبکہ گستاخ کو قتل کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا اور اس کی توہین کی، اگرچہ ہم جانتے ہوں کہ وہ گستاخی کو پسند نہیں کرتا اور اس کو اپنا عقیدہ اور دین نہیں سمجھتا کیونکہ انسانوں میں سے کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

یہ ضابطہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر شرعی فرائض کے تارکین سے نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اس کو اس لیے سزا دی جاتی ہے کہ وہ ان فرائض کے ہمیشہ کے لیے تارک ہوتے ہیں جب ان کو ادا کرنے لگیں گے تو ترک فرائض کا ازالہ ہو جائے گا اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو کہ کافر مرتد اور تارک فرائض کو عدمِ ایمان اور ترک فرائض کی بناء پر سزا دی جاتی ہے اس لیے کہ ان کا ان کے ہاں دائمی وجود نہیں ہوتا۔ جب ایمان اور فرائض کا وجود ہوگا تو سزا نہیں دی جائے گی مگر گستاخوں کو ان کے بکثرت اقوال وافعال کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے دوام جرم کی وجہ نہیں جب ایک دفعہ ان کا صدور ہو گیا تو اس کے بعد ترک کرنے سے ان کا اثر ختم نہ ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ قول صحیح توجیہ اور قوت رکھتا ہے قبل ازیں گزر چکا ہے کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔

ہم نے تیسرے مسئلہ میں شرح وبسط کے ساتھ اس قول پر گفتگو کی ہے اس مجرم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان توبہ کے قبول ہونے اور گناہ کے ساقط ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض علماء نے گستاخ خدا کے معاملہ میں ایک اور مسلک اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کو زندیق کے ساتھ ملحق کیا ہے یعنی ان دو مسلکوں میں سے ایک کی مانند، جن کا ذکر ہم نے گستاخ رسول ﷺ کے ضمن میں کیا اس کے خبثِ باطن کی دلیل ہے مگر یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ محل بحث یہاں وہ گستاخی اور گالی ہے جس کا وہ عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ رہی وہ گستاخی جو اس کے عقیدہ میں جائز ہے مثلاً یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے یا اس کی بیوی اور بیٹا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو تمام انواعِ کفر کا ہے اسی طرح وہ کفری کلمات اور نظریات میں جو گمراہ فرقے مثلاً جہمی اور قدری اختیار کرتے ہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول کریں تو علماء نے اسی طرح ذکر کیا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا مرتد کے متعلق یہی نقطۂ نظر ہے۔

فصل

ذمی کی سزا، جب وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے

ذمی اگر اللہ تعالیٰ کو گالی دے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی مانند ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا صریح بیان گزر چکا کہ جس نے ایسی بات کہی جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا خواہ مسلم ہو یا کافر، اسی طرح ہمارے حنبلی علماء فرماتے ہیں:

جس نے اللہ تعالیٰ اس کی کتاب اس کے دین یا اس کے رسول ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا تو ان سب کا حکم ایک جیسا ہے۔
وہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر میں اختلاف یکساں نوعیت کا ہے امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا یہی مذہب ہے۔ اصحاب شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ جو ذمی اللہ تعالیٰ اس کے رسول یا ان کی کتاب کو گالی دے تو سب کا حکم یکساں ہے۔

پہلا مسئلہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کی دو قسمیں ہیں:

1۔ ایسی گالی اس کے عقیدے کے مطابق ہو مگر وہ اس کو تعظیم قرار دیتا ہو گالی اور تنقیص نہ سمجھتا ہو مثلاً نصرانی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے بیوی اور بچے ہیں اور اسی طرح کے دیگر کفری اقوال، اگر ذمی کھلے بندوں اس کا اظہار کرے تو اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے قاضی اور ابن عقیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذمی اپنے عقیدے کا علانیہ اظہار کرے تو اس کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جس طرح وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں اپنے عقیدے کا علانیہ اظہار کرے تو اس کا عہد ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔

شریف ابوجعفر اور ابوالخطاب وغیر علماء کے ارشاد کا یہی مقتضی ہے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ جن الفاظ سے قسمیں ٹوٹ جاتی ہیں ان سے عہدِ ذمہ بھی ٹوٹ جاتا ہے مالکی علماء کے ایک گروہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اہلِ اسلام نے ان کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ وہ کسی کفری قول کا اظہار نہ کریں گے خواہ ان کے عقیدے میں شامل تھا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان کو ایذاء دیں گے اور عہد شکنی کے مرتکب ہوں گے۔ ان کا عہدِ ذمہ اسی طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پہلے نقل ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منکر تقدیر نصرانی سے فرمایا۔

"اگر تو نے دوبارہ ایسا کیا تو تیری گردن مار دوں گا"۔

امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دے اور یہ گالی اس کے عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ واجب القتل ہے اسے توبہ کے لیے نہ کہا جائے گا۔

ابوالقاسم اس ضابطہ میں استثناء کرتے ہوئے کہتے ہیں "کہ اگر وہ مجرم برضا ورغبت اسلام قبول کر لے تو اسے قتل نہ

کیا جائے"۔اس سے معلوم ہوا کہ ابوالقاسم ایسی چیز کو گالی قرار نہیں دیتے جو یہود ونصاریٰ کے عقیدے سے ہم آہنگ ہو یہ جمہور مالکی علماء کا مذہب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں جس کا امام شافعی کے اصحاب نے ذکر کیا یہ امام شافعی کا منصوص مذہب ہے وہ اپنی کتاب "الام" میں فرماتے ہیں کہ حاکمِ وقت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہلِ ذمہ سے حسبِ ذیل شرائط منوائے۔

1۔اہلِ ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ انہی اوصاف سے کریں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہیں۔

2۔وہ دینِ اسلام پر طعن نہ کریں گے نہ ہی اسلام کے کسی فیصلے پر تنقید کریں گے بصورت دیگر ان کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا۔

3۔حاکمِ وقت اہلِ ذمہ سے یہ عہد لے گا کہ وہ اپنے مشرکانہ عقائد کا اظہار مسلمانوں کے سامنے نہ کریں مثلاً وہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں اپنے کفری عقیدے کا پرچار نہ کریں گے۔اگر معلوم ہو جائے کہ انہوں نے دارالاسلام میں آنے کے بعد شرکی عقائد کا پرچار کیا تو حاکمِ وقت ان پر حد شرعی سے کم سزا نافذ کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اہلِ ذمہ کو اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہنے کی رخصت دی گئی حالانکہ ہم ان کے کفری اقوال جانتے ہیں یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ظاہری مفہوم ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہودی کے بارے میں سوال ہوا جس نے مؤذن کے کلمات اذان پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کو جھوٹ قرار دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ واجب القتل ہے کیونکہ ان کلمات کو جھوٹ قرار دینا گالی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ ذمہ کے عقائد کے اظہار کو گالی نہ دینا صحیح نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص ایسی چیز کا ذکر کرے جس سے بارگاہِ خداوندی میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو تو وہ واجب القتل ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے حالانکہ اہلِ مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ گالی وہ ہے جس کو کہنے والا گالی قرار دے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قسم سب وشتم کی قبیل سے نہیں جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالی کے ساتھ ملحق کیا جائے، اس لیے کہ کافر یہ بات بطورِ لعن نہیں کہتا بلکہ اس کو تعظیم واجلال سمجھتا ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔بخلاف ان برے کلمات کے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے جائیں ان کو طعن وتشنیع اور گالی ہی کہا جائے گا اس کی وجہ ہے کہ کافر بہت سی باتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا عقیدہ رکھتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا قائل نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ذمی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر یا شاعر کہے تو اس کی نظر میں یہ القابات نقص وعیب ہوتے ہیں۔اور جب وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو اس کے عقیدہ کے مطابق یہ عیب نہیں اگر ایک شخص ایک بات کہے اور اس سے عیب مراد اور دوسری بات سے عیب مراد نہ لے تو دونوں کے درمیان فرق ہے ان کو ایک جیسا قرار دینا جائز نہیں کہ دونوں عہد شکنی کے موجب ہوں اس لیے کہ ان کے تمام اقوال کے متعلق دیکھا جاتا ہے کہ وہ ان کے عقائد سے مطابقت رکھتے ہیں کہ نہیں؟

ذمی کفار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو کچھ کہتے ہیں وہ دینِ حق پر طعن واعتراض اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی عداوت کا آئینہ دار ہوتا ہے اس سے ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی اور تنقیص شان ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کا قول عیب اور نقص کے ارادے سے نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہلِ قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدہ توحید اور عبادت الٰہی پر تو اتفاق

کر لیتے تھے لیکن معبودانِ باطلہ کی عیب جوئی اپنے دین پر طعن اور کافر آباؤ اجداد کی مذمت پر اتفاق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو بتوں کی گالی گلوچ سے منع کیا کہ اس سے بت پرست لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں بیہودہ گوئی سے باز رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینے سے باز رہنا اس کے ساتھ کفر سے بچنے سے زیادہ اہم اور مؤکد ہے اس لیے دونوں صورتوں کے حکم کو یکساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا مسئلہ

گستاخ ذمی سے توبہ کا مطالبہ کرنا

قاضی ابویعلیٰ اور ان کے جمہور اصحاب (مثلاً الشریف، ابن عقیل اور ان کے تابع علماء) گستاخ ذمی کی توبہ قبول کرتے اور اس کے ذریعے اس کی سزائے قتل کو ساقط کرتے ہیں ان کے اصول پر یہ ایک ظاہری مسئلہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علماء گستاخِ خدا مسلمان کی توبہ کے قائل ہیں اس لیے ذمی قبول توبہ کا زیادہ حق دار ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے وہ اہلِ ذمہ کی شرطیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر اہلِ ذمہ میں سے کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآنِ حکیم یا دینِ اسلام کا ذکر کرنا مناسب کلمات کے ساتھ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ سے نکل جاتا ہے وہ مزید فرماتے ہیں:

ذمیوں میں سے کوئی ایسا فعل بجالائے یا ایسی بات کرے جس کو عہد شکنی کا سبب قرار دیا جائے پھر وہ اسلام لے آئے تو صرف قول کی بناء پر سزاوارِ قتل نہ ہوگا جب تک کہ صریح گالی کا مرتکب نہ ہو اگر اہلِ ذمہ ایسے کلمات عقیدہ کے اظہار کے طور پر کہیں تو ممکن ہے کہ اس ذمی نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔

ابن القاسم اور دیگر مالکی علماء کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے بجز اس کے کہ وہ اسلام لے آئے ابن مسلمہ ابن ابی حازم اور مخزومی فرماتے ہیں کہ اس کو توبہ کے مطالبہ کے بغیر قتل نہ کیا جائے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں نقل ہو چکا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی مفہوم کی منقول ہے۔

امام حنبل کی روایت ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"جو شخص اشارے کنائے میں اللہ تعالیٰ کی توہین کرے تو وہ واجب القتل ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے اس عبارت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ توبہ سے اس کی سزائے قتل ساقط نہ ہوگی جیسے مسلمان کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ حنبل کی روایت کے مطابق ان کا ایسا ہی قول گستاخی رسول کے متعلق ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان یا کافر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے حنبل اہلِ مدینہ کے مسائل آپ کے سامنے لاتے اور ان کے بارے میں پوچھتے تھے۔

ہمارے علماء نے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اس کی سزائے قتل توبہ سے مطلقاً ساقط نہ ہوگی اور اس کی توجیہ قبل ازیں گزر چکی ہے۔

یہ ایک واضح بات ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے اس کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے نزدیک اس سزا کی بنیاد زندقہ نہیں اگر گالی کے سوا وہ کوئی اور کفری جرم کا ارتکاب کرے تو زندقہ نہیں اگر گالی کے سوا وہ کوئی اور کفری جرم کا ارتکاب کرے تو ہم اس سے توبہ کا مطالبہ کریں گے اس جرم میں اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا جس طرح دیگر جرائم میں وہ قتل کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

توہین خداوندی کے تین مراتب

پہلا مرتبہ: جو شخص اپنے عقیدے اور دین کے مطابق اللہ تعالیٰ پر عیب لگائے مگر دینِ اسلام کو گالی نہ دے (البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گالی ہی ہو) جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور اسی طرح کے دوسرے دعاوی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے۔

ابنِ آدم نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے سزاوار نہ تھا وہ کہتا ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں یکتا اور بے نیاز ہوں نہ میری اولاد ہے نہ والدین، تو اس کا حکم وہی ہے جو دیگر انواع کفر کا ہے خواہ اس کو گالی کا نام دیا جائے یا کچھ اور ہم قبل ازیں اس قسم کے اختلاف کا ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹتا ہے کہ نہیں؟ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے تو اسلام لانے سے سزائے قتل کا ساقط ہونا لازمی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

توہین خداوندی کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ذمی اسی بات کا اظہار کرے جس کو وہ اپنا دین قرار دیتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے دین پر اعتراض کرنا اور مسلمانوں کو ہدفِ تنقید بنانا۔ جیسے یہودی کا مؤذن سے کہنا تو نے (اذان کے کلمات میں) جھوٹ بولا ہے یا نصرانی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا رد کرنا یا کسی شخص کا احکامِ خداوندی یا اللہ کی کتاب میں طعن کرنا تو اس ذمی کا عہد ٹوٹنے میں وہی حکم ہے جو ایک گستاخِ رسول کا ہے اس قسم کو فقہاء نے عہد شکنی کے کاموں میں شمار کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم یا نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرے تو اس سے عہدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے باقی رہا اسلام لانے کے ساتھ سزائے قتل کا ساقط ہونا تو وہ جرمِ اہانت کی طرح ہے' فرق یہ ہے کہ اس میں آدمی کا حق ہوتا ہے پس جو شخص اہانتِ رسول ﷺ کے مسئلہ میں اس مسلک کو اختیار کرے وہ دونوں صورتوں کے درمیان فرق کرے گا یہ قاضی ابویعلیٰ اور ان کے اکثر اصحاب کا نکتۂ نگاہ ہے۔

جو شخص رسول کے قتل کا مرتکب ہو تو ہر حال میں قتل کا مستحق ہے اس لیے کہ یہ اسلام کے خلاف جرم ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے حالتِ جنگ میں ہے ہمارے مذکورہ بالا اکثر دلائل کا تقاضا یہی ہے۔

تیسرا حصہ: توہین خداوندی کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ذمی اس طرح گالی دے کہ وہ گالی اس کے عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہو بلکہ اس کے دین میں بھی اسی طرح حرام ہو جس طرح اللہ کے دین میں حرام ہے۔ مثلاً وہ کسی پر لعن طعن کرے، تو اس میں اور مسلمان کی گالی میں کچھ فرق نہیں بلکہ بعض اوقات اس میں زیادہ شدت پائی جاتی ہے اس لیے کہ وہ اس کو اپنے دین میں اسی طرح حرام سمجھتا ہے جس طرح مسلمان اس کو حرام سمجھتا ہے اس کی خلاف ورزی پر ہم اس کو سزا دیں گے، پس اسلام لانے سے حرمت کے

عقیدے میں کوئی نیا حکم پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس مسئلہ میں وہ اس ذمی کی مانند ہے جو زنا قتل یا چوری کا مرتکب ہو۔ پھر مسلمان ہو جائے، علاوہ ازیں وہ مسلمانوں کو اذیت دے مثلاً نبی اکرم ﷺ کو گالی دے بلکہ اس سے بھی شدید تر، جب ہم کہتے ہیں کہ مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی پس ذمی کی توبہ قبول نہ ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے، بخلاف جرم اہانت کے، کیونکہ ذمی رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتا اور برا عقیدہ رکھتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق برا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اس لحاظ سے اولیٰ یہ ہے کہ گستاخِ رسول ﷺ کی سزا ساقط نہ ہو اسی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والا کا استثناء منقول نہیں جس طرح حضور ﷺ کے دشنام دہندہ کا استثناء منقول ہے۔ اگرچہ ان کے بہت سے شاگرد اس کے برعکس عقیدہ رکھتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود گالی کی یہی نوع ہے اس لیے دونوں نے مسلم و کافر کو ایک دوسرے سے ملحق کیا ہے اس لیے یہ دونوں کی طرف سے گالی تصور کی جائے گی۔ ان افعال سے مشابہت رکھنے والا جرم ذمی کا مسلم عورت سے زنا ہے جو اس کے اپنے دین میں بھی حرام ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہے اگر وہ اسلام قبول کرے تب بھی اس کی سزا ساقط نہ ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا یا زنا کی حد لگائی جائے گی اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے یہاں تک کہ فرض کیا جائے کہ اس کلام سے عہد نہیں ٹوٹے گا۔ تب بھی اس پر سزا نافذ کی جائے گی۔ کیونکہ ہر وہ فعل جس کو وہ حرام جانتا ہے اس کے ارتکاب پر ہم شرعی سزا جاری کریں گے، خواہ اس کی دینی کتاب میں اس سزا کا حوالہ اور ماٰخذ نہ ہو۔ کیونکہ غالب گمان یہ ہے کہ تمام مذاہب میں ایسے گستاخانہ کلام پر قتل کی سزا موجود ہے جیسے دینِ حق میں اس کی سزا قتل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اہلِ ذمہ کے زانی پر شرعی حد جاری کی تو فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْیَا اَمْرَکَ اِذْ اَمَاتُوْہُ اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ ان بدبختوں نے اس کو مار دیا تھا

اور ظاہر ہے کہ ایسا زانی اگر اسلام قبول بھی کر لے تو سزا سے نہیں بچ سکتا، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایسی گالی دے جو دینِ اسلام اور دین کفار میں یکساں گالی شمار کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور خود ان کے ہاں ایک عظیم جرم ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو زندہ کرنا اور مجرم پر سزا نافذ کرنا قرین قیاس امر ہے۔ گالی کی اس قسم میں فقہاء کے تین اختلافی اقوال ہیں۔

پہلا قول: اس جرم پر ذمی سے مسلمان کی طرح توبہ کا مطالبہ کیا جائے یہ اہلِ مدینہ کی ایک جماعتِ علماء کا مؤقف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا، گویا علماء اس جرم کو عہد شکنی کا موجب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ عہد شکنی کو محارب کی طرح قتل کیا جاتا ہے جب کہ اصلی حربی کافر سے توبہ کے مطالبہ کا کوئی مفہوم نہیں۔ ان کے نزدیک اس کی سزا قتل ہے اور اس جرم میں مسلمان کی مانند ہے چونکہ وہ مسلمان سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے قائل ہیں لہٰذا ذمی سے بھی توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا پس قرینِ قیاس یہ ہے کہ ذمی سے توبہ کا مطالبہ اس کے اسلام لانے پر موقوف نہیں بلکہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ خواہ وہ اپنے دین پر قائم رہے۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ ذمی سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا البتہ اسلام لے آئے تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا یہ ابوالقاسم وغیرہ علماء کا قول ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مؤقف ہے اور ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس نوع کی آئی ہے امام ابویعلیٰ کے

طریقے پر اس میں اختلاف کا ذکر نہیں اس لیے کہ اس کا عہدِ ذمہ نہیں ٹوٹتا۔ پس اس کی سزا مطالبہ توبہ کی محتاج نہیں، لیکن اسلام لے آئے تو حربی کافر کی طرح اس کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ ایسے مجرم کو ہر حال میں قتل کیا جائے یہ امام مالک رحمۃ اللہ اور امام احمد رحمۃ اللہ کے قول کا ظاہری مفہوم ہے کیونکہ اس کی سزائے قتل ایسے جرم کی بناء پر واجب ہوئی جس کا دینِ حق اور دین کفر میں یکساں حکم ہے اس لیے اسلام لانے سے اس کی سزا ساقط نہ ہوگی۔ جیسے زنا، سرقہ اور شراب نوشی کی سزا ساقط نہیں ہوتی گزشتہ دلائل زیادہ تر اسی قول کے مؤید ہیں۔

فصل

گالی کی حقیقت

وہ گالی جس کا حکم مسلمان کے بارے میں ذکر ہوا ایسا کلام ہے جس سے مقصود گستاخی اور توہین ہوتی ہے لوگوں کے ذہن میں اختلاف عقائد کے باوجود، گالی کا یہی مفہوم ہے یعنی لعن طعن کرنا، مذمت کرنا، ذیل کی آیتِ کریمہ اسی حقیقت پر دلالت کرتی ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام: 108)

ان لوگوں کو گالی نہ دو جو اللہ کے سوا دوسروں کو پوجتے ہیں ورنہ وہ دشمنی اور جہالت کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے

یہ بہت بڑی ناگوار بات ہے جو منہ سے نکلتی ہے لیکن جو بات حقیقت اور حکم کے لحاظ سے گالی ہے اور بعض لوگ اس کو دین سمجھتے اور حق جانتے ہیں اور اس میں تنقیص اور عیب کا لحاظ نہیں رکھتے وہ کفر کی ایک نوع ہے اس کا ارتکاب کرنے والا علانیہ مرتد ہے یا خفیہ منافق، اور یہاں بحث اسی کلام میں ہے جس کے قائل کو کافر قرار دیا جاتا ہے یا اس کی تکفیر نہیں کی جاتی جہاں تک تفصیلی اعتقادات، موجبات کفر و بدعت یا اختلافی موضوعات کا تعلق ہے یہ اس بحث کا محل نہیں، اصل غرض یہ ہے کہ واضح کیا جائے کہ یہ گالی ان اقسام میں شامل نہیں۔ جس کے قائل سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے معاملہ میں ہم نے نفیاً یا اثباتاً بحث کی۔ واللہ اعلم

فصل

کسی وصف یا اسم کی بناء پر گالی دینا جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولوں پر آتا ہے۔

اگر گستاخ کسی شخص کو گالی دے جو کسی ایسے وصف سے موصوف اور اسم سے موسوم ہو جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ اور اس کے بعض رسولوں پر بطورِ خاص یا عام ہوتا ہو۔ لیکن ثابت یہ ہو کہ اس کا ارادہ ایسا نہ تھا اس عقیدہ کی بناء پر کہ اس وصف یا اسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہ تھی کیونکہ عموماً اسم کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا ہے پس یہ قول اور اس جیسے دیگر اقوال فی الجملہ حرام ہیں اور اس کا قائل اگر اس کی حرمت سے آگاہ نہیں تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر وہ حرمت سے آگاہ ہے تو اس پر سخت تعزیر لگائی جائے گی لیکن اس بناء پر اس کی تکفیر نہ کی جائے گی نہ اسے قتل کیا جائے گا اگرچہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔

مثالِ اول: اس کی پہلی مثال یہ ہے کہ وہ زمانے کو گالی دے جس نے اس کے دوستوں کو اس سے جدا کر دیا یا زمانے کو برا بھلا

کہے جس نے اسے لوگوں کا محتاج کر دیا یا اسے معاشرے سے وابستہ کر کے پریشان کیا، اس قسم کے بکثرت الفاظ جو نظم یا نثر کی صورت میں زبان پر آتے ہیں اس شخص کا مطلب دراصل اس شخص کو گالی دینا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے پھر اس بات کا عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اس کا فاعل زمانہ ہی ہے تو اسے گالی دیتا ہے حالانکہ سب کاموں کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اس لیے یہ گالی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر پڑتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ بِيَدِهِ الْاَمْرُ

زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ زمانے سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جس کے دستِ قدرت میں سب کام ہیں۔

حدیثِ قدسی ہے:

يَا ابْنَ اٰدَمَ تَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِيَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اے ابنِ آدم تو زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہوں سارا معاملہ تو میرے دستِ قدرت میں ہے، رات دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں

نبی اکرم ﷺ نے ایسے قول سے منع فرمایا اور اس کو حرام ٹھہرایا نہ اسے کفر قرار دیا اور نہ اسے سزائے قتل کا موجب بتایا۔ جبکہ حرام قول تعزیر و سزا کا متقاضی ہے۔

مثالِ دوئم: دوسری مثال یہ ہے کہ کسی آدمی کو گالی دے جو کسی اسمِ عام سے موسوم ہو اور اس کے عموم میں انبیائے کرام علیہم السلام اور دوسرے لوگ شامل ہوں لیکن اس کے قول سے ظاہر ہو کہ اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اس عموم میں شامل کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ جیسا کہ امام کرمانی نے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا ایک شخص نے دوسرے پر افتراء کرتے ہوئے کہا اے فلاں فلاں کے بیٹے! پھر اس گالی میں حضرت آدم اور حوا کو بھی شامل کر لیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں اس نے عظیم جرم کا ارتکاب کیا پھر جب اس کی شرعی سزا کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا ''مجھے اس کی سزا کے بارے میں کوئی روایت نہیں پہنچی'' پھر فرمایا اس پر ایک ہی سزا نافذ ہوگی، اس کو امام ابوبکر عبدالعزیز نے نقل کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی بناء پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا حالانکہ اس آدمی کے کلمات میں حضرت نوح، ادریس اور شیث وغیرہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام شامل ہیں۔ اس نے آدم و حوا کو اس سلسلہ کی آخری حد ٹھہرایا اگر وہ دونوں مقذوف (یعنی بہتان زدہ) ہوتے تو پھر قتل کی سزا متعین ہو جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے عموم میں انبیائے کرام علیہم السلام کو شامل کرنے کا قصد نہیں ہوتا اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عظیم جرم قرار دیا ہے۔

امام سحنون اور اصبغ وغیرہما علماء فرماتے ہیں ایک قرض دار نے قرض خواہ کے سامنے کہا صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ نے جواباً کہا: لَا صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ اللہ اس پر درود نہ بھیجے جس پر اس نے درود بھیجا امام سحنون کے بقول وہ شخص اس آدمی کی طرح نہیں جو نبی اکرم ﷺ یا فرشتوں کو گالیاں دے کیونکہ وہ حالتِ غصہ میں ہے اس لیے کہ اس نے لوگوں کو گالیاں دیں

اصبغ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ اس نے عام لوگوں کو گالیاں دیں ابن ابی زید کا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ جو شخص کہے اللہ تعالیٰ عربوں پر لعنت کرے اللہ بنی اسرائیل پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ بنی آدم پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی کردے کہ اس عموم میں انبیائے کرام علیہم السلام شامل نہیں۔ بلکہ صرف ظالم لوگ مراد ہیں تو ایسے شخص کو حاکم کی رائے کے مطابق سزا دی جائے۔ علماء کا ایک گروہ جس میں حارث بن مسکین وغیرہ شامل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ لَاصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ کہنے والے کو قتل کیا جائے ابوموسیٰ بن عباس رضی اللہ عنہما اس شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ جو کہے آدم تک ساری اولاد آدم پر لعنت ہو اس کو قتل کیا جائے امام کرمانی نے یہ مسئلہ اسی طرح اختیار کیا ہے۔

ہمارے علماء کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ اسے قتل کیا جائے، وہ اس کو اس قول پر قیاس کرتے ہیں کہ کوئی کہے، ''میں نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم سے سرکشی کی'' ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ قسم نہیں ہے بلکہ نافرمانی کا التزام ہے جیسے کوئی کہے'' میں نے قرآن کو محو کر دیا میں نے شراب پی لی اگر میں نے ایسا کیا'' اس عموم کی وجہ سے اس نے ارادہ کفر کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اس کا قصد کرتا تو بطور خاص ذکر کرتا، اور صرف اسی نام پر اکتفا نہ کرتا جس میں سارے گناہ آجاتے ہیں۔

بعض علماء اس کو قسم قرار دیتے ہیں کیونکہ جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ان میں سے ایک قسم بھی ہے اور اس میں نافرمانی کفر کے مترادف اگر قسم میں کفر کا التزام کیا مثلاً کہے وہ یہودی یا عیسائی ہے یا وہ اللہ تعالیٰ اور اسلام سے بے تعلق ہے یا شراب اور خنزیر کو حلال سمجھتا ہے یا اس طرح کے کلمات کہے کہ اگر وہ اس فعل کا مرتکب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو فلاں جگہ نہ دیکھے، تو مشہور مذہب پر یہ قسم ہے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ عام ہیں اس لیے اس سے خاص ہونے کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا شائد جن لوگوں نے اس کو اختیار کیا وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ قائل کو پتہ نہ تھا کہ اولاد آدم کا ذکر کرتے ہوئے اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر بھی کر دیا۔

پہلے قول کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن امیہ کو ایک عورت کے معاملہ میں لکھا اور اس کے ہاتھ کاٹنے پر اس کی مذمت کی (یہ عورت مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی) آپ نے فرمایا، چاہیے تھا کہ اس عورت کو جسمانی سزا دی جاتی۔

عموم پر دلالت کرنے والے الفاظ کی تعداد بہت ہے اور زیادہ تر ان سے خاص مفہوم لیا جاتا ہے جب وہ گالی اور بہتان کے مفہوم میں استعمال کیے جائیں۔

وَلِلْاَنْبِيَآءِ وَنَحْوِهِمْ مِنَ الْخَصَائِصِ وَالْمَزَايَا مَا يُوْجِبُ ذِكْرَهُمْ بِاَخَصِّ اَسْمَآءِهِمْ اِذَا اُرِيْدَ ذِكْرُهُمْ

انبیائے کرام علیہم السلام اور ان جیسے پاکیزہ صفات لوگوں کے خصائص و مزایا ہوتے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ ان کا ذکر خاص ناموں سے کیا جائے

غصہ انسان کو قول میں اختصار اور توسع پر مجبور کرتا ہے اور عرفی لفظی اور حالی قرائن دلالت کرتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو اس عموم میں داخل نہیں کیا جاتا خصوصاً جب اس فرد کا عموم میں داخل ہونا اس انداز سے ہو کہ قائل اس کا احساس تک نہ کر سکے۔

اس توجیہ کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ایک یہودی نے عہد رسالت میں کہا۔

”مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی“۔ اس پر ایک مسلمان نے اس کو تھپڑ رسید کیا۔ اس یہودی نے بارگاہِ رسالت میں اس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دیا کرو۔

لِمَا فِيهِ مِنْ انتقاصِ الْمَفْضُوْلِ بِعَيْنِهِ وَالْخَص منه

کیونکہ اس میں فضول کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے

وَلَوْ اَنَّ الْيَهُوْدِيَّ اَظْهَرَ الْقَوْلَ بِاَنَّ مُوْسٰى اَفْضَلُ مِنْ مُحَمَّدٍ لَوَجَبَ التَّعْزِيْرُ عَلَيْهِ اِجْمَاعًا بِالْقَتْلِ اَوْ بِغَيْرِهِ كَمَا تَقَدَّمَ التنبه عَلَيْهِ

اگر یہودی صراحت سے کہتا کہ موسیٰ علیہ السلام محمد رسول ﷺ سے افضل ہیں تو اس کو بالا جماع قتل کی سزا دی جاتی یا دوسری تعزیر لگائی جاتی جیسا کہ اس پر تنبیہ گزر چکی ہے

فَصل

انبیائے کرام علیہم السلام کو گالی دینا کفر وارتداد یا محاربہ ہے

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو گالی دینے کا وہی حکم ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو گالی دینے کا ہے جو شخص کسی نبی کو گالی دے (جس کا انبیائے کرام علیہم السلام میں ہونا مشہور ومعروف ہو اور اس کا نام قرآن میں نبوت کے ساتھ مذکور ہو) مثلاً کہے فلاں نبی نے ایسا کیا یا یوں کہا، اور یہ جانتا ہو کہ وہ نبی ﷺ ہے اور اگر اس کو نبی ہونا معلوم نہ ہو یا وہ گروہ انبیاء کو مطلقاً گالی دے تو اس کا حکم وہی ہے جو پیچھے گزر چکا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانا واجب ہے اگر کوئی مسلمان نبی کو گالی دے تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اگر ذمی گالی دے تو وہ حربی بن جاتا ہے۔

گزشتہ دلائل سے یہ حقیقت لفظ ومعنی کے اعتبار سے ظاہر ہو چکی میرے علم کے مطابق کسی شخص نے اس مسئلہ میں مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق نہیں کیا اگرچہ ہمارے فقہاء کا کلام زیادہ تر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے متعلق ہے کیونکہ اس کی ضرورت زیادہ ہے اس لیے بھی کہ نبی اکرم ﷺ کی تصدیق وطاعت ہم پر اجمالاً اور تفصیلاً واجب ہے۔

وَلَا رَيْبَ اَنَّ جُرْمَ سَابِهِ اَعْظَمُ مَنْ جُرْمِ سَاب غيره كَمَا اَنَّ حَرمَتَهٗ اَعْظَمُ مِنْ حَرْمَةِ غَيْرِهٖ وَاِنْ شَارَكَهٗ سَائِرًا خوانه مَنَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرسَلِيْنَ فِيْ اَنَّ سَابَهُمْ كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ

اس میں شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والے کا جرم دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو گالی دینے والے جرم سے بڑھ کر ہے جس طرح آپ ﷺ کی عزت وحرمت دوسرے انبیائے کی بہ نسبت زیادہ ہے اگرچہ تمام انبیاء ومرسلین اس مسئلہ میں آپ ﷺ کے شریک ہیں ان کا گستاخ کافر اور مباح الدم ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نبی کو گالی دے مگر وہ اس کی نبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا بشرطیکہ اس کی نبوت

ورسالت کتاب وسنت سے ثابت ہو کیونکہ یہ اس کی نبوت سے انکار ہے خواہ اس کو اس کا نبی ہونا معلوم نہ ہو کیونکہ یہ خالص گالی ہے اس لیے اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا کہ مجھے اس کا نبی ہونا معلوم نہ تھا۔

ازواجِ مطہرات کو گالی دینے والے کا حکم

جو شخص نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو گالی دے تو اس کے بارے میں قاضی ابویعلیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہی بہتان باندھے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا اعلان کیا تو وہ بالاتفاق کافر ہے بہت سے آئمہ دین نے اس کی تصریح کی اور بے شمار علماء نے اس پر اجماع نقل کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔

جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھے وہ قرآن سے مخالفت کا مرتکب ہوا، قرآنِ حکیم میں ہے:

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: 17)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو

ابوبکر بن زیاد نیشاپوری فرماتے ہیں:

''میں نے سنا قاسم بن محمد اسماعیل بن اسحاق کو بتا رہے تھے کہ رقہ میں دو آدمیوں کو خلیفہ مامون کے سامنے لایا گیا ان میں سے ایک نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تھی اور دوسرے نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مامون نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گستاخ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گستاخ کو چھوڑ دیا۔ اسماعیل بن اسحاق نے کہا دونوں واجب القتل تھے اور ان کا حکم یکساں تھا کیونکہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی اس نے قرآنی فیصلہ کا انکار کیا۔ علماء کا طرزِ عمل اہلِ بیت وصحابہ کے متعلق یہی رہا ہے۔

ابوسائب قاضی کا بیان ہے کہ میں ایک دن قبرستان میں حسن بن زید داعی کے پاس بیٹھا تھا وہ صوف پوش فقیر تھے نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے منع کرتے تھے اور ہر سال بیس ہزار دینار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں تقسیم کرنے کے لیے مدینہ منورہ بھیجتے تھے ان کی مجلس میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر برے الفاظ میں کیا تو اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس بدبخت کی گردن مار دے یہ دیکھ کر علویوں نے کہا یہ تو ہمارے گروہ کا آدمی ہے فرمایا معاذ اللہ اس بدبخت نے تو حضور سید عالم ﷺ کی ذاتِ پاک پر طعن کیا ہے اللہ تعالیٰ کا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (نور: ۲۶)

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے، یہ پاک مردان کے الزامات سے بری ہیں اور ان کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے

جو شخص نبی اکرم ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں شق اول کا تصور کرے تو وہ کافر ہے اور قابلِ گردن زدنی ہے چنانچہ میری موجودگی ہی میں اس کی گردن ماری دی گئی اس واقعہ کو لالکائی نے نقل کیا۔

حسن بن زید کے بھائی محمد بن زید سے مروی ہے کہ ان کے پاس عراق کا ایک شخص آیا اور برے الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا تو حضرت حسن ایک لٹھ لے کر اس کی طرف بڑھے اور اس کا بھیجا نکال دیا۔ کسی نے کہا یہ تو ہمارا شیعہ اور قبیلے کا آدمی تھا، فرمایا اس نے میرے جدامجد (یعنی سیّد عالم ﷺ) کو قرنان کہا اور جو ایسا کہے وہ واجب القتل ہے، اسی لئے میں نے اس کو قتل کر دیا۔

دیگر امہات المؤمنین کو گالی دینا

جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو گالی دے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کی طرح ہے۔ جس کا حکم عنقریب بیان ہوگا۔

2۔ دوسرا یہ کہ وہ امہات المؤمنین میں سے کسی پر بہتان لگانے والے کی طرح ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے یہی نکتۂ نگاہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل ہو چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی گالی حضور ﷺ کے لیے باعث عار ہے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کے جرم سے بڑھ کر جرم ہے ہم گزشتہ صفحات میں آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ پر بحث کرتے ہوئے اس پر تنبیہ کر چکے ہیں اور یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

فصل

کسی صحابی کو گالی دینے والے کی سزا

جو شخص کسی صحابی کو گالی دے وہ صحابی اہلِ بیت میں سے ہو یا دوسرے لوگوں میں سے تو اس کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مطلق ارشاد ہے کہ اس کو عبرت ناک سزا دی جائے البتہ امام نے اس کے قتل اور تکفیر سے توقف کیا ہے۔

ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے شخص کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے جواب دیا کہ اس کے قتل سے احتراز کیا جائے۔

عبداللہ کہتے ہیں میں نے یہی سوال اپنے والد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اس کو زدوکوب کیا جائے میں نے عرض کیا، کیا یہ شرعی حد ہے؟ فرمایا مجھے اس کے حد ہونے کا قطعی علم نہیں، اس لیے اس کو پیٹا جائے۔ البتہ میرے نزدیک وہ مسلمان نہیں حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں میں نے والد گرامی سے پوچھا روافض کون ہیں؟ فرمایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد اُمتِ محمدیہ میں افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یہ خلفائے راشدین ہیں۔ ان کے بعد امت کے بہترین افراد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کسی کو جائز نہیں کہ وہ

ان کا ذکر برائی سے کرے یا ان پر عیب لگائے جو ایسا کرے تو اس کو سزا دینا ضروری ہے اسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ مان لی جائے اور اگر اپنے جرم پر ڈٹ جائے تو اس کو سزا دی جائے اور حبسِ دوام میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے یا اپنے جرم سے رجوع کر لے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اپنے معاصر علماء سے نقل کیا امام کرمانی نے اس کا حوالہ دیا یہ امام اسحاق حمیدی اور سعید بن منصور وغیرہ علماء سے بھی منقول ہے۔

میمونی فرماتے ہیں:

میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرما رہے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کو کیا سروکار؟ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں پھر فرمایا اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برائی کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا اسلام مشکوک ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس شاتم کو تعزیر کرنا واجب ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور کوڑوں کی سزا سے اس کو گستاخانہ طرزِ عمل ترک کرنے پر مجبور کر دیا جائے پھر بھی باز نہ آئے تو دائی قید میں رکھا جائے۔ امام فرماتے ہیں میرے نزدیک وہ مسلمان نہیں کیونکہ اس کا اسلام مشکوک ہے تاہم اس کو واجب القتل نہیں ٹھہرایا۔

اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں:

مَنْ شَتَمَ اَصْحَابَ النَّبِیِّ ﷺ یُعَاقَبُ وَیُحْبَسُ

جو اصحاب نبی ﷺ کو گالی دے اس کو سزا دی جائے اور قید کیا جائے۔

یہ ہمارے حنبلی علماء کا نکتۂ نظر ہے ان میں امام ابنِ ابی موسیٰ بھی شامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ سَبَّ السَّلَفَ مِنَ الرَّوَافِضِ فَلَیْسَ بِکُفُوٍ وَلَا یُزَوَّجُ وَمَنْ رَمٰی عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِمَا بَرَّأَهَا اللّٰهُ مِنْهُ فَقَدْ مَرَقَ مِنَ الدِّیْنِ وَلَمْ یَنْعَقِدْ لَهٗ نِکَاحٌ عَلٰی مُسْلِمَةٍ اِلَّا اَنْ یَّتُوْبَ وَیُظْهِرَ تَوْبَتَهٗ

جو رافضی سلف صالحین کو گالی دے وہ کفو نہیں اس کو رشتہ نہ دیا جائے اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام باندھے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے گناہ قرار دیا تو وہ دین سے نکل گیا اس کا کسی مسلمان عورت سے نکاح منعقد نہ ہو گا الّا یہ کہ علانیہ توبہ کرے

حضرت عمر بن عبدالعزیز عاصم احول اور دیگر تابعین کا یہی موقف ہے۔

حارث بن عتبہ کہتے ہیں۔

حضرت عمر بن العزیز کے حضور ایک آدمی لایا گیا۔ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی، پوچھا گالی کیوں دی؟ کہا میں ان سے نفرت رکھتا ہوں اس لیے گالی دی تو انہوں نے اس کو تیس کوڑے مارنے کا حکم دیا ابراہیم بن میسرہ کا بیان ہے میں نے نہیں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز نے کسی کو مارا ہو، سوائے ایک شخص کے جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی، انہوں نے اس کو کوڑے مارے"۔

ان دونوں روایات کو لالکائی نے نقل کیا انہی سے گستاخ کے مسئلہ میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے گستاخ کے علاوہ کسی کو قتل

نہ کیا جائے بلکہ اس کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ وہ کہتے ہیں اگر مجھے امید نہ ہوتی کہ یہ اس کے حق میں بہتر ہے تو میں ایسا نہ کرتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم احول سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں میرے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک شاتم لایا گیا میں نے اس کو دس کوڑے لگا دیئے اس نے پھر بک بک شروع کر دی میں نے دس کوڑے اور رسید کیے اس کے باوجود باز نہ آیا اور گالیاں دیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو ستر کوڑے لگا دیئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے وہ واجب القتل ہے اور جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے وہ لائق تعزیر ہے۔

عبدالملک بن حبیب کہتے ہیں۔

''غالی شیعہ میں سے جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھے۔ اس کو سخت سزا دی جائے اور جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے اس کو بھی شدید تعزیر کی جائے اور بار بار تعزیر کی جائے جو قتل تک نہ پہنچے اور موت تک قید کی سزا دی جائے البتہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

''اہانت صحابہ کے مسئلہ میں فقہاء کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ اگر اہانت کرنے والا حلال جان کر کرے تو کافر ہو جائے گا خواہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (معاذ اللہ) کافر قرار دے یا ان کے دین میں طعن کرے۔

فقہائے کوفہ کا ایک گروہ اور دیگر علماء گستاخ صحابہ کے قتل اور رافضہ کی تکفیر کے قطعی قائل ہیں۔

محمد بن یوسف فریابی سے کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گستاخ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ''وہ کافر ہے'' دریافت کیا اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ جبکہ وہ کلمہ گو بھی ہے تو فرمایا اس کو لکڑی سے دھکیل کر گڑھے میں دبا دو، اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔

احمد بن یونس کا ارشاد ہے۔

اگر ایک یہودی بکری ذبح کرے اور رافضی بھی ذبح کرے تو میں یہودی کا ذبیحہ کھا لوں گا رافضی کا ذبیحہ نہیں کھاؤں گا کیونکہ اس نے اسلام سے رشتہ توڑ لیا۔

ابوبکر بن ہانی کا ارشاد ہے۔

رافضیوں اور قدریوں کا ذبیحہ نہ کھایا جائے جیسے مرتد کا ذبیحہ کھانے کی اجازت نہیں اگرچہ کتابی غیر مسلم کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روافض مرتدین ہیں اور ذمی کافر اپنے مذہب پر رہتے ہوئے جزیہ ادا کرتے ہیں۔

فضیل بن مرزوق کہتے ہیں۔

میں نے سنا، امام حسن بن حسن ایک رافضی سے کہہ رہے تھے

''بخدا! تیرے قتل سے قرب خدا حاصل ہوگا مگر میں اس لیے ہاتھ روکتا ہوں کہ اس کا جواز بھی ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے اس رافضی نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ بہتان لگا رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں؟ فرمایا بخدا یہ

مذاق نہیں سنجیدہ بات ہے ہمارا بس چلے تو تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں۔

وَصَرَّحَ جَمَاعَاتٌ مِنْ اَصْحَابِنَا بِكُفْرِ الْخَوَارِجِ الْمُعْتَقِدِيْنَ الْبَرَاءَةَ مِنْ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ وَبِكُفْرِ الرَّافِضَةِ الْمُعْتَقِدِيْنَ بِسَبِّ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ كَفَّرُوا الصَّحَابَةَ وَفَسَّقُوْهُمْ وَسَبُّوْهُمْ

ہمارے اصحاب میں سے کئی گروہوں نے ان خوارج کی تکفیر کی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیزاری کا عقیدہ رکھتے ہیں یونہی ان روافض کو کافر قرار دیا جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتے اور ان کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں

ابوبکر رضی اللہ عنہ ''المقنع'' میں لکھتے ہیں۔

رافضی اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے تو کافر ہے اس کو رشتہ نہ دیا جائے بعض علماء کے الفاظ ہیں اور قاضی ابویعلیٰ بھی ان کی تائید کرتے ہیں کہ اگر رافضی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے کر ان کے دین وعدالت پر طعن کرے تو کافر ہو جائے گا اور اگر ایسی گالی دے جس سے دین وعدالت میں قدح نہیں ہوتی مثلاً کسی کے باپ کو گالی دے یا طیش میں لانے کے لیے برے الفاظ استعمال کرے تو کافر نہ ہوگا ابوطالب کی روایت میں ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے شخص کے بارے میں فرمایا ''اس کا فعل زندقہ ہے'' مروزی کی روایت ہے۔

''جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دے، میرے نزدیک وہ مسلمان نہیں''۔

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

رافضی کے بارے میں مطلق قول یہ ہے کہ وہ کسی صحابی کو گالی دے تو کافر ہے عبداللہ اور ابوطالب کی روایت میں ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رافضی کو قتل کرنے اور اس کو پوری حد لگانے میں توقف کرتے ہیں ان کے نزدیک وجوب تعزیر کا تقاضا ہے کہ وہ اس کے قطعی کفر کے قائل نہیں۔

قاضی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ رافضی میرے نزدیک مسلمان نہیں، اس پر محمول ہے کہ وہ گالی کو حلال جانتا ہو اس صورت میں وہ بالاتفاق کافر ہے اور سزائے قتل ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گالی کو حلال نہیں جانتا اور حرام جانتے ہوئے اس فعل کا ارتکاب کیا' جیسے دیگر گناہ کرتا ہے' امام کے مذکورہ بالا قول کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت پر طعن کرتے ہوئے گالی دے مثلاً کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ظلم کیا اور خلافت پر ناجائز قبضہ کر کے فسق کا ارتکاب کیا۔

اسی قول سے اس بات کا احتمال بھی ہے کہ سقوط سزا کے معاملہ میں ان کے قول کو اس گالی پر محمول کیا جائے جس سے دین صحابہ میں طعن نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ کہیں کہ صحابہ میں علم کی کمی تھی یا وہ سیاست وشجاعت سے آگاہ نہ تھے یا ان مین دنیا کا لالچ اور محبت تھی یا اس طرح کی دوسری صورتیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا ارشاد کو اس کے ظاہر پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے اس صورت میں گالی دینے والے گستاخ کے بارے میں دو روایتیں ہوں گی۔

1۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہے۔

2۔ دوسری یہ کہ وہ فاسق ہے۔
قاضی ابویعلیٰ وغیرہ علماء نے اسی قول پر اعتماد کیا انہوں نے تکفیرِ روافض میں دو روایتیں نقل کیں۔
قاضی فرماتے ہیں:
"جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایسا بہتان باندھے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے گناہ ٹھہرایا۔ تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ ہم اس کلام کو دو فصلوں پر مرتب کرتے ہیں۔
1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلق گالی دینا
2۔ گستاخ کے تفصیلی احکام

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کا حکم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا کتاب وسنت کی رُو سے حرام ہے۔
اس کی دلیل قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ ہے۔
وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً (حجرات:12) تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔
گستاخ کا ادنیٰ جرم یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیبت کرتا ہے۔
ایک اور ارشادِ گرامی ہے
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (ھمزۃ:1) خرابی ہے اس کے لئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے۔
ایک اور جگہ آیا

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب:۵۸)

اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ ایمان کے سردار ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں انہی سے خطاب کیا گیا اور ان سے کوئی ایسی خطا نہیں ہوئی کہ ان کو ستایا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے مطلقاً راضی ہو چکا، ارشادِ گرامی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ:100)

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

اللہ تعالیٰ ان سابقینِ اسلام یعنی مہاجرین وانصار سے راضی ہو گیا اور احسان کی قید بھی نہیں رکھی جبکہ تابعین سے راضی ہونے کی شرط احسان سے مقید کی۔
اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشادِ پاک ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ پیڑ کے

الشَّجَرَةِ (الفتح: 18) — نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے

رضا اللہ تعالیٰ کی قدیمی صفت ہے وہ اسی بندے سے راضی ہوتا ہے جس کے متعلق علم ازلی میں ہو کہ وہ موجبات رضا کو پورا کرے گا اور یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرے گا، یہ اذ یُبَایِعُوْنَكَ کے کلمات طیبات خواہ ظرف محض ہوں یا مبنی بر علت ظرف، رضا کا تعلق ان سے ہے اس کا نام بھی رضا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات مثلاً علم مشیت اور قدرت وغیرہا ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظرف جنس رضا سے متعلق ہے اور وہ مومن سے اس وقت راضی ہوتا ہے جب وہ اس کی اطاعت کرلے، اور کافر کی نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت پھر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی اور مثالیں بھی ہیں۔

یہ جمہوریت، محدثین اور علمائے متکلمین کا مذہب ہے اور یہی زیادہ ظاہر مذہب ہے اسی بناء پر دیگر مقامات میں وضاحت کی گئی ہے کہ انہی لوگوں کو آخرت میں ثواب ملے گا اور ان کی موت ایمان پر واقع ہوگی جیسا کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ (توبہ: 100) میں فرمایا۔

صحیح روایت میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

لَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرِةِ — جس نے درخت کے نیچے بیعت کی وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہ اس سے راضی ہے تو وہ قطعی جنتی ہے اگرچہ اس کی رضا ایمان اور صالح عمل کے بعد حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس رضا کو مقام مدح میں ذکر کرتا ہے اگر اس کے علم ازلی میں ہوتا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف کام کرے گا تو ہرگز اس کو جنتی ہونے کا سرٹیفکیٹ نہ دیتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

يَـٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝

(الفجر 30-27)

اے اطمینان والی روح! اپنے ربّ کی طرف لوٹ چل، تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا

ایک اور مقام پر فرمایا

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِىْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ: 177)

بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں اس نبی اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں، پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بے شک وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے

سورہ کہف کی آیت نمبر 28 میں ہے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ — اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں

وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۝ (توبہ:177)

اس کی رضا چاہتے ہیں۔

ذیل کی آیاتِ کریمہ بھی توجہ کے لائق ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(فتح:29)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ میں گرتے، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے، انکی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو اس میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں۔ بخشش اور بڑے ثواب کا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(آلِ عمران:143)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرة:143)

اور بات یوں ہی ہے ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو

یہ امت کے پہلے لوگ جن کو ان الفاظ سے خطاب کیا گیا اور بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ان کا مصداق ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(حشر:10)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے رب ہمارے، بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو جنگ کے بغیر ہی مالِ غنیمت دیہات والوں سے دلوایا اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ان پہلے خوش نصیبوں کے لیے کینہ اور حسد پیدا نہ ہو اس سے ظاہر ہوا کہ سابقین اسلام کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور دلوں کو ان کی دشمنی اور عداوت سے پاک کرنا ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اللہ تعالیٰ اس کے فاعل کی تعریف کرتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس کا حکم دیا اور فرمایا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورۃ محمد:19)

تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں، اور اے محبوب اپنے خاص اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو

نیز فرمایا

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آلِ عمران159)

تو تم انہیں معاف فرماؤ اوران کی شفاعت کرو

کسی چیز سے محبت کرنا دراصل اس کی ضد سے نفرت رکھتا ہے پس اللہ تعالیٰ ان اہلِ ایمان کو گالی دینا ناپسند کرتا ہے کیونکہ یہ استغفار کی ضد ہے۔

جبکہ ان سے دشمنی کرنا دلی محبت اور صفائی کے خلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حسبِ ذیل ارشاد کا یہی مفہوم ہے۔

ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے مغفرت کریں لیکن انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔

مجاہد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ حالانکہ یہ اس کے علم ازلی میں تھا کہ اصحابِ رسول کے مابین لڑائیاں ہوں گی (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لوگوں کے تین گروہ ہیں دو گروہ تو گزر گئے، ایک باقی ہے اس لیے تم باقی ماندہ گروہ کی بہترین حالت پر قائم ہو جاؤ۔ اس کے بعد انہوں نے سورۂ حشر کی آیت لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا یہ مہاجرین کا گروہ تھا جو سلامتی کے گھر کی طرف چل بسا پھر وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ کی تلاوت کی اور فرمایا۔

یہ انصارِ مدینہ کا گروہ ہے اور یہ لوگ بھی چل بسے اس کے بعد آیت کا یہ حصہ تلاوت کیا۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَة

اور فرمایا یہ گروہ رہ گیا ہے تم اس گروہ کے ساتھ رہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

تم ان پہلے دونوں گروہوں کے لیے بخشش کی دعا کرو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو صراحتاً کنایتاً گالی دینے کا جواز ہو، اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں، جیسے مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (توبہ:113)

نبی اور اہلِ ایمان کو سزاوار نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش چاہئیں اگر چہ وہ (انکے) رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

جس طرح گناہ کی شہرت رکھنے والے گناہ گاروں کے لیے بخشش چاہنا جائز نہیں اس لیے کہ اس کی گنجائش نہیں، اس لیے بھی

کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مشروع کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں کو اہلِ ایمان کے بغض سے پاک کر دے جبکہ زبان سے گالی دینا اس بغض وعداوت سے بڑا جرم ہے جس میں گالی نہیں دی جاتی اگر مہاجرین وانصار کے ساتھ بغض وعداوت رکھنے اور گالی گلوچ کرنے کا جواز ہوتا تو ہمارے لیے یہ دستور نہ بنایا جاتا کہ ہم ایسے امر کے ترک (یعنی دلی کینہ چھوڑنے) کی دعا کریں جس کے کرنے سے کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا۔

اس کی علت یہ بھی ہے کہ یہ ان لوگوں کا وصف ہے جو اس وقت کی بناء پر مال کے حق دار بنے جیسے ہجرت ونصرت میں سبقت لے جانے والوں کا وصف ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وصف ان مہاجرین وانصار میں مؤثر ہے اگر ان کو گالی دینے کا جواز ہوتا تو مالِ فے کے استحقاق میں ایک جائز کام چھوڑ دینا مشروط نہ ہوتا، جس طرح دیگر مباح چیزوں کا ترک شرط نہیں، بلکہ اگر ان کیلئے استغفار واجب نہ ہوتا تو استحقاقِ فے اس کی شرط نہ ہوتی کیونکہ جو چیز واجب نہ ہو وہ مشروط نہیں ہوتی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ کے لیے بخشش کی دعا کرنا اساسِ دین میں داخل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا جائز نہیں، سنت سے دلائل

بخاری ومسلم میں بحوالہ امام اعمش از ابوصالح از ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا

لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ اَحَدُکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ

میرے اصحاب کو گالی نہ دو، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک مد یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

امام مسلم کی روایت میں ہے اور اس سے امام بخاری نے بھی استشہاد کیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو گالی دی یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔

''میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالی نہ دو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک مد کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ اس کے نصف کو بھی''۔

''میرے اصحاب کو میری خاطر معاف رکھو''

اصحاب کا واحد صاحب ہے اور صاحب صحب یصحب سے اسم فاعل ہے اس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے کیونکہ عربی میں کہتے ہیں۔

صَحِبْتُہٗ سَاعَةً صَحِبْتُہٗ شَھْرًا صَحِبْتُہٗ سَنَةً

میں ایک ساعت اس کی صحبت میں رہا میں ایک ماہ اس کی صحبت میں رہا میں ایک سال کی صحبت میں رہا

قرآن میں ہے وَالصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ پہلو کا ساتھی

ایک قول ہے کہ پہلو بپہلو کے ساتھی سے مراد رفیق سفر ہے، ایک اور قول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے ظاہر ہے کہ رفیق سفر

اور بیوی کا ساتھ کبھی ایک ساعت یا اس سے کم کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے ساتھی کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا جب تک اس کا ساتھ برقرار رہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

خَیْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَاللّٰهِ خَیْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَیْرُ الْجِیْرَانِ عِنْدَاللّٰهِ خَیْرُهُمْ لِجَارِهٖ	اللہ کے ہاں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اچھا ہو اور بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایے کیساتھ اچھا ہو

اس حدیث میں رفاقت اور ساتھ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ دونوں آ گئے اسی طرح ہمسائیگی تھوڑی دیر کے لیے زیادہ دیر کیلئے وہ اس میں داخل ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء نے اسی طرح فرمایا۔

کُلُّ مَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ ﷺ سَنَةً اَوْشَهْرًا اَوْیَوْمًا اَوْرَاٰهُ مُؤْمِنًا بِهٖ فَهُوَ مِنْ اَصْحَابِهٖ لَهٗ مِنَ الصُّحْبَةِ بِقَدْرِ ذٰلِكَ	ہر شخص جس نے نبی اکرم ﷺ کے قرب میں ایک سال ایک ماہ یا ایک دن گزارا یا ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ آپ کا صحابی ہے اور اس کو بقدر صحبت صحابیت کا شرف حاصل ہوا

ایک سوال: حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اصحاب رسول کو گالی دینے سے کیوں منع کیا جبکہ وہ خود بھی صحابی تھے؟

جواب: یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اور ان جیسے دیگر سابقین اولین نبی اکرم ﷺ کی صحابیت سے مشرف تھے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ابھی حضور سے دشمنی رکھتے تھے ان سابقین اسلام نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا یہ لوگ مقام و مرتبہ میں ان صحابہ سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ایمان لا کر مال خرچ کیا اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بھلائی کا وعدہ دیا پس وہ لوگ شرف صحابیت میں منفرد تھے جس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر لوگ شریک نہ ہو سکے، اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے ان کو گالی دینے سے منع فرمایا اور جس کو نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل نہ ہوا اس کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی ہے جیسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نسبت سابقین اسلام سے ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دور کی نسبت

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ ہر اس شخص کو خطاب ہے جو شرف صحبت سے بہرہ مند نہ ہوا اور یہ ارشاد اس حدیث کی طرح ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی اَتَیْتُکُمْ فَقُلْتُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقْتَ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْلِیْ صَاحِبِیْ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْلِیْ صَاحِبِیْ	اے لوگو! میں تمہارے پاس آیا اور کہا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مگر تم نے جھٹلایا اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا تو کیا تم میرے ساتھی ابوبکر کو ستانے سے باز نہیں رہو گے۔

یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب کسی شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، اس کو شرف صحابیت بھی حاصل تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ کے مقابلے میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل تھا۔

محمد بن طلحہ مدینی سے منقول ہے کہ عبد الرحمٰن بن سالم بن عتبہ نے اپنے دادا عتبہ بن عویم سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِيْ اَصْحَابًا جَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ وَزَرَاءَ وَاَنْصَارًا وَّاَصْهَارًا فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفًا وَّعَدْلًا

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے برگزیدہ کیا اور میرے لیے ساتھیوں کا انتخاب کیا پھر ان میں میرے وزیر حمایتی اور سسرالی رشتہ دار بنائے تو جس نے ان کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے فرائض اور نوافل قبول نہ کرے گا

یہ روایت اس اسناد کے ساتھ محفوظ ہے۔

ابن ماجہ نے بھی ایک حدیث اس اسناد کے ساتھ نقل کی ابو حاتم اس کو سچی روایت قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس راوی کی روایت قابل نقل ہے البتہ روایت میں منفرد ہو تو لائق استدلال نہیں اس بحث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ راوی روایت حدیث اور اشتہار کی صلاحیت رکھتا ہے پس جب کسی اور راوی کی تائید موجود ہو تو اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔ حالت انفراد میں جائز نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مَن بَعدِيْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِي فَقد اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ

میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد طعن کا نشانہ نہ بنالینا۔ جس نے انکے ساتھ محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت رکھی اس نے دراصل مجھ سے عداوت رکھی اور جس نے ان کو ایذاء دی۔ اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کی گرفت کرے گا۔

ترمذی وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو بطریق عبیدہ ابن ابی رائط از عبد الرحمٰن بن زیاد نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ترمذی کہتے ہیں کہ (اصطلاحاً) یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ فَقَدْ سَبَّنِيْ وَمَنْ سَبَّنِيْ فَقَدْ سَبَّ اللّٰه

جس نے میرے اصحاب کو گالی دی تو اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی

اس روایت کو ابن البناء نے نقل کیا۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو میرے اصحاب کو گالی دے۔

اس کو ابو احمد زبیری نے روایت کیا اور یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ان دونوں روایتوں کو لالکائی نے روایت کیا علی بن عاصم بحوالہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا ذُكِرَ الْقَدْرُ فَامْسِكُوْا وَاِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِیْ فَامْسِكُوْا — جب تقدیر کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور جب میرے اصحاب کا تذکرہ ہو تو زبان کو قابو میں رکھو

اس کو لالکائی نے روایت کیا چونکہ اس میں وعید آئی ہے۔

اس لیے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَنْ تجتبُوْا کبائِرَ مَا تُنھو نَ عَنْہُ (النساء: 31) — تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع کیا گیا

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اس نوعیت کا جرم ہے تو اس کی کم از کم سزا التعزیز ہے کیونکہ تعزیر ہر اس جرم میں مشروع ہے جس میں حد اور کفارہ نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ ظالم ہو یا مظلوم''

ہم جانتے ہیں کہ صحابہ و تابعین اور علمائے اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعریف وتحسین کے لائق ہیں ان کے لیے مغفرت رحمت اور رضا کی دعا کی جائے اور ان کے ساتھ محبت وموالات کا عقیدہ رکھا جائے اور جو ان کی برائی کرے اس کو سزا دی جائے۔

گستاخ کے واجب القتل نہ ہونے پر استدلال

جن لوگوں کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ غیر نبی کا گستاخ واجب القتل نہیں، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ سے استدلال کرتے ہیں وہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تلخ کلامی کی، ایک روایت میں ہے۔ کہ اس نے آپ کو گالی دی اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اس کو قتل کر دیں تو آپ نے جھڑک کر فرمایا۔

خصوصی نوٹ: کل مؤرخہ 8 اکتوبر 2005ء بمطابق 3 رمضان المبارک 1426ء صبح 8 بج کر 52 منٹ پر ایک شدید زلزلہ آیا جس نے صوبہ پنجاب صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر کے بہت بڑے علاقے کو لرزا کر رکھ دیا۔

7.5 ریکٹر سکیل پر آنے والے اس زلزلے نے بڑے پیمانے پر جانی اور مالی تباہی پھیلائی۔ آمدہ اطلاعات کے مطابق آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کے ہزاروں گاؤں پیوند زمین ہو گئے ہیں۔ آزاد کشمیر کا دارالحکومت مظفر آباد، باغ، راولاکوٹ یونہی صوبہ سرحد کا شہر بالاکوٹ کھنڈر بن گیا ہے اور ہزاروں لوگ ملبے کے نیچے دفن ہو گئے ہیں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 75 ہزار سے زیادہ لوگ لقمہ اجل بن گئے ہیں جبکہ حقیقی تعداد کہیں زیادہ ہے بین الاقوامی ایجنسیوں کے مطابق 30 لاکھ سے زیادہ لوگ بے گھر ہو گئے ہیں جن کے لیے بہت بڑے ریلیف آپریشن کی ضرورت ہو گی۔ پاکستان کے لیے یہ سخت آزمائش کی گھڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔ (محمد اعجاز جنجوعہ 2005-10-9)

لَیْسَ ھُوَ اِلاَّ حَدٌ بَعْدَ النبی ﷺ نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی اور کا یہ مقام نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین ابی امیہ کو لکھا۔

اَنْ حَدَّ الْاَنْبِیَاءِ لَیْسَ یَشْبَهُ الْحُدُوْدَ ابنیائے کرام علیہم السلام کی ذوات سے متعلق حدود دیگر حدود کی طرح نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دینے والے اور عام اہلِ ایمان کو اذیت دینے والے کے درمیان فرق کیا ہے اس نے اللہ اور رسول کے ایذاء رساں کو دنیا و آخرت میں ملعون قرار دیا۔ جبکہ دوسرے کے متعلق فرمایا:

فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُبِيْنًا (النساء:112) اس نے واضح بہتان اور بڑا گناہ اپنے سر لیا

اور بہتان اور مطلق گناہ ایسے جرائم ہیں جن سے سزائے قتل واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف سزا واجب ہوتی ہے۔ اور مطلق سزا سے قتل کا جواز نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

کسی مسلمان کلمہ گو کا خون بہانا جائز نہیں سوائے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی بناء پر

1۔ یہ کہ آدمی ایمان کے بعد کفر اختیار کرے

2۔ شادی شدہ ہو کر زنا کرے

3۔ کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کا خون بہانا جائز ہے

ابنیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کی گستاخی سے کفر لازم نہیں آتا کیونکہ دورِ رسالت میں لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے مگر کسی کو اس بناء پر کافر قرار نہیں دیا گیا۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر بالتعین ایمان لانا ضروری نہیں اس لیے کسی کو گالی دینے سے لازم نہیں آتا کہ ارکان ایمان میں قدح واقع ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گستاخ کو قتل کرنے کے دلائل

جو ائمہ دین گستاخ صحابہ کی سزائے قتل یا کفر کے قائل ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹) محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے اصحاب کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا:

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ تاکہ ان اصحابِ رسول کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے

چونکہ کافروں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غصہ آتا ہے اس لیے منطقی قیاس یہ ہے کہ جس کو ان سے غصہ آئے گا وہ رسوائی اور کفر میں کافروں کے ساتھ ہوگا اور کافروں کی رسوائی اور سزا میں وہی شریک ہوتا ہے جو کافر ہے کیونکہ مومن کو کفر کی سزا نہیں دی جاسکتی نہ اس

کو ذلت ورسوائی کا حق دار سمجھا جا سکتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں حکم کو ایسے وصف کے ساتھ معلق کیا گیا جو مشتق بھی ہے اور مناسب بھی، کیونکہ کفر ایسا مرض ہے جو اس کے حامل کو غصہ دلائے پس جب کفر اس بات کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر سے متصف شخص کو اصحابِ رسول ﷺ کی شان میں اس سزا کا موجب (یعنی کفر) پایا گیا۔

امام عبداللہ بن ادریس اودی فرماتے ہیں:

ڈر یہ ہے کہ روافض (شیعہ) کفار کے مشابہ ہو چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ تاکہ کافروں کو اصحابِ رسول سے غصہ دلائے اور یہی مفہوم ہے امام احمد رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا کہ میں رافضی کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

دلیل دوم

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جس نے میرے اصحاب سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی"۔

ایک اور حدیث شریف ہے

"جس نے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس کے فرائض اور نوافل کو قبول نہ فرمائے گا"۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینا ایسا کفر ہے جس سے قتل کی سزا واجب ہو جاتی ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابیت کے شرف سے پہلے کی ایذاء اور شرفِ صحابیت کے بعد کی ایذاء نیز عام مسلمانوں کی ایذاء میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ ایک زمانہ ایسا تھا جس میں آدمی اسلام کا اظہار کرتا تھا اور امکان ہوتا تھا کہ باطن میں منافق ہو یا مرتد ہو، مگر جب اس کی موت شرفِ صحابیت پر ہوئی اور نفاق سے بھی پاک تھا تو اس کو ایذاء دینا اس ہستی کو ایذاء دینا ہے جس کی صحبت کا شرف اس کو حاصل رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِعْتَبِرُوْا النَّاسَ بِاَخْدَانِهِمْ — لوگوں کو ان کے دوست احباب پر قیاس کرو

کسی کا شعر ہے

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ — آدمی کے بارے میں نہ پوچھ بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں سوال کر کیونکہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی پیروی اور اقتداء کرتا ہے

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

گستاخانِ صحابہ رضی اللہ عنہم دراصل نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو نشانہ تنقید بنانا چاہتے تھے لیکن اس کی جرأت نہ کر سکے

تو آپ ﷺ کے اصحاب کو ہدفِ تنقید بنالیا، تاکہ یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ (معاذ اللہ) حضور برے شخص تھے۔ اگر نیک ہوتے تو آپ ﷺ کے ہم نشین اور ساتھی نیک ہوتے؟

حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حامی تھا، وہ اپنی جان اور مال سے حضور ﷺ کا دفاع کرتا تھا اور دینی غلبہ اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ رسالت ﷺ میں حضور ﷺ کی اعانت کرتا تھا اس وقت تک کارِ نبوت مستحکم نہ ہوا تھا دعوتِ حق بھی عام نہ ہوئی تھی اور نہ ہی اکثر لوگوں کے دل دینِ حق پر مطمئن ہوئے تھے ظاہر ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کی اس طرح اطاعت کرتے ہوں، پھر کوئی اس کو اذیت دے تو اس کے ساتھی ضرور اس آدمی سے ناراض ہوں گے اور اس کو اپنی اذیت خیال کریں گے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس جانب اشارہ کیا نسرین ذعلوق کہتے ہیں میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِهِمْ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِكُمْ كُلِّهٖ

حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کو گالی نہ دو، اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک کا مقام و مرتبہ تمہارے تمام اعمال سے افضل ہے۔

اس کو لالکائی نے روایت کیا، گویا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نکتۂ نگاہ ذیل کی حدیث سے اخذ کیا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے لحاظ سے) صحابی کے ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہو سکتا''۔

یہ بہت بڑا فرق ہے۔

<u>دلیلِ سوم:</u>

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اَنَّهٗ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اِلَيَّ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ (رواہ مسلم)

اس ذات کی قسم جس نے دانا پھاڑا اور روح کو پیدا کیا، بے شک نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے عہد کیا کہ تجھ سے محبت کرنے والا مومن ہوگا اور تجھ سے دشمنی کرنے والا منافق ہوگا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے عداوت نفاق کی نشانی۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں

انصار سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن، اور ان سے دشمنی نہ کرے گا مگر منافق

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے والا شخص انصار

سے دشمنی نہیں رکھ سکتا

پس جو شخص انصار کو گالی دے اور ان سے بغض وعداوت رکھے وہ لازماً منافق ہے اس کا اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے انصار کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ انہوں نے مہاجرین کی ہجرت سے مدینہ شریف کو ایمان کا مرکز بنایا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں جگہ دی، آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ ﷺ کا دفاع کیا اور اقامتِ دین کی خاطر جان ومال کی قربانی دی اور گورے کالے سے عداوت مول لی۔ مہاجرین کو پناہ دی ان کی مالی مدد کی جب وہ تعداد میں کم غریب الوطن اور نادار تھے جو شخص نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور حالات سے آگاہ ہے نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی خدمات سے آشنا ہے، نیز اللہ ورسول سے محبت کرنے والا مومن ہے تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ انصار کی قدر ومنزلت سے آگاہ ہوں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی تعداد بڑھے گی جبکہ انصار کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی۔ اور دینی اقتدار مہاجرین کے پاس ہوگا اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت میں انصار کا شریک ہوگا تو وہ حقیقت میں ان کا شریک ٹھہرے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ — اے اہلِ ایمان اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ

لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت کرنے والوں سے بغض رکھنا منافقت ہے اسی طرح کی وہ روایت ہے جو طلحہ بن مصرف نے بیان کی کہ

''بنو ہاشم سے بغض رکھنا نفاق ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھنا نفاق ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق شک رکھنے والے ایسا ہے جیسے حضور ﷺ کی سنت میں شک کرنے والا''۔

کثیر النواء بحوالہ ابراہیم بن حسن بن علی بن ابی طالب لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

يَظْهَرُ فِيْ اُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُّسَمُّوْنَ الرَّافِضَةَ يَرْفُضُوْنَ الْاِسْلَامَ — آخری زمانے میں میری امت میں ایک گروہ ظاہر ہوگا جس کا نام رافضہ ہوگا وہ اسلام کو جھٹک دیں گے

اس کو عبدالرحمٰن بن احمد نے اپنے والد کی مسند میں اسی طرح روایت کیا متعدد طرق سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

''قیامت سے پہلے ایک گروہ رافضہ کے نام سے ظاہر ہوگا وہ اسلام سے بےزار اور بےتعلق ہوگا اس حدیث کا ایک راوی کثیر النواء محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

ابویحییٰ بطریق ابوجناب کلبی از ابوسلیمان ہمدانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی! تو اور تیرا گروہ جنت میں جائے گا۔ مگر ایک گروہ جس کا نام رافضہ ہوگا اگر تیرے ہاتھ آئے تو اسے قتل کرنا، یہ لوگ مشرک ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

يَنْتَحِلُوْنَ حُبَّنَا اَهْلَ بَيْتٍ وَّ لَيْسُوْا كَذٰلِكَ وَاٰيَةُ — یہ لوگ ہم اہلِ بیت سے محبت کے مدعی ہیں حالانکہ وہ

ذٰلِكَ اَنَّهُم يَشْتُمُوْنَ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا — ایسے نہیں اس کی وجہ اور نشانی یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دیتے ہیں

اس روایت کو عبداللہ بن احمد نے بطریق محمد بن اسماعیل الاحمسی از ابو یحییٰ نقل کیا اور اس کو ابوبکر اثرم نے اپنی سنن میں بطریق معاویہ بن عمرو از فضل بن مرزوق از ابو جناب از ابو سلیمان ہمدانی روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''کیا تجھے ایسا عمل نہ بتاؤں جس کو انجام دینے سے تو جنتی بن جائے اور بے شبہ تو جنتی ہے ہمارے بعد ایک گروہ رافضہ آئے گا اگر انہیں پائے تو قتل سے دریغ نہ کرنا وہ مشرک ہیں''۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

ہمارے بعد ایک گروہ ظاہر ہوگا جو ہم سے محبت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے وہ دین سے نکل جانے والے ہیں ان کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گولیاں دیں گے''۔

ابو القاسم بغوی رضی اللہ عنہ بحوالہ ابو سلیمان ہمدانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

''آخری زمانے میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو رافضہ کے نام سے مشہور ہوگی، وہ اپنی نسبت ہماری طرف کرے گی حالانکہ ان کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا ان کی شناخت یہ ہوگی کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں گے، پس جہاں ملیں قتل کیے جائیں گے۔ وہ مشرک ہیں''۔

سوید کہتے ہیں کہ مروان بن عاویہ حماد بن کیسان سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کی بہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔

''آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جن کا ایک لقب ہوگا اور ان کو رافضہ کہا جائے گا وہ اسلام کو جھٹک دیں گے انہیں قتل کرو کیونکہ وہ مشرک ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ موقوف روایت مفہوم کے اعتبار سے اس مرفوع حدیث کی شاہد اور مؤید ہے۔

یہ مفہوم حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مرفوعاً مروی ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی سوار بن مصعب متروک ہے۔

ابن بطہ اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَلِیْ اَصْحَابِیْ فَجَعَلَهُمْ اَنْصَارِیْ وَجَعَلَهُمْ اَصْهَارِیْ وَاَنَّهُ سَجِیْءُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُّبْغِضُوْنَهُمْ اَلَا فَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ اَلَّا فَلَا تَنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ، عَلَيْهِمْ حَلَّتِ اللَّعْنَةُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے لیے میرے اصحاب کا انتخاب کیا اور ان کو میرے حمایتی بنایا اور ان کو میرے سسرال ہونے کا شرف عطا فرمایا آخری زمانے میں ایک قوم آئے گی جو ان سے بغض رکھے گی خبردار! ان کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرو نیز ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان پر لعنت اتر چکی ہے

مگر یہ حدیث محلِ نظر ہے اس سے زیادہ غریب اور ضعیف احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔

ابن النباء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میرے اصحاب کو گالی مت دو کیونکہ اس جرم کا کفارہ قتل ہے"۔

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بھی مروی ہے

ابوالاحوص از مغیرہ از شباک از ابراہیم روایت کرتے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ عبداللہ بن سودا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے تو آپ نے اس کے قتل کا ارادہ فرمایا کسی نے کہا کہ جناب! آپ ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو اہلِ بیت نبوت کی محبت کا داعی ہے فرمایا وہ میرے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہ سکتا۔

شباک کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ ابنِ سوداء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے تو آپ نے اس کو طلب فرمایا اور ساتھ ہی تلوار بھی منگوالی۔ یا راوی نے یہ کہا کہ آپ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے اس کے معاملہ میں بات کی آپ نے فرمایا وہ میرے ساتھ ایک شہر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ پس آپ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا ابوالاحوص سے اسی طرح محفوظ ہے اس کو نجاد، ابنِ بطہ اور لالکائی وغیرہ نے بھی روایت کیا اور ابراہیم کی مرسل روایات بہت عمدہ ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی شخص کے قتل کا ارادہ کیا جس کو قتل کرنا ان کے نزدیک جائز تھا اور ہوسکتا ہے کہ خوفِ فتنہ کے باعث اس کو قتل نہ کیا ہو جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقوں کے قتل سے ہاتھ روکتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کے دلوں میں اختلاف وانتشار پیدا ہو گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں ایسے فتنہ باز لوگ شامل ہو چکے تھے جن کے قبیلے ان کی حمایت کرتے تھے اگر ان سے انتقام لینے کا ارادہ کرتے تو ان کے قبیلے بھڑک اٹھتے اسی قسم کے واقعات کی بناء پر فتنہ جمل پیش آیا تھا۔

سلمہ بن کہیل سعید بن الرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے کہا اباجی! اگر آپ کسی شخص کو سنیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کفر کی گالی دے رہا ہو تو کیا آپ اس کی گردن ماردیں گے؟ فرمایا ہاں اس کو امام احمد وغیرہ محدثین نے روایت کیا۔

ابنِ عیینہ نے بطریق خلف بن حوشب از سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ روایت کیا سعید کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا اگر آپ کے پاس ایسا شخص لایا جائے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہو تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ فرمایا اس کی گردن ماردوں گا۔ میں نے کہا اگر عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہو تو؟ تو فرمایا اس کو بھی قتل کردوں گا۔

یہ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کا گورنر بنایا تھا۔ سعید کہتے ہیں عبدالرحمٰن ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بدولت بلند مقام عطا فرمایا تھا کیونکہ وہ فرائض کے عالم اور قرآن کے قاری تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان

کوخراسان کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔

قیس بن ربیع بطریق وائل، بہی سے نقل کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عمر اور مقداد کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تو عبید اللہ نے مقداد کو گالیاں دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کیس آیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس چھری لاؤ میں عبید اللہ کی زبان کاٹ دوں تاکہ کوئی شخص کسی صحابی کو گالی دینے کی جرأت نہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ کی زبان کاٹنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفارش کی۔ فرمایا مجھے اپنے بیٹے کی زبان کاٹنے دو تاکہ آئندہ کوئی شخص کسی صحابی کو گالی دینے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کو حنبل ابن بطہ لالکائی وغیرہ محدثین نے روایت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبان کاٹنے پر عمل نہ کیا شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفارش کی اور ہوسکتا ہے کہ مقداد بھی سفارش کرنے والوں میں شامل ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بدو لایا گیا، وہ انصار مدینہ کی ہجو گوئی کرتا تھا فرمایا اگر اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں اس سے نپٹ لیتا۔ اس کو ابوذر ہروی نے روایت کیا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو حکم بن حجل نے نقل کیا وہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔

''جو شخص مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے گا تو میں اسے مفتری کی سزا لگاؤں گا۔

علقمہ بن قیس بیان کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں اگر مجھے پہلے علم ہو جاتا تو میں ان کو سزا دیتا لیکن میں آگاہ کرنے سے پہلے سزا دینے کو پسند نہیں کرتا آئندہ کسی نے ایسی حرکت کی تو میں اسے مفتری کی سزا دوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں ان دونوں روایات کو عبد اللہ احمد نے نقل کیا، اس کو ابن بطہ اور لالکائی نے بروایت سوید بن غفلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طویل خطبہ کے ضمن میں روایت کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ صحیح اسناد کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف کیا تو قبیلہ عطارد کے ایک شخص نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں یہ سن کر جارود نے کہا نہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے اس عطاردی شخص کو درے سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کا پیشاب نکل گیا، پھر جارود کی طرف توجہ کر کے فرمایا دور ہو جا، بعد ازاں فرمایا۔

اَبُوبَكْرٍ كَانَ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامُ فِيْ كَذَا وَكَذَا	ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فلاں فلاں امور میں سب سے افضل تھے

جو اس کے خلاف کہے گا میں اس کو مفتری کی حد لگاؤں گا۔

خلاصۂ کلام

پس جب دونوں راشد خلیفے حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینے والوں کو مفتری

کی سزا دینے کے قائل تھے یا اس شخص پر حدِ قذف لگاتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا حالانکہ مجرد تفضیل میں گستاخی یا عیب کا پہلو موجود نہیں تو معلوم ہوا کہ گستاخی کی سزا ان کے نزدیک کہیں زیادہ ہے۔

سبِّ صحابہ میں قولِ فیصل

جو شخص گالی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے یا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی تھے۔ جبریل نے پیغام پہنچانے میں غلطی کی تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں بلکہ جو شخص اس کی تکفیر میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح جو شخص اس گمانِ فاسد میں مبتلا ہے کہ قرآن کی کچھ آیات کم کر دی گئیں یا ان کو چھپا لیا گیا ہے یا یہ خیال کرے کہ قرآن کی کچھ باطنی تاویلات ہیں جن سے شرعی اعمال ساقط ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگ قرامطہ، باطنیہ اور تناسخیہ کہلاتے ہیں ان کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی گالی دے جن سے ان کی عدالت اور ان کے دین میں قدح واقع نہ ہو مثلاً وہ بعض صحابہ کو کنجوسی، بزدلی، کم علمی یا دنیاداری سے متصف کرے تو ایسا شخص تادیب وتعزیر کے لائق ہے مگر صرف اس وجہ سے ہم اس کو کافر قرار نہ دیں گے اور جن اہلِ علم نے ان کی تکفیر نہیں کی ان کے کلام کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت کرے اور ان کو برا بھلا کہے تو یہ شخص محلِ خلاف ہے کیونکہ اس کا معاملہ غصے کی لعنت اور اعتقاد کی لعنت میں متردد ہو گیا۔

اور جو شخص اس سے تجاوز کر کے یہ گمان کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتد ہو گئے سوائے چند افراد کے جن کی تعداد دس سے کچھ زائد ہے یا یہ دعویٰ کرے کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) فاسق ہو گئے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں شک نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کے کئی مقامات کی واضح نصوص کی تکذیب کرتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہونے کا اعلان کیا اور ان کی تعریف وتحسین کی تو جو شخص اس کے کفر میں شک کرے اس کا اپنا کفر متعین اور ثابت ہے اس دعویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقلین کافر یا فاسق تھے حالانکہ قرآنِ حکیم میں فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین امت ہو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔

ان بدبختوں کے نزدیک قرنِ اول کے یہ لوگ کافر اور فاسق تھے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ بدترین تھے اور اس امت کے اولین لوگ شریر تھے ایسے شخص کا کفر دینِ اسلام کے بدیہی اصولوں سے معلوم ومعروف ہے، تم دیکھو گے کہ جن لوگوں سے ایسے اقوال صادر ہوتے ہیں وہ زندیق ہیں اور زنادقہ اکثر اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں مگر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ مثالیں ظاہر ہو چکی ہیں اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ ان کے چہرے دنیا اور آخرت میں خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیئے جائیں اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے ایک حافظ صالح ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مقدسی ہیں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی سے ممانعت اور اس میں گناہ وسزا پر ایک کتاب لکھی ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ گستاخانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک قسم ایسی ہے جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں اور بعض ایسے ہیں جن پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بعض دشنام دہندوں کے بارے میں تردد ہے مگر یہ تفصیل اور استقصاء کا موقع نہیں ہم نے یہ مسائل اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ ان سے زیرِ بحث مسئلہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہ ہے وہ کلام جو اس باب میں میسر ہو سکا اور جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسان کیا اور وقت اس کا تقاضا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا کیلئے خالص بنائے اور اس سے نفع پہنچائے اور ہمیں ایسے اقوال و افعال کی توفیق دے جن میں اس کی رضا ہو۔

والْحَمْدُ للہ ربِّ الْعالَمِیْنَ وصلی اللہ علیہ سیدنا مُحَمَّدٌ
وَآلِہٖ وصَحْبِہٖ وسَلَّمْ تَسْلِیمًا کثیراً کَثِیْرًا

☆☆☆☆☆☆

اختتامی کلمات

الحمد اللہ کتاب ''الصادم المسلول'' کا اردو ترجمہ پایہ تکمیل کو پہنچا راقم الحروف کے خیال میں اس کی شدید ضرورت تھی کیونکہ اس زمانے میں جرم اہانتِ رسول ﷺ کا مسئلہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر موضوع سخن بنا ہوا ہے بالخصوص مغرب زدہ طبقہ اس جرم کی سنگینی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس پر کافی لے دے کر رہا ہے اور اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے اس کی سزا میں ترامیم کو خواہاں ہے۔

پیش نظر کتاب اس موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جس نے نقلی اور عقلی دلائل کے ذریعے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور کوئی گوشہ پردہ خفا میں نہیں چھوڑا۔ اس میں کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ قرون ثلاثہ مشہود بالخیر کی علمی شخصیات اور مختلف فقہی مذاہب کے مجتہدین کے اقوال آراء کو پوری دیانت داری سے نقل کیا گیا ہے اور روز روشن کی طرح ثابت کیا گیا ہے کہ جرم اہانتِ رسول ﷺ کا مرتکب واجب القتل ہے۔

اس کتاب کے مصنف حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ محتاج تعارف نہیں ان کی شخصیت ایک طرف تعلیمات اسلامیہ پر گہری نظر اور وسعت اطلاع کی وجہ سے دینی علمی حلقوں میں بہت شہرت رکھتی ہے اور دوسری طرف بعض شرعی مسائل میں جمہور امت سے اختلاف اور منفرد نکتۂ نگاہ کے باعث متنازعہ بھی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے معاصرین نے ان کے تفردات کا علمی محاسبہ کیا ہے لیکن ان کی علمیت کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کی بعض شہکار علمی یادگاروں پر ان کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی فکر سے وابستہ حضرات کی زبان وقلم سے بارگاہِ رسالت میں بے ادبی اور تنقیص نے افتراق وانشقاق اور انتشار واضطراب کی جو کیفیت پیدا کردی ہے اس کا سدِ باب کیا جاسکے اور بارگاہِ رسالت کی نزاکتوں اور لطافتوں سے آگاہ کر کے اس کی حرمتوں کی شدید پاسداری کا پابند بنایا جاسکے کیونکہ الیجا مترجم اپنی علمی بے مائیگی اور ہیچ مدانی کے باوجود اس عظیم کتاب کے ترجمہ سے شرف یاب ہو رہا ہے۔ اور توقع رکھتا ہے کہ غیر شعوری کوتاہی کے ازالہ کے لیے نشاندہی اور خیر خواہی کا اظہار کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی برتر بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر اس عاجز کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

محمد اعجاز جنجوعہ

ادب گہ ایست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

THE END

Remember in prayers